عروس البلاد میں سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کی مذہبی سرگرمیوں کی اولین تاریخی دستاویز

ممبئی عظمیٰ کی مختصر تاریخ

تحقیق و تصنیف

توفیق احسن برکاتی

پیش کش

ادارۂ معارفِ اسلامی

۱۳۲، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳

ناشر

مکتبۂ طیبہ

۱۲۶، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳

عروس البلاد میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی مذہبی سرگرمیوں کی اولین تاریخی دستاویز

ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ

تحقیق و تصنیف
توفیق احسنؔ برکاتی

ناشر
ادارہ معارف اسلامی، ممبئ۔۳

نام کتاب	:	ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ
تصنیف	:	توفیق احسؔن برکاتی، ممبئ
کمپوزنگ	:	مولانا ارشاد نجمی واحسؔن برکاتی
اشاعت	:	دسمبر ۲۰۱۵ء، بموقع عالمی سنی اجتماع
صفحات	:	۴۶۴ (چارسو چونسٹھ)
ناشر	:	ادارہ معارف اسلامی، ممبئ۔۳
تقسیم کار	:	مکتبہ طیبہ، ۱۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ، ممبئ۔۳
قیمت	:	

Book Name	:	Mumbai Uzma Ki Mukhtasar Tareekh
Compiled by	:	Taufiq Ahsan Barkati
Pages	:	464
Publishing year	:	December,2015
Published by	:	Idara Maarife Islami.Mumbai.3
Price	:	Rs.

ملنے کے پتے:

- **نیو سلور بک ایجنسی**: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئ۔۳۔**09323406784**
- **ناز بک ڈپو**: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئ۔۳۔**09322255763**
- **اقرا بک ڈپو**: ۳۰بی، نور منزل، محمد علی روڈ، ممبئ۔۳۔**08080270400**

قطب کوکن فقیہ مخدوم علی مہائمی

کے

نام

مشمولات

● پس نوشت — توفیق احسن برکاتی ۱۱

باب اول (۱)- ممبئ: منظر، پس منظر

● مہاراشٹر کا جغرافیہ اور محل وقوع ۱۴

● شہر ممبئ، از ابتدا تا حال ۱۵

باب دوم (۱)- ہندستان میں اسلام کا دور اول

● غزوۂ ہند ۲۳

● ہندستان میں اسلام کی آمد ۲۶

● ہندستان میں مسلمانوں کی قدیم آبادی ۳۳

باب سوم (۳)- فقیہ مخدوم علی مہائمی اور ان کا عہد

● فقیہ مخدوم علی مہائمی، احوال و آثار ۳۹

● عہد مہائمی کے سیاسی و مذہبی حالات ۵۸

باب چہارم (۴)- ممبئ کے مذہبی حالات

● ممبئ پر مسلمانوں کا دور حکومت اور مذہبی احوال ۶۹

● امام احمد رضا کا سفر ممبئ ۷۴

● آل انڈیا سنی کانفرنس کی رکنیت ۹۰

● ۱۹۴۷ء کے بعد ممبئ کے دینی حالات ۹۱

● مفتی محبوب علی رضوی کی ممبئ آمد ۹۴

باب پنجم (۵)- ممبئ کے مشہور بزرگان دین

● حضرت حاجی علی شاہ بخاری سہروردی ۱۰۶

● حضرت شیخ مصری قدس سرہ ۱۱۰

● حضرت بابا حاجی عبد الرحمٰن شاہ قادری ۱۱۱

● حضرت بسم اللہ شاہ قادری ۱۱۲

● حضرت سید عبداللہ شاہ قادری ۱۱۲
● حضرت سید مقبول شاہ قادری ۱۱۳
● حضرت بابا بہاء الدین شاہ قادری ۱۱۴
● حضرت سید عاشق شاہ بخاری ۱۱۵
● حضرت سید بدرالدین شاہ رفاعی ۱۱۷
● حضرت سید عبداللہ و سید مظفر شاہ قادری ۱۱۷
باب ششم (٦)۔ ممبئی کے سرکردہ علما و مشائخ
● علامہ شاہ فضل رسول بدایونی ۱۱۹
● مولانا سید محمد ابراہیم باعکظہ ۱۳۰
● قاضی سید عبدالفتاح گلشن آبادی ۱۳۵
● مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی ۱۴۶
● مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی ۱۵۲
● مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ۱۵٦
● شیر بیشۂ سنت علامہ حشمت علی لکھنوی ۱٦۸
● سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی ۱۸۱
● سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی ۲۱۱
● مفتی محبوب علی رضوی لکھنوی ۲۲۱
● سید حامد اشرف کچھوچھوی ۲۲۱
● علامہ مشتاق احمد نظامی ۲۲۱
● سید انوار اشرف مثنیٰ میاں ۲۲۱
● سید حسنین میاں نظمی مارہروی ۲۲٦
● مولانا عبدالقادر کھتری ۲۳۱
● مولانا غلام ربانی فائق ۲۳۳

- مولانا عبدالرحیم ساحلؔ مصباحی ۲۳۸
- مفتی شعبان علی نعیمی حباؔبی ۲۳۹
- مولانا منصور علی رضوی ۲۴۷

باب ہفتم (۷)-عروس البلاد کی سنی تنظیمیں

- آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ ۲۴۵
- انجمن تبلیغ صداقت ۲۵۸
- بزم قادری رضوی ۲۵۹
- آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ۲۶۰
- آل انڈیا جمعیۃ الاشرف ۲۶۴
- آل انڈیا تبلیغ سیرت ۲۶۴
- آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت ۲۷۴
- رضا اکیڈمی، ممبئ ۲۸۰
- دعوت اسلامی، ممبئ ۲۸۰
- سنی دعوت اسلامی، ممبئ ۲۸۰

باب ہشتم (۸)-عروس البلاد کے مدارس اہل سنت

- سنی دار العلوم محمدیہ، ممبئ ۲۸۹
- دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا ۲۹۶
- دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا ۲۹۸
- دار العلوم اہل سنت برکاتیہ، جوگیشوری ۲۹۹
- دار العلوم گلشن مدینہ، جوگیشوری ۳۰۱
- دار العلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ ۳۰۱
- دار العلوم محمدیہ نعیم الاسلام، گوونڈی ۳۰۲
- دار العلوم اشرفیہ غریب نواز، ممبرا ۳۰۳

● دارالعلوم اہل سنت غریب نواز، ملاڈ	۳۰۵
● دارالعلوم صابریہ، ملاڈ	۳۰۶
● جامعۃ الفقیہات، ملاڈ	۳۰۷
● مدرسہ رحمانیہ صادقیہ، ممبئ	۳۰۹
● مدرسہ اصلاح المسلمین، کلیان	۳۰۹
● دارالعلوم حبیب الرضا، باندرہ	۳۱۰
● دارالعلوم مخدومیہ، جوگیشوری	۳۱۱
● جامعۃ العرفان، گوونڈی	۳۱۲
● جامعہ قادریہ اشرفیہ، دوٹانکی	۳۱۳
● جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئ	۳۱۴
● جامعہ کنیزان فاطمہ، ممبرا	۳۱۶
● دارالعلوم انوار مدینہ، ملاڈ	۳۱۷
● الجامعۃ الرضویہ، کلیان	۳۱۸
● جامعہ قادریہ کنزالایمان، اندھیری	۳۲۰
● دارالعلوم فیضان کنزالایمان، ممبئ	۳۲۰
● دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، ممبئ	۳۲۳
● دارالعلوم علی حسن اہل سنت، ساکی ناکہ	۳۲۴
● انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ، میرارروڈ	۳۲۷
● دارالعلوم فقیہ مخدوم علی مہائمی، ماہم	۳۲۹
● برکاتی اسلامک سینٹر، ممبئ	۳۳۰
باب نہم (۹)- ممبئ عظمیٰ میں سنی صحافت	
● ممبئ میں مسلمانوں کے قدیم مطابع	۳۳۲
● ممبئ کے ابتدائی اخبارات	۳۳۴

● صحافت اور ادب ۳۳۴
● برصغیر کی مطبوعہ صحافت کا عہد اولین ۳۳۷
● ۱۹۴۷ء کے بعد ممبئ میں سنی صحافت ۳۴۳
● ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ، ممبئ ۳۴۷
● ہفت روزہ انصاف، ممبئ ۳۴۷
● ہفت روزہ طوفان، ممبئ ۳۴۷
● ہفت روزہ طوفان جدید، ممبئ ۳۴۹
● ہفت روزہ غیبی گولا، ممبئ ۳۴۹
● ہفت روزہ تاجدار، ممبئ ۳۵۰
● ماہ نامہ المیزان، ممبئ ۳۵۳
● ہفت روزہ رفاعی ٹائمز، ممبئ ۳۵۶
● دی انڈین مسلم ٹائمز، ممبئ ۳۵۶
● سہ ماہی افکار رضا، ممبئ ۳۵۹
● سال نامہ یادگار رضا، ممبئ ۳۶۳
● سہ ماہی پیغام رضا، ممبئ ۳۶۵
● ہفت روزہ قومی جسارت، ممبئ ۳۶۹
● ہفت روزہ سیرت، ممبئ ۳۷۰
● انٹرنیشنل دربان اعلیٰ حضرت، ممبئ ۳۷۲
● ماہنامہ سیارگان، ممبئ ۳۷۳
● ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ ۳۷۵
● مفتی اعظم میگزین، ممبئ ۳۷۸
● ماہ نامہ ضیائے صابر، ملاڈ، ممبئ ۳۷۹
● سہ ماہی لطافت، کلیان ۳۸۱

● سہ ماہی المختار، کلیان ۳۸۱
● ماہ نامہ صدر الافاضل جدید ۳۸۲
● سہ ماہی مسلک، ممبئ ۳۸۴
● سال نامہ تحفظ اسلام نمبر، ممبئ ۳۸۵
● سال نامہ فکر ملت، میرا روڈ ۳۸۷
● سال نامہ اہل سنت، میرا روڈ ۳۸۸
● سال نامہ جہان ادب، ممبئ ۳۹۰
● سال نامہ سراج رضا، ممبئ ۳۹۱
● ماہ نامہ ڈوائن پاتھ، ممبئ ۳۹۲
● پندرہ روزہ میمن ٹائمز، ممبئ ۳۹۳
● ہفت روزہ احمد مختار، ممبرا ۳۹۴
● سہ ماہی ڈوائن وژن، ممبئ ۳۹۵
باب دہم (۱۰)۔ ممبئ کے سنی نشریاتی ادارے (۱۹۴۷ء کے بعد)
● سلطانی پریس، ممبئ ۳۹۸
● ناز بک ڈپو، ممبئ ۳۹۹
● کتب خانہ اہل سنت، ممبئ ۳۹۹
● نیو سلور بک ایجنسی، ممبئ ۴۰۲
● مکتبہ غوثیہ، ممبئ ۴۰۳
● مخدوم علی مہائمی میموریل، ماہم ۴۰۳
● رضا اکیڈمی، ممبئ ۴۰۴
● انجمن برکات رضا، ممبئ ۴۱۵
● بزم فیضان رضا، کرلا، ممبئ ۴۱۹
● دار القضاء ادارۂ شرعیہ، ممبئ ۴۲۱

● بزم قاسمی برکاتی، ممبئ ۴۲۴
● بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئ ۴۲۴
● المجید اکیڈمی، اندھیری، ممبئ ۴۲۵
● مکتبۃ المدینہ، ممبئ ۴۲۶
● ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ممبئ ۴۲۸
● تحریک فکر رضا، ممبئ ۴۲۹
● مکتبہ طیبہ، ممبئ ۴۳۲
● غوث الوریٰ اکیڈمی، کلیان ۴۳۳
● بزم فیضان سبحانیہ، نئ ممبئ ۴۳۵
● ادارہ افکار صدر الافاضل، ممبئ ۴۳۸
● غازی کتاب گھر، شاخ ممبئ ۴۴۰
● برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ ۴۴۱
● اسلامک اورینس سوسائٹی، کرلا ۴۴۴
● امام شافعی فاؤنڈیشن، چمبور ۴۴۵
● رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نئ ممبئ ۴۴۶
● ادارہ معارف اسلامی، ممبئ ۴۴۸
● انڈین اسلامک مشن، ممبئ ۴۴۹
● اسلاف پبلشر، کلیان ۴۴۹
● بدر ملت اکیڈمی، گھاٹ کوپر ۴۴۹
● مخدوم بہار اکیڈمی، دھاراوی ۴۴۹
● مخدوم جہاں اکیڈمی، گھاٹ کوپر ۴۵۰
● ادارہ نشان اختر، ممبئ ۴۵۰
● دار الافتاء امجدی رضوی، ممبئ ۴۵۲

پس نوشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد !

تاریخ نگاری وتذکرہ نویسی کس قدر مشکل فن ہے اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس راہ پرخار سے گزر چکا ہو۔ تاریخ وتذکرہ یہ دونوں تحقیق کی ذیلی شاخیں ہیں، عہد بہ عہد واقعات کو پوری دیانت داری کے ساتھ ریکارڈ کرنے کا نام تاریخ ہے، نہ ہر واقعہ تاریخ بن سکتا ہے، نہ ہر سچائی ریکارڈ کی جاسکتی ہے۔ تذکرے میں بھی یہی ہوتا ہے، البتہ اہم اہم گوشے بھی اگر نہ بیان کیے جائیں یا دانستہ سب کچھ چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی قرین انصاف نہیں ہے۔

''ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ'' راقم الحروف کی تازہ ترین تحقیق ہے اور اپنے موضوع پر حرف اول کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ موضوع نہ کسی منصوبہ بند پروجیکٹ کا حصہ ہے اور نہ ہی فیلوشپ کے تحت تحریر کیا گیا ہے، بلکہ محض ایک اہم ضرورت کے شدید احساس اور ذاتی دل چسپی کا نتیجہ ہے۔ وہ ایک حادثہ تھا، جس کی وجہ سے اتنا اہم موضوع ذہن میں اجاگر ہوگیا۔ راقم نے چند ابواب کے تحت اس موضوع کی سترہ قسطیں لکھ ڈالیں اور ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ (جولائی ۲۰۱۲ء تا دسمبر ۲۰۱۳ء) میں شائع ہوئیں، قارئین نے اس موضوع کو کافی پسند کیا اور احباب نے سراہنا کی۔ بعد میں جب اسے کتابی شکل میں مرتب کرنا ہوا تو نئے سرے سے ابواب بندی ہوئی اور ان کے تحت مواد کی تلاش شروع ہوئی، یہ شغل تین برسوں سے جاری تھا، اب تشنہ ہی سہی ان سب کو دس ابواب میں تقسیم کرکے پیش کیا جارہا ہے۔ نئ ممبئ میں امامت وخطابت، ممبئ میں تدریس اور میگزین کی ادارت کے بعد جو وقت ملتا رہا، اس میں یہ کام ہوتا رہا۔ لائبریریوں میں جانا، ممبئ کے بزرگ علما وائمہ سے ملاقات ومکالمہ، خانقاہوں اور مدارس کے ذمہ داران سے رابطہ کرکے معلومات کا نوٹس تیار کرنا ایک دشوار گزار کام تھا، کہیں ہمت افزائی تو کہیں حوصلہ شکنی، اور تلخیوں

بھری باتیں، سب کچھ سہتا رہا اور جمع کرتا رہا، اب یہ کل جمع پونجی قارئین کے حوالے کررہا ہوں۔

آپ کو اس کتاب میں اسلوب نگارش کا کئی رنگ دیکھنے کو ملے گا، تاریخی بھی، تحقیقی بھی، تنقیدی اور تجزیاتی بھی، البتہ مبالغہ آمیزی سے حتی الامکان گریز کی کیفیت ضرور موجود ہے، جسے ہدف تنقید نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ ممبئ کی مکمل تاریخ بھی نہیں ہے بلکہ یہ دس ابواب مکمل تاریخ کا ایک حصہ کہے جاسکتے ہیں، اس لیے ہم نے اسے ''ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ'' کا نام دیا ہے، نہ مکمل ہے، اور نہ ہی اس کا دعویٰ ہے۔ یہ کتاب عروس البلاد میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی دینی وملی سرگرمیوں کی تاریخی روداد ہے، لہٰذا تبصرہ نگار حضرات محتاط ہوکر اس کا تجزیہ کریں۔

اب دسوں ابواب کا تعارف بھی ملاحظہ کرلیں:

باب اول میں صوبہ مہاراشٹر کے حدود اربعہ اور اس کا جغرافیہ پیش کیا گیا ہے اور شہر ممبئ کے قدیم وجدید رنگ کو نمایاں کیا گیا ہے۔

باب دوم میں ہندستان میں اسلام کے دور اول کو موضوع بنایا گیا ہے، اور چوں کہ اس کا تعلق قدیم تھانہ، کلیان اور ممبئ سے جڑا ہوا ہے اس لیے یہ باب بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

باب سوم میں قطب کوکن فقیہ مخدوم علی مہائمی کے احوال وآثار، دینی وعلمی خدمات اور اس عہد کے مذہبی وسیاسی حالات کو قلم بند کیا گیا ہے۔

باب چہارم میں شہر ممبئ کے مسلم دور حکومت اور مذہبی احوال کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں ممبئ شہر میں آرام فرما اولیاے کرام وبزرگان دین کا تذکرہ ہے جو مواد کی عدم فراہمی کی وجہ سے تشنہ تشنہ سا ہے اور کئی بافیض اولیا کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ ویسے اولیاے ممبئ پر ایک مستقل کتاب کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے، اے کاش! کوئی قلم کار اس جانب توجہ دے اور یہ تاریخ اس کے نام سے منسوب ہوجائے۔ کلیان کے اولیا پر مفتی عصمت بوبیرے اور تھانہ کے اولیا پر محترم انیس مجاور کام کررہے ہیں، اسی طرح کا کام ''اولیاے ممبئ'' پر بھی ہونا چاہیے۔

باب ششم میں عروس البلاد کے وفات یافتہ علمائے اہل سنت اور سرکردہ مشائخ کے احوال پیش کیے گئے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کا مستقل قیام تو اس شہر میں نہیں رہتا تھا لیکن ان کی قربانیوں کا گہرا نقش اس شہر نے قبول کیا ہے، اور متقدمین ومتاخرین میں چند علما چھوٹ بھی

گئے ہیں، مثلاً حمیدیہ مسجد کے امام مولانا سعداللہ مکی، کھڑک مسجد کے امام مفتی ابراہیم بدایونی، مولانا حامد فقیہ، مولانا محمد حنیف مبارکپوری، قاری دانش مینارہ مسجد، مولانا خلیل پٹھان، مولانا فیض احمد فیض، شیخ مصری درگاہ، اور مولانا عبدالقیوم، وکرولی وغیرہم۔ ان حضرات پر مواد کی تحقیق جاری ہے، ان شاءاللہ بہت جلد اس کی تکمیل کی کوشش ہوگی۔

باب ہفتم میں ممبئ کی سنی تحریکات کی تاریخ اور ان کی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

باب ہشتم میں موجودہ مدارس اہل سنت کے احوال درج کیے گئے ہیں۔

باب نہم میں سنی صحافت کو موضوع بنایا گیا ہے، قدیم وجدید اخباری ومجلّاتی صحافت پر گفتگو کی گئی ہے، مسلمانوں کے قدیم مطابع کا بھی ذکر ہے، اور بھی بہت کچھ ہے۔

باب دہم میں سنی طباعتی ونشریاتی اداروں کا تعارف اور ان کی مطبوعات کا ذکر ہے۔

سب سے اخیر میں ''کتابیات'' کے تحت ان کتب ورسائل وجرائد کی تفصیل دی گئی ہے، جن سے اس کتاب کی تصنیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔

اخیر میں ہم اپنے ان احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے مواد کی فراہمی میں دل چسپی دکھائی اور علمی وقلمی تعاون کیا۔ بہ طور خاص امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری دام ظلہ کی جناب میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں جن کی نوازش وتوجہِ خاص سے یہ کتاب ادارہ معارف اسلامی، ممبئ سے طبع ہوکر منظر عام پر آرہی ہے۔

مخلص قارئین! یاد رکھیں کہ ہم نے اس کتاب کو تحقیق وتصحیح کے کڑے مرحلے سے گزارا ہے، پھر بھی بہ تقاضائے بشری کوئی خامی رہ گئی ہو یا کوئی بات خلاف واقعہ بیان ہوگئی ہو تو تنقید ومخالفت کا بازار گرم کرنے سے پہلے ہمیں اپنی اصلاح کا موقع ضرور دیں، ہم بہ طیب خاطر آپ کی مناسب اصلاح قبول کریں گے۔ اللہ عزوجل ہمیں دارین کی سعادتیں عطا فرمائے، آمین!!

توفیق احسنؔ برکاتی

(۱۷/نومبر ۲۰۱۵ء، سہ شنبہ)

باب اول: ممبئ: منظر، پس منظر

مہاراشٹر کا جغرافیہ اور محل وقوع:

صوبہ مہاراشٹر جزیرۂ نمائے ہند کی تاریخی سرزمین دکن کا ایک حصہ ہے، کوکن کے جغرافیہ کے مطابق دکن یا دکھن اس ملک کا نام ہے جو دریائے نربدا اور دریائے مہاندی کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کے پانچ بڑے حصے ہیں (۱) دراویڈ (۲) کرناٹک (۳) تلنگانہ (۴) گونڈوانہ (۵) اور مہاراشٹر۔ موجودہ مہاراشٹر کا کل رقبہ 307690 مربع کلومیٹر ہے، اس کی قسمت میں جانب مغرب بحیرۂ عرب کا 720 کلومیٹر کا ساحلی علاقہ آتا ہے، ریاست کے جنوب میں گوا، کرناٹک اور آندھراپردیش ہیں، شمال میں مدھیہ پردیش اور گجرات ہیں، مشرق میں چھتیس گڑھ ہے۔ مہاراشٹر قدرتی طور پر چار حصوں میں منقسم ہے:

(۱) کوکن پٹی:

کوکن پٹی کے مشرق میں سیہادری پربت اور مغرب میں بحیرۂ عرب ہے۔

(۲) سیہادری کوہستانی سلسلہ:

اس کوہستانی سلسلے کو مغربی گھاٹ بھی کہتے ہیں۔ سیہادری کی سب سے بلند چوٹی ''کلسو بائی'' ہے۔ یہی چوٹی مہاراشٹر کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ بال گھاٹ، مہادیو، اجنٹہ، یہ تمام پہاڑی سلسلہ سیہادری کا ہی حصہ ہے۔

(۳) سطح مرتفعی علاقے:

اس علاقے کو دکن کی سطح مرتفع بھی کہتے ہیں۔ خاندیش، مراٹھواڑہ اور مشرقی مہاراشٹر کے کچھ اضلاع اس میں شامل ہیں۔

(۴) ست پڑا پہاڑی سلسلہ:

اس پہاڑی سلسلے کو شمالی مہاراشٹر میں امراوتی ضلع میں گاول گڑھ، چکھل درا، اور نندوربار

ضلع میں ''تورن ماڑ'' کہا جاتا ہے۔اس پہاڑی سلسلے کے جنوب میں تاپی ندی اوراس سے نکلنے والی کئی ندیاں ہیں،اس علاقے میں امراؤتی ،اکولہ، واشم ، بلڈانہ،جل گاؤں اوردھولیہ واقع ہیں ۔یہ تھامہاراشٹر کا جغرافیہ اوراس کامحل وقوع۔

آج کے مہاراشٹر میں ۳۵ راضلاع اور۳۵۴ رتعلقے ہیں،سرکاری کام کاج مراٹھی زبان میں ہوتا ہے،مہاراشٹر کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) تھانے کا علاقہ (کوکن)۔(۲) ناسک کا علاقہ (خاندیش)۔(۳) پونے کا علاقہ ۔ (۴) اورنگ آباد کا علاقہ (مراٹھواڑہ)۔(۵) امراؤتی کا علاقہ (ودربھ)۔(۶) ناگ پور کا علاقہ (ودربھ)۔

علاقہ کوکن میں ''ممبئ،تھانے ،رائے گڑھ،رتنا گیری،سندھ دُرگ،ممبئ (اُپ نگر) جیسے اضلاع ہیں ۔خاندیش میں ''ناسک ، احمد نگر، دھولیہ،جل گاؤں ،نندوربار'' آتے ہیں ۔علاقۂ پونے میں ''پونہ،ستارا،سانگلی ،کولہا پور،شولا پور'' کا نام آتا ہے۔مراٹھواڑہ میں ''اورنگ آباد، جالنہ،بیڑ ، ناندیڑ، پربھنی ،عثمان آباد، لاتور،ہنگولی'' شامل ہیں۔ودربھ میں ''امراوتی ، بلڈانہ، اکولہ، واشم ،ایوت محل'' گنے جاتے ہیں ۔جب کہ دوسرے ودربھ میں ''ناگ پور، وردھا، بھنڈارا،چندر پور،گڑھ چرولی،گوندیا'' جیسے اضلاع شامل ہیں۔

ممبئ:ازابتداتاحال:

شہرممبئ کا شمارعلاقہ کوکن میں ہوتا ہے،عروس البلاد ممبئ ہندوستان کا صنعتی وتجارتی دارالخلافہ مانا جاتا ہے، ہندوستان کے جنوب مغرب میں بحر عرب کے ساحل پرآباد ممبئ شہر ریاست مہاراشٹر کی راجدھانی ہے، یہ ملک ہندوستان کی اہم ترین قدرتی بندرگاہ بھی ہےاورمعاشی وصنعتی راجدھانی بھی۔مولوی نذیراحمد نے ممبئ کی شان وعظمت کوایک انوکھی نگاہ سے دیکھا ہے:

خوشا بمبئ تجھ پہ پیروں کا سایہ
تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا

پروفیسرمیمونہ دلوی کے الفاظ میں:

''ہندوستان کا مغربی ساحلی علاقہ زمانہ قدیم ہی سے مختلف قوموں اورتہذیبوں کا مرکز رہا

ہے، بابل، مصر جیسے دور دراز ملکوں سے اس علاقے کے تجارتی تعلقات قائم تھے، زمانۂ قدیم میں اس مغربی ساحلی علاقے پر تین مختلف سمتوں سے حملہ آور آتے رہے، شمال (گجرات)، مشرق (دکن اور تلنگانہ) اور جنوب (کرناٹک) سے کئی حکمراں خاندان نے یہاں آکر اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں، بمبئی کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لیا، اپنے سیاسی وتہذیبی نقوش چھوڑے۔ اس سیاسی اہمیت کی وجہ سے اس ساحلی علاقے میں کئی مشہور بندرگاہیں بن گئیں اور اپنی ترقی کی معراج کو پہنچ کو ختم ہوگئیں۔ ان قدیم بندرگاہوں میں سوپارہ، بسین، تھانہ، کلیان، ماہم چیئول اور جنجیرہ کے نام تاریخ میں یادگار پائے جاتے ہیں۔ آج ان تمام بندرگاہوں کی اہمیت ختم ہوگئی ہے اور شہر بمبئی نے ان کی جگہ لے لی ہے۔'' (پروفیسر میمونہ دلوی، بمبئی میں اردو، مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء، ص: ۱۷)

عہد قدیم میں شہر ممبئی سات جدا جدا جزیروں پر مشتمل تھا۔ یعنی (۱) قلابہ (۲) بمبئی (۳) مجگاؤں (۴) پریل (۵) ورلی (۶) سائن (۷) ماہم۔

یہ جزیرے اٹھارہویں صدی عیسوی تک اپنی اصل صورت میں موجود تھے۔ ۱۸۴۳ء میں جزائر ممبئی کا جو نقشہ مسٹر مرفی نے مرتب کیا تھا، اس میں ''کرلا، قلعہ ریوا، قلعہ سائن، باندرہ، شیخ مصری، قلعہ ماہم، ماٹونگا، وڈالہ، قلعہ ورلی، قلعہ شیوڑی، پربھادیوی، پریل، نانک بندر، بائیکلہ، ماما حجانی، مہالکشمی، ڈونگری، گرگام، ملبارہل، فورٹ جارج، فورٹ، والکیشور'' جیسے نام وعلاقے شامل تھے۔ جزیرۂ ماہم کا تعارف مصنفہ درج ذیل انداز میں کراتی ہیں:

''اس جزیرے میں کالیکا دیوی کا مندر تھا، جزیرے کے شمالی حصے میں راجہ بمب کا آباد کردہ مہاکوتی نامی ایک شہر تھا، جہاں پر پربھادیوی کا ایک شاندار مندر تھا، تیرہویں صدی عیسوی میں یہ جزیرہ پال شنکر برہمن پربھو، بھنڈاری، واڈول اور دوسری قوموں سے آباد تھا۔ ان لوگوں نے اس ویران جزیرے کو ایک شاندار شہر میں تبدیل کردیا تھا۔ مسلم دور حکومت ۱۴۳۱ء کے دوران یہاں پر شیخ علی پرو (حضرت مخدوم مہائمی) کی مسجد اور مقبرہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ماہم کولیوں کی ایک قدیم بستی اور قلعہ ماہم اور ریوا کے لیے مشہور تھا۔ ۱۸۵۴ء میں ایک پل کے ذریعہ ماہم کو باندرہ سے ملا دیا گیا۔'' (بمبئی میں اردو: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۱۴، ۱۵)

یہ جزائر مدت ہائے دراز تک سنسان اور غیر آباد پڑے رہے، آج جہاں روشنیوں کا یہ شہر

بسا ہوا ہے اور خوب چہل پہل اور گرم بازاری نظر آتی ہے خاردار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ایک غیر آباد ٹاپو تھا، اس کی قدیم ترین آبادی ''کولیوں'' پر مشتمل تھی، جو ان ساتوں جزیروں میں شاید دو ہزار سال پہلے قریبی زمین ''اپرانتا'' سے ہجرت کرکے آئے تھے اور پیشۂ ماہی گیری کے لیے انتہائی موزوں سمجھ کر مستقل اقامت اختیار کرلی، چوتھی صدی عیسوی سے قبل ہی بمبئ اور اس کے متعلقہ علاقے میں انسانوں کی آبادی شروع ہوگئی تھی، اس کے بعد پھر چھٹی صدی میں موریہ خاندان نے شمالی کوکن مع جزائر بمبئ پر قبضہ کرلیا جس کا پایۂ تخت ایلی فینٹا (پوری) تھا۔

نویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے درمیان شلہاروں کے عہد میں جب ''پوری'' دارالخلافہ تھا، اس شہر میں تیزی سے نو آبادیاں قائم ہونے لگیں اور اسی زمانے میں دوسرے باشندوں نے یہاں بود و باش اختیار کرنی شروع کی۔ ہندو نو آبادیات کے قیام کا یہ دور تیرہویں صدی کے اواخر بلکہ چودہویں صدی کے اوائل تک جاری ہے، ۱۳۱۷ء میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے ممبئ پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد تقریباً سولہویں صدی کے درمیانی عرصے تک مسلم نو آبادیاں قائم ہوتی رہیں، پندرہویں صدی کے آغاز میں پرتگیزیوں کا پہلا قافلہ ممبئ کے ساحل پر اترا اور صرف دو دہائیوں کے بعد انھوں نے مختلف علاقوں پر قابض ہونے اور مالکانہ حقوق جتانے کا کام شروع کردیا۔ والیِ گجرات سلطان بہادر شاہ نے ایک عہد نامہ تیار کرکے ممبئ کو پرتگیزیوں کے حوالے کردیا جو ایک دو بار پہلے بھی ممبئ کا رخ کر چکے تھے۔ ۱۵۳۴ء سے ۱۶۶۱ء تک ممبئ انھیں کے قبضے میں رہا۔

۱۶۶۱ء کو شاہ پرتگال کی شہزادی کا نکاح شاہ انگلستان کے شہزادے سے ہوا اور اس نے جزیرۂ بمبئ کو جہیز کی صورت میں انگلینڈ کو دے دیا۔ برطانوی حکومت نے ۱۶۶۸ء میں بمبئ کو سالانہ دس پونڈ کے کرایے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو ٹھیکے کے طور پر دیا۔ ۱۸۱۸ء میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے پیشوائی کا خاتمہ کردیا اور مہاراشٹر میں اپنی حکومت قائم کی۔ اب یہاں سے شہر بمبئ انگریزوں کا نہ صرف تجارتی بلکہ سیاسی مرکز بھی بن گیا۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے ہندوستان کو قبضے میں کرنے کے بعد ہندوستان کو تین صوبوں میں تقسیم کیا۔ (۱) صوبۂ بنگال (۲) صوبۂ مدراس (۳) علاقۂ بمبئ۔ علاقۂ بمبئ میں سندھ کے ۲، گجرات کے ۵، کوکن کے ۴،

دکن کے ۷، کرناٹک کے ۶، اور بمبئ شہر اس طرح کل ۲۹ ر اضلاع شامل تھے۔ کراچی، احمد آباد، پونے اور بیلگاؤں میں کمشنروں کے دفاتر تھے اور بمبئ میں کلکٹر کا دفتر تھا۔ ۱۸۵۷ء تک ممبئ کمپنی کے ہوس اقتدار کو برداشت کرتا رہا۔ ۱۸۵۷ء میں پورے ملک کے ساتھ یہ بھی براہ راست برطانوی تاج دار کے زیر نگیں آ گیا۔

انگریزی عہد سے قبل مہاراشٹر کی تعلیمی صورت حال کچھ زیادہ ہی عصبیت اور برہمنی ذہنیت وامیرزادگی کی شکار تھی، بعد میں تعلیم کے دروازے ہر خاص وعام کے لیے کھل گئے، اور نچلی ذات کے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملنے لگا۔ علاقہ بمبئ میں بطور خاص تعلیم کا نظم بہتر بنایا گیا، عیسائی مشنریوں نے بھرپور سرگرمی دکھائی، علاقہ بمبئ میں جدید تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے خود حکومت نے ۱۸۱۵ء میں ''بامبے ایجوکیشن سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۲۱ء میں پونے میں سنسکرت کالج قائم کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا نام بدل کر ''پونہ کالج'' کر دیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں ممبئ میں ''ایلفنسٹن ہائی اسکول'' اور ۱۸۳۴ء میں ''ایلفنسٹن کالج'' کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۴۰ء میں علاقہ بمبئ میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ''بورڈ آف ایجوکیشن'' کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۸۵۵ء میں بمبئ میں حکومت نے شعبہ تعلیمات قائم کیا۔ ۱۸۷۵ء میں کلکتہ اور مدراس یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ ممبئ میں بھی ''بامبے یونیورسٹی'' کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۷۸۹ء میں ''بامبے ہیرالڈ'' نامی پہلا انگریزی اخبار جاری ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ انگریزی حکومت نے مادی اصلاحات پر بھی کافی دھیان دیا۔ ۱۸۵۳ء میں ''ممبئ تا تھانہ'' ہندوستان کی پہلی ریلوے لائن بچھائی گئی۔ ۱۸۵۴ء میں پوسٹ آفس کے بل کو منظوری دی گئی۔ صنعت وحرفت پر بھی توجہ دی گئی، زراعت کو بہتر بنایا گیا۔ غرض کہ مہاراشٹر کو تعلیمی، معاشرتی، صنعتی، صحافتی، زراعتی اور مادی اعتبار سے مستحکم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور اس کی ترقی کے خواب کو زمین پر اتارنے کی جدوجہد رنگ لائی۔ لیکن اس ترقی کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستانی معیشت انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی گئی، بے روزگاری اور بھوک مری میں اضافہ ہوا، فن کاروں اور دست کاروں کا زوال شروع ہوا، کسانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور انگریز افسروں کی من مانی اور ظلم وعصبیت نے حکومت اور عوام میں محاذ آرائی کی

کیفیت پیدا کردی ۔ یہ سلسلہ آزادیٔ ہند تک چلتا رہا۔ علاقہ ممبئ جو انگریزی حکومت کی سختیاں جھیل رہا تھا، ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی جمہوری حکومت کا حصہ بن گیا۔

برطانوی عہد میں صوبوں کی تقسیم کا طریقہ جداگانہ تھا، آزادی ہند کے بعد اس طریقے کو بدل دیا گیا اور پورے ملک کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس وقت صوبۂ بمبئ میں دو دفتری زبانیں رائج تھیں، مراٹھی اور گجراتی۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو صوبہ ممبئ کی تقسیم لسانی بنیاد پر عمل آئی، اس طرح مہاراشٹر اور گجرات دو الگ الگ ریاستوں کا وجود ہوا۔ اور مہاراشٹر کے پہلے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے یشونت راؤ چوہان کا انتخاب عمل میں آیا۔ جن کی مدت حکومت یکم مئی ۱۹۶۰ء تا ۱۹ نومبر ۱۹۶۲ء ہے، اس کے بعد سے اب تک کل بائیس وزرائے اعلیٰ مہاراشٹر کی قیادت کر چکے ہیں ۔ ۲۲ویں نمبر پر موجودہ وزیر اعلیٰ پرتھوی راج چوہان ۱۲ نومبر ۲۰۱۰ء سے تا حال اس منصب پر قابض ہیں ۔ (گزشتہ برس مہاراشٹر کے ودھان سبھا الیکشن میں بی جے پی کی کامیابی کے بعد حکومت میں بدلاؤ آیا اور دیویندر فرنویس وزیر اعلیٰ بنائے گئے ۔)

غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں انجمن اسلام ۱۸۷۴ء میں قائم کیا گیا۔ مدرسہ محمدیہ ۱۸۳۶ء کو جامع مسجد بمبئ میں ناخدا محمد علی روگھے بن محمد حسین روگھے نے قائم کیا۔ مدرسہ ہاشمیہ زکریا مسجد سے متعلق قائم ہوا، مسجد کی بنیاد ۱۲۹۱ھ میں پڑی ۔ منشی محمد ابراہیم مقبہ نے ۱۸۳۴ء میں ایک مدرسہ قائم کیا، جو نل بازار قاضی محلّہ میں واقع تھا ۔ بعد میں بمبئ اور مضافات میں اس کی کئی شاخیں کھلیں ۔ ۱۸۸۵ء کی ایک رپورٹ کے مطابق شہر ممبئ میں ایک سو گیارہ مدرسے جاری تھے۔ کتب خانوں میں ''کتب خانہ محمدیہ'' ۱۹۰۳ء میں جامع مسجد بمبئ کے ایک حصے میں قائم کیا گیا۔ کریمی لائبریری بھی ۱۹۰۳ء میں قاضی عبد الکریم پوربندری مالک کریمی پریس و مطبع الکریم نے اپنے مرحوم بیٹے کی یاد میں قائم کیا ۔ یہ لائبریری آج بھی انجمن اسلام کمپلیکس (مقابل سی ایس ٹی ریلوے اسٹیشن) کے پہلے منزلے پر ایک وسیع ہال اور چند کمروں میں واقع ہے ۔ جس کے تحت ایک اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی کامیابی سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے ۔ ایک تاریخی وادبی رسالہ ''نوائے ادب'' بھی اس کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے ۔ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے موجودہ ڈائرکٹر پروفیسر عبد الستار دلوی پیرانہ سالی میں بھی کافی فعال

ہیں۔ اس ادارے کی مطبوعات کافی ذوق وشوق سے اہل علم اپنے مطالعے میں رکھتے ہیں۔

ممبئ میں ہر زمانے میں علم وادب اور شعر وسخن کے شائقین کا ایک وسیع حلقہ رہا ہے، اردو زبان وادب کی بڑی تحریکوں کے نمائندگان کا مستقر اور مسکن بھی یہ سرزمین رہی ہے، بڑے بڑے ادبا وشعرا بھی یہاں قیام کرتے رہے ہیں۔فلموں کے کہانی کار،نغمہ نگار، مکالمہ نویس کافی تعداد میں رہتے تھے اور آج بھی ہیں۔ممبئ کو موضوع بنا کر کئی کتابیں بھی لکھی گئیں۔جن میں ''بمبئ میں اردو'' (ڈاکٹر میمونہ دلوی)،''ممبئ اور کوکن کے اردو لوک گیت'' (ڈاکٹر میمونہ دلوی)، ''اردو افسانہ بمبئ میں'' (پروفیسر الیاس شوقی) ''ترقی پسند تحریک اور ممبئ'' (ڈاکٹر صاحب علی) اور ''اقبال اور بمبئ'' (پروفیسر عبدالستار دلوی) جیسی کتابیں راقم کی نگاہ سے گزر چکی ہیں، جن میں ان حقائق کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ماہ نامہ شاعر، ممبئ تقریباً ۸۴ برسوں سے پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے اور بھی کئی ادبی ومذہبی جرائد ہیں، جو اس سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہاں کے تاریخی مشاعروں کی بھی ایک توانا روایت رہی ہے، جس کے اثرات اب بھی باقی ہیں اور یہ مشاعرے آج بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ داکٹر میمونہ دلوی کی تحقیق کے مطابق بمبئ میں سب سے پہلا مشاعرہ ۱۸۷۸ء میں سلطان عبدالحمید کی جوبلی کے موقع پر منعقد ہوا تھا۔۱۹۱۳ء میں انجمن ترقی سخن کی طرف سے ماہم میں حضرت مخدوم علی مہائمی کے عرس مبارک کے موقع پر ایک مشاعرہ ہوا تھا، اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

اِس وقت عروس البلاد ممبئ صوبہ مہاراشٹر کی راجدھانی بن کر ترقی کی شاہ راہ پر گامزن ہے اور ممبئ کا ہر نیا سورج پہلے دن سے زیادہ نکھرا ستھرا اور پاکیزہ دکھائی دیتا ہے، ان سات جزائر کی داستان قصۂ پارینہ بن چکی ہے اور اب یہ شہر دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے، ممبئ عظمیٰ کی کل آبادی ڈیڑھ کروڑ نفوس سے متجاوز ہے۔ اور کل رقبہ ۶۰۳ مربع کلومیٹر ہے۔ اب ممبئ قلابہ سے تھانہ تک ایک مکمل اکائی ہے، ان کھاڑیوں کو پاٹ دیا گیا ہے جن کی وجہ سے جزیروں کا وجود قائم تھا، ممبئ مہانگر پالیکا نے شہر کو انتظامی سہولیات کی خاطر ۵۱/وارڈوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے سات وارڈ مرکزی شہر میں اور چار چار مشرقی ومغربی مضافات میں شہریوں کو آسودگی فراہم کرنے اور شہر کو ترقی دینے میں مصروف ہیں۔ ممبئ شہر میں تہذیبوں اور زبانوں کی ست رنگی رونق

دکھائی دیتی ہے، مختلف رنگ، نسل، مذہب، علاقے اور زبان کے افراد مستقل طور پر سکونت پذیر ہیں، تجارت میں گجراتی، مارواڑی، سندھی اور اتر بھارتی حاوی ہیں، شہر میں آبادی کے لحاظ سے ہندو اکثریت میں ہیں اور مراٹھی زبان سب سے زیادہ بولی جاتی ہے، مسلمانوں کی آبادی تقریباً بیس لاکھ ہے، اہم اسکول اور کالجز عیسائیوں کے زیر انصرام ہیں، سرکاری اسکولوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، مذہبی ادارے بھی ہیں، مدارس اسلامیہ بھی بڑی تعداد میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں، مسلمانوں نے بھی اردو، انگلش، اور مراٹھی میڈیم کے تعلیم ادارے قائم کر لیے ہیں اور اس کے لیے بھر پور جدو جہد کر رہے ہیں۔ تعلیمی اعتبار سے ممبئی ملک کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ اردو کے شاعر صفؔی نے ممبئی کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کے دو شعر قارئین کے مطالعہ کی نذر ہے:

بمبئی ہندوستاں کا صدر دروازہ ہے تو !
بلکہ رخسارِ عروسِ ہند کا غازہ ہے تو!
اپنی آب وتاب سے ہر دم تر و تازہ ہے تو!
ایک رنگارنگ مجموعے کا شیرازہ ہے تو !

بمبئی کے باشندے باپو میاں فقیہ نے ۱۸۰۳ء میں بمبئی میں حادثہ آتش زدگی پر ایک طویل مثنوی لکھی تھی۔ ''بمبئی میں اردو'' (ص:۹۰) سے اس کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

عجب ہے شہر بمبئی با قرینہ
دھرا ہے جوں انگوٹھی میں نگینہ

بمبئی کو موضوع بنا کر معروف ترقی پسند شاعر علی سردار جعفری نے ایک طویل نظم لکھی تھی، جس کے ابتدائی دو اشعار پیش خدمت ہیں:

نہ جانے کیا کشش ہے بمبئی تیرے شبستاں میں
کہ ہم شام اودھ ، صبح بنارس بھول آئے ہیں
پپیہے بولتے ہیں ، کوکتی ہیں کوئلیں جن میں
ہمارے دل پہ ان گاتے ہوئے باغوں کے سائے ہیں

پوری نظم نامور محقق خلیق الزماں نصرت، بھیونڈی نے اپنی کتاب ''شعرائے مہاراشٹر'' (مطبوعہ: کائنات پبلی کیشن، بھیونڈی، ۲۰۱۴ء) جلد اول، ص: ۱۸ پر درج کی ہے۔

نوٹ:۔اس باب کی تیاری میں پرویز عالم کی کتاب ''مہاراشٹر کی مختصر تاریخ'' (مطبوعہ مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد، مہاراشٹر، ۲۰۱۱ء) اور ڈاکٹر میمونہ دلوی کی ''بمبئ میں اردو'' (مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء) سے کافی مدد لی گئی ہے۔● ●

باب دوم: ہندوستان میں اسلام کا دور اول

غزوۂ ہند:

ظہور اسلام سے قبل ہی عرب و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات کا سراغ ملتا ہے، پھر تجارتی تعلقات نے ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے سیاسی، سماجی، مذہبی، علمی اور ثقافتی حالات اور گونا گوں روابط کی شکل اختیار کرلی۔ ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جاسکتے ہیں، ان دونوں کے بیچ میں صرف سمندر حائل ہے۔ یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے خشکی کے کنارے ہیں، جو بحر عرب اور بحر ہند کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب جو قبل اسلام ہی سے بحری سفر اور جہاز رانی کے شوقین تھے وہ ان ہی بحری راستوں سے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ جنوبی ہند کے ساحلوں پر اترتے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ایک زمانے سے جاری تھا۔ جماعت اہل سنت کے نامور مصنف، شاعر و تاریخ نگار مولانا بدر القادری مصباحی لکھتے ہیں:

”عربوں نے دنیا کے بڑے بڑے ملکوں سے سمندری راستوں کے ذریعہ روابط قائم کر رکھے تھے، ہندوستان کے ساتھ ان کی وابستگی بحر ہند سے تھی، ایران کا ایک حصہ دریائی راستوں ہی کے ذریعہ ان سے ملتا تھا۔ حبش کا سفر عرب تجار سمندری راہوں سے کرتے تھے، چینی مصنوعات لانے کے لیے عربوں کے جہاز بحر ہند پار کرکے بحر چین کا سفر کیا کرتے تھے، اور وہاں کے مال لاکر ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں پر اتارتے تھے، اور پھر بحر روم طے کرکے روم تک کے علاقوں میں پہنچاتے تھے، اس کے لیے وہ شام سے بحر روم کا بحری سفر کیا کرتے تھے، بحرین، یمامہ، عمان، حضر موت، یمن یہ سب عرب کے سرسبز و شاداب ساحل تھے، جہاں سے چل کر عربی بیڑے ایک طرف بحر ظلمات تک اور دوسری طرف بحر ہند اور بحر چین تک پہنچتے تھے۔“ (مولانا بدر القادری، مسلمان اور ہندوستان، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۳ء ص: ۱۲۴)

''مختصر تاریخ ہند'' میں ہے:

''یہ (عرب) تاجر ہندوستان سے تجارتی مال جہازوں کے ذریعہ ہندوستانی بندرگاہوں سے لے کر یمن پہنچاتے اور یہاں سے بحر احمر کے کنارے کنارے خشکی کے راستے یہ مال شام جاتا، جہاں سے بحر روم ہو کر مصر اور یوروپ میں فروخت ہوتا۔''

(ابوظفر ندوی، مختصر تاریخ ہند، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء ص: ۲۵)

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی رقم طراز ہیں:

''عرب جو قبل اسلام ہی بحری اسفار اور جہارانی کے ماہر تھے، ان کے لیے دریاؤں اور سمندروں کی پر آشوب لہروں پر بادبانی کشتیوں کے ذریعہ ہزاروں میل کی سمندری مسافت طے کرنا ایک دلچسپ مشغلہ بن چکا تھا۔.....زمانۂ قدیم میں عرب و ہند کے درمیان محض تجارتی تعلقات ہی استوار نہیں ہوئے تھے، بلکہ ہندوستان کی بعض قومیں عرب کے مختلف بلاد و امصار میں آباد بھی ہو گئی تھیں۔ زُط (جاٹ)، تکاکرہ، اسادرہ، اعامرہ، سبابجہ کے نام لیے جا سکتے ہیں، جو ہندی الاصل قومیں تھیں۔''

(ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱، ۱۲)

نامور مؤرخ ہندوستان محمد قاسم فرشتہ تو یہاں تک لکھتا ہے:

''جزیرہ سراندیپ کے باشندوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے باشندے حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانے سے کشتیوں کے ذریعے مکہ معظّمہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں جایا کرتے تھے، ظہور اسلام سے پہلے ہندوستان کے برہمن خانۂ کعبہ کی زیارت اور بتوں کی پوجا کے لیے مکہ معظّمہ جایا کرتے تھے اور کعبہ کو بہترین معبد سمجھتے تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے سراندیپ کا راجہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی نسبت اسلام کی حقیقت سے جلد آگاہ ہوا، وہ صحابہ کرام کے زمانے میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا، اس راجہ کو اسلامی فرماں رواؤں سے بہت عقیدت تھی۔'' (تاریخ فرشتہ مترجم، مطبوعہ: مکتبہ ملت، دیوبند، ۱۹۸۳ء ص: ۸۸۵ ج ۲)

معروف سماجی کارکن تیستا سیتلواڑ نے بھی اپنے مضمون ''ہند اور مغربی ایشیا'' میں لکھا ہے:

''صدیوں سے غیر محدود طور پر بحر عرب کا ان ساحلوں سے زبردست رابطہ رہا ہے جسے آج

ہم ہندوستان کے طور پر جانتے ہیں، جس سے جنوبی ایشیا کی ثقافت بھی، چاہے وہ تجارت اور فلسفہ ہی کیوں نہ ہو، تقریباً ۲۵۰۰ سال قبل مسیح سمیریا اور میسوپوٹامیہ سے بحری راستے کے توسط سے تجارت وابستہ تھی جسے ہم انڈس ویلی یا موہن جوڈاڑو کی تہذیب وثقافت کہتے ہیں۔ اس رابطے کی وجہ سے ہی یہاں پر سیاح اور اسکالر متوجہ ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران اور دنیا کے دیگر ممالک سے ساتھ ہمارے ثقافتی تعلقات میں اضافہ ہوا تھا۔ کیرالہ کے ساحلوں پر اسلام کے آنے سے قبل ایک مقامی راجہ نے اپنا عقیدہ محض اس یقین کے ساتھ تبدیل کرلیا تھا کہ اس میں مساوات اور جمہوریت کارفرما ہے۔" (روزنامہ راشٹریہ سہارا، ممبئ، ۲۷ جون ۲۰۱۴ء، جمعہ، ص:۸)

ہجرت مدینہ کے بعد اہل اسلام کی متحدہ قوت اور پر اعتماد جمعیت کی بدولت دس برس کی مختصر مدت میں پورا جزیرۃ العرب مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا اور خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں شام ومصر اور ایران کا ایک بڑا حصہ فتح ہوگیا اور پھر اسلامی فتوحات کا سلسلہ مشرق کی سمت بڑھا اور عراق وافغانستان وغیرہ فتح ہوئے، اسی دور میں بعض مجاہدین اسلام نے اشاعت اسلام کی غرض سے ہندوستان کا رخ کیا اور حدیث رسول کی روشنی میں غزوۂ ہند میں شرکت کے لیے خصوصی توجہ مبذول کی۔ اس ارشاد نبوی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مؤرخ اسلام ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی لکھتے ہیں:

"عہد فاروقی اور ابتدائی دور اسلامی میں جب اسلامی فتوحات کا سیلاب مشرق کی جانب بڑھا، عراق، ایران، طبرستان، افغانستان کی شاندار فتوحات مسلمانوں کو نصیب ہوئی، اسی دور میں غیر سرکاری طور پر جانباز مجاہدین کے بعض دستوں نے بری وبحری راستے سے ہندوستان کے بعض علاقوں پر فتوحات کیں، غزوۂ ہند کا یہ ذوق محض کشور کشائی کے جذبے سے نہیں تھا، بلکہ انہوں نے جہاد ہند کے لیے پیش رفت ارشاد نبوی کی تکمیل کے لیے کی تھی۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار، عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام** (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کا

ساتھ دے گا۔'' (ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص:۱۳)

درج بالا روایت ''**عن ثوبان مولیٰ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم** ''مروی ہے اور سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الہند، ص۵۲ ج ۲، پر موجود ہے۔ اس سلسلے کی ایک دوسری روایت بھی ہماری رہنمائی کر رہی ہے: ''**عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسی ومالی فان اقتل كنت من افضل الشهداء وان ارجع فانا ابو هريرة المحرر.**'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمان ہندوستان میں جہاد کریں گے۔ اگر وہ جہاد میری موجودگی میں ہوا تو میں اپنی جان و مال اللہ رب العزت کی راہ میں قربان کروں گا۔ اگر میں شہید ہو جاؤں تو میں سب سے افضل ترین شہدا میں سے ہوں گا، اور اگر میں زندہ رہا تو میں وہ ابو ہریرہ ہوں گا جو عذاب جہنم سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ (سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الہند، مطبوعہ دار الکتاب، دیوبند، ص:۵۲ ج ۲)

ہندوستان میں اسلام کی آمد:

یہ بتانا مشکل ہے کہ ہندوستان میں اسلام کب داخل ہوا؟ مختلف مؤرخین نے الگ الگ باتیں پیش کی ہیں۔ سرزمین ہند میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد عام طور پر اسلامی سپہ سالار محمد بن قاسم ثقفی کی تشریف آوری (۷۱۱ء/۹۳ھ) کے وقت سے خیال کی جاتی ہے، اور بعض مورخین تو ہندوستان میں باقاعدہ سلاطین غزنی کی وسیع ترین مسلم حکومت کے قیام سے مسلمانوں کی آمد کو شمار کرتے ہیں، جو ۹۷۷ء/ ۳۶۷ھ سے ۱۱۸۶ء/ ۵۸۲ھ تک رہی۔ مگر سچائی یہ ہے کہ سرزمین ہند پر مسلمانوں کے قدم اس سے بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔ مشہور مورخ بلاذری کے بیان (فتوح البلدان، ص:۴۲) کے مطابق ''بمبئ کے قریب تھانہ (بہ زبان عربی میں تانہ) کو یہ شرف حاصل ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے ۱۵ھ میں صحابہ کرام نے اس سرزمین پر قدم رکھا، اس لیے اس علاقے میں بعض ایسے مسلمان بھی تھے جو اپنے کو اکابر صحابہ کی اولاد بتاتے تھے۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' (مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی، ص: ۲۵) میں فتوح البلدان، معجم البلدان، جمہرۃ انساب العرب اور تاریخ ابن

خلدون کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے جو بحرین کے والی تھے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص ثقفی کو تھانہ، اور بھڑوچ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ مولانا بدرالقادری مصباحی نے بھی اپنی کتاب ''مسلمان اور ہندوستان'' (ص:۱۲۳ تا ۱۶۴) پر اس حقیقت کو شرح وبسط کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ ساتھ ہی ہندوستانی خطوں میں عربوں کی حکمرانی، مسلمان اور ہندوستانی تہذیب کی تعمیر، ہندوستان کے مسلم شاہی خانوادے اور ہندوستان میں اسلام کے اشاعت کے اسباب ووجوہ پر محاکمانہ انداز میں بحث کی ہے۔

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

''گجرات میں مسلمانوں کی آمد ورفت ۱۵ھ/ ۶۳۶ء (بہ عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے شروع ہوگئی اور سواحل گجرات پر مختلف مقامات میں ان کی بستیاں قائم ہوگئی تھیں۔ بعض مقامات کی آبادی دس دس ہزار کی تھی، جس میں مستقل خاندان بھی تھے۔''

(گجرات کی تمدنی تاریخ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ایڈیشن ۲۰۰۵ء ص:۱۲۲)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں جب حضرت عثمان بن ابی العاص کو بحرین وعمان کا گورنر بنایا تو ان ہی کے حکم سے دور فاروقی میں ان کے بھائی حکم بن ابی العاص نے ممبئ کے قریبی علاقہ تھانے (جو اس وقت گجرات کے حدود میں آتا تھا۔) پر کامیاب حملہ کیا، پھر گجرات کے شہر بھڑوچ پر فوج کشی کی اور اسی دور میں سندھ کی بندرگاہ دیبل پر دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاص نے حملہ کیا۔

(ابوظفر ندوی، مختصر تاریخ ہند، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ایڈیشن ۲۰۰۹ء ص:۳۰)

فتوح البلدان، ص:۲۲ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان بن ابی العاص نے ان فتوحات کی خبر دربار خلافت میں بھیجی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطرناک بحری حملوں سے اپنے ایک فرمان کے ذریعہ روک دیا، انھوں نے تحریر کیا:

''اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئے گی تو میں تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا''۔

پروفیسر میمونہ دلوی رقم طراز ہیں:

''عربوں کا پہلا قافلہ بمبئ سے قریب تھانہ کے مقام پر ۱۵ھ میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں وارد ہوا تھا، جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا مامن بمبئ کا علاقہ ہی ہے، اس کے بعد سے بمبئ مختلف قوموں اور حکومتوں کا مرجع بنا رہا۔''

(بمبئ میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۵)

اصغر علی صدیقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''خلیفۂ دوم حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے عہد خلافت میں عراق کے گورنر عثمان ثقفی کے بحری بیڑے نے اس (تھانہ) کو فتح کیا تھا، یہ ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا، مگر خلیفہ کے حکم سے قبضہ اٹھا لیا گیا، اور فوج عراق واپس بلا لی گئی۔''

(اصغر علی صدیقی، ہمارا صوبہ بمبئ، مطبوعہ اجمل پریس، بمبئ۔۳، اپریل ۱۹۳۹ء ص ۲۹)

اور ڈاکٹر مومن محی الدین کی رائے بھی ملاحظہ کرلیں:

''ظہور اسلام کے بعد ہندوستان کے جس خطے میں سب سے پہلے کسی مینارہ مسجد سے اذان کی آواز گونجی وہ کوکن کا ساحلی علاقہ (صیمور، سوپارہ، سنجان) تھا۔''

(تاریخ کوکن، مطبوعہ نقش کوکن پبلی کیشنگ ٹرسٹ، ڈونگری، ممبئ، نومبر ۱۹۶۹ء ص ۴۵۷)

چالوکیہ عہد (۵۹۰ء تا ۷۵۹ء) کے مذہبی حالات سے متعلق میمونہ دلوی رقم طراز ہیں:

''اس زمانے میں مذہب اسلام پھیل رہا تھا، ہندوستان کا یہ مغربی علاقہ بھی مسلمانوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ۶۳۶ء میں عثمان الثقفی نے تھانہ پر حملہ کیا، اسی گجرات پر عربوں کے ایک گروہ نے چڑھائی کی۔ ۷۲۴ء میں نوساری کے قریب چالوکیہ حکمران نے بڑی جدوجہد کے بعد انھیں پسپا کیا۔'' (بمبئ میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۲۲)

''انوار مسعودی'' کے مصنف مولانا محمد علی مسعودی نے اس سلسلے میں ترکی سے مطبوع ایک عربی تصنیف ''**الادلة القوامع علی الزام العربیة فی التوابع**''، صفحہ ۶ سے ایک اقتباس درج کر کے کسی نتیجے تک پہنچنے کی گزارش کی ہے۔ وہ عبارت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

''**عن بعض کتب التاریخ ان الاسلام دخل فی بلاد کیرلا فی خلافة**

عثمان بن عفان رضی الله عنه وانه بعث الی الهند سرية تحت المغيرة بن شعبة ووصلوا الی کالی کوت وکان فيه ملک يقال له ذمورن ،لما سمع اخباره صلی الله عليه وسلم معجزة شق القمر وکان هو واهل البلد ممن شاهدوها استفسروا ان تلک الواقعة ووقتها فاخبروه فلما طابق اخبارهم لما شاهدوه اسلم ذلک الملک واهل البلد وکان ذلک سنة سبع وعشرين من الهجرة واخبرني بعض من اثق به عنه رای قدام المسجد القديم فی کالی کوت قبيل عمارته لوحا معلقا بعالی المسجد کتب فيه ان بنا ذلک المسجد سنة ثنتين وعشرين من الهجرة قال قد قرأته و تارخ المکتوب فيه (بويد)قال ويذکر ان قبر رافع ورفاعة البدرين فی جوار ذلک المسجد ''.

(حاشیہ،انوارمسعودی،مطبوعہ: مکتبہ مسعودیہ، بہرائچ شریف،۲۰۱۱ء ص ۱۰۷)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بعض کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے شہر کیرلا میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پہنچا، آپ نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی سربراہی میں ایک لشکر ہندوستان روانہ فرمایا، یہ لوگ کالی کٹ اترے ،اس وقت وہاں 'ذمودن' نامی راجہ کی حکومت تھی۔ جب اس نے ان حضرات سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے معجزہ شق القمر کی بابت سنا تو اس واقعے کے دن وتاریخ ووقت کی تحقیق کی اوراپنے پاس محفوظ نوشتے سے ملا کر دیکھا تو وہ راجہ اوراہل شہر سب مسلمان ہوگئے، یہ سن ستائیس ہجری کا زمانہ تھا۔ کیوں کہ وہ سب اپنی آنکھوں سے اسی تاریخ ودن کو معجزہ شق القمر کا مشاہدہ کر چکے تھےاور یہ ساری انہونی بات ان کے پاس سرکاری ریکارڈ میں موجود ومحفوظ تھی۔ نیز مجھے بعض ثقہ حضرات سے معلوم ہوا کہ انھوں نے کالی کٹ کی سب سے قدیم مسجد کے باہری حصے میں بالائی سطح پر آویزاں ایک تختی پر لکھا دیکھا ہے کہ اس قدیم مسجد کی تعمیر سن بائیس ہجری میں ہوئی۔ بلکہ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رافع ورفاعہ نامی دو بدری صحابہ کی قبریں اسی مسجد کے جوار میں موجود ہیں۔

عبدالجبار اجمیری نے کسی کتاب کا حوالہ دیے بغیر اس واقعے کو یوں لکھا ہے:

''سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں ہی عربوں کی تجارت کے ذریعے اسلام ہندوستان میں آ چکا تھا اور ملبار کا راجہ زمورن سامری اسلام قبول کر چکا تھا۔اس راجہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کا واقعہ اپنی ریاست کے سرکاری روزنامہ میں درج کروا دیا تھا، کیوں کہ وہ ایسے واقعات روزنامے میں درج کراتا رہتا تھا۔ بعد میں جب اس نے تحقیق کی تو فوراً مسلمان ہو گیا، اس نے ریاست کو ولی عہد کے سپرد کر کے بادبانی جہاز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لیے عرب روانہ ہو گیا۔ مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور وہ راستے ہی میں انتقال کر گیا اور اسے یمن میں دفن کر دیا گیا۔اس نے لکھا تھا کہ فلاں تاریخ کو چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر مل گیا۔ اسلام عرب، روم، ایران اور ترکستان تک پھیل چکا تھا۔ زمورن سامری نے اپنی قوم کے سرداروں سے ڈر کر اسلام کو چھپانے کے لیے مسلمانوں کو اظہار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ اسی نسل کے دوسرے راجہ چیرامل، اور پیرول سامری نے بھی مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔''

(مسلمانوں کا شاندار ماضی، مطبوعہ اجمیری پبلی کیشن، میرا روڈ، تھانے، نومبر ۲۰۰۵ء ص ۶۱)

مؤرخ اسلام ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے بھی درج بالا واقعے کو بیان کرنے کے بعد مستدرک حاکم، جلد چہارم، ص: ۳۵ کے حوالے سے لکھا ہے:

''ہندوستان کے ایک راجہ نے اظہار عقیدت اور ربط وضبط کے قیام کی غرض سے بارگاہ رسالت میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا بطور ہدیہ بھیجا تھا، راویِ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا ایک ایک ٹکڑا صحابہ کو دیا تھا اور مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔''

(ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۲۹ھ میں اسلامی لشکر کے لوگ مشرق میں فتح ونصرت کا پرچم لہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، حدود فارس سے نکل کر کابل، کندھار، زابلستان، اور ترکستان پر قبضہ کر چکے تھے۔ خلافت عثمانی میں بھی ہندوستان کو فراموش نہ کیا گیا، حکیم بن جبلہ سرکاری طور سے ہندوستان آئے اور تحقیقات کے بعد واپس ہوئے۔ خلافت

مرتضوی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے (۳۹ھ/۶۶۰ء میں) حارث عبدی سرحد آئے ،مسلمانوں کی ہندوستان آمد کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء میں مسلم عرب مہاجرین کا ایک قافلہ حجاج بن یوسف کے مظالم سے تنگ آکر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوا، اس قافلے میں بصرہ کے موضع نایت کے مہاجر بھی تھے، بنونضر کے توسط سے قوم قریش سے جن کا شجرۂ نسب ملتا ہے، یہ روایت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''کشف الانساب'' میں پیش کی ہے۔ (نواب عزیز یار جنگ بہادر، تاریخ النوائط۔ ولا اکیڈمی، حیدرآباد، دکن ،۱۳۲۲ھ ص:۳۶)

اور تھانہ گزیٹیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ اقدام کے خلاف عبد الملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کے ذریعہ قتل وخوں ریزی کروائی اور بہت سے بنو ہاشم کو قید و بند کی تکلیفیں دیں تو کچھ لوگ شمالی افریقہ اور اندلس چلے گئے اور مہاجرین کا ایک قافلہ جزیرہ بمبئ کے آس پاس سوپارہ، تھانہ، صیمور (چمبور) کی بندرگاہ پر اترا تھا۔ (تھانہ گزیٹیر جلد اول، ص:۲۳۲)

چوتھی صدی ہجری کے شروع میں مسعودی ہندوستان میں آیا تو اس زمانے میں بمبئ کے قریب صیمور (چمبور) میں مسلمانوں کی آبادی دس ہزار کے قریب پہنچ چکی تھی، مسعودی کہتا ہے:
''میں ۳۰۴ھ میں لار کی سرزمین سے جو بلہرا کی حکومت میں ہے صیمور (چمبور) میں موجود تھا۔ اس زمانے میں اس شہر کے حاکم کا نام جھانج تھا اور اس وقت وہاں دس ہزار مسلمان آباد تھے جو ہندوستان کے پیدا شدہ (بیاسرہ) اور سیراف، عمان، بصرہ، بغداد اور دوسرے ملکوں کے تھے، جنہوں نے یہاں بود و باش اختیار کر لی ہے۔''

مغیرہ بن ابی العاص نے دور فاروقی میں سندھ کی بندرگاہ دیبل پر (جوٹھٹھ یا موجودہ کراچی کے قریب تھا) حملہ کیا تھا۔ اس کے آس پاس سو گاؤں تھے، ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ء میں یہاں مسلمان بھی خاصی تعداد میں موجود تھے، ان کی زبان سندھی اور عربی مخلوط تھی، یہاں بڑے علما اور محدثین ہوئے ہیں۔ (تاریخ مسعودی، ص:۸۲ بحوالہ کتاب الانساب)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے متعلق محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے:

''ہندوستان میں سب سے پہلے جس مسلمان نے قدم رکھا اور اہل ہندوستان سے معرکہ آرائیاں کیں وہ مہلب بن ابی صفرہ تھا۔''

(تاریخ فرشتہ مترجم،مطبوعہ: مکتبہ ملت، دیو بند،۱۹۸۳ء ص:۷۹ ج ۱)

لیکن اس اجمال کی جو تفصیل فرشتہ نے بیان کی ہے وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔اس تفصیل کا آغاز اس نے ہجرت نبوی کے اٹھائیسویں سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے کیا ہے،آگے صرف ایک جگہ لکھا ہے کہ''۶۲ ھ میں یزید بن معاویہ نے مسلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم متعین کیا،جن لوگوں کو یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا تھا انھیں میں ایک مہلب بن ابی صفرہ بھی تھا۔'' (نفس مصدر،ص:۸۱ ج ۱)

اس بحث کو اخیر تک پڑھنے کے بعد بھی منظر صاف نہیں ہوتا اور ابہام باقی رہتا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی کے اختتام پر متحدہ ہندوستان کے علاقہ سندھ پر مسلمانوں نے باضابطہ قبضہ شروع کر دیا تھا،جس کے بعد سے بارہویں صدی عیسوی تک یہ ہندوستان پر قابض ہوکر یہیں مقیم ہو گئے، ان ہی ایام میں ایران سے پارسی بھی ہندوستان آکر آباد ہوئے،جن کی ایک خاصی تعداد آج بھی گجرات اور ممبئ میں آباد ہے۔

معروف سماجی کارکن تیستا سیتلواڑ ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتی ہوئی رقم طراز ہیں:

''ہماری نصابی کتابیں غلط طریقے سے اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ اس برصغیر میں اسلام کے داخلے کی اولین کوشش تھی، جب کہ اصل مطالعہ سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کم از کم ۱۱۰ سال قبل ہی اسلام کیرلا کے ساحلوں تک پہنچ گیا تھا، اور وہاں کے ایک حکمراں نے نہ صرف اپنی رضا وخوشی سے ہی اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا بلکہ اس نے اپنے اس عمل کے بعد ایک نئی آزادی کا احساس بھی کیا تھا۔''

(روزنامہ راشٹریہ سہارا،ممبئ،۲۷ جون ۲۰۱۴ء، جمعہ،ص:۸)

آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ (۹۳ھ/۷۱۲ء میں) اور فتح ونصرت ہو یا محمود غزنوی (۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء۔تا۔۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء)،سید سالار مسعود غازی (ولادت:۲۱/

شعبان ۴۰۵ھ/ ۱۵؍فروری ۱۰۱۵ء۔شہادت: ۱۴؍رجب ۴۲۴ھ/ ۱۰؍جولائی ۱۰۳۳ء)اور سلطان شہاب الدین غوری (۵۷۱ھ/ ۱۱۷۵ء۔تا۔۶۰۲ھ/ ۱۲۰۶ء) کی فتوحات ہوں ، دور فاروقی (۱۳ھ/۶۳۴ء۔تا۔۲۴ھ/ ۶۴۵ء) سے لے کر چھٹی صدی ہجری میں سلطان غوری کے حملوں (شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر پہلا حملہ ۱۱۷۵ء میں کیا تھا) تک تمام مسلمان فاتحین (مثلاً قطب الدین ایبک (۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶ء۔تا۔۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء)،سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ھ/ ۱۲۱۱ء۔تا۔۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء)،سلطان ناصرالدین محمود (۶۴۴ھ/ ۱۲۴۶ء۔تا۔ ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۶ء وغیرہ) مجاہدین سلاطین اور دوسرے نامور علما ومشائخ اور بزرگان دین (مثلاً مصنف ِ ’’کشف المحجوب‘‘ شیخ علی ہجویری متوفی ۴۵۵ھ/ ۱۰۵۹ء،خواجہ معین الدین چشتی اجمیری متوفی ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء،خواجہ قطب الدین بختیار کاکی متوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء، خواجہ فرید الدین گنج شکر متوفی ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۶ء،خواجہ نظام الدین اولیا متوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء، حضرت امیر خسرو دہلوی متوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء،اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی متوفی ۷۵۷ھ/ ۱۳۵۷ء وغیرہم) کی پیہم کاوشوں سے ہندوستان کے شمال وجنوب میں اسلام کا اجالا پھیلا، ہر چہار جانب مذہبی احکام کی بالا دستی محسوس کی جانے لگی ،چھٹی صدی ہجری کی آخری دود ہائیوں اور ساتویں صدی ہجری میں خواجہ ہندوستان سید معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ اوران کے خلفا کی ارشاد وتبلیغ اوراصلاح وتربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور ہندوستان میں اسلامی ترنگ کے نئے باب کا اضافہ ہوا،کوکن کی سرزمین پر بشمول تھانہ، چمبوراور ماہم اوردیگر جزائر بمبئ پر عرب مجاہدین کی دعوت وتبلیغ نے گہرے اثرات چھوڑے، یہاں مستقل طور پر سکونت پذیر مشائخ وصوفیا نے درس وتدریس، کردار وعمل اور پیہم جد وجہد کے ذریعہ اسلام کی ہزار رنگ جلوتوں کو آشکار کیا اور اپنی مخلصانہ کوششوں سے اس خطے کو مذہب اسلام کی عظمت وشوکت کے لیے موزوں ترین بنادیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی قدیم آبادی:

اس موضوع پر کچھ تفصیلات ماقبل کی سطور میں گزر چکی ہیں ،اس لیے ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ۔مولانا محمد علی مسعودی نے اپنی تاریخی کتاب ’’انوار مسعودی‘‘ میں ’قدیم ہند‘ کے

عنوان سے ایک الگ بحث شامل کی ہے جس میں ایک ذیلی عنوان ''ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی'' بھی ہے، موصوف کے شکریے کے ساتھ وہ پورا مضمون یہاں درج کیا جارہا ہے:

''مسلمان ہندوستان میں نصف صدی ہجری کے بعد ہی سے تبلیغ وتجارت کے سلسلے میں یہاں آنے جانے لگے تھے، چناں چہ ساحلی علاقوں اور مغربی سرحد میں تھوڑی تعداد میں عرب مسلمان اور مقامی نومسلم پائے جاتے تھے، پھر ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے قبل سندھ کی غیر مسلم حکومت میں پانچ سو عرب مسلمان آکر بس چکے تھے۔ اس کے بعد ۹۹ھ/ ۷۱۸ء میں جب حضرت عمر بن عبد العزیز (رضی اللہ عنہ) خلافت امویہ پر فائز ہوئے تو انھوں نے اطراف سندھ کے غیر مسلم راجاؤں کے نام دعوت اسلامی کے خطوط بھیجے، بعض لوگ اس پیغام حق کو قبول کر کے مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

دوسری صدی ہجری ۱۲۰۔۱۱۰ھ/ ۷۳۸۔۷۲۵ء میں جب خالد بن عبد اللہ قسری عاملِ عراق کے حکم سے حکم بن عوانہ کلبی حاکمِ سندھ ہوکر آیا تو اس کے ساتھ محمد بن قاسم کا لڑکا عمر بھی تھا، بنو امیہ کے زوال کے قریب سندھ میں عربوں کی قوت کمزور ہوجانے کے وقت حکم بن عوانہ کلبی نے عربوں کو سمیٹ کر دریا پار کر کے 'محفوظہ' نام کا ایک شہر بسایا، پھر اسی زمانہ میں عمر بن محمد قاسم نے قدیم برہمن آباد کے مقام پر 'منصورہ' نام کا شہر آباد کیا، جو بعد کو عرصہ تک سندھ کی عرب حکومت کا پایہ تخت رہا۔

پھر ایک سو سینتالیس ۱۴۷ھ/ ۷۶۴ء میں بعہد خلیفہ منصور عباسی، علوی سادات نے اپنی حکومت کا ارادہ کیا اور سندھ میں بھی اس کا سامان ہوا، مگر کسی وجہ سے ناکامی ہونے پر جب ان کو جائے پناہ کی تلاش ہوئی تو اسی اطراف کے غیر مسلم راجہ نے جو سیدنا ونبینا آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتا تھا، ان سادات علوی کا اپنے یہاں باعزت استقبال کیا۔ اسی صدی میں سندھ کی دو شخصیتیں قابل ذکر ہیں، ایک تو امام سیرت ابو معشر نجیح سندھی، جو زبردست عالم ومحدث تھے، ان کی وفات پر خلیفہ مہدی عباسی نے نماز جنازہ پڑھی تھی، دوسرے مشہور ابو عطا سندھی، جو عربی وسندھی زبان کے مستند شاعر تھے۔

۲۴۰ھ/۸۵۴ء میں جب ہارون بن خالد حاکم سندھ کا انتقال ہوگیا تو عمر بن عبد العزیز

ہبّاری متوکل باللہ عباسی، خلیفہ بغداد سے اجازت نامہ حاصل کر کے والیِ سندھ ہو گیا۔ اس عمر بن عبدالعزیز ہبّاری کے دادا منذر بن زبیر ہباری، حکم بن عوانہ کلبی کے ساتھ عراق سے آئے تھے، ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ قریش سے تھا، نسب نامہ یہ ہے:

عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد۔ واضح ہو کہ حضرت ہبار بن اسود پہلے حضور تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، مگر فتح مکہ کے بعد ۸ھ/ ۶۲۹ء میں مسلمان ہو گئے تھے، یہ خاندان انھیں سے منسوب ہے۔ نیز ۲۲۷ھ /۸۴۲ء بہ عہد معتصم باللہ عباسی سندان علاقہ سندھ میں قریشی قبیلہ بنوسامہ بن لوی بن غالب کی خودمختار ریاست قائم تھی۔ پھر ۲۷۰ھ/۸۸۳ء میں منصورہ پایہ تخت سندھ کا والی عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری تھا، جسے الور کے راجہ مہروگ نے جس کا راج پنجاب سے کشمیر تک تھا فرمائش کی تھی کہ کوئی ایسا آدمی بھیجئے جو ہندی زبان میں اسلام کے متعلق معلومات کرا سکے۔ چناں چہ امیر عبداللہ ہباری نے ایک عراقی مسلمان شاعر کو بھیجا، جو کئی زبانیں جانتا تھا، اس راجہ کی شان میں ایک ہندی قصیدہ کہہ کر سنایا، پھر تین سال تک اس کے پاس رہ کر قرآن مجید کا ہندی ترجمہ کر کے روزانہ راجہ کو سناتا رہا، جس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء سے بنوسامہ بن لوی جن کو بنو منبہ بن اسد بھی کہتے ہیں ملتان کے خودمختار والی ہو گئے، یہ قریشی عرب براہ راست خلافت بغداد کے ماتحت تھے، اور ان کی حکومت بڑی طاقت ور اور دولت مند تھی۔ علاقہ سندھ کا ایک مقام بوقان تھا، تیسری صدی ہجری کے آخر میں یہاں کی پوری آبادی مسلمان تھی۔

دیبل یا ٹھٹھ ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں دیبل بندرگاہ ہونے کی وجہ عرب تاجروں کا مرکز تھا، یہ بہت آباد مقام تھا، خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں یہاں ایک زبردست زلزلہ آیا تھا، جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی دب کر مر گئے تھے۔ عیسفان یا سیوان یہ مقام کراچی کے قریب یا بقول بلاذری ملتان کے قریب تھا، تیسری صدی کے شروع میں یہاں مسلمان تاجروں کی کثیر آبادی تھی، ۲۱۸ھ/۸۳۳ء کا واقعہ ہے کہ یہاں کے غیر مسلم راجہ کا لڑکا سخت بیمار ہوا، راجہ نے مندر کے پجاریوں سے دعا کرائی، انھوں نے اس کی صحت کا یقین دلایا، مگر لڑکا مر گیا، اس سے متاثر ہو کر راجہ نے پجاریوں کو قتل کرا کے مندروں کو گرادیا، پھر شہر کے مسلمانوں کو بلا کر اسلام کی معلومات

حاصل کی اور مسلمان ہو گیا۔ وادیِ سندھ میں ایک مقام ویہند تھا، بقول البیرونی گندھار کا پایہ تخت تھا، بہرحال ۲۵۶ھ/ ۸۷۰ء میں یہاں مسلمانوں کی آبادی تھی۔

گجرات ۲۳۵ھ/ ۸۴۹ء میں وَلبھی پوریا مہانگر (موجودہ بھاؤ نگر) ملک گجرات کے مہاراجہ بلہرایا وَلبھی رائے کا پایہ تخت تھا، کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عربوں کا محبوب راجہ تھا، اس کو مسلمان سے بڑی محبت تھی، وہاں کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ وَلبھی راجوں کی عمریں اس لیے بڑی ہوتی ہیں کہ وہ عربوں سے محبت رکھتے ہیں، چناں چہ یہاں کے راجوں نے پچاس پچاس برس حکومت کی۔ اس علاقہ میں اس وقت مسلم عرب تاجروں کی خاصی آبادی تھی۔ پھر ۳۰۰ھ /۹۳۰ء مقام چیمور واقع گجرات میں مسلمان تقریباً دس ہزار کی مقدار میں آباد تھے، روز افزوں ترقی پر تھے، جن میں سیراف، بصرہ، عمان، بغداد وغیرہ سے آئے ہوئے لوگوں کے علاوہ یہاں کے پیدائشی مسلمانوں کی کافی تعداد تھی جن کو وہاں بیسر کہا جاتا تھا، یہاں کے غیر مسلم راجہ نے ان کی دیکھ بھال کے لیے انھیں میں ایک سردار مقرر کر دیا تھا جسے ’ہنرمند‘ کہتے تھے۔

۲۳۵ھ/ ۸۴۹ء میں دکن جس کو عرب مورخین طاقن کہتے ہیں، یہاں بھی مسلمان آباد ہو چکے تھے، مگر یہاں کا راجہ ان سے دشمنی رکھتا تھا۔ ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء میں عرب سیاح مسعودی سندھ و منصورہ کے تعلق سے چشم دید حالات میں لکھتا ہے کہ میرے منصورہ پہنچنے پر ابوالمنذر بن عبداللہ بن عبدالعزیز ہباری بادشاہ تھے، ان کا وزیر رباح اور اس کے دونوں بیٹوں محمد اور علی بن رباح کو دیکھا، اور ایک عرب سردار کو جو وہاں کے شاہی خاندان سے ہے جس کا نام حمزہ تھا دیکھا اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہت سی اولاد کرام نظر آئی، جو عمر بن علی اور محمد بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی نسل سے تھی، شاہان منصورہ اور ان کے قاضی آل ابی الشوارب میں قرابت تھی اور شاہان منصورہ ہبار ابن اسود کی نسل سے ہیں جو بنو عمر بن عبدالعزیز ہباری کہلاتے ہیں، خطبہ میں خلیفہ بغداد کا نام لیا جاتا ہے، یہاں کے لوگ بامروت ہیں، یہاں اسلام کو تازگی حاصل ہے، اور اہل علم کافی ہیں۔

۳۶۷ھ/ ۹۷۷ء میں ابن حوقل سیاح لکھتا ہے کہ منصورہ کا بادشاہ قریشی عرب ہے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ہبار بن اسود کی نسل سے ہے، خطبہ خلیفہ بغداد کا پڑھتے ہیں۔ پھر ۳۷۵ھ

/ ۹۸۵ء سیاح بشاری مقدسی آیا، وہ لکھتا ہے کہ: ''منصورہ میں اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) بت پوجتے ہیں، مسلمانوں میں واعظوں کا وجود نہیں، یہاں میں نے قاضی ابومحمد منصوری کو دیکھا، جو داؤدی (ظاہر) تھے، یہ اپنے مذہب (یعنی امام داؤد ظاہری کا مسلک جو اہل حدیث کی مانند تھا) کے امام تھے، ان کا حلقہ درس تھا، ان کی تصانیف عمدہ ہیں، یہاں بڑے بڑے حنفی فقہا پائے جاتے ہیں، مالکی، حنبلی اور معتزلہ نہیں ہیں، سب سیدھے اور صحیح المسلک اور نیک و پاک دامن ہیں۔'' علاقہ سندھ میں ایک قصبہ قنوج تھا، ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء میں یہ مقام ملتان کی عرب حکومت میں شامل تھا، ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ء میں قنوج خود مختار ریاست تھی، شہر میں جامع مسجد بنی تھی، اگر چہ غیر مسلموں کی آبادی زیادہ تھی، مگر مسلمانوں کا سلطان علاحدہ تھا، جن میں اس وقت بڑے معزز علما تھے۔

وادیٔ سندھ کا ایک علاقہ ویہند تھا، یہاں کی آبادی مسلم تھی، ۳۹۳ھ/ ۱۰۰۳ء میں سلطان محمود غزنوی نے پشاور کے بعد اسے فتح کیا تھا۔ سندھ کے قریب تنبلی ایک مقام تھا، ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء میں یہاں بکثرت مسلمان آباد تھے۔ سندھ کے ساحل پر دیبل و منصورہ کے درمیان بیرون آباد تھا، چوتھی صدی ہجری میں یہاں کے باشندے سب مسلمان تھے۔ دیبل یا ٹھٹھ کے آس پاس سوگاؤں تھے۔ ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ء میں یہاں کی آبادی زیادہ تر غیر مسلم تھی، مگر مسلمان بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے، ان کی زبان سندھی و عربی مخلوط تھی، اس وقت یہاں بڑے بڑے علما و محدثین ہوئے ہیں۔ سندھ و بلوچستان کے بیچ میں قذدار واقع تھا، یہاں کا حاکم مسلمان تھا، جسے ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ء کے بعد امیر سبکتگین غزنوی نے اپنے ماتحت کر کے باج گزار کر لیا تھا۔

۳۶۷ھ/ ۹۷۷ء تک ملتان بنو منبہ قریشی عرب قبیلہ کی حکومت جو خلافت بغداد کے ماتحت تھے، ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ء میں اسماعیلیوں کے زیر حکومت ہو گیا، جو نسلاً عرب تھے، چناں چہ اس وقت عرب سیاح بشاری مقدسی آیا، وہ لکھتا ہے کہ ملتان والے شیعہ (اسماعیلی) ہیں، اذان میں حی علیٰ خیر العمل اور اقامت میں تکبیر دو دفعہ کہتے ہیں، خطبہ میں مصر کے فاطمی خلیفہ کا نام لیتے ہیں۔

کھمبائت کا حاکم ۳۰۲ھ/۹۱۴ء میں ایک بنیا (غیر مسلم) تھا، جو مہانگر گجرات کے راجہ ولبھی رائے کا ماتحت تھا اسے مذہبی مناظروں سے دل چسپی تھی، چناں چہ شہر کے مسلمانوں کو بلا کر بحث کیا کرتا تھا۔ سیاح ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ولبھی حکومت کھمبائت سے چیمور واقع گجرات تک تھی، ان علاقوں میں بکثرت مسلمان آباد تھے، ان کی مسجدیں تھیں، جن میں علانیہ اذان، نماز اور جمعہ کی ادائیگی ہوتی تھی۔

گجرات و بمبئ چوتھی صدی ہجری کے شروع میں کاٹھیاڑ اور کچھ علاقوں میں کافی مسلمان آباد تھے، اس وقت یہاں ایک سیاح بزرگ بن شہریار نے ایک نو اسلام ہندو سے جو جہازوں کا مالک تھا اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے، نیز اسی زمانہ میں صنداپور، یا گوا اور گوانہ کے غیر مسلم راجہ کا مصاحب ایک مسلمان موسیٰ نامی تھا، اس کے علاوہ تھانہ واقع بمبئ، چیمور واقع گجرات میں بھی مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔''

(انوار مسعودی، مطبوعہ: مکتبہ مسعودیہ، بہرائچ شریف، ۲۰۱۱ء ص ۵۴۲ تا ۵۴۷)

●●

باب سوم: فقیہ مخدوم علی مہائمی اور ان کا عہد

فقیہ مخدوم علی مہائمی: احوال و آثار:

مختلف تاریخی ماخذ اور دستاویزی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عرب ممالک سے آکر ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں بس جانے والے مسلمان خاندانوں میں کئی خاندان کوکن کے مختلف حصوں مثلاً کلیان، تھانہ، چمبور، مہائم وغیرہ میں رہائش پذیر ہو کر فکر معاش میں مشغول تھے۔ اور ان میں جو اہل علم اور مذہبی امور میں اعلیٰ فکر رکھنے والے تھے انھوں نے فروغ مذہب اور اشاعت اخلاقیات کا بیڑا بھی اٹھا رکھا تھا۔ وہ محنتی، جفاکش اور باہمت بھی تھے اور اپنی ذاتی قابلیت اور رواداری کی بنا پر اپنی ایک ساکھ بنانے میں کامیاب بھی ہو رہے تھے۔ عربستان سے آنے والے ان قبائل کو بیشتر تاریخ نگاروں اور وقائع نویسوں نے ''نوائط'' کے نام سے یاد کیا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ نائط قریش کے ایک قبیلے کا نام ہے اور عرب مہاجرین کا یہ قافلہ اسی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ''خانوادۂ بدرالدولہ'' (ص:۴۴) میں مولانا باقر آگاہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ جان لو کہ نائط قریش کی ایک قوم ہے، جو آں حضرت صلی اللہ علی وسلم (کے واسطے) سے نضر بن کنانہ میں جا ملتے ہیں، یہ لوگ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں ہجرت کی اور حجاج وہ ہے جس نے بہت سے ظلم ڈھائے، ہلاکتیں برپا کیں اور اپنی قوم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ لوگ بحر ہند کے سواحل پر اتر پڑے۔ امام جعفر طبری نے اپنی تاریخ میں اور امام نووی نے فقہی کتابوں کے '' **باب الفئی والغنیمة** '' میں قریش کے خاندان اور قبائل کی تقسیم کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طبری کے قول میں سواحل بحر ہند سے مراد دونوں کوکن ہیں، عادل شاہی کوکن، جس کا تعلق بیجا پور سے تھا اور نظام شاہی کوکن، جس کا تعلق احمد نگر سے تھا۔ ان دونوں کے متعلق یہ باتیں مشہور چلی آ رہی ہیں، اور

مستند کتابوں میں بھی لکھا ہوا موجود ہے۔''

(تاریخ النوائط۔نواب عزیز یار جنگ بہادر، ولا اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۲ھ ص:۳۱۱)

جب کہ بعض مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ عہد عالم گیری (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۸ء ۔تا۔۱۱۱۷ھ/ ۱۷۰۷ء) تک قدیم نو آبادکاروں کی نسل کو مجموعی طور پر ''نوائط'' ہی کہتے تھے، مگر ان میں وہ قبیلے بھی خلط ملط ہو چکے تھے جو اپنے آپ کو سادات بنی ہاشم اور کبار صحابہ کی اولاد بتاتے تھے۔ بلکہ تاریخ النوائط میں ان تمام مختلف قبیلوں اور کوکن کے قدیم مسلمانوں کو بھی نوائط ہی میں شامل کر لیا گیا ہے جو مختلف ادوار میں عرب کے علاقوں سے آئے، وقت اور حالات نے انہیں دیگر ساحلی علاقوں تک پھیلا دیا۔ انہیں میں غالباً اولین مبلغین اسلام کی اولاد بھی شامل ہوگئی۔ ممتاز تاریخ نگار علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ''ص:۳۹ کے حوالے سے تاریخ النوائط میں ہے:

''مولانا شیخ علی ابن احمد مہائمی گروہ نوائت سے ہیں، یہ (نوائت) ایک قوم ہے جو دکن کے شہروں میں رہتی ہے، میں نے ان کا حال فارسی کتابوں میں دیکھا ہے۔طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ نائتہ قریش کا ایک گروہ ہے، جو مدینہ منورہ سے حجاج بن یوسف ثقفی (جس نے پانچ ہزار علما و اولیا کو ناحق قتل کیا تھا) کے خوف سے نکل کر دریائے ہند کے کنارے پر آ پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔''

(تاریخ النوائط۔نواب عزیز یار جنگ بہادر، ولا اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۲ھ ص:۳۵۷)

مولوی رحمان علی اپنی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' میں لکھتے ہیں:

''مہائم بروزن عظائم کوکن کی ایک بندرگاہ ہے جو دکن میں سمندر کے کنارے ایک علاقہ ہے، نوائت علاقہ کوکن میں ایک قوم ہے، کہتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے پچاس ہزار اولیا و علما کو قتل کیا تو قریش کا ایک گروہ مدینہ طیبہ چھوڑ کر ساحل بحر ہند پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی، ان کی اولاد سے قوم نوائت ہے۔'' (تذکرہ علمائے ہند، مترجم، پاکستان، ۲۰۰۳ء ص ۳۰۳)

اس بحث سے متعلق چند حوالے ماقبل کی سطور میں بھی گزر چکے ہیں۔بمبئ گزیٹیر جلد سوم ص:۳۰۱ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی کے آبا واجداد ۲۵۲ھ مطابق ۸۶۰ء میں

ماہم میں وارد ہوئے اور تقریباً پانچ سو سال بعد دسویں محرم الحرام ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۲ء کو مہائم میں خاندان نوایت کے معزز گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فقیہ مخدوم علی مہائمی کے اکثر تذکرہ نویسوں نے اسی سے ملتا جلتا قول کیا ہے کہ آپ ایک شریف ونجیب خاندان کے چشم و چراغ تھے اور آپ کے اجداد عربی الاصل نائطی ہیں۔ آپ کا خاندان اس وقت کلیان میں آباد تھا، والد ماجد مولانا شیخ احمد ابن ابراہیم بن اسماعیل پرو قدس سرہ بہت بڑے عالم و فاضل اور متقی و پرہیز گار تھے، ان کا علم و فضل مشہور تھا، کوکن کے کے دولت مند تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کی شادی ماہم میں رہائش پذیر ملک التجار ناخدا حسین انکولیا کی بیٹی بی بی فاطمہ سے ہوئی، جو انتہائی شریف النفس، پاک سیرت، عابدہ، زاہدہ، صاحب تقویٰ ومقامات عالیہ تھیں۔

مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

''ملا علی مہائمی ابن شیخ احمد نوائت (بروزن ثوابت) اپنے زمانہ کے بڑے عالم اور عارف تھے۔ وحدۃ الوجود کے قائل تھے، ان کی متبرک اور معتبر تصانیف ہیں۔ ان میں سے تفسیر رحمانی ہے، جس کو تفسیر مہائمی بھی کہتے ہیں۔ زوارف شرح عوارف المعارف، شرح فصوص الحکم، شرح فصوص مصنفہ شیخ صدرالدین قونوی، ادلۃ التوحید، رسالہ در بیان وجوہ اعراب میں قولہ تعالیٰ: ''الم، **ذالک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین**''۔ جس میں بارہ کروڑ تراسی لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو بیس وجوہ بیان کی ہیں۔'' (تذکرہ علمائے ہند، مترجم، ۲۰۰۳ء ص ۳۰۳)

مولانا سید امام الدین گلشن آبادی اپنی کتاب ''برکات الاولیاء'' میں رقم فرماتے ہیں:

''آپ مشاہیر اولیا و اکابر اولیا سے ہیں۔ آپ کا نام علی بن حسن بن ابراہیم بن اسماعیل ''پرو'' ہے۔ سید ابراہیم قادری رسالہ ضمیر الانسان میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا لقب ''پرو'' ہے، قوم نوایت سے شافعی المذہب ہیں۔ بڑے زاہد، عابد، جامع علوم شریعت و طریقت، صاحب تصرفات ظاہری و باطنی تھے۔ ۷۷۶ ہجری میں آپ تولد ہوئے، خوردسالی سے آپ کے ناصیہ (پیشانی) میں انوار ولایت و عرفان چمکتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی دعا کی برکت سے آپ نے ولایت پائی۔ حضر علیہ السلام سے آپ نے تعلیم پائی تھی۔ مہایم میں ایک مدرسہ تھا،

وہاں طلبا کو آپ درس علمی ظاہری و باطنی دیا کرتے اور اکثر اوقات تصانیف کتب میں گزارتے تھے۔ چناں چہ تفسیر رحمانی ، زوارف شرح عوارف ، خصوص النعم شرح فصوص الحکم ، ترجمہ لمعات عراقی ، نورالازھر ، الضوء الازھر ، استجلاء البصر ، اسرار الفقه ، رسالة الوجود ، اجلة التائید وغیرہ رسائل آپ کے سلوک وعرفان میں مشہور ہیں۔ آپ کی ذات فایض البرکات سے تمام کوکن میں اسلام نے ترقی کی ۔ انوار ولایت آپ کے مزار سے عیاں ہے ۔ ملک کوکن کے آپ قطب کہلاتے ہیں ۔ ۸۳۵ھ میں آپ نے رحلت فرمائی ۔ مزار آپ کا بمبئی کے قریب قصبہ مہائم میں مشہور ومعروف ہے۔'' (سید امام الدین گلشن آبادی، برکات الاولیاء، مطبوعہ شہر ناسک،۱۳۲۲ھ،ص:۳۶، ۳۷)

مفتی عبدالمجید رضوی نے اپنی کتاب '' تذکرہ مخدوم علی مہائمی'' (مطبوعہ: ادارہ معارف اسلامی، ممبئ ۔ مارچ ۲۰۱۵ء) میں ۳۳ صفحات پر محیط طویل گفتگو قوم نوائط کے نسب واصلیت ، ہجرت، ہندستان میں قوم نوائط کا ورود، نظریات، نوائطی مسلمانوں کے دینی وعلمی فضائل اور تعلیمی میلان پر کی ہے اور ۲۲ علماے نوائط ودیگر مشاہیر کے حالات قلم بند کیے ہیں ۔ یہ پوری کتاب ۳۸۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلد شائع کی گئی ہے۔

فقیہ مخدوم علی مہائمی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری اور چودہویں صدی عیسوی کا ہے ۔ یہی وہ دور ہے جب کہ تخت دہلی پر غیاث الدین تغلق کا بھتیجا سلطان فیروز شاہ تغلق متمکن تھا، فیروز شاہ کا زمانہ ہند کی تاریخ میں امن وامان اور رعیت پروری کے لیے مثالی مانا جاتا ہے، اس عہد میں علم وادب کے فروغ، فقہی علوم کی اشاعت اور ترویج شریعت پر زیادہ توجہ دی گئی، اس زمانے میں دکن اور گجرات کے علاقے بالخصوص علوم وفنون کے گہوارے تھے، علاقہ ماہم اس وقت گجرات کی حکومت میں شامل تھا۔ اور سلطان احمد شاہ گجراتی کرسیِ اقتدار پر براجمان تھا، اور بتیس برس تک کامیاب حکومت کرتا رہا۔ اسی کے عہد میں مخدوم مہائمی نے اپنی شاہکار تفسیر تصنیف فرمائی اور سلطان کے نام معنون کی ۔

مولانا ابوظفر ندوی نے لکھا ہے: ''احمد شاہ اول نے اپنے عہد میں احمد نگر، بالا پور، سلطان پور، دوحد، سنکھیڑ ، مہائم وغیرہ میں قلعوں کے علاوہ محلات بھی تعمیر کرائے ، جن میں سے بعض آج

بھی موجود ہیں۔“(گجرات کی تمدنی تاریخ،شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،،۲۰۰۵ء،ص:۱۴۵)

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ۔۱۳۱۲ء میں سلطان علاؤالدین خلجی نے دیوگری پر حملہ کر کے وہاں کے راجہ شنکر دیو کو قتل کر ڈالا ،شنکر دیو کے بعد ہر گو پال تخت نشین ہوا اس نے بھی غداری کی اور خراج دینے سے انکار کیا تو دہلی کے بادشاہ نے اسے تخت وتاج سے محروم کر دیا۔ ۱۳۱۸ء میں قطب الدین مبارک شاہ اول نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ ممبئ ماہم کو اس کی حکومت میں داخل کر دے،اس کے بعد اس نے تھانہ کو اس علاقے کا صدر مقام قرار دیا۔دہلی میں جب خاندان تغلق برسر اقتدار آیا تو فیروز شاہ تغلق نے ظفر خان نامی ایک امیر کو گجرات اور شمالی کوکن کا صوبے دار مقرر کر کے روانہ کیا۔اس نے یہاں آ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جو بغاوت سر اٹھا رہی تھی اسے ختم کیا اور انتظامی امور کے استحکام پر زیادہ توجہ دی،اپنی حدود حکومت کو کافی وسعت دی،اور عہد خلجی میں مقرر کردہ نوساری اور ماہم کے گورنروں کو معطل کر کے قابل اعتماد افسروں کا تقرر کیا اور اس طرح پورے علاقے پر قابض ہو گیا۔فیروز شاہ کے انتقال کے بعد جب اس کا بیٹا محمد شاہ تخت نشین ہوا تو اس کی کمزوری کا فائدہ بہت سوں نے اٹھایا،باہری طاقتوں نے دہلی کو تاراج کیا،شاہی خاندان تباہ و برباد ہوا۔کئی صوبوں کے حکام خود مختار ہو گئے ۔ظفر خان نے بہت بعد میں مظفر شاہ لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو دہلی کے تباہ شدہ خاندانوں کو سنبھالا دیا۔ بالآخر ۱۴۱۰ء میں نیک نامی کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا۔مظفر شاہ کے وصال کے بعد اس کا پوتا احمد شاہ بادشاہ بنا،اس کے عہد میں ملک الشرق کو ماہم کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اسی زمانے میں بھیم راج کے بھنڈاری سردار نے علم بغاوت بلند کر دیا اور ماہم پر قبضہ کر لیا، سلطان نے اس بغاوت کو بھی فرو کیا تو سلطان احمد شاہ دکن کے حملے کا مسئلہ درپیش ہوا،اسے شاہ گجرات کے بڑے بیٹے ظفر خان نے شکست دی۔قطب خان حاکم ماہم کی اچانک موت کے بعد دکنی فوج نے پھر ممبئ کے قرب وجوار کی طرف پیش قدمی کی،اس وقت بھی ظفر خان کی پیہم کوششوں سے تھانہ دوبارہ گجرات کے قبضے میں آ گیا،اسی اثنا میں ملک التجار موقع غنیمت جان کر ماہم پر قابض ہو گیا،گجراتی شہزادہ پھر فوج لے کر ماہم کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر کے ملک التجار کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

فقیہ مخدوم علی مہائمی جب سن شعور کو پہنچے اور آبائی ونیہالی علمی و مذہبی ماحول نے مخدوم علی مہائمی کو مذہبی رنگ بھی عطا کیا اور ان کے دل میں علم کا شوق بھی گہرا ہو گیا، آپ کے والد ماجد مولانا شاہ احمد قدس سرہ (جو عربی کے بہت بڑے عالم تھے) نے اپنے ہونہار فرزند کی ذہانت اور شوق تحصیل علم کو دیکھ کر مذہب کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ فرمائی اور فقہ، فلسفہ، تفسیر وحدیث وغیرہا علوم عقلیہ ونقلیہ کا عالم بنا دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ ان علوم وفنون میں یکتائے روزگار بن گئے۔ تاریخ النوائط میں ہے:

''آپ کے والد ماجد مولانا شاہ احمد قدس سرہ نے اپنے ہونہار صاحب زادے کی طباعی اور ذہانت اور شوق اکتساب علوم کو دیکھ کر آپ کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ فرمائی۔ چوں کہ خود بھی عربی کے بہت عالم تھے اس لیے باپ کی توجہ نے بیٹے کو عالم بنا دیا۔ فقہ، فلسفہ، حدیث وغیرہ علوم کی تحصیل سے بہت تھوڑے عرصے میں آپ فارغ ہو گئے۔''

(تاریخ النوائط۔ نواب عزیز یار جنگ بہادر، ولا اکیڈمی، حیدرآباد، دکن، ۱۳۲۲ھ ص: ۳۵۴)

ڈاکٹر مومن محی الدین لکھتے ہیں:

''نو سال کی عمر ہوئی کہ شفقت کا سایہ اٹھ گیا، مولانا شیخ احمد کے زیر تربیت کمسنی ہی میں تجوید وقرآن، فقہ وحدیث ودیگر منقولات ومعقولات میں درس مکمل کر لیے تھے۔ والد جو کلیان کی خاک سے اٹھے تھے اور وہیں پیوند خاک ہو گئے۔''

(تاریخ کوکن، مطبوعہ نقش کوکن پبلی کیشنگ ٹرسٹ، ڈونگری، ممبئ، نومبر ۱۹۶۹ء ص ۳۱۲)

مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی لکھتے ہیں:

''بزرگ والدین کی تربیت نے حضرت مخدوم صاحب کے خداداد جوہروں کو ایسا چمکایا کہ آپ عنایات الٰہی سے بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ اور بڑے رتبے کے صاحب کشف وکرامات صوفی ہوئے۔'' (حضرت مخدوم علی مہائمی۔ حیات، آثار وافکار، ماہم ممبئ ۱۶۔۲۰۰۸ء ص: ۴۶)

آپ کے والد محترم کا وصال ۷۸۸ھ میں ہوا، کلیان نمک بندر کے قریب ایک قدیم قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں، جہاں ان کا پختہ مزار بنا ہوا ہے۔ یہ درگاہ ۵/ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں تعمیر ہوئی۔ والد کے وصال کے بعد آپ کی والدہ مشفقہ اپنے نور نظر کو لے کر اپنے میکے مہائم

میں مقیم ہوگئیں جہاں کلیان، سوپارہ اور چمبور کی طرح عرب و عجمی اور مخلوط النسل مسلمانوں کی کافی تعداد آباد تھی۔ اور جو اس وقت احمد شاہ گجراتی کی سلطنت کا اہم بندر تھا۔ مخدوم علی مہائمی نے اپنی عظیم ماں کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ اسی خدمت مادر کی بنیاد پر آپ کا لقب ''مخدوم'' پڑا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ انتہائی مشہور رہے، جسے کئی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔

رسالہ ''ضمیر الانسان'' کے مصنف سید ابراہیم حسینی مدنی لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم صاحب بچپن ہی سے نہایت باادب، فرماں بردار اور والدین کے خدمت گزار تھے، اتفاق سے ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ عشا کی نماز کے بعد بستر پر لیٹی تھیں، پیاس لگی تو آپ نے مخدوم علی سے پانی مانگا، آپ پانی لے کر گئے تو دیکھا کہ والدہ صاحبہ کی آنکھ لگ گئی ہے، نیند سے اٹھانا سوئے ادب جان کے تمام رات پانی کا کٹورا لیے کھڑے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی۔ جب والدہ صاحبہ کی آنکھ کھلی تو پوچھا: ''بیٹا! کب سے پانی لیے کھڑے ہو؟'' مخدوم صاحب نے عرض کیا: ''اماں جان! آپ نے سوتے ہوئے جس وقت پانی مانگا تھا، اسی وقت سے آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں کھڑا ہوں''۔ والدہ صاحبہ کو اپنے بیٹے کی یہ سعادت مندانہ ادا اتنی پسند آئی کہ دل باغ باغ ہوگیا۔ فوراً بستر سے اٹھیں، وضو کیا، بارگاہ رب العزت میں اپنے بیٹے کے لیے دعائے خیر مانگی۔ ماں کی دعا کا اثر تھا کہ مخدوم صاحب علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں درجۂ کمال کو پہنچے اور بہت جلد مرتبۂ ولایت پر فائز ہوگئے۔''

(رسالہ ''ضمیر الانسان'' مع اردو ترجمہ، مطبوعہ: اسلاف پبلشرز، کلیان، مارچ ۲۰۱۱ء ص: ۵)

سید امام الدین گلشن آبادی نے اپنی کتاب ''تاریخ الاولیاء'' میں دعا کی اثر پذیری کا یہ واقعہ قلم بند فرمایا ہے اور حضرت حضر علیہ السلام کی بارگاہ میں تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی کے حقائق، اور مزید چند کرامتوں کا تذکرہ بڑے مفصل انداز میں کیا ہے۔ (سید امام الدین گلشن آبادی، تاریخ الاولیاء، ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء، جلد دوم، ص: ۴۷۴ تا ۴۷۵)

راقم سطور (توفیق احسنؔ برکاتی) نے بھی اس واقعے کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ جو منظوم کاوش ''ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی'' (مطبوعہ: نئی ممبئی، ۲۰۱۰ء ص: ۳۴، ۳۵۔ ومطبوعہ کراچی، ۲۰۱۴ء ص: ۴۴، ۴۵، ۴۶) میں شامل ہے۔ نظم کے ابتدائی تین اشعار آپ بھی ملاحظہ کرلیں:

وہ علم و معرفت کا جام پی کر مست رہتا تھا
مگر تشنہ لبی کا زور اب بھی شور کرتا تھا
اسے ماں کی دعاؤں سے ملا تھا خضر سا استاد
اسے ہر وقت آقا کی محبت کا سبق تھا یاد
وہ اپنی ماں کی خدمت میں بڑا ہی نام رکھتا تھا
جبھی تو فضل مولیٰ سے ہر اک انعام رکھتا تھا

ڈاکٹر مومن محی الدین نے ''تاریخ دکن''میں ''مخدوم'' کی وجہ تسمیہ کے بیان میں مذکورہ واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے اور اخیر میں یہ بھی لکھا ہے:

''خدمت مادر ولایت کا سبب بنی یا خدمت خلق اللہ،مگر یہ صحیح ہے کہ خوارق عادات یا کرامات سے کہیں زیادہ شیخ علی مہائمی کے علمی محاسن اور اخلاقی مناقب اتنے اعلیٰ تھے جنھوں نے ان کا درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔سلوک وطریقت میں طریقۂ اویسی اور مسلکاً وجودی تھے ۔یہی وجہ تھی کہ شیخ علی مہائمی نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کی تقلید و تشریح میں کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔''

(تاریخ کوکن،مطبوعہ نقش کوکن پبلی کیشنگ ٹرسٹ،ڈونگری،ممبئ،نومبر ۱۹۶۹ء ص:۳۱۳)

طلب علم کا جذبہ تو جوان تھا ہی،لہٰذا بیٹے کے مزید طلب علم کے شوق فراواں کو دیکھتے ہوئے والدہ ماجدہ حضرت بی بی صاحبہ نے راست اللہ عزوجل کی بارگاہ میں التجا کی اور اس عظیم فرزند کو حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا استاد میسر آیا جن کی تعلیم وتدریس نے آپ کے ظاہر و باطن کو علم وعمل کا گوہر یکتا بنا ڈالا اور آپ ایک ولی کامل، مدرس اعلیٰ، مفسر قرآن، مصنف کتب کثیرہ، اور منصب قضا کی حامل شخصیت کے روپ میں جلوہ گر ہوئے۔

حضرت خضر علیہ السلام والی روایت کو متعدد سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔رسالہ ''ضمیر الانسان'' کے حوالے سے مولانا پرواز اصلاحی رقم طراز ہیں:

''جب آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو علم کی پیاس بڑھنے لگی ، پیاس بجھنے کا کوئی ذریعہ نہ دیکھا تو والدہ محترمہ سے عرض کیا:علم کا شوق بڑھتا جارہا ہے، یہاں کوئی ذریعہ نہیں کہ

اپنے شوق کی تکمیل کر سکوں، اگر آپ اجازت دیں تو تحصیل علم کے لیے سفر کروں، والدہ ماجدہ نے کچھ دیر تامل کیا، پھر فرمایا کہ تمہاری جدائی میرے لیے نا قابل برداشت ہے، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، غیب سے کوئی ایسا سامان کر دے گا جس سے تمہارے شوق کی تکمیل ہو جائے گی۔ کسی طریقہ تعلیم و تعلم سے علم وہبی جو فیضانِ باطنی سے حاصل ہوگا، وہ بدرجہا بہتر ہے۔ چناں چہ اسی رات کو والدہ مکرمہ نے بارگاہ الٰہی میں اپنی التجا پیش کی اور آپ کی دعا نے شرف قبول پایا۔ بعد نماز فجر صبح صبح جب حضرت مخدوم صاحب حسب عادت سمندر کے کنارے ٹہلنے گئے تو بلند پتھر پر جو کنارے ہی پڑا ہوا تھا، ایک نورانی صورت بزرگ کو تشریف فرما دیکھا۔ آپ نے سلام عرض کیا، وہ بزرگ جوابِ سلام کے بعد نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے، اور فرمایا کہ تم کو علم معرفت حاصل کرنے کا شوق ہے، تو روزانہ صبح کو یہاں آیا کرو، ہم تم کو تعلیم دیں گے۔ وہ چیز جو تم دور دراز سفر اختیار کر کے حاصل کرنا چاہتے ہو وہ تمہیں ان شاء اللہ یہیں مل جائے گی۔ میں خضر (علیہ السلام) ہوں، تمہاری تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں بھیجا ہے، یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

چناں چہ آپ روزانہ صبح نماز فجر کے بعد اس جگہ پر جاتے اور حضرت خضر علیہ السلام سے علم معرفت حاصل کرنے لگے، چند روز میں معقول و منقول میں کمال حاصل ہو گیا۔ ایک دن اتفاق سے آپ کی والدہ صاحبہ نے دریافت کیا کہ صاحب زادے! تم روزانہ کس کے پاس علم حاصل کرنے جاتے ہو؟ ہم نے سنا ہے کہ تم روزانہ سمندر کے کنارے جاتے ہو۔ آپ نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا، پھر ترک ادب سمجھ کر بتا دیا کہ خضر علیہ السلام سے تحصیل علم کرتا ہوں۔

دوسرے روز جب آپ معمول کے مطابق سمندر کے کنارے پہنچے تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام کو نہ پایا، بہت آزردہ خاطر ہوئے اور نہایت غم گین ہو کر والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آبدیدہ ہو کر عرض کیا، اماں جان! میں نے حضرت خضر علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف آپ سے ان کی تعلیم کا ذکر کر دیا۔ غالبًا آج وہ عدول حکمی سے ناراض ہو کر تشریف نہیں لائے۔ والدہ صاحبہ نے پھر آپ کو تسلی دی اور ارشاد فرمایا کہ فکر مت کرو، اللہ تعالیٰ قادر ہے، وہ پھر تمہارے لیے خضر علیہ السلام کو دوبارہ بھیج دے گا۔ والدہ صاحبہ نے اسی شب کو پھر دعا کی، چناں

چہ دوسرے روز عصر کے وقت خضر علیہ السلام آپ کو راہ میں ملے، اور کہا کہ حکمِ خدا سے تمہیں علم لدنی عنایت ہوا، پھر آپ کو دریا کے کنارے لے گئے، اور ایک لقمہ نعمت الٰہی کا اپنے منہ سے نکال کر آپ کو کھلا دیا اور فرمایا کہ تمہاری والدہ کی دعا مقبول ہوئی اور کمالِ علوم تم کو خدا کے فضل سے ملا اور فیضانِ اویسیہ حاصل ہوا، خلعت ولایت سے سرفراز ہوئے۔ جب مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو اپنا سینۂ بے کینہ جمیع علوم سے مالامال پایا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.'' (حضرت مخدوم علی مہائمی۔ حیات، آثار وافکار، طبع: ماہم، ممبئ ۱۶۔ ایڈیشن ۲۰۰۸ء ص: ۴۶)

سید ابراہیم مدنی آگے لکھتے ہیں:

''جب حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ مسجد میں تشریف لائے اور باجماعت نماز مغرب ادا کی تو اپنے دل کو کمال علم معرفت سے مملو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی والدہ کے حضور پہنچ کر قدموں میں گر پڑے اور سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے: ''ماں! اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم لدنی عطا فرما دیا اور آپ کی دعا کی برکت سے کمالِ علم وحکمت حاصل ہو گیا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ ماں نے کہا: ''ہاں، میرے بیٹے! اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرماتا حکم دیتا ہے۔'' (ضمیر الانسان، مطبوعہ: اسلاف پبلشرز، کلیان، مارچ ۲۰۱۱ء ص: ۲۹)

''مسلمانوں کا شاندار ماضی'' کے مصنف نے بھی اس روحانی وعرفانی تعلیم وتربیت کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

''آپ کرامت کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہوئے۔ آپ کے عہد میں فیروز شاہ تغلق، غیاث الدین تغلق، ناصر الدین محمود وغیرہ چھ بادشاہ گزرے ہیں۔ ان بادشاہوں میں فیروز شاہ تغلق کا عہد نہایت خیر وبرکت کا گزرا ہے، علمائے کرام اور اولیائے عظام کو دور دور سے بلا کر انہیں اپنے یہاں جمع کر کے دین کی تبلیغ کی تھی۔ ہندوستان میں آپ پہلے مفسر قرآن ہیں جنھوں نے عربی زبان میں تفسیر لکھی۔'' (عبد الجبار اجمیری، مسلمانوں کا شاندار ماضی، اجمیری پبلی کیشن، میرا روڈ، نومبر ۲۰۰۵ء ص: ۸۴، ۸۵)

فقیہ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ علم وفن میں یکتائے روزگار ہوئے، ساتھ ہی عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، آپ کی فیاضی اور کشادہ دستی ایک زمانے

تک ضرب المثل رہی۔ ہمہ وقت یاد الٰہی اور مشاہدۂ ذات میں مشغول رہا کرتے تھے، علم وفضل ،اور تصرفات ظاہری و باطنی میں آپ کو مشہور زمانہ ہوئے۔ جن کی عالم گیر شہرت و ناموری نے عالم اسلام کو آپ کا گرویدہ بنا دیا، آپ نے کئی برس دور دراز کا سفر بھی کیا اور گہرے مطالعہ ومشاہدہ میں اوقات زندگی گزارا، قصبہ ماہم میں آپ مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے۔ بمبئ گزیٹر میں لکھا ہے:

’’صوفی مخدوم علی فقیہ جوانی کے کئی سال سفر اور مطالعہ میں گزارنے کے بعد ماہم کے مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے۔‘‘ (بمبئ گزیٹر جلد سوم ،ص:۳۰۱)

طالبان علوم نبویہ کی اچھی خاصی تعداد آپ سے فیض یاب ہوئی۔ جیسا کہ سید امام الدین گلشن آبادی کی تحریر آپ کی تدریس وتصنیف کے متعلق ماقبل میں گزری کہ:

’’مہائم میں مدرسہ تھا، وہاں طلبہ کو آپ درس علوم ظاہری و باطنی دیا کرتے اور اکثر اوقات تصانیف میں گزارتے تھے۔‘‘

(سید امام الدین گلشن آبادی، برکات الاولیاء، مطبوعہ شہر ناسک، رجب ۱۳۲۲ھ، ص:۳۶)

لیکن آپ کے تلامذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں اور نہ آپ کے انداز تدریس کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ مخدوم مہائمی کے تذکرہ نگار مولانا پرواز اصلاحی لکھتے ہیں:

’’حضرت مخدوم علی مہائمی علوم معقول میں جو تبحر اور دست گاہ رکھتے تھے اس کی بنا پر طالبان علوم کی اچھی خاصی تعداد آپ سے فیض یاب ہوئی ہوگی ،مگر اب نہ اس حلقۂ درس کی کیفیات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ان تلامذہ ہی کا پتہ چلتا، جنھوں نے آپ سے استفادہ کیا۔‘‘

(حضرت مخدوم علی مہائمی۔ حیات، آثار وافکار، طبع جدید ماہم، ممبئ ۱۶۔ ۲۰۰۸ء ص:۵۵)

سید امام الدین گلشن آبادی کی کتاب ’’تاریخ الاولیاء‘‘ اور عبد الجبار ملکا پوری کی ’’تذکرۂ اولیاء دکن‘‘ سے مخدوم مہائمی قدس سرہ کے دو شاگردوں شیخ محمد سعید رتنا گیری اور علامہ بدر الدین مخدومی دمامینی کے نام کا حوالہ ملتا ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ جو شخص درس وتدریس اور تصنیفِ کتب کا شغل رکھتا ہو اور اس اہم کام میں اسے جنون کی حد تک ذوق وشوق ہو، وہ ضرور اپنے پاس بیش قیمت کتب ورسائل کا ذخیرہ جمع

رکھتا ہوگا، اس کی ذاتی لائبریری میں مختلف موضوعات پر علمی کتابوں کا انبار ہوگا۔فقیہ مخدوم علی مہائمی کا بھی اپنا ذاتی کتب خانہ تھا جس سے آپ استفادہ کرتے تھے۔لیکن اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا۔مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

''شیخ علاؤالدین علی بن احمد مہائمی بمبئی، جزیرۂ مہائم کے باشندے تھے، ۸۳۵ھ/ ۱۴۳۱ء میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ان کا مقبرہ زیارت گاہ عام ہے، اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صوفی تھے اور بہت سی مفید کتابوں کے مصنف، ایک بڑا کتب خانہ بھی رکھتے تھے، جو عرصہ تک قائم رہا، لیکن متولیوں کی بے توجہی سے ضائع ہوگیا۔۱۹۳۲ء میں جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ اس کی جگہ درگاہ شریف میں ایک نیا کتب خانہ قائم ہے جس میں عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں تھیں، ناظم کتب خانہ سے معلوم ہوا کہ قدیم کتب خانہ کی بقیہ کتابیں بھی اس میں شامل کردی گئی ہیں۔یاد آتا ہے کہ انھوں نے شیخ مہائمی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب مجھے دکھائی تھی، لیکن شاید عجلت کی وجہ سے اسے نوٹ نہ کرسکا۔''

(گجرات کی تمدنی تاریخ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، جدید ایڈیشن، ۲۰۰۵ء ص:۱۶۹)

مخدوم علی مہائمی کا زمانہ سلطان احمد شاہ گجراتی کا عہد حکومت تھا، یہ بادشاہ علما، صلحا، اور ارباب کمال وفن کا قدردان تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے علوم وفنون اور تجارت وحرفت کی ترقی پر کافی توجہ دی۔یہ بادشاہ اولیا وعلما بالخصوص مخدوم مہائمی کا کافی عقیدت مند تھا اور اس نے فقیہ مخدوم علی مہائمی کا نکاح اپنی بہن سے کردیا تھا۔عبداللہ ماما مخدومی لکھتے ہیں:

''سلطان احمد شاہ نے حضرت مخدوم بابا کو بمبئی (ماہم) شہر کا قاضی مقرر کیا تھا اور مخدوم صاحب شرعی مقدمات کے فیصلوں سے فریادیوں کو مطمئن کرتے تھے۔بادشاہ کو مخدوم بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس قدر عقیدت تھی کہ بادشاہ نے اپنی بہن کا عقد مخدوم بابا سے کیا تھا اور شاہی خاندان کا مخدوم بابا کے یہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔''

(عبداللہ ماما مخدومی، مخدوم فقیہ علی المہائمی، ممبئی۔۲۰۰۷ء ص:۵)

ممدوح گرامی فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ اللہ کے ایک برگزیدہ ولیِ کامل اور صاحب کرامت بزرگ تھے، بے شمار کرامتوں کا ظہور آپ کی ذات سے ہوا اور خلق کثیر آپ کے علمی

وروحانی فیضان سے مستفید ہوئی ۔ کچھ کرامات کا تذکرہ ضمیر الانسان اور مخدوم فقیہ علی المہائمی وغیرہا میں ملتا ہے۔لیکن سردست ہم ان کی ممتاز ترین علمی و تصنیفی خدمات پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

مخدوم مہائمی کی زندگی کا بڑا حصہ کتب ورسائل کی تصنیف وتالیف اور شروح وحواشی میں گزرا۔جس کا ذکر اکثر مؤرخین نے کیا ہے،آپ کے تمام تذکرہ نگاروں نے اجمالاً وتفصیلاً ان کی لکھی ہوئی کتابوں کوشامل بحث کیا ہے ۔ ہندوستانی علما میں جنھوں نے عربی زبان میں بیش بہا تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہے آپ ان میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں ۔قرآنیات ،فقہیات ،اصول ،تصوف ،عقائد وکلام وغیرہا موضوعات پرآپ کی تصانیف کا پتہ چلتا ہے ،جس میں زیادہ تر کتابیں شیخ محی الدین ابن عربی کے افکار وبیان پر مشتمل ہیں۔آپ کی اب تک جن کتابوں کا پتہ چلا ہے ان کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱)۔انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام

(۲)۔ادلّة التوحید

(۳)۔اجلّة التائید فی شرح ادلة التوحید

(۴)۔النور الازهر فی کشف القضا والقدر

(۵)۔الضوء الاظهر فی شرح النور الازهر

(۶)۔خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم

(۷)۔الرتبة الرفیعة فی الجمع والتوفیق بین اسرار الحقیقة وانوار الشریعة

(۸)۔امحاض النصیحة

(۹)۔مشرّع الخصوص فی شرح الفصوص

(۱۰)۔زوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف

(۱۱)۔ترجمه وشرح لمعات عراقی

(۱۲)۔مرآة الحقائق

(۱۳)۔اراءة الدقائق شرح مرآة الحقائق

(۱۴)۔استجلاء البصر فی الرد علیٰ استقصاء النظر

(۱۵)۔الوجود فی شرح اسماء المعبود

(۱۶)۔فقه مخدومی

(۱۷)۔فتاویٰ مخدومیة

(۱۸)۔رسالة عجیبة

(۱۹)۔تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان بعض ما یشیر الیٰ اعجاز القرآن

(۲۰)۔تنویر الجنان

(۲۱)۔شرح قصیدہ رائیہ۔

یہ کل اکیس کتابیں ہیں،جن میں سے صرف دس کتابیں ملتی ہیں، باقی کا کوئی اتا پتانہیں ۔مولانا پرواز اصلاحی نے شروع کی انیس کتابوں کا تفصیلی تعارف ۴۸صفحات (۸۲تا۱۲۹)میں کرایاہے۔آغاز تعارف میں ان کی تحریر کی خصوصیات پر بایں انداز روشنی ڈالی ہے:

''اندازِ نگارش دیکھئے تو عربی زبان وادب کے تمام محاسن ان کی کتابوں میں جلوہ گر ہیں ۔طرز استدلال ائمہ متکلمین کے ہم پلہ نظر آئے گا،قرآن وحدیث پر تبحر بھی ہےاور فلاسفہ وحکما کی کتابوں پر عبور بھی،صوفیانہ افکار پر گہری نگاہ بھی ہےاور حقائق کے اظہار پر دسترس بھی۔اس لیے ہندوستانی علما میں جنھوں نے عربی زبان میں بیش بہا اور گراں قدر تصنیفات چھوڑی ہیں بڑا اونچا مقام حاصل کرلیتے ہیں۔''

(حضرت مخدوم علی مہائمی۔حیات،آثار وافکار،طبع: ماہم ممبئ ۱۶۔ایڈیشن ۲۰۰۸ءص:۸۳)

سید سعد اللہ قادری نے اپنے مقالے میں ان کی پندرہ کتابوں کی موضوعاتی فہرست دی ہےاور چند کا تعارف بھی تحریر کیا ہے۔

(حضرت مخدوم علی مہائمی: تین تحقیقی مقالات،ماہم ممبئ۔۲۰۰۷ء،س:۳۳)

ڈاکٹر محمد زبیر قریشی شعبہ فارسی گجرات یونیورسٹی نے'' حضرت مخدوم علی مہائمی کی چند تصانیف'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا تھا، جو سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔مفتی عبدالمجید رضوی نے آپ کی اکیس کتابوں کا تفصیلی تعارف تحریر کیا

ہے۔(تذکرہ مخدوم علی مہائمی،مطبوعہ ممبئی،مارچ ۲۰۱۵ء،ص:۳۷۹)

فقیہ مخدوم علی مہائمی نے عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر بڑے عالمانہ اور منفرد انداز میں لکھی، جو آپ کا سب سے بڑا تصنیفی شاہ کار ہے اس کا اصل نام ''**تبصیر الرحمن وتیسیر المنان بعض مایشیر الیٰ اعجاز القرآن**'' ہے اور شہرت اور عرف تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائمی کے نام سے قائم ہے، سن تصنیف ۸۳۱ھ ہے اور یہ تفسیر دو ضخیم جلدوں میں ہے، ڈاکٹر سالم قدوائی نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں'' (مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء) میں یہ وضاحت تحریر کی ہے کہ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان میں قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی ابتدا مخدوم علی مہائمی کے دور سے شروع ہوئی، آپ کے معاصرین میں شیخ محمد بن احمد گجراتی (متوفی:۸۶۴ھ) نے ''کاشف الحقائق وقاموس الدقائق'' کے نام سے اور حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز (متوفی:۸۲۵ھ) نے ''تفسیر ملتقط'' کے نام سے تفسیریں لکھیں۔

(محمد عارف اعظمی، تذکرہ مفسرین ہند، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء ص:۲، ۲۷)

''تفسیر کاشف الحقائق وقاموس الدقائق'' کا تعارف کراتے ہوئے محمد عارف اعظمی عمری نے لکھا ہے:

''یہ تفسیر ہندوستان میں لکھی گئی سب سے پہلی تفسیر ہے اور یہ از اول تا آخر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے، اس کا ایک عمدہ اور نادر مکمل نسخہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے، یہ نسخہ خط نسخ کی دیدہ زیب کتابت کا عمدہ نمونہ ہے اور ۱۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں ہیں جس کی دو سطریں سرخ اور ایک نیلی ہے، چند صفحات مسطر اور بقیہ غیر مسطر ہیں، غیر مسطر صفحات کا سائز طول میں ۲۵ سینٹی میٹر ہے، حاشیہ کی جگہ بالکل سادہ ہے، کاغذ قدیم کشمیری، چکنا، باریک، حنائی رنگ کا ہے اور کتابت نہایت صاف ستھری اور واضح ہے اور اس میں سیاہ چمک دار روشنائی استعمال کی گئی ہے، اور جگہ جگہ شنگرفی تحریر کی لالہ کاری بھی موجود ہے، صفحات کی ترتیب بھی درست ہے لیکن کاتب کا نام اور سنہ کتابت کہیں درج نہیں ہے۔'' (تذکرہ مفسرین ہند، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، جدید ایڈیشن ۲۰۱۳ء ص:۳۰)

اس کے بعد عارف اعظمی نے مذکورہ تفسیر کی تین خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے:

''اس تفسیر کی بنیادہ خصوصیت تو یہی ہے کہ برصغیر ہندو پاک میں ایک ہندی نژاد مصنف کی یہ سب سے پہلی مکمل تفسیر ہے، اس کے مصنف امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء) کے معاصر ہیں اور تفسیر بیضاوی کی طرح اس میں بھی ابتدا میں تفصیلی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، اور آہستہ آہستہ مختصر ہوتا گیا ہے۔'' (ایضاً، ص:۳۰،۴)

مصنف مذکور نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی ''تفسیر ملتقط'' کا تعارف بھی درج ذیل انداز میں کرایا ہے:

''شیخ گیسو دراز کی تفسیر کا ذکر محمد علی سامانی نے متعدد مقامات پر کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس تفسیر کا باقاعدہ درس شیخ گیسو دراز کی مجلس میں ہوتا تھا، اور ان کے فرزند اکبر سید محمد اکبر نے اس کی شرح بھی لکھی تھی، مگر یہ شرح نایاب ہے، البتہ تفسیر ملتقط دو جلدوں میں انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس کتب خانہ میں پہلی جلد کے دو نسخے اور دوسری جلد کا ایک نسخہ ہے، پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ کہف تک ہے اور دوسری جلد سورۂ مریم سے شروع ہو کر اختتام قرآن مجید تک ہے اور دونوں ہی جلدوں کے مخطوطے نہایت بوسیدہ حالت میں ہیں اور اسی بنا پر انڈیا آفس کے فہرست نگار اوٹو لوتھ کو ان جلدوں کے مصنف کے بارے میں اشتباہ بھی ہوا ہے، مگر اس کے باوجود ان میں ایسے واضح دلائل موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تفسیر شیخ گیسو دراز کی تصنیف ہے۔''

(تذکرہ مفسرین ہند، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ایڈیشن ۲۰۱۳ء ص: ۲۷، ۲۸)

برسبیل تذکرہ عرض کردیں کہ پروفیسر اختر الواسع، دہلی نے ''ہندوستان میں صوفی ادب'' کے عنوان سے سات صفحات پر مشتمل ایک انتہائی جامع اور مطالعاتی مقالہ لکھا ہے، جس میں انھوں نے ملک ہندوستان میں صوفی ادب اور مختلف زبانوں کی متصوفانہ کتابوں، شروح، اور تفاسیر کا تعارف کرایا ہے، اسی میں پروفیسر موصوف ایک جگہ فقیہ مخدوم علی مہائمی کے معاصر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کی علم تصوف اور فن تصوف میں گراں قدر خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت گیسو دراز کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن پاک کی صوفیانہ تفسیر

بھی لکھی ۔کئی بڑے صوفیہ ان سے قبل بھی صوفیانہ تفسیر لکھ چکے تھے ۔لیکن ہندوستان میں سب سے پہلے خواجہ گیسو دراز نے ہی تفسیر لکھی ، پندرہ جلدوں پر مشتمل تفسیر عربی زبان میں ہے ،اور ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے تعلق سے ایک بات اور بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ آپ نے ''معراج العاشقین'' کے نام سے اردو زبان کی پہلی نثری کتاب تصنیف کی ۔ ہندوستان میں خواجہ بندہ نواز تصوف کے سب سے بڑے مصنف ہیں ،ان کی تصانیف سارے ذخیرۂ تصوف کا عطر ہیں ۔'' (سال نامہ ''الاحسان'' الہ آباد، شمارہ ۵ ،فروری ۲۰۱۴ء ص: ۲۵۴، ۲۵۵)

لیکن اس مقالے میں انھوں نے فقیہ مخدوم علی مہائمی کی کسی تفسیر اور دوسری کسی کتاب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے ،جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے ۔اسی طرح ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن نے اپنی تالیف ''تصوف اور صوفیا کی تاریخ: عرب سے ہندوستان تک'' ۱۶/ ابواب میں مرتب کی ہے ۔جس میں ابتدا کے دس ابواب مختلف تاریخ کتابوں سے ماخوذ و مقتبس ہیں ۔اس کتاب میں تاریخ تصوف و صوفیا پر مختلف تاریخی حوالے درج کیے گئے ہیں ،کئی صدیوں کے نمائندہ گروہ صوفیا کا تعارف و تذکرہ اور مشہور صوفی سلسلے کی تاریخیں شامل بحث ہیں ۔تیسرے سے لے کر دسویں باب میں علی الترتیب ''ملک ہندوستان میں صوفی تحریک اور صوفیا کے کارنامے ،خانقاہوں کا قیام اور ان کی سماجی اہمیت ، دہلی سلطنت کے سلطانوں کا صوفیا سے تعلق ، مغل بادشاہوں کا صوفیا سے تعلق ، ہندوستان میں درگاہ کے قیام کی روایت ،عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کا درگاہوں سے تعلق ، اور ہندوستانی معاشرے میں درگاہوں کی اہمیت'' پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔لیکن کہیں بھی کسی باب میں ممبئ کے کسی قابل ذکر صوفی اور کسی معروف درگاہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔اس کی وجہ بحق مرتب محفوظ ہے ۔ یہ کتاب ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ، دہلی سے ۲۰۱۴ء میں مجلد دیدہ زیب عمدہ کاغذ پر شائع ہوئی ہے ۔حالاں کہ فقیہ مخدوم علی مہائمی کی صرف ''تفسیر مہائمی'' ہی تصوف و طریقت کے اسرار و رموز کا خزانہ ہے اور اس میں صوفی ادب کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے ۔

شیخ مہائمی کی ''تفسیر رحمانی'' نواب جمال الدین وزیر ریاست بھوپال کے زیر اہتمام ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں مطبع بولاق ،مصر سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکی ہے ۔اور ۲۰۰۶ء میں

امام شافعی فاؤنڈیشن، ممبئ کے زیر اہتمام ''تفسیر مہائمی'' سورۂ بقرہ تا سورۂ آل عمران کا بزبان اردو تشریحی ترجمہ (مترجم مفتی محمد عصمت بوبیرے) بھی مجلد شائع ہو چکا ہے، جس کو علمی حلقوں میں کافی سراہنا ملی اور اردو دنیا اس تفسیر کی خوبیوں سے آشنا ہوئی۔

رسالہ ''ضمیر الانسان'' ص:۱۱،۱۲؍ پر سید ابراہیم مدنی کلیانی نے مخدوم مہائمی کی اکثر کتابوں کے اسما پیش کیے ہیں، اور اخیر میں آپ کی سب سے مشہور تصنیف ''تفسیر مہائمی'' سے متعلق لکھا ہے: ''**واعظم تصنیفاته تفسیر القرآن العزیز مما لا یسبق بمثله ربط فیه لکل کلمة بما فیها و کل آیة بما سبقها مما لم یصنف مثله قط و لم یصنف غیر ذٰلک.** '' (ضمیر الانسان، مطبوعہ: کلیان، مارچ ۲۰۱۱ء ص:۱۲)

ڈاکٹر مومن محی الدین لکھتے ہیں:

''اس کا علمی مرتبہ اتنا افضل ہے کہ شہنشاہ بابر کے معاصر عبد القدوس گنگوہی نے اس کی تتبع میں جو تفسیر لکھی ہے وہ تفسیر مہائمی کے طفیل شہرت رکھتی ہے۔ اس میں کلام پاک کی آیات کریمہ کا باہم دگر مربوط ہونا بڑی قابلیت سے بیان کیا گیا ہے۔ مولانا عبد الحق محدث نے اس کی صفت ایجاز و تدقیق کی بے حد تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ ''تفسیر را بقرآن امتزاج دادہ است''۔

(تاریخ کوکن، مطبوعہ نقش کوکن پبلی کیشنگ ٹرسٹ، ڈونگری، ممبئ، نومبر ۱۹۶۹ء ص:۳۱۳)

مولانا ابو ظفر ندوی نے ''گجرات کی تمدنی تاریخ'' میں لکھا ہے:

''تفسیر مہائمی علاؤ الدین علی بن احمد کی ہے، جن کے متعلق اہل علم کا خیال ہے کہ پورے ہندوستان میں فن تفسیر میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

(گجرات کی تمدنی تاریخ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، جدید ایڈیشن، ۲۰۰۵ء ص:۱۲۲)

نواب قادر عظیم بہادر کرناٹکی اپنی کتاب ''گلستان نسب'' میں لکھتے ہیں:

''عبد الفتاح نے جو ہمارے جد محترم، قطب زماں حضرت مولانا حبیب اللہ قدس سرہ کے مرید تھے، اپنے مرشد کے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک روز آن جناب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ علی المہائمی قدس سرہ نے دو سال تک علم حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی فضیلت عطا کی تھی کہ انھوں نے ''تفسیر مہائمی'' تصنیف فرمائی۔ اور کہتے تھے کہ تفسیر مذکور کو عرش

اعظم پر دیکھا اور مقابلہ کیا گیا اور کم وبیش کی اصلاح کی گئی۔ یہ بزرگ بھی ہمارے ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔''شمس الدین نواب عزیز جنگ ولا نے اپنی کتاب تاریخ النوائط میں ''گلستان نسب'' کا اصل فارسی متن بہ شکل اقتباس درج کیا ہے۔

(تاریخ النوائط،ضمیمہ جات، ولا اکیڈمی، حیدرآباد، اگست ۱۹۷۶ء ص:۳۰۹)

عبداللہ ماما مخدومی نے بھی لکھا ہے:

یوں تو قرآن مجید کی کئی تفسیریں لکھی گئی ہیں جن میں ہندستان کے کئی علما اور اولیا کی بھی تفسیریں ہیں مگر حضرت مخدوم صاحب کی عربی میں لکھی گئی تفسیر (تبصیر الرحمٰن)ایک ایسی تفسیر ہے جس کو اہل عرب جن کی زبان عربی ہے نے اس تفسیر کو نہ صرف شرف قبولیت بخشی ہے بلکہ آج بھی دنیا کی سب سے بڑی جامعہ ازہر یونیورسٹی میں یہ تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ ہندستان کے کسی عالم کو عرب دنیا نے اس قدر عزت نہیں بخشی ہے۔اور کیوں نہ ہو جب کہ حضرت مخدوم مہائمی نے بذات خود اس تفسیر سے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے اس تفسیر کو لوح محفوظ سے ملایا ہے، سبحان اللہ!۔اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ برلین جرمنی کے میوزیم میں محفوظ ہے۔مگر اس قدر معتبر تفسیر سے ہندستان کے مسلمان نہ صرف محروم ہیں بلکہ لاعلم بھی ہیں۔''

(عبداللہ ماما مخدومی، مخدوم فقیہ علی المہائمی، ممبئ۔۲۰۰۷ء ص:۲۱)

فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ کا علمی وروحانی قد انتہائی بلند تھا،ان کی روحانی مرتبت اور علمی ودینی فضیلت سبب انھیں ''قطب الاقطاب، عالم معانی، مولانا قطب برہانی'' وغیرہا خطابات سے نوازا گیا اور سب نے ان کی کشف وکرامات کا اثر قبول کیا۔

حضرت مخدوم مہائمی کو جہاں علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی وہیں آپ کو فن کتابت میں یدطولیٰ حاصل تھا۔آپ کے علمی آثار میں قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ خط نسخ میں آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا درگاہ شریف میں محفوظ ہے جسے ہر سال ۲۹ ویں شب رمضان میں زیارت کے لیے کھولا جاتا ہے۔

اقلیم ولایت کے تاج دار، علوم الٰہیہ کے بحر ذخار، اسرار شریعت وطریقت کے رمز شناس ،فلسفۂ وجودی کے نکتہ طراز، آفتاب کوکن حضرت مہائمی ۸ر جمادی الآخرہ ۸۳۵ھ/ فروری ۱۴۳۱ء

شب جمعہ کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اورروز جمعہ پاؤ دن چڑھے مہائم کے اندر اپنے اقربا کے قبرستان میں والدہ ماجدہ کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے، مادۂ تاریخ وصال ''جنات الفردوس، سخن فہم، اور کشف المختوم'' سے برآمد ہوتا ہے۔

پروفیسر عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

''مخدوم علی مہائمی کا شمار ہندستان کے صاحب علم وبصیرت عالم، مفسر قرآن اور فقیہوں میں ہوتا ہے۔ ماہم کا علاقہ علاقۂ کوکن کا حصہ ہونے کی وجہ سے حضرت مخدوم علی مہائمی کو'' قطب کوکن'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یوں تو بمبئی میں صوفیا کے مزارات کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں جنھوں نے رشد وہدایت کی روشنی پھیلائی، مگر تاریخی اعتبار سے مخدوم علی مہائمی کی ذات بابرکات نہ صرف قدیم ہے بلکہ تاریخی شوائد کے ساتھ آپ کی حیاتِ مقدسہ پردۂ خفا میں نہیں ہے۔'' (مقدمہ، حضرت مخدوم علی مہائمی: تین تحقیقی مقالات، ماہم ممبئی۔۲۰۰۷ء، ص:۱۲)

ڈاکٹر میمونہ دلوی کے مطابق مولوی ابو محمد عبدالحق، مفسر تفسیر حقانی نے ''تذکرۂ مولانا فقیہ علی مخدوم مہائمی'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا۔ بدرالدین بن عبداللہ قور کی فرمائش اور مولانا ابو محمد عبدالعزیز مترجم فقہ مخدومی کی تصحیح سے یہ کتابچہ مطبع گلزار حسنی، بمبئی سے ۱۸۹۷ء میں شائع کیا گیا ۔مولوی محمد یوسف کھٹکھٹے نے بھی ایک مختصر رسالہ بنام ''کشف المکتوم من حالات الفقیہ علی المخدوم'' اردو میں لکھا تھا، جس کا ماخذ ضمیر الانسان ہے اور ایک مثنوی ''زینت المجالس'' کے نام سے انھیں سے متعلق لکھی تھی، اس کا ماخذ بھی وہی رسالہ ضمیر الانسان ہے۔(بمبئی میں اردو، مطبوعہ : مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص:۲۲۶۔۲۳۲)

مولانا محمد فاروق مہائمی مصباحی نے بھی ''سوانح مخدوم علی مہائمی'' کے نام سے ۹۶ صفحات میں مارچ ۲۰۱۴ء میں ایک کتاب شائع کی ہے۔

عہد مہائمی کے سیاسی ومذہبی حالات:

فقیہ مخدوم علی مہائمی کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ وارشاد نے جزائر بمبئی کو متاثر کیا اور اس کے اثرات دکن اور کوکن کے دوسرے علاقوں پر بھی پڑے، مذہب کی جانب لوگوں کا میلان بڑا، آپ کی ولایت کے چرچے اور فیض رسانی نے قلوب واذہان کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ علاوہ

ازیں ماہم اور دیگر جزائر بمبئ کے مذہبی حالات میں حکومتوں نے بھی کافی اثر اندازی کی، سلاطین دہلی میں علاؤالدین خلجی، سلطان قطب الدین شاہ اول، خاندان تغلق میں فیروز شاہ تغلق، اس کے بعد مظفر شاہ، شاہان گجرات میں احمد شاہ (جس نے بتیس برس تک گجرات میں نہایت شان دار حکومت کی) سے لے کر بہادر شاہ (۱۵۲۵ء) تک کے بادشاہان ان علاقوں میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرتے رہے۔ بالخصوص سلطان احمد شاہ کے عہد میں گجرات اور اس کے متعلقہ علاقے علم وفن، صنعت وحرفت وغیرہ شعبہ ہائے حیات میں تہذیب وثقافت کا مرکز بن گئے، سلطان علما، صوفیا اور ارباب کمال کا بڑا قدر دان تھا، اسی سلطان احمد شاہ کے عہد میں فقیہ مخدوم علی مہائمی نے اپنی بلند پایہ تصنیفی شاہ کار تفسیر لکھی اور اسی کے نام سے معنون کیا۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً بہمنی سلاطین کا بھی تذکرہ کر دیا جائے، جن میں سے کئی بادشاہوں کا عہد حکومت فقیہ مخدوم علی مہائمی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس سلسلے میں ہم 'تاریخ فرشتہ' اور 'مختصر تاریخ مہاراشٹر' کو ماخذ بنا کر اپنی گفتگو پیش کر رہے ہیں۔

محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء میں دہلی کے تخت پر براجمان ہوا، ۱۳۲۷ء میں اس نے دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، جو دو سال بعد بدل کر پھر سے دہلی کر دیا گیا۔ محمد بن تغلق کے اس اقدام منتقلی سے دکن کا کافی فائدہ ہوا، اس وقت کئی علما، ادبا، فن کار اور صوفیا دہلی سے دکن کی طرف آئے اور یہیں رہ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پیہم کوششوں سے دکن کا تہذیبی، سماجی، اور مذہبی منظر نامہ بدل گیا۔ مذہبی تعلیمات اور صوفیانہ افکار کو فروغ ملا، رواداری اور بھائی چارگی کو رواج عام نصیب ہوا۔ تغلق عہد میں سوبہ دکن کافی وسیع ہو چکا تھا، جس میں مہاراشٹر، تلنگانہ، اور بیدر کے علاقے شامل تھے۔ اس عہد میں دکن کا صوبے دار علاؤالدین حسن بہمنی تھا، اس نے تغلق خاندان کی سختیوں سے تنگ آ کر ۱۳۴۷ء میں بغاوت کر دی، اور ایک آزاد خود مختار ریاست کی بنیاد رکھی، جو سلطنت دکن کی پہلی خود مختار مسلم سلطنت تھی، جسے 'بہمنی سلطنت' کا نام دیا گیا۔

تاریخ النوائط میں ہے: ''سلطان علاؤالدین بہمنی نے ۷۴۸ھ میں حکومت سازی کی، شمالی ہند میں سلطان محمد تغلق کا انتقال ہو چکا تھا، اس کی جگہ اس کا چچیرا بھائی فیروز شاہ تغلق ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو تخت پر بیٹھا۔'' (شمس الدین نواب عزیز جنگ ولا، تاریخ النوائط، ولا اکیڈمی، حیدرآباد،

اگست ١٩٧٦ء ص: ٣١٨)

سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کی دکن کی حکمرانی کے تعلق سے محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ایک حیرت انگیز بشارت کا تذکرہ ''دکن کی حکمرانی'' کے عنوان سے کیا ہے، جسے ہم یہاں نقل کرر ہے ہیں۔

''حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ کے آستانے پر ایک دن ہر خاص وعام کی دعوت تھی ۔دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے اور اس دعوت شیراز میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی ۔لہٰذا شہزادہ محمد تغلق بھی اس دعوت میں شریک ہوا، تا کہ تمام بزرگوں کے فیض صحبت سے مستفید ہو، جب محمد تغلق نیز دیگر مہمان کھانا کھا کر چلے گئے اور دسترخوان اٹھا دیا گیا ،تب حسن گنگو حضرت شیخ نظام الدین کے آستانے پر پہنچا، تا کہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کرے، لیکن اس سے پہلے ہی حضرت کو اپنے انوار باطنی سے اس کے آنے کی خبر ہوگئی تھی ۔اس کے آنے کی اطلاع ملے بغیر ہی انھوں نے اپنے ملازم سے کہا: 'ایک شخص جو نہایت شریف باطن اور شکل وصورت میں بھی شرافت و نیکی کی تصویر ہے، باہر کھڑا ہے اس کو بلا کر لاؤ'۔ ملازم حسن گنگو کو لینے کے لیے باہر گیا، مگر اسے پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھ کر اس کو اعتبار نہ آیا کہ یہی وہ شخص ہوگا، جس کو حضرت نے طلب فرمایا ہے۔اس نے بارگاہ حضرت میں واپس آ کر عرض کیا کہ دروازے پر کوئی بھی آدمی نہیں ہے، ہاں ایک مفلوک الحال اور پریشان صورت شخص البتہ کھڑا ہے۔اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہاں، وہی شخص ہے جو بظاہر فقیر معلوم ہو رہا ہے، لیکن در حقیقت دکن کا تاجدار ہوگا۔غرضے کہ حسن گنگو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور شرف ملاقات حاصل کیا۔حضرت نے حسن پر بہت مہربانی کی اور اس سے پرسش احوال کی ۔ چوں کہ کھانا ختم ہو چکا تھا، لہٰذا حضرت شیخ نے اپنے افطار کے لیے جو روٹی رکھی تھی اس میں سے تھوڑی سی روٹی اپنی انگلی کے سرے پر رکھ کر حسن کو دی اور کہا کہ یہ دکن کی حکمرانی کا تاج ہے جو بہت کش مکش ،محنت اور عرصہ دراز کے بعد تیرے سر پر رکھا جائے گا۔''

(تاریخ فرشتہ، مترجم، مکتبہ ملت، دیوبند، ١٩٨٣ء ص: ٤٣٧، ٤٣٨ ج ١)

حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی پیش گوئی کے مطابق ایک لمبے عرصے بعد علاؤ الدین حسن

گنگو بہمنی کو دکن کی حکمرانی نصیب ہوئی۔اس کی تخت نشینی سلطان قطب الدین کی مسجد میں چار ربیع الثانی ۷۴۸ھ بروز جمعہ ہوئی۔اس نے پورے گیارہ سال، دو مہینے، سات دن تک حکومت کی، یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ کو اس کا انتقال ہوا،اس نے ۶۷ سال کی عمر پائی۔اس کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ اول تخت سلطنت پر بیٹھا،اس کی تخت نشینی کے وقت علما اور مشائخ نے غائبانہ اور حاضرانہ محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی،مگر حضرت شیخ زین الدین نے اس کی بداعمالی اور عیش پرستی کی وجہ انکار کر دیا تھا،لیکن بعد توبہ محمد شاہ شیخ سے کافی قریب رہا۔۹/ ذوالحجہ ۷۷۴ھ میں اس کا وصال ہوا۔اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان مجاہد شاہ بہمنی بادشاہ بنا،اس نے تخت نشیں ہوتے ہی دولت آباد شیخ برہان الدین کے مزار پر حاضری دی،اس کے بعد شیخ زین الدین قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔مجاہد شاہ کی شہادت ۱۶/ ذوالحجہ ۷۷۹ھ میں ہوئی۔بعد میں داؤد شاہ بن علاؤالدین بہمنی تخت نشین ہوا، جسے ۷۸۰ھ میں حالت سجدۂ نماز میں شہید کر دیا گیا۔پھر محمود شاہ بہمنی ابن علاؤالدین بہمنی تخت پر بیٹھا،سلطان محمود شاہ علما اور فضلا کا قدردان تھا اور ان کی صحبت اٹھاتا تھا۔اس عہد میں عرب وعجم کے نہایت مشہور شعرا دکن آتے تھے اور اس کے انعام واکرام کے حق دار بنتے تھے۔اس کی شہرت نے اس قدر ہمہ گیری حاصل کر لی تھی کہ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی جیسے بزرگ دکن کے سفر پر آمادہ ہو گئے تھے۔محمود شاہ کا انتقال یکم رجب ۷۹۹ھ کو ہوا۔محمود شاہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا غیاث الدین بہمنی تخت پر بیٹھا،اس نے صرف ایک ماہ حکومت کی،محمود شاہ کے ایک قدیم غلام تغلچین نے ایک بہانے سے حملہ کر کے اس کی دونوں آنکھیں نکال لیں اور قلعہ ساغر میں قید کر دیا۔یہ واقعہ رمضان ۷۹۹ھ کو پیش آیا۔

غیاث الدین بہمنی کے بعد اس کا دوسرا بھائی سلطان شمس الدین بہمنی تخت پر بٹھایا گیا،وہ نام کا بادشاہ تھا،سارا کام اسی دغا باز تغل چین کے ہاتھ میں تھا،شمس الدین کی حکومت ۲۰/صفر ۸۰۰ھ ہی کو ختم ہو گئی تھی،اس نے ۸۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔اب فیروز شاہ بہمنی ابن داؤد شاہ بہمنی کو حکومت ملی،یہ بادشاہ دنیا کی بہت ساری زبانیں جانتا تھا،مستند شعرا کے اشعار اسے ازبر تھے،خود بھی شعر کہتا تھا،مختلف علوم وفنون میں اسے دلچسپی تھی،تفسیر،اصول حکمت،طبعی اور نظری علوم میں اس کو دست گاہ بھی حاصل تھی،صوفیاے کرام کی اصطلاحات سے

بھی اس کو لگاؤ تھا، خود پڑھتا تھا اور طلبہ کو ہفتہ میں تین دن پڑھاتا بھی تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

''میر فضل اللہ شیرازی کی برکت اور آغوش تربیت میں فیروز شاہ نے تمام علوم وفنون سیکھے ، یہ بات مسلم ہے کہ علم ودانش میں فیروز شاہ کا مرتبہ محمد تغلق سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ فیروز شاہ پہلا حکمراں تھا جس نے سادات سے سلسلہ شادی وخانہ آبادی شروع کیا۔ میر فضل اللہ شیرازی کی بیٹی سے اپنے بیٹے حسن کا نکاح کیا اور اپنے بیٹی کی شادی حضرت کے فرزند شمس الدین سے کی اور اپنے داماد کو طرف دار دولت آباد مقرر کیا۔''

(تاریخ فرشتہ، مترجم، مکتبہ ملت، دیوبند، ۱۹۸۳ء ص: ۴۰۸ ج ۱)

۸۱۵ھ میں فیروز شاہ شکار کا بہانہ بنا کر گونڈ واڑہ گیا، اور اس علاقے کو تباہ وبرباد کر کے پھر ہندوؤں کو شکست دی۔ اور اندازاً تین سو ہاتھی گرفتار کر کے اپنے پایہ تخت کو واپس آیا۔ اسی دوران میں باشاہ کو خبر ملی کہ ایک ولی کامل دہلی سے دکن تشریف لائے ہیں اور ان کا نام خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہے۔ بادشاہ نے انھیں دعوت دی، خود فیروز آباد سے گلبرگہ آیا اور اپنے اعزہ ورشتہ داروں کو ان کے استقبال کے لیے روانہ کر دیا۔ آپ نہایت عزت واحترام کے ساتھ تشریف لائے۔ سلطان کا بھائی احمد خان حضرت کا بہت دلدادہ اور معتقد ہو گیا اور ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی، جہاں وہ مسلسل حاضری دیا کرتا اور حضرت کے صوفیانہ کلام سے فیض حاصل کرتا ۔ شوال ۸۲۵ھ میں فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا۔ بھائی کے انتقال کے بعد احمد شاہ بہمنی بن داؤد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ میں بادشاہ بنا، تخت نشین ہوتے ہی اپنے خاندانی شعار کے خلاف حضرت بندہ نواز کی بیعت کی، ان کے رہنے کے لیے شہر کے نزدیک ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی اور ان کے لیے جاگیریں وقف کیں۔ مختصر تاریخ مہاراشٹر کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ''فیروز شاہ بہمنی کے بھائی احمد شاہ اول کی گیسو دراز کے ساتھ نسبت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسے بھی ولی کہتے تھے۔''

بارہ سال، دو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۸۳۸ھ میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان علاؤ الدین ابن احمد شاہ بہمنی تخت نشین ہوا، جس نے ۲۳ سال، ۹ ماہ اور ۲۰ روز تک حکومت کی۔ انتقال ۸۶۲ھ میں ہوا۔

اس کے بعد بھی بادشاہت وحکمرانی کا یہ سلسلہ قائم رہا، بہمنی سلطنت ۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۷ء

تک باقی رہی ،اس کے بعد ناگزیر اسباب کی بنا پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔ بہمنی سلاطین نے نہایت فیاضی سے علوم وفنون کی سرپرستی کی ،جس کی وجہ سے ان کے درباروں میں عرب ،ایران اور دوسرے ممالک سے اہل علم اور صاحبان فن یہاں جمع ہوگئے ۔اسی زمانے میں مشہور شاعر نظامؔی نے دکنی زبان میں مشہور مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' لکھی ،صوفیائے کرام کا ایک قافلہ ہی شمالی ہند سے دکن کی سرزمین پر اتر پڑا، جس کے اثرات دور دور تک محسوس کیے گئے ۔محبت الٰہی اور خدمت خلق کی تعلیم نے دکن کے باشندوں کا کافی متاثر کیا، بہمنی سلاطین تصوف اور صوفیا سے متاثر اور سنی عقائد کے پیرو تھے۔(پرویز عالم، مختصر تاریخ مہاراشٹر، مطبوعہ اورنگ آباد، ص:۶۱)

یہی حال سلاطین گجرات اور پایۂ تخت گجرات کا تھا کہ وہ بھی سنی عقائد کے پیرو تھے اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سرکاری طور پر بڑی دھوم اور اہتمام سے منایا کرتے تھے۔جس میں عوام کے ساتھ امرا، حکومت کے نمائندگان اور سادات، علما و مشائخ شرکت کرتے تھے۔

مولانا ابوظفر ندوی اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عید ولادت کا جشن بھی پایۂ تخت گجرات میں خوب دھوم دھام سے منایا جاتا ، پہلی ربیع الاول سے صبح وشام نعت خوانی ہوتی ،جس میں سادات ، ائمہ مساجد، مشائخ ،صوفیہ، زہاد، عباد، صلحا، فقرا، اور عوام سب شریک ہوتے ،شاید ہی کوئی معزز اور مشہور آدمی اس کی شرکت سے محروم رہ جاتا ، یہ اجتماع بارہ ربیع الاول تک جاری رہتا، اس میں نعت خوانی کے ساتھ قرآن خوانی ، حدیث خوانی ، ذکر اور آواز کے ساتھ درود خوانی بھی ہوتی ، بارہویں کی شب کو آخری مجلس میلاد میں نعت خوانی ہوتی ۔اور جب ولادت کا ذکر قریب آتا تو سلطان بھی پہنچ جاتا ، پھر خلعت لایا جاتا ، جس میں سلے ، بن سلے کپڑے ہوتے اور ترتیب کے ساتھ میلاد خوانوں کو، پھر مخصوص لوگوں کو، پھر عام لوگوں کو دیا جاتا ،کوئی وہاں سے محروم واپس نہ آتا۔'' (گجرات کی تمدنی تاریخ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ایڈیشن ،۲۰۰۵ء ص:۱۳۰)

اس کے بعد مصنف نے جشن عید میلاد سے متعلق اور رسوماتِ شاہی کی تفصیلات بیان کی ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

''جشن میلاد کا دستور تو ہمیشہ سے تھا، لیکن محمود اعظم بیگڑہ کے عہد سے اس میں زیادہ اہتمام

ہونے لگا اور مظفر شاہ بن محمود اعظم نے بہ نیت ثواب یہ دستور نکالا، خود اپنے ہاتھوں میں پانی کا لوٹا لیتا، لوگوں کے ہاتھ دھلاتا، اور دستر خوان کو دھلا کر اپنے لیے اس کے کپڑے بنواتا اور تبرکاً استعمال کرتا۔ محمود ثالث اس پر عمر بھر عمل کرتا رہا۔'' (ایضاً، ص:۱۳۱)

تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص: ۵۸۷، اور آگے کے چند صفحات کے مطالعے سے اس سچائی کا رنگ اور گہرا ہو جاتا ہے۔ معتبر مصنف محمد حسن غوثی نے اپنی کتاب ''گلزار ابرار'' (صفحہ ۵۹۷، ۵۹۸) میں حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے ممتاز شاگرد شیخ محمد بن فضل اللہ برہان پوری (ولادت: ۱۵۴۵ء، احمد آباد، گجرات میں۔ وفات: ۱۶۲۰ء برہان پور میں) کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے، اور مولانا پرواز اصلاحی نے اپنی کتاب ''شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی، احوال و آثار'' میں اسے نقل کیا ہے، محمد غوثی لکھتے ہیں:

''آپ (شیخ محمد بن فضل اللہ) خاندیس کے بادشاہ محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی کے عہد حکومت (۱۵۶۶ء) میں گجرات سے خاندیس تشریف لائے۔ برہان پور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر کی، حدیث، تفسیر اور دینی علوم کا درس دینے میں مشغول رہتے تھے، بہت سے طالب آپ کی رہنمائی کی برکت سے حق شناسی کے درجے کو پہنچ گئے۔ تسلیم، توکل، تقویٰ اور ظاہری و معنوی فضیلتوں کے مالک ہیں، اہل دل ہیں لیکن سماع اور سرود سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ عاشق رسول ایسے ہیں کہ ہر سال جہاز کے موسم میں دیوانہ وار وطن سے نکلتے اور سمندر کے کنارے پر پہنچ جاتے۔ اگر قسمت یاوری کرتی تو جہاز پر سوار ہو کر حرمین شریفین میں پہنچتے اور روضۂ نبوی کی زیارت سے دل کو تسکین دیتے۔ اس طرح آپ نے حجاز کے کئی سفر کیے۔ وطن میں بھی محبت رسول میں مست رہتے۔ سال بھر میں اگر کوئی کوڑی پیسہ بچاتے تو اس لیے کہ سفر حجاز کا سامان ہو جائے یا ربیع الاول میں مجلس میلاد پورے اہتمام سے ہو۔ ربیع الاول کے پہلے بارہ روز مجلس میلاد قائم ہوتی، ہر رات کو ذاکرین احادیث نبوی اور نعتیں سوزناک آواز سے پڑھتے اور آپ اپنا سارا اندوختہ مجلس میں تبرکات، حلوے اور عطریات تقسیم کرنے اور ذاکرین کی خدمت میں صرف کر دیتے۔ اگر کچھ زیادہ ہوتا تو حرمین کے فقرا میں تقسیم کرنے کے لیے بھیج دیتے۔''

(پرواز اصلاحی، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی، احوال و آثار، مطبوعہ ممبئ، اپریل ۲۰۱۵ء ص: ۸۸)

برسبیل تذکرہ عرض کردیں کہ اہل دکن اور شمالی ہند کے ملاپ سے اسی عہد میں ''ہندوی زبان'' وجود میں آئی، جسے دکنی اردو بھی کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور پاکستان اپنی کتاب ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''حافظ محمود شیرانی سے لے کر ڈاکٹر سینتی کمار چٹرجی تک لسانی محققین کی اکثریت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کی نسبت سے اسے ''ہندی'' یا ''ہندوی'' کہا جاتا رہا ہے۔ اس نام کی شہادت قدیم لغات اور ادبی تصنیفات سے بھی ملتی ہے، چناں چہ ۸۱۲ھ میں قاضی خاں بدر سے لے کر ۱۷۴۲ء میں سراج الدین خان آرزو تک سبھی قدیم لغت نویسوں نے ہندوستان کی زبان کو ہندی یا ہندوی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں ''مفتاح الفضلاء'' (۸۷۳ھ) اور ''دستور البیان'' (۹۹۰ھ) وغیرہ میں بھی اسے ''ہندی'' ہی کہا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے بعض صوفیائے کرام کی تحریریں یا اقوال بھی کارآمد ثابت ہوتے ہیں، چناں چہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (۷۵۲ھ)، شرف الدین یحییٰ منیری (۷۷۲ھ) اور اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ) وغیرہ نے بھی ''ہندی'' یا ''ہندوی'' استعمال کیا ہے۔''

(اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ایڈیشن ۲۰۱۴ء ص: ۳۸)

اس زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہمنی دور کے مشہور صوفی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ (ولادت: ۴؍رجب ۷۱۲ھ، جولائی ۱۳۱۲ء بمقام دہلی۔ وفات: ۱۶؍ذ قعدہ ۸۲۵ھ، یکم نومبر ۱۴۲۲ء بمقام گلبرگہ، کرناٹک) کے رسالہ ''معراج العاشقین'' سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب اردو کی پہلی کتاب کا درجہ رکھتی ہے جو ۱۴۲۲ء سے قبل لکھی گئی۔ واضح ہو کہ اس وقت تک اردو میں شمالی ہند میں بھی کوئی ادبی کارنامہ رونما نہیں ہوا تھا۔ بجز سید شاہ مخدوم اشرف سمنانی کچھوچھوی کے رسالہ ''تصوف'' (۱۳۰۸ء)، امیر خسرو کی ''خالق باری'' (۱۳۲۵ء) اور افضل جھنجھانوی کے رسالہ ''بارہ ماسہ'' (۱۶۲۵) کے، کہ اس وقت تک شمالی ہند میں قدیم اردو نثر کے ابتدائی نمونوں میں ان کتابوں کا نام محققین نے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی اس حقیقت کو انتہائی محققانہ انداز میں بیان کیا ہے اور موضوع کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

مشہور محقق پروفیسر وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

''اردو نثر کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ چناں چہ اردو نثر کا قدیم نمونہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کا رسالہ ہے جو ۸۰۷ھ مطابق ۱۳۰۸ء کا ہے۔ پھر شیخ عین الدین گنج العلم متوفی ۷۹۵ھ کی تصانیف کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کے بعد معراج العاشقین از خواجہ بندہ نواز گیسودراز از گلبرگوی کا ذکر آتا ہے۔''

(پروفیسر وقار احمد رضوی، تاریخ نقد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء ص:۲۸۵)

''معراج العاشقین'' کو بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں ایڈٹ کر کے ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ دوبارہ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اسے شائع کیا۔ اس سلسلے میں عبدالغفار شکیل اپنے ایک مقالے ''دکنی اردو کا تاریخی ولسانی جائزہ'' میں لکھتے ہیں:

''دکن میں قدیم اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد محمد تغلق کے زمانے (۱۳۲۶ء) میں پہنچی۔ اس عہد میں جو صوفی بزرگ دکن پہنچے ان میں حضرت برہان الدین غریب (۱۳۳۸ء) جو حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے کا نام نمایاں ہے۔ ''اردو کی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ'' میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے دکن میں پہنچنے والے اور بھی بہت سے صوفیائے کرام کے نام دیے ہیں، مثلاً بدرالدین نولکھی، سید یوسف المعروف بہ راجا یا شاہ راجو، سید نصیر الدین پون پیک، مولانا مسعود وغیرہ، ان صوفیوں میں اکثر ایسے تھے جو قدیم اردو ہی میں تبلیغ کرتے تھے۔'' (مضمون، مشمولہ سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، جولائی ۱۹۷۳ء ص:۶۷)

ان صوفیوں کے نام سے کئی ایک رسالے منسوب ہیں لیکن ان کی کوئی سند موجود نہیں ہے ،البتہ حضرت گیسودراز کی تصنیف (۱) 'معراج العاشقین' کا نمونہ اس وقت کی اردو کا مستند نمونہ ہے۔ خواجہ بندہ نواز کی دوسری تصانیف میں (۲) رسالہ تشریح کلمہ طیبہ (۳) خلاصہ توحید (۴) شکار نامہ (۵) دار الاسرار (۶) رسالہ سہ پارہ (۷) ہفت اسرار (۸) ہدایت نامہ (۹) ہشت مسائل (۱۰) تلاوۃ الوجود (۱۱) تمثیل نامہ، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محمد عارف اعظمی نے اپنی کتاب ''تذکرہ مفسرین ہند'' جلد اول (مطبوعہ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ایڈیشن ۲۰۱۳ء ص:۱۸ تا ۳۰) میں خواجہ بندہ نواز کی حیات اور علمی وقلمی

آثار پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے اور آپ کے بیس رسائل و کتب کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ جس میں ''تفسیر ملتقط'' پر بطور خاص تفصیلی بحث موجود ہے۔

خواجہ بندہ نواز کی تبلیغ اسلام کا اثر ان کے بعد اور صوفیوں پر پڑا، جنھوں نے آسان زبان میں کئی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ ان میں شمس العشاق میراں جی، میراں جی خدا نما، محمد اکبر حسینی مشہور ہیں، محمد اکبر حسینی (۱۴۰۹ء) کی گیارہ تصانیف بتائی جاتی ہیں، ''عقیدہ'' احکام فقہ پر ان کی مستند کتاب ہے۔ (نوائے ادب، ممبئ، جولائی ۱۹۷۳ء ص: ۶۹)

بہمنی سلطنت کے زوال (۱۵۲۷ء) کے بعد دکن میں پانچ آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں، ان میں عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتوں کے بادشاہوں نے دکنی اردو کے فروغ کے لیے گراں قدر کام کیا، انھوں نے خود بھی شاعری کی اور دوسرے شاعروں کی حوصلہ افزائی کی۔ ابراہیم عادل شاہ نے دکنی کو سرکاری زبان کی حیثیت دی۔ گلبرگہ سے خواجہ بندہ نواز کے کئی مرید بیجاپور چلے آئے اور یہاں تبلیغ کا کام ہونے لگا۔ ۱۵۰۸ء میں قطب شاہی سلطنت قائم ہوئی، گولکنڈہ (موجودہ حیدرآباد) قطب شاہی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور دکنی زبان کا مرکز بھی، خود محمد قلی قطب شاہ اردو کا پہلا صاحبِ کلیات شاعر گزرا ہے۔ معروف پاکستانی محقق پروفیسر وقار احمد رضوی نے اپنی کتاب ''تاریخ نقد'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع کو بیان کیا ہے اور عہد بہ عہد اردو تنقید کے ارتقا کی داستان رقم کی ہے۔

(تاریخ نقد، مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲۰۰۴ء ص: ۲۸۵ تا ۳۰۶)

پاکستانی صحافی ضمیر نیازی نے ''دکن کا ایک قدیم گمنام شاعر: علیم شاہ قادری'' کے عنوان سے 'نوائے ادب' ممبئ میں ایک مضمون لکھا تھا، اس شاعر کا تعلق جنوبی ہند کے مقام 'ترچناپلی' سے تھا۔ اس کا انتقال صفر ۱۲۰۷ھ/ستمبر ۱۷۹۲ء میں ہوا۔ علیم شاہ قادری نے تقریباً ڈھائی صدی قبل تصوف کے مسائل کو غزل اور مثنویات کا جامہ پہنایا تھا۔

اسی مضمون میں ''ترچناپلی'' کے ذیل میں 'برکات الاولیاء' (ص: ۲۰۸، دہلی، ۱۳۲۲ء) اور 'آب کوثر' (ص: ۳۵۷، طبع ششم لاہور، ۱۹۶۶ء) کے حوالے سے ہے:

''بارھویں صدی عیسوی کے ربع چہارم میں سید جلال الدین سید عبل عالم اظہر ولی نے

جنوبی ہند کے مشرقی ساحلی علاقے ''ترچنا پلی'' کی ایک پہاڑی پر ارشاد و ہدایات کا ایک مرکز قائم کیا۔ تاریخ وفات ۱۴؍رمضان المبارک ۶۲۲ھ/ ۲۰؍ستمبر ۱۲۲۵ء ہے۔ یعنی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی رحلت سے گیارہ سال قبل حضرت سید اظہر ولی کا انتقال ہوا۔ حضرت اظہر ولی کے نام کی مناسبت سے ترچنا پلی کو ''اظہر نگر'' بھی کہتے ہیں۔''

(سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء ص: ۴۰)

ضمیر نیازی، کراچی، پاکستان ہی کا ایک اور مضمون بہ عنوان ''کلام پاک کا اولین منظوم ترجمہ اور تفسیر'' اسی رسالے میں شائع تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے ایک دوسرے بزرگ شیخ نورالدین مخدوم العالم، احمد آبادی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''برصغیر ہند و پاک میں فارسی منظوم تفسیر کا آغاز گیارہویں صدی ہجری میں ہوا۔ اس جزئی تفسیر کے مؤلف شیخ نورالدین محمد صالح مخدوم العالم ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۴ھ/ مارچ ۱۶۵۴ء کو احمد آباد (گجرات) میں پیدا ہوئے، علوم ظاہری مولانا احمد بن سلیمان اور علوم باطنی مفسر قرآن حضرت سید محمود محبوب عالم سے حاصل کیے، اس کے بعد مدرسہ ہدایت بخش، احمد آباد میں درس و تدریس کے ذریعے سینکڑوں افراد کو فیض پہنچایا۔.... آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، کئی کتابوں کی شرحیں لکھیں، اور کئی ایک پر حواشی لکھے، اس کے علاوہ سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور سورہ نور کی منظوم تفسیر بزبان فارسی تحریر فرمائی۔.... ان کا وصال ۹۱ سال کی عمر میں ۹؍شعبان ۱۱۵۵ھ میں ہوا اور احمد آباد میں سپرد خاک ہوئے۔'' (سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، شمارہ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص: ۵۶)

●●

باب چہارم: ممبئ کے مذہبی حالات

ممبئ پر مسلمانوں کا دورِ حکومت اور مذہبی احوال:

ممبئ پر مسلمانوں کا دورِ حکومت زیادہ واضح نہیں ہے، اس وجہ سے ممبئ کے مذہبی حالات بھی پردہ ٔ خفا میں ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے قبل ممبئ اور ماہم میں وہ مسلمان عرب آباد تھے جو تجارتی اغراض کی بنا پر یہاں آئے تھے، اور مقامی باشندوں میں خلط ملط ہو چکے تھے۔ ہم ذیل میں تاریخ کی چند کڑیاں ملا کر اس حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ممبئ کے سات جزائر میں ماہم کو ہر زمانے میں زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے، جس کی وجہ سے یہ جزیرہ ہمیشہ مختلف حکومتوں کی خانہ جنگی کا مرکز بنا رہا اور ہر کوئی اس کو اپنی حکومت کا حصہ بنانے کی کوشش میں لگا رہا۔ راجہ بھیم دیو جو یہاں کا حاکم تھا، چودہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا پرتاپ دیو تخت نشین ہوا، جو ۱۳۳۱ء میں ۳۰ سال بعد چیئول کے سردار نگر دیو کے ہاتھ مارا گیا۔ راجہ بھیم دیو اور اس کے بیٹے کے زمانے ہی سے مسلمانوں کی نظر بمبئ پر تھی۔ چناں چہ ۱۷۔۱۳۱۸ء میں مبارک شاہ والیِ گجرات نے ماہم اور سالسیٹ پر حملہ کیا ۱۳۲۲ء تک یہ جنگ جاری رہی اور مسلمانوں نے تھانہ، ماہم اور اس کے نواحی علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی عمل داری میں شامل کر لیا۔ سلطنت کا مرکز تھانہ کو مقرر کیا گیا اور انتظامی امور کو سنبھالنے کے لیے ایک کمانڈر اور ایک قاضی کا تقرر عمل میں آیا۔ لیکن بعد میں جب گجرات میں اندرونی جھگڑوں کا آغاز ہوا تو والیِ گجرات نئے مقبوضہ علاقوں پر توجہ نہ دے سکا، جس کا فائدہ اٹھا کر نگر دیو نے ۱۳۴۷ء میں ماہم اور سالسیٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ قبضہ زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکا۔ ۱۳۴۸ء میں سلطان بہادر شاہ والیِ گجرات نے ماہم پر حملہ کیا، ماہم اس وقت چیول کے سردار نگر دیو کے قبضے میں تھا، حملے کے وقت نگر دیو والکیشور میں تھا، وہ ماہم کی طرف آنے لگا،

لیکن بائیکلہ کے مقام پر سلطان کی فوج نے آگھیرا اور نگردیو مارا گیا، اس وقت سے سلطان کے مقرر کردہ گورنر یہاں حکومت کرتے رہے اور بمبئ پر مسلم دور حکومت کی ابتدا ہوئی۔ مسلم حکمرانوں کی سرپرستی کی بدولت مسلم جماعتوں کی تعداد بھی بڑھ گئی اور کوکن کے ساحلوں سے مسلمان خاندان ماہم اور بمبئ میں آکر آباد ہوگئے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ نے اجمالاً ان حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔ (تاریخ فرشتہ، مترجم، مکتبہ ملت، دیوبند، ۱۹۸۳ء ص: ۵۲۰، ۵۲۱ ج ۲)

چودھویں صدی کے اواخر میں ممبئ کے حالات سے متعلق کوئی خاص تفصیل دست یاب نہیں ہے۔ اس زمانے کا سب سے اہم واقعہ ماہم میں فقیہ مخدوم علی مہائمی کی ولادت ہے، جن کی دینی علمی اور تبلیغی خدمات کا ایک جہان قائل ہے۔ گجرات میں فیروز شاہی سلطنت کے قیام کے فوراً بعد فیروز شاہ کی طرف سے ظفر خان (مظفر شاہ اول) کو شمالی کوکن کا وائے سرائے مقرر کیا گیا، یہاں آکر اس نے دو گورنر بنائے، ایک ماہم میں، دوسرا نوساری میں، جو اب تک خلجی جنرل کے مقرر کردہ تھے، ظفر شاہ نے انھیں ہٹا کر گجرات کے افسروں کا تقرر کیا۔ اس کے بعد سے ماہم اور اس کے نواحی علاقے کبھی گجراتیوں کی ماتحتی میں رہے اور کبھی ان پر بہمنی سلاطین کا قبضہ رہا۔

پندرہویں صدی عیسوی کے زیادہ تر حصے میں، یعنی احمد شاہ (۱۴۱۱ء تا ۱۴۴۱ء) کے عہد حکومت سے بہادر شاہ (۱۵۲۷ء تا ۱۵۳۶ء) تک بمبئ کے جزائر گجراتی حکومت کے زیر اقتدار رہے۔ سلطان بہادر شاہ والیِ گجرات کے انتقال (۱۵۳۶ء) کے ساتھ ہی پرتگالی جو عرصہ سے ساحل مقامات پر اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہے تھے مغربی ساحل پر قابض ہوگئے۔ ایک تیموری شہزادہ کو پناہ دینے کی بنا پر مغل شہنشاہ ہمایوں اور بہادر شاہ میں ان بن ہوگئی تھی، بہادر شاہ نے پرتگالیوں سے صلح کر لینے ہی میں مصلحت سمجھی۔ چنانچہ ۲۳ر دسمبر ۱۵۳۴ء کو قرارنامہ بسین پر دونوں کے دستخط ہوگئے، اس کی رو سے بہادر شاہ بسین، ماہم بمبئ سے پرتگالیوں کے حق میں دستبردار ہوگیا۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

''پرتگیز جو تجارت کی غرض سے یہاں آئے تھے روز بروز اپنی طاقت میں اضافہ کرتے جارہے تھے، وہ بمبئ کی جغرافیائی حیثیت کو ذہن نشین کر چکے تھے اور اسے حاصل کر کے اپنا تجارتی مرکز بنانا چاہتے تھے، انہوں نے ۱۵۱۰ء میں گوا پر قبضہ کرلیا تھا۔ ان کی روز افزوں طاقت

نے گجرات کے سلطان بہادر شاہ کو چونکا دیا تھا۔ مغل بادشاہ ہمایوں کے گجرات پر حملے سے وہ پریشان تھا اس نے اس سلسلہ میں پرتگیزیوں سے مدد چاہی۔ جنہوں نے ۱۵۳۴ء میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بسین اور ارد گرد کا علاقہ پرتگیزیوں کے حوالے کر دیا گیا، ممبئ بھی انتظامی امور کی خاطر بسین کی ماتحتی میں تھا بس اس وقت سے لے کر اگلے ۵۰؍سال تک بمبئ کی قسمت پرتگیزیوں کے ہاتھوں میں رہی۔'' سولہویں صدی کے آغاز میں پرتگیزیوں کا پہلا قافلہ ممبئ کے ساحل پر اترا تھا۔ ''مہاراشٹر کی مختصر تاریخ'' کے مصنف لکھتے ہیں:

''پرتگیزیوں نے ۲۱؍جنوری ۱۵۰۹ء میں بمبئ پر حملہ کر کے اسے عادل شاہی سلطنت سے چھین کر اپنے قبضے میں لیا، بمبئ کو قبضے میں کرنے کے بعد پرتگیزیوں نے وہاں آباد ان مسلم بستیوں کو بھی تباہ و برباد کیا جو ماہم اور ان کے مضافات میں واقع تھیں، پرتگیزیوں نے بمبئ کو قبضہ میں کرنے کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ جبراً تبدیلی مذہب پر زور ڈالا۔ ۱۵۷۰ء میں باندرہ کا تاریخی چرچ بھی تعمیر کیا گیا۔

(پرویز عالم، مہاراشٹر کی مختصر تاریخ،: مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد، ۲۰۱۱ء ص:۱۲۶)

پرتگیزیوں نے عیسائی مذہب کی اشاعت اور فروغ کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ بمبئ میں عیسائی برادری کا ارتقا پرتگیزیوں کی ہی بدولت ہے۔ ان کے رسم و رواج، ان کے سرنیم، مختلف جگہوں کے نام اور ان کے تعمیر کردہ چرچ، اسکول، کالج، یتیم خانے ان کے مذہبی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ پرتگیزیوں نے بمبئ میں تعمیراتی کام ضرور کروائے لیکن اپنے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے سلسلہ میں اتنا جبر و ستم روا رکھا تھا کہ لوگ تنگ آ گئے تھے۔ پرتگیزیوں کا دور حکومت ۱۵۳۴ء سے ۱۶۶۱ء تک مانا جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتگیزیوں کے جبراً تبدیلی مذہب کی مہم نے بمبئ کے مذہبی حالات بھی بھونچال پیدا کر دیا تھا، جس کا اثر ہندو مذہب کے پرستاروں پر تو ہوا البتہ یہاں کے مسلمانوں پر اس جبر و تشدد کا مذہبی حیثیت سے کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہم، چمبور، تھانہ وغیرہا علاقوں میں مذہب کا کافی بول بالا تھا، اور مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ان علاقوں میں مستقل طور پر آباد تھی، ان کا اپنا حلقہ تھا، اپنے مذہبی اثرات تھے، اس لیے عیسائیت

کے انقلاب سے محفوظ رہے۔

۱۶۶۱ء میں شاہ پرتگال کی طرف سے بیٹی کے جہیز میں دیے جانے سے لے کر ۱۸۱۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی باضابطہ حکومت اور عمل داری تک اور پھر ۱۸۵۷ء سے لے کر آزادیٔ ہند ۱۹۴۷ء تک ممبئ اور اس کے مضافات میں رہائش پذیر مسلمان اپنی مذہبی رسومات کے ساتھ کبھی ترقی پذیر اور کبھی زوال آمادہ کیفیات کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ یہاں کے مسلمان اپنے مذہب وملک کے لیے کافی حساس تھے اور مسلک اہل سنت و جماعت کے پیروکار حنفی اور شافعی تھے، ان کا مذہبی تصلب کافی مستحکم مثالی تھا۔

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے کوکن اور ممبئ میں مذہبی رسم ورواج اور لوک گیت سے متعلق قرآن خوانی اور مولود شریف کی محفلوں کے انعقاد کی تفصیل بیان کی ہے، لکھا ہے:

''کسی بھی تقریب کو شروع کرنے سے قبل احترام کی خاطر اور برکت وفیض پانے کے لیے اجتماعی قرآن خوانی منعقد کی جاتی ہے۔ تیسوں پاروں کی تلاوت کے بعد فاتحہ دی جاتی ہے اور نان خطائیاں حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح رات کے وقت مولود شریف کی محفل بھی آراستہ کی جاتی ہے، اس میں ایک بزرگ ادیب وصحافی مولوی محمد اسماعیل کوکنی کا مولود نامہ پڑھا جاتا ہے۔'' (میمونہ دلوی، کوکن اور بمبئ کے اردو لوک گیت، مطبوعہ: ممبئ، فروری ۲۰۰۱ء، ص: ۱۵۲)

بعد کی ممبئ کے مذہبی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''بمبئ عظمیٰ اہل سنت کا بہت بڑا مرکز تھا، وہابیوں کا وہاں گزر مشکل تھا، دیوبندیوں کے بڑے بڑے سرغنہ وہاں گئے اور جب سے شیر بیشۂ اہل سنت ابوالفتح مولانا حشمت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بمبئ پہنچے تو سنیت عروج پر پہنچ گئی، لیکن جب مسلم لیگ کا زور ہوا اور ہندوستان کے بے عقل مسلمانوں نے مطالبۂ پاکستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی جس کی رو سے وہابی سنی امتیاز ختم ہو گیا اور علماے اہل سنت کی گرفت عوام سے ڈھیلی ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل سنت کی مرکزی مساجد میں وہابی امام ہو گئے۔''

(مفتی محمد شریف الحق امجدی، مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص: ۱۹۲ ج ۳)

لیکن پھر تقسیم ہند کے عظیم تاریخی سانحے نے مسلمانون کی متحدہ قوت کو سخت گزند پہنچایا، ساتھ ہی فتنۂ وہابیت نے بھی اپنے تشدد آمیز انقلاب کے ذریعہ ممبئ کی سنیت میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی اور متمول طبقے کے لوگ وہابیوں کی سادہ لوحی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن اب بھی سرزمین ممبئ میں ان کا خاص حلقہ اثر قائم نہ ہوسکا، ان کی ساری کاروائیاں در پردہ انجام پاتی رہیں اور وہ اندرون میں مستحکم ہونے کی جدوجہد میں رہے۔

شہر ممبئ کے سنی مسلمانوں کی مذہبی بیداری اور دین کے پاس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اتر پردیش کے شہر بریلی میں علم وفضل کا روشن مینار، دنیائے اسلام کا مجدد، فقیہ اسلام اور مسلمانوں کا امام اپنی علمی بصیرتوں کا چراغ روشن کیے ہوئے تھا۔ ہندو بیرون ہند، بشمول عرب جس کے فتاویٰ اور علمی تحقیقات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی کثرت کار اور ہجوم افکار پر اپنے ایک فتوے میں اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''بحمدہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ وخود عرب شریف وعراق سے استفتیٰ آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہوجاتے ہیں۔''

(امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ، ص:۲۳، ج:۳)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرعی نقطۂ نظر کی صراحت میں مرجع عالم تھے اور پوری اسلامی دنیا سے ان کے پاس مسائل کے حل کے لیے خطوط آتے تھے، سرزمین بمبئ کے مسلمانوں نے بھی اپنے استفسارات امام احمد رضا کو ارسال کیے تھے اور آپ نے ان کے جوابات بشکل فتویٰ بھیجے تھے۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں اور مترجم تیس جلدیں اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں انجمن برکات رضا دارالعلوم فیضان مفتی اعظم رضا جامع مسجد پھول گلی ممبئ ۳، نے ان تمام فتاویٰ کو کتابی شکل میں ''فتاویٰ ممبئ'' کے نام سے شائع کر کے ایک انقلابی کام کی بنیاد رکھ دی، یہ کتاب ۱۶۴ر صفحات میں مجلد چھپی ہے جس میں امام احمد رضا کے ۳۹ر اور مفتی اعظم ہند کے ۱۰ر مفصل ومختصر فتاویٰ شامل ہیں اور زیادہ تر سوالات چودہویں صدی ہجری کی تیسری اور چوتھی دہائی میں ارسال کیے گئے ہیں۔ سب سے آخری استفتا مولوی احمد مختار صاحب آئس کریم، ہوٹل بمبئ۔ ۹ نے امام احمد رضا کے وصال سے ایک سال قبل

۵/صفر ۱۳۳۹ھ کو بھیجا تھا۔ امام احمد رضا کا وصال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو بریلی شریف میں ہوا۔

امام احمد رضا کا سفر ممبئ:

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے متحدہ ہندوستان اور سرزمین حجاز کے جو اسفار کیے ہیں ان کی تفصیلات پر مشتمل ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی کی ایک تاریخی و تحقیقی کتاب ''سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'' تقریباً پانچ سو صفحات کو محیط بہت جلد طبع ہو کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ شہر ممبئ کے مختلف اسفار سے متعلق اسی قلمی کتاب سے کچھ بحثیں ہم یہاں پیش کر رہے ہیں تا کہ مذکورہ موضوع میں قارئین کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ چوں کہ اس بحث کے مطالعے سے بھی ممبئ کے مذہبی حالات پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شہر ممبئ میں امام احمد رضا کے چاہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد کل بھی موجود تھی، آج بھی موجود ہے۔ اس لیے راقم درج بالا ذیلی عنوان کا انتخاب کرنے میں حق بجانب ہے۔

''☆...... بمبئ کبھی ایک جزیرہ نما ٹاپو تھا۔ جہاں جہاں جگہ تھی، ماہی گیروں اور مچھیروں کے چھوپڑے تھے۔ اصل آبادی چیمبور، تھانہ، کلیان، نالاسوپارہ تھی۔ بعد میں یہی جزائر نما بمبئ دنیا کے مشہور ترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔ ہندوستان کی معاشی راجدھانی اور صوبہ مہاراشٹرا کا دار الخلافہ بنا۔ بمبئ بارونق، پرکشش، تجارتی، صنعتی، روزگاری اور غریب پرور شہر ہے۔ یہاں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ یہ تو واردین وصادرین پر موقوف ہے کہ کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔ پہلے شہر سورت بابِ کعبہ کہلاتا تھا کہ وہاں بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانی حجاجِ کرام وہیں سے اس مبارک سفر کی شروعات کرتے تھے۔ بعد میں بمبئ کے ساحل پر یہ سہولت مہیا کی گئی۔ تب سے بمبئ بابِ کعبہ بنا اور حجاجِ کرام یہاں سے روانہ ہونے لگے۔

☆...... اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پہلا حج ۱۲۹۶ھ میں ادا کیا تھا۔ والدِ ماجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی معیتِ مبارکہ میسر تھی۔ گمانِ غالب ہے، یہ سفر براہِ بمبئ ہوا ہوگا۔ جس کی تفصیل تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ کچھ ضمنی واقعات ملتے بھی ہیں، تو انہیں سفرِ حج کے ضمن میں درج کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔ پندرہ برس کے

ہوتے ہوتے آپ کی علمی شہرت اطرافِ ہند میں پھیل چکی تھی۔ بمبئ سے بھی ان کے پاس استفتے اور سوالات آنے لگے تھے اور علما وعوامِ بمبئ سے رابطے استوار ہو چکے تھے۔ دن گذرتے گئے۔ یہ رابطے مضبوط و مستحکم ہوتے گئے۔ فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں کے مطالعے سے ان رابطوں کا سراغ ملتا ہے۔ علما کے علاوہ، خواص، تاجرین وعمائدین اور دیندار رئیسانِ شہر سائلین و مستفتین میں نظر آتے ہیں۔

☆ ......۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کان پور کے سالانہ اجلاس میں علما کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں معاشرہ میں پھیلی برائیوں، خصوصاً اصلاحِ نصابِ تعلیم پر گفتگو ہوئی۔ علمائے کرام کی متفقہ رائے سے پہلے پہل اس تنظیم کا نام 'ندیۃ العلماء' رکھا گیا۔ جو بعد میں 'ندوۃ العلماء' سے مشہور ہوا۔ کان پور والی میٹنگ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز بھی شریک تھے اور اصلاحِ نصاب پر اپنا گراں قدر مقالہ بھی پیش کیا تھا۔ ۱۳۱۲ھ میں یہ اجلاس لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ میں بریلی اور ۱۳۱۴ھ میں ندوہ کا اجلاس بمبئ میں منعقد ہوا۔ کان پور کی میٹنگ میں ہی کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں، جن کی اصلاح وخلاصہ محتاط ومتدین علما ومشائخ چاہتے تھے۔ لکھنؤ کے اجلاس میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور زیادہ روشن ہو کر اجاگر ہوئیں۔ تو اصلاحی کوششیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس اصلاحی فکر کے سرگروہ یوں تو تمام محتاط علما تھے، مگر نمائندگی وپیشوائی تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی، حافظِ بخاری حضرت سید شاہ محمد عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی ثم پھپھوندوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تھے۔ بریلی کے اجلاسِ ندوہ میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور شوخ رنگ میں سامنے آئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اقطارِ ہند کے علما، مشائخ، عمائدین اور دانشورانِ قوم وملت جلسۂ ندوہ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے اور اصلاح ومفاہمت کی رفتار بڑھ گئی۔ اب جو بمبئ کی باری آئی، یہ ۱۳۱۴ھ کا سال تھا۔ اس کی روداد سنیے۔

☆ ......مدرسۂ محمدیہ بمبئ کے صدر مدرس حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی لکھتے ہیں:

''ندوہ والوں نے بمبئ میں بھی اس بدمذہبی کا جال پھیلانا چاہا۔ مگر بحمد اللہ ناکام رہے۔ چنانچہ اس کا قدرے نمونہ ایک اخبار روانہ کرتا ہوں، جس کے ص: ۷ ؍میں ذکر ہے''۔

[مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، طبع بریلی، ۱۳۱۴ھ ص: ۸۲]

☆......یہی حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی آگے تحریر کرتے ہیں:

''شبلی نعمانی کو ندویوں نے جلسہ تائیدی ندوہ کے لیے بلایا تھا۔ اخبار 'سفیر' میں اطلاع کی تھی کہ شبلی اور مہدی صاحبان ندوہ کے مقاصد پر لکچر دیں گے۔ مگر قبل اس کے دونوں لکھنؤ [سے] بمبئ تشریف لاتے اور جمعہ کی نماز کے بعد وعظ میں خوب ندوہ کے پڑ نچے اڑائے اور شبلی و عبد الحق صاحبان اراکینِ ندوہ کی بھی خوب خبر لی، شبلی صاحب بمبئ سے چلے گئے اور اراکین کے حوصلے پست ہو گئے۔'' [مکتوباتِ علماو کلامِ اہلِ صفا' طبع بریلی، ۱۳۱۴ھ ص: ۸۳]

☆......۱۳۱۴ھ میں ہی ''فتاوی السنة لالجام الفتنة'' کے نام سے ایک کتاب چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کے مصنف حضرت علامہ شاہ محمد عبد الرزاق مکی حیدرآبادی تھے۔ اس کتاب میں ندوہ کے متعلق چھ سوالات اور ان کے جوابات ہیں۔ کتابِ مذکور کا منشا ہے کہ اہلِ ندوہ سے بچا جائے۔ حیدرآباد کے علاوہ بمبئ اور دیگر بلادِ ہند علما، فقہا، مشائخ اور ماہرینِ دین و دانش کی تائید و حمایت اس کتاب کو حاصل ہے۔

آج سے ایک سو اکیس سال پہلے جن علما، مشائخ، خطبا اور ائمہ نے اس کتاب کی تائید و حمایت اور دستخط و مہر ثبت کر کے ندوہ سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار و اعلان کیا ہے، یہاں ان کے چند اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ اصل کتاب میں تفصیل دیکھیے یا میری (ڈاکٹر شمس مصباحی) کتاب 'مطالۂ ندویت' کا مطالعہ کیجیے۔ وہ اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

☆......حضرت علامہ محمد عبید اللہ، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئ۔

☆......حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل مہری استاذ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئ

☆......حضرت علامہ قاضی محمد صالح بن قاضی شریف عبد اللطیف جامع مسجد بمبئ۔

☆......خلیفۂ بغداد حضرت علامہ عبد اللہ بن محمد حموی از سرکارِ بغداد وارد حال بمبئ۔

☆......حضرت علامہ قاضی شیخ محمد مرگھے، قاضیٔ شہر دوم، بمبئ۔

☆......حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل چلائی شافعی خادمِ شرع، بمبئ

☆......حضرت علامہ شاہ محمد امین اللہ عرف شاہ جہان حسینی رفاعی، بمبئ

☆......حضرت علامہ مولانا محمد اسحاق صاحب واعظِ شہر بمبئ

☆......حضرت علامہ سید شاہ غلام حسین جوناگڑھی، وارد حال بمبئ

☆......حضرت علامہ محمد عبدالغفور صاحب واعظ و مدرسِ شہر بمبئ

☆......حضرت علامہ حسن بن نور محمد صاحب،

☆......حضرت علامہ مفتی محمد عمرالدین ہزاروی واعظ و مدرس شہر بمبئ

☆......حضرت علامہ محمد طاہر صاحب،

☆......دو تین کو چھوڑ کر یہ سارے مقامی علما وخطباوائمہ تھے۔ جو ندوہ کی شناعتوں، سفاہتوں اور دینی قباحتوں کا کھلے عام اعلان کر رہے تھے اور اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کر رہے تھے۔ان کے علاوہ عمائدین، تاجرین اور دانشورانِ شہر بھی اس تحریکِ اصلاح کے پر جوش کارکن اور سرگرم حصہ تھے۔ کچھ نام یہ ہیں:

☆ حضرت علامہ محمد اسماعیل نقشبندی شاذلی ☆ گورے بابو ☆ حاجی محمد قاسم ☆ حاجی عیسی خان محمد ☆ حاجی نور محمد عثمان ☆ حاجی محمد قاسم ☆ حاجی محمد اسحاق آدم ☆ حاجی ابو ☆ حاجی حبیب ☆ حاجی محمد ابراہیم وغیرہم۔

☆......شہر بمبئ کے استفتا کرنے والوں اور سوال کرنے والوں میں علما و مشائخ، تجار و دانشور اور عوام الناس بھی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں ایسے اسما کثرت سے موجود ہیں۔ہم چند اہم علما و مشائخ کے اسمائے گرامی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔حضرت علامہ سید شاہ حامد حسین صاحب خطیب و امام قصائی محلّہ مسجد بمبئ، حضرت مفتی محمد عمرالدین ہزاروی صاحب خطیب و واعظ و مفتی و مدرس مدرسہ محمودیہ بمبئ، حضرت علامہ عبدالواحد خان صاحب خطیب و واعظ شہر بمبئ، حضرت مولانا محمد جہانگیر صاحب خطیب و امام جامع مسجد باندرہ بمبئ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

☆......۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ ”**منیر العین**“ تصنیف فرمایا۔اس کے خاتمہ میں رقم فرماتے ہیں:

”یہ چند جملے لوحِ دل پر نقش کر لینے ہیں کہ بعونہ تعالیٰ اس تحریرِ نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں. **وبا لله التوفيق وله الحمد، الحمد لله القادر القوى علم اما علم وصلى**

اللہ تعالیٰ علی ناصر الضعیف و آلہ وسلم. قبولِ ضعیف فی فضائلِ الاعمال کا مسئلہ جلیلہ ابتداً مسودۂ فقیر میں صرف دو افادۂ مختصر ہیں۔ بارگاہِ مفیضِ علوم ونعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بحمد اللہ تعالیٰ نفائسِ جلیلہ کا اضافہ ہوا۔ افادہ شازدہم [۱۶] سے یہاں تک آٹھ افاداتِ نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القا ہوئے۔ قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیل جلیل و تفصیل جزیل اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے۔ مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلہ خاص میں جدا رسالہ قرار دیے جائیں اور بلحاظِ تاریخ 'الھادی الکاف فی حکم الضعاف'' لقب پائیں۔'' [فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۲/۴۸۱]

☆......۱۳۱۶ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ 'الوفاق المتین' تصنیف فرمایا۔ اس رسالہ کے خاتمہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس فقیر حقیر اور مولانا مولوی عمر الدین صاحب کو کہ اس نفیسہ جلیلہ کے محرکِ تالیف اور ''**الدال کفاعلہ**'' کے مصداق منیف ہوئے اور عالی ہمتانِ زمن محبانِ دین وسنن حاجی اسحاق آدم صاحب صباغ پلندری وحاجی ابو، حاجی حبیب صاحب میمن ایمن **حفظھما اللہ تعالیٰ عن الفتن و المحن** کو، جن کی ہمتِ بلند سے اصل کتاب اور جامعِ فضائل قامعِ رزائل مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب قادری نقشبندی شاذلی سلمہ العلی والولی کو، جن کی سعی جمیل سے یہ اجزا تذئیلِ جلیل منطبع اور اہلِ سنت ان جواہرِ دینیہ سے منتفع ہوئے۔ دعائے عفو وعافیت وخیر و برکاتِ دنیا وآخرت سے یاد فرمائیں۔'' [فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی ۴/۳۷۶]

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

''۱۳۱۷ھ میں '**فتاویٰ الحرمین لرجف ندوۃ المین**' بمبئی ہی سے شائع ہو کر عام ہوئی تھی۔ یہ کتاب ندوہ کی اعتقادی بے راہ روی پر ہے۔ جس میں علما و مشائخِ حرمین کی تقریظیں ہیں۔'' [الملفوظ، طبع بریلی، ۲/۹]

☆......۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ دوسرے حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ تو یہ سفر مبارک بمبئی ہی سے ہوا۔ جب بریلی سے بمبئی پہنچے، تو کیا کیا ہوا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی کی زبان سے سنیے۔ واضح رہے کہ یہ سفر مبارک اعلیٰ حضرت کا بالکل

اچانک حکمتِ الٰہیہ کے مطابق ہوا تھا۔ لیجیے، اعلیٰ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

''پہلی بار کی حاضری حضراتِ والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہِ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تیئیسواں [۲۳] سال تھا۔ واپسی تین دن طوفانِ شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لیے تھے۔ حضرتِ والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ: ''آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا''۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی۔ لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: مَنْ یَتَالَّ عَلَی اللہِ یُکَذِّبْہُ'، حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔ الحمدللہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔ ماں کی محبت، وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی، مکان میں قدم رکھتے ہی پہلا لفظ مجھ سے یہ فرمایا کہ: حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرمادیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔ ان کا یہ فرمانا مجھے یاد تھا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حجِ نفل جائز نہیں۔ یوں خود ادا کرنے سے مجبور تھا۔

یہاں سے ننھے میاں [برادرِ خورد] اور حامد رضا خان [خلفِ اکبر] مع متعلقین بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ لکھنؤ تک ان لوگوں کو پہنچا کر واپس آ گیا۔ لیکن طبیعت میں ایک قسم کا انتشار رہا۔ ایک ہفتہ یہاں رہا۔ طبیعت سخت پریشان رہی۔ ایک روز عصر کے وقت زیادہ اضطراب ہوا اور دل وہاں کی حاضری کے لیے زیادہ بے چین ہوا۔ بعد مغرب مولوی نذیر احمد صاحب کو اسٹیشن بھیجا کہ جا کر بمبئ تک سکنڈ کلاس رزرو کروالیں کہ نمازوں کا آرام رہے۔ انھوں نے اسٹیشن ماسٹر سے گاڑی مانگی۔ اس نے پوچھا۔ کس ٹرین سے ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسی شب کے دس بجے والی سے۔ وہ بولا، یہ گاڑی نہیں مل سکتی۔ اگر آپ کو اس سے جانا تھا، تو چوبیس گھنٹے پیشتر اطلاع دیتے۔ بے چارے مایوس ہو کر لوٹنا چاہتے تھے کہ ایک [ٹکٹ کلکٹر] جو قریب رہتا تھا، مل گیا۔ اس نے کہا۔ تم گھبراؤ مت۔ میں چلتا ہوں اور اسٹیشن ماسٹر سے جا کر کہا کہ یہ تو مجھ سے کل

کہ گئے تھے، میں آپ سے کہنا بھول گیا۔اس نے ایک سوتریسٹھ روپے پانچ آنے لے کر سکنڈ کلاس کا کمرہ رزرو کردیا۔

عشا کی نماز سے اولِ وقت فارغ ہولیا۔شکرم بھی آ گئی۔صرف والدہ ماجدہ سے اجازت لینا باقی رہ گئی۔ جو نہایت اہم مسئلہ تھا اور گویا اس کا یقین تھا کہ وہ اجازت نہ دیں گی۔ کس طرح عرض کروں اور بغیر اجازتِ والدہ حجِ نفل کو جانا حرام۔آخر کا اندر مکان میں گیا۔ دیکھا کہ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا: کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا: حضور! مجھے حج کی اجازت دے دیجیے۔ پہلا لفظ، جو فرمایا: یہ تھا کہ 'خدا حافظ'۔ یہ انہیں دعاؤں کا اثر تھا۔ میں الٹے پیروں باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ بعد واپسی کے معلوم ہوا کہ میں اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا۔ انہوں نے فرمایا: میں اجازت نہیں دیتی۔ اسے بلالو۔ مگر میں جا چکا تھا۔ کون بلاتا۔ چلتے وقت جس لگن میں مَیں نے وضو کیا تھا، اس کا پانی میری واپسی نہ پھینکنے دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

بریلی کے اسٹیشن سے میں نے ایک تار اپنی روانگی کا بمبئ روانہ کیا۔ وہاں سب نے یہ خیال کیا کہ شاید حسن میاں [اعلیٰ حضرت مدظلہ کے منجھلے بھائی] تشریف لا رہے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کا سالِ آئندہ میں ارادہ تھا۔ میرا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ غرض دن کے دن تک سب کو تذبذب رہا۔ اِدھر مجھے راستے میں ایک دن کی دیر ہوگئی کہ آگرہ پر میل نکل گیا اور ہماری گاڑی نے پسنجر کا انتظار کیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا کہ ہماری گاڑی کاٹ کر کیوں جدا کر لی۔ کہا، میل رزرو نہ تھا۔ آپ کو پسنجر میں جانا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دن آ گیا۔ جس روز حجاج بمبئ کے قرنطینہ میں داخل ہونے والے تھے اور میں اس وقت تک نہ پہنچ سکا۔ اب سخت مشکل کا سامنا تھا کہ ہمارے لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں گے اور میں رہ گیا۔ اب جانا کیوں کر ہوگا۔ یہ دن پنج شنبہ کا ہے۔ تار آچکا تھا کہ پنج شنبہ کو بھپارا ہو کر لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں۔

گاڑی کٹ جانے نے یہ تاخیر کی کہ میں جمعہ کے دن صبح آٹھ بجے پہنچا۔ اسٹیشن پر دیکھا۔ بمبئ کے احباب کا ہجوم ہے۔ حاجی قاسم وغیرہ گاڑیاں لیے موجود ہیں۔ سلام ومصافحہ کے بعد پہلا لفظ، جو انہوں نے کہا، یہ تھا کہ شہر کو نہ چلیے۔ سیدھے قرنطینہ چلیے۔ ابھی آپ کے لوگ داخل

نہیں ہوئے ہیں۔ میں شکرِ الٰہی بجالایا اور اپنے لوگوں کے ساتھ داخلِ قرنطینہ ہوا۔ یہ حدیث کی انہیں دعاؤں کی برکت تھی کہ گئی ہوئی مراد عطا فرمائی۔ میں نے واقعہ پوچھا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا۔ عجب ہے اور سخت عجب، ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ پنج شنبہ کو روزِ موعود پر ڈاکٹر آیا اور آدھے لوگوں کو بھپارا دیا کہ دفعتہً اسے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور کہا کہ باقی کا بھپارا کل ہوگا۔ یوں تمہارے لوگ باقی رہ گئے۔ اب ایک اور دقت پیش آئی کہ اس جہاز کا ٹکٹ بالکل تقسیم ہو چکا تھا۔ جس میں ہمارے لوگ جانے والے تھے۔ بہ مجبوری دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا اور وہ بھی تیسرے درجے کا ملا۔ جس کی حکمت آگے ظاہر ہوگی اور حدیث کی دعائیں پڑھیں کہ سرکار مجھے اپنوں کا ساتھ عطا فرمائیں۔ ان سے چھوٹ کر میں تنہا کیوں کر حاضر ہوؤں گا۔ تلاش کی گئی کہ اس جہاز میں کوئی صاحب ایسے ہیں، جو اکیلے جانے والے ہوں۔ جنہیں یہ اور وہ دونوں جہاز برابر ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ ایک بڑے میاں ہمارے ہی ضلع بریلی مقام بہیڑی کے ساکن مل گئے۔ جنہوں نے بخوشی ٹکٹ بدل لیا۔ وہ اس جہاز میں گئے اور میں بفضلہٖ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کے جہاز میں رہا۔

سرکار نے پہلا ٹکٹ تیسرے درجے کا اسی لیے دلوایا تھا کہ وہ بڑے میاں ملنے والے تھے۔ جن کا ٹکٹ تیسرے ہی درجے کا تھا۔ ان سے تبدیل میں مالی نقصان نہ ہو۔ بعد قرنطینہ اس جہاز پر سوار ہو کر سوا سو روپے داخل کر کے اول درجے کا ٹکٹ تبدیل کرالیا۔ جب عدن کے قرب جہاز پہنچا، میں نمازِ عصر پڑھ رہا تھا۔ نماز میں ایک عربی صاحب کی آواز میرے کان میں پہنچی کہ سمتِ قبلہ یہ نہیں ہے۔ میں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اس لیے کہ میں مؤامرہ ہندسیہ سے عدن اور کامران کی سمتِ قبلہ نکال چکا تھا۔ وہ اتنی دیر کہ میں نے نماز پڑھی، وظیفہ پڑھا۔ بیٹھے رہے۔ جب میں فارغ ہوا، تو ان سے پوچھا۔ اس وقت بتایئے، سمتِ قبلہ کس طرف ہے اور پانچ منٹ پہلے کس طرف تھی اور حساب لگا کر سمجھا یا کہ اس وقت سمتِ قبلہ ہی پر نماز ہوئی۔ جس کو انہوں نے بھی تسلیم کرلیا۔'' [الملفوظ، طبع بریلی، ج:۲، ص:۲ تا ۵]

☆ ......اعلیٰ حضرت قدس سرہ سفر حرمین طیبین سے جدہ، کراچی ہوتے ہوئے بمبئ واپس تشریف لائے۔ تو اب فرماتے ہیں:

☆ ......''بمبئ کے احباب وہاں لے جانے پر مصر ہوئے۔ وہاں جانا پڑا۔ مولوی حکیم عبد الرحیم وغیرہ احبابِ احمد آباد خبر ہوئی، آدمی بھیجے۔ باصرار احمد آباد لے گئے۔ زنانہ سواریوں کو بمبئ سے محمد رضا خان اور حامد رضا خان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ میں کراچی میں اترنے کے ایک مہینہ بعد مکان پر پہنچا۔ وہاں [مکۂ مکرمہ] وہابیوں خذلہم اللہ تعالیٰ کو بفضلہٖ تعالیٰ جب شدید ذلتیں اور ناکامیاں ہوئیں، المرجوفون فی المدینہ کی وراثت سے یہاں یہ اڑا رکھی کہ معاذ اللہ فلاں قید ہو گیا ہے۔ بمبئ آ کر یہ خبر سنی۔ احباب نے ایک مجلس منعقد کی اور چاہا کہ ان لوگوں کی نسبت کچھ کہہ دیا جائے۔ واحدِ قہار نے ان کا کذب [جھوٹ] خود ہی سب روشن کر دیا تھا۔ مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں! اتنا ہوا کہ آیۂ کریمہ: 'انا فتحنا لک فتحا مبینا، کا بیان کیا اور اس میں فتحِ مکہ معظّمہ اور اس سے پہلے صلح حدیبیہ کی حدیث ذکر کی۔ اس میں کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرما کر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکۂ معظّمہ بھیجا تھا۔ یہاں انہیں دیر لگی۔ کافروں نے اڑا دیا کہ وہ مکہ میں قید کر لیے گئے ہیں۔

میرے آنے سے پہلے ہی لوگوں نے مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [مہاجر مکی] کو استفسارِ واقعات کے خطوط لکھے۔ جن کے جواب انہوں نے وہ دیے کہ سنیوں کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہابیوں کا کلیجہ داغ داغ۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ان میں سے بعض جوابات میرے دیکھنے میں بھی آئے۔ جن میں فرمایا کہ یہ خبیث کذابوں کا کذب خبیث ہے۔ اس [اعلیٰ حضرت] کو تو مکہ معظّمہ میں وہ اعزاز ملا، جو کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ وہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ پورے اعدا ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔'' [الملفوظ طبع بریلی، ۴۲/۲، حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۳، ۴۰۴]

☆ ......اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت علامہ شاہ محمد عبد الحق مہاجرِ مکی صاحبِ تفسیر 'اکلیل' کے نام، جن خطوط و جوابات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں کا ایک نہایت تاریخی اہم خط راقم غلام جابر شمس یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ یہ خط حضرت مہاجر مکی نے مکۂ مکرمہ سے لکھا ہے، جو پہلی بھیت کے حضرت علامہ سید شاہ محمد عمر سہروردی کے نام آیا تھا اور افادۂ عام کی خاطر 'دبدبہ سکندری' رام پور میں شائع ہوا تھا۔ پہلے مدیر دبدبہ سکندری کا نوٹ پڑھیے۔

☆ .....ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' کے مدیر لکھتے ہیں:

''مکرمی سید محمد عمر سہروردی پیلی بھیت سے لکھتے ہیں کہ: 'مجھ سے اور ایک دیوبندی صاحب سے دینی بحث ہو رہی تھی۔ جب میں اعلیٰ حضرت مجدد دِمائۃ حاضرہ مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی مدظلہم الاقدس کے رسائل اور کتب دینیہ کی جانب رجوع لاتا، تو وہ صاحب نہ مانتے۔ آخر میں مولانا مولوی محمد عبدالحق صاحب مہاجر پر فیصلہ رکھا گیا۔ مولانا [عبدالحق] صاحب نے جواب میں ایک عنایت نامہ ارسال فرمایا ہے، جو نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ جب وہ اعزاز نامہ آیا ہے، وہ دیوبندی صاحب پشیماں و نادم تو ہو گئے، مگر اپنی ہٹ دھرمی، جس کے لیے ان کے ہم مذہب اکابر بہت زیادہ شہرت رکھتے ہیں، بدستور ہے۔ **واللہ یھدی من یشاء الی الصراط المستقیم**''۔

☆ ......حضرتِ شاہ محمد عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سرفراز نامہ، رقم فرماتے ہیں:

''۷۸۶۔ حامداً و مصلیاً از محمد عبدالحق عفی عنہ

بخدمت شریف سید صاحب مجمع الحسنات منبع البرکات جناب سید محمد عمر سلمہ اللہ الاکبر

بعد وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ، عرض آں کہ کارڈ مرسلہ صادر ہوا۔ مضامینِ مندرجہ سے مطلع ہوا۔ یہ جو لکھا کہ وہابیہ دیوبندیہ کو علمائے عرب کیسا سمجھتے ہیں؟۔ جن علمائے عرب و ہند پر حال ان کا ظاہر و باہر ہو گیا ہے، وہ ویسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ جوابِ فتویٰ مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب میں علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً و تشریفاً نے ثبت فرمایا ہے۔ اور یہ جو لکھا کہ دیوبندیہ کے کسی رسالہ پر تصدیق کیا یا نہیں؟۔ حال اس کا یہ ہے کہ ایک رسالہ چھپا کے متعدد یہاں علما کو جواب کے واسطے دیا اور اپنی جماعت کی بڑی تعریف اس میں لکھی کہ ہم لوگ ایسے ہیں کہ عقیدۂ اہلِ سنت و جماعت رکھتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں ہم لوگوں سے خطا ظاہر ہو، تو اس سے فوراً رجوع کر لیتے ہیں۔ حالاں کہ امر بالعکس اس جماعت سے ظاہر ہوا ہے۔ ان کی کتابوں میں ان کی باتوں کی تصریح موجود ہے۔ پھر اس کو چھپاتے ہیں اور رجوع اس سے نہیں کرتے اور اس میں مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب کی شان میں بہت ہی جا بہ جا کلماتِ ناشائشتہ لکھے کہ وہ بدعقیدہ ہے۔ وہ وہابی ہے۔ دجال جھوٹی جھوٹی باتیں علما کی طرف نسبت کرتا ہے۔ مہریں جعلی

بنا کے ان کی طرف نسبت کرتا ہے۔علما نے اس دھوکے سے اس پر تصدیق کر دی تھی۔جب حال اس کا ظاہر ہوا،تو اس جواب کو ان سے واپس کر لیا۔وہ نہایت ہی بہت جلدی یہاں سے وہ طرفِ مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام روانہ ہوا۔معتبروں سے سنا ہے کہ وہاں بھی تلبیس سے چاہا کہ مطلب یاب ہو۔خائب واپس ہوا۔اس رسالہ کو بعض علمائے عرب نے خوب ہی رد فرمایا ہے اور نہایت ہی تلبیس اس کی ظاہر کر دی ہے۔اور یہ جو لکھا کہ:مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نسبت علمائے عرب کے کیسے خیالات ہیں؟۔ واضح ہو کہ بہتان و افتراءِ وہابیہ کا مولانا موصوف پر، علمائے حرمین شریفین و شام وغیرہ کو ظاہر ہو گیا، تب سب نے ان [اعلیٰ حضرت] کے رسائل پر تقریظ لکھی اور اپنی اپنی مہروں سے ان کو مزین فرمایا ہے۔چنانچہ بہت سی تقاریظ کی نقلیں، جو کہ علمائے کبار نے لکھی ہیں،ان کے پاس موجود ہیں اور یہ جو لکھا کہ علامہ شبیی مولانا احمد رضا خان صاحب کو کیسا سمجھتے ہیں؟۔حقیقتِ امر یہ ہے کہ بعض علمائے ہند کہ جو مخالفِ مولانا ہیں،انہوں نے شبیی سے برعکس حال بیان کر دیا ہے۔یہ باعث ان کی مخالفت کا ہوا۔مگر بحمدہ تعالیٰ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً وتشریفاً بسببِ حقانیت ان کے ممد و معین تھے اور راتب پاشا جو کہ اس وقت میں تھا، ان [اعلیٰ حضرت] معین ہوا۔مخالفوں کی مخالفت ان کے ساتھ کچھ کام نہ آئی۔اس وقت بسببِ عدمِ فرصت کے اسی قدر بے قلیل پر اکتفا کیا۔والسلام مع التعظیم والاکرام،محرر بستم رمضان روز چہار شنبہ ۱۳۳۲ھ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

☆......آخر میں سید شاہ محمد عمر سہروردی پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

"جس رسالہ کا اس خط میں ذکر ہے،اس رسالہ کا نام'المہند' ہے۔میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔اس میں ۲۶/سوال اور ان کے جوابات ہیں۔فقط والسلام،سید محمد عمر سہروردی کان اللہ لہ۔"[ہفت روزہ'دبدبۂ سکندری' رام پور ۳۰/نومبر ۱۹۱۴ء ص:۱۰]

☆......اب کی بار بمبئی میں اعلیٰ حضرت دس دن رہے۔گورے بابو کے یہاں قیام رہا۔قصائی محلّہ کی مسجد میں تقریر فرمائی۔جگہ جگہ تہنیتی جلسے ہوئے۔قطبِ کوکن حضرت مخدومِ ماہمی قدس سرہ العزیز کی مسجد میں نمازِ مغرب پڑھی۔درگاہِ مبارک پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔باندرہ میں مولانا بابا علیہ ارحمہ سے ملاقات کی۔ان دس دنوں کی کچھ یاد داشت برہانِ ملت

حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی جبل پوری نے قلم بند کی ہے۔حضرت برہانِ ملت جبل پوری موصوف لکھتے ہیں:

''ربیع الاول ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کو اعلیٰ حضرت کی سفرِ مبارک سے مراجعت کی اطلاع ملی۔ والد ماجد[شاہ محمد عبدالسلام جبل پوری] نے استقبال کے لئے بمبئ کا قصد کیا۔ میں نے خواہش کی۔تو مجھے بھی لے لیا۔ چنانچہ والد ماجد، چچا بشیرالدین اور میں بعونہ تعالیٰ بمبئ پہنچے۔اسٹیشن پر سیٹھ حاجی نور محمد عثمان، حاجی عیسیٰ خان صاحب اور احباب نے استقبال کیا۔ان احباب سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت صبح تشریف لے آئے۔قصائی محلّہ میں گورے بابو کے ہاں قیام ہے۔ ہمارا قیام سیٹھ حاجی نور محمد عثمان کے ہاں زکریا مسجد کی ایک گلی میں ہوا۔ہم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔سلام کی آواز پر جواب کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی نظر والد ماجد پر پڑتے ہی اعلیٰ حضرت کھڑے ہو گئے اور دو قدم بڑھ کر والد ماجد، پھر چچا سے معانقہ فرماتے ہوئے دعا پڑھی۔ خیریت پرسی فرمائی۔ میں قدموں پر بوسہ لے رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے اٹھایا۔ والد ماجد نے مجھے پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے سینے سے لگایا۔ میری پیشانی پر لبِ مبارک رکھ کر دعاؤں سے مجھے سرفراز فرمایا۔ مدتوں سے جو تمنا اور آرزو دل میں تڑپ رہی تھی، آج اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔اعلیٰ حضرت کی زیارت اور قدم بوسی کا پہلی بار یہ شرف مجھے بمبئ میں حاصل ہوا۔ **الحمد لله الذی شرفنی بلقائه ورویته وتقبیل قدمی امام اهل السنة و مجدد المأة الحاضرة رضی الله تعالیٰ عنه.** ہاں اعلیٰ حضرت کے کھڑے ہوتے ہی پورا مجمع کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے والد ماجد کو اپنے متصل نشست پر بٹھایا۔ہم لوگ بھی قریب ہی بیٹھ گئے۔ میری تعلیم کے سلسلہ میں والد ماجد سے دریافت فرمایا اور دعا دی۔ اعلیٰ حضرت کے ارشادات جاری رہے۔بمبئ میں تقریباً دس دن قیام رہا۔''

[اکرامِ امام احمد رضا،طبع بمبئ، ۱۹۹۵ء ص:۴۶]

☆...... برہانِ ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی آگے تحریر کرتے ہیں:

''۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت بمبئ کے راستے حرمین طیبین حاضر ہوئے اور ۱۳۲۳ھ /۱۹۰۵ء میں ماہِ ربیع الاول میں بمبئ ہی کے راستے واپس تشریف لائے۔ والد ماجد کے ساتھ

خادم بھی بمبئی حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دیدار سے مشرف ہوا۔ بمبئی کے قیام کے دوران چند قابلِ حالات سامنے آئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......قصائی محلے کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔

(۲)......سنیچر کو قصائی محلے کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا وعظ ہوا۔ منبر کے قریب والد ماجد اور چچا کے پیچھے میں دیوار سے ٹک کر بیٹھا تھا۔ مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ایمان افروز نورانی تقریر سے مجمع پر محویت طاری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھ پر غنودگی کا غلبہ ہوا۔ خواب میں دیکھا۔ ایک عجیب دلکش نور سے پوری فضا منور ہے۔ درود وسلام کی سرور افزا آواز سے بیدار ہوا۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت منبر سے نیچے کھڑے دست بستہ '**الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**' پڑھ رہے ہیں۔ چشمِ مبارک سے قطرات ٹپک رہے ہیں اور پوری مسجد صلوٰۃ وسلام کی آواز سے گونج رہی ہے۔ میں بھی صلوٰۃ وسلام میں شامل ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کے آنسو جاری تھے اور جس والہانہ انداز سے محوِ صلوٰۃ وسلام تھے، وہ عجیب کیف افزا تھا۔ جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہو کر اعلیٰ حضرت منبر پر تشریف لائے۔ آدھ گھنٹے بعد دعا پر تقریر ختم ہوئی۔ مصافحہ، قدم بوسی میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ہم اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر قیام گاہ واپس ہوئے۔ راستہ میں چچا سے میں نے مسجد میں دورانِ وعظ خواب کا ذکر کیا۔ خواب کا واقعہ سن کر والد اور چچا میں گفتگو ہوئی۔

اعلیٰ حضرت مدینۂ طیبہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعظمت وتوقیر وتعظیم پر بیان فرما رہے تھے۔ یکایک کافی بلند آواز سے '**الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**' کہہ کر منبر سے اتر کر ہاتھ باندھ کر عجیب رقت آمیز آواز میں صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے قبلہ رخ کھڑے ہو گئے۔ ولادتِ مبارک کا ذکر نہ تھا۔ نہ وعظ ختم کرنے ہی کوئی انداز تھا۔ اعلیٰ حضرت کی باطنی روحانی نظرِ مبارک نے دیکھ لیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اس لئے فوراً منبر سے اتر آئے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے لگے۔ بہت بابرکت وسعادت محفل تھی اور اعلیٰ حضرت کی بالکل ظاہری کرامت ہے۔ قیام گاہ پہنچے، تو اور بھی لوگ ہمارے ساتھ تھے، بیٹھ گئے اور والد ماجد نے مجھ سے میرے خواب میں نظارہ کی کیفیت دریافت فرمائی اور سن کر

میری دونوں آنکھوں پر محبت سے بوسہ دیا اور فرمایا: ان شاء اللہ! تو بڑی قسمت والا ہے۔ صبح حسبِ معمول ہم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عقیدت مندوں کا مجمع تھا۔ حضرت کھڑے ہو گئے۔ ہمارے مصافحہ وقدم بوسی کے بعد حضرت نے والد کو پہلو میں جگہ دی۔ سب بیٹھ گئے۔ ایک صاحب، سفید گھنی ڈاڑھی، ترکی ٹوپی لگائے اعلیٰ حضرت کے سامنے قریب بیٹھے ہوئے آنسو جاری، کچھ ذکر کررہے تھے۔ انہوں نے ذکر شروع کیا۔ رات وعظ میں وہ مسجد کے درمیان دروازے سے لگے ہوئے بیٹھے تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ محویت کے عالم میں دیکھا کہ ایک نور محیط ہو گیا ہے اور 'الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ' کی آواز پر آنکھ کھولی، تو سامنے سارا مجمع کھڑا صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہے۔ یہ سن کر والد ماجد نے عرض کیا۔ حضور! یہی منظر برہان نے بھی دیکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے صرف یہ فرمایا: یہ سرکارِ اعظم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم تھا کہ تجلی فرمائی، الحمدللہ۔

(۳)......ایک روز اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا:

''آج عصر کے بعد ایک مجذوب بزرگ کی زیارت کے لئے باندرہ چلنا ہے۔ واپسی میں مغرب مہائم شریف میں ادا کر کے دعوت ہے۔ آپ عصر کے پہلے آجائیں''۔ ہم لوگ حسبِ ارشاد عصر کے وقت حاضر ہو گئے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ باندرہ پہنچے۔ مسجد کے مشرق کی جانب ایک ٹین کے ہال کے باہر بڑا مجمع تھا۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھ کر مجمع نے راستہ دیا۔ حضرت کے پیچھے ہم لوگ ہال میں داخل ہوئے۔ تخت پر ایک بزرگ عمامہ باندھے پیر تخت سے لٹکائے بیٹھے ہیں۔ 'دلائل الخیرات شریف' دونوں ہاتھ سے آنکھوں کے بالکل متصل پڑھنے میں مصروف ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کتاب بند کر دی۔ اعلیٰ حضرت سے مصافحہ کرتے ہوئے کچھ فرمایا، جو میں سمجھ نہ سکا۔ ہم سب قدم بوسی کر چکے تھے۔ تو ہم سب کو ایک بڑے ہال میں بیٹھایا گیا۔ پورا ہال بھرا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد وہاں کے منتظمِ خاص حاجی قاسم آئے۔ اعلیٰ حضرت سے عرض کیا۔ جو لوگ مجذوب صاحب کی زیارت کو آتے ہیں، ان کے لیے چائے، قہوہ تیار رہتا ہے۔ حضرت جو فرماتے ہیں۔ پلایا جاتا ہے۔ آپ حضرات کے لیے دریافت کیا گیا، تو فرمایا: چائے، کافی، قہوہ میں سے، جو حضور فرمائیں، وہ اس وقت پلایا جائے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: بزرگ نے چائے، کافی، قہوہ تینوں کا نام لیا ہے۔ اس لیے تینوں کو ملا کر پلایا جائے۔ چنانچہ ایک بڑے سماوار میں تینوں کو ملا کر پلایا گیا۔ ان دنوں بڑے پیالے چلتے تھے۔ بھر بھر دیے گئے۔ رنگ دیکھ، تو کراہت ہوئی، مگر لب لگایا، تو اتنا لذیذ پایا کہ پورا پیالہ صاف کر دیا۔

والد ماجد نے مجھے آہستہ سے ہدایت فرمائی کہ واپسی کے وقت حضرت کے پیچھے رہنا اور بزرگ کی قدم بوسی کر کے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنا۔ واپسی کے وقت میں اعلیٰ حضرت کے پیچھے رہا۔ جب حضرت مصافحہ کر کے آگے بڑھے ہیں، میں نے ان کے قدم پکڑ کر عرض کیا: میرے لیے دعائے خیر فرمائیے۔ بزرگ نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، سندھی الفاظ تھے اور اعلیٰ حضرت کی طرف اشارہ کیا: ''اس کے پیچھے چلتا جا۔ تیرے پیچھے سب چلیں گے''۔ ہم جب واپسی کے لیے گاڑی پر سوار ہوئے، میں، اعلیٰ حضرت اور والد ماجد کے درمیان بیٹھا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھ سے فرمایا: برہان میاں! آپ نے مجذوب سے کیا کہا تھا؟۔ میں نے جو کہا تھا، وہ اور اس کا جواب بتایا۔ اعلیٰ حضرت نے میری پیٹھ پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں برہان الحق، برہان الدین، برہان السنہ بنائے، آمین۔ والد اور چچا نے آمین کہا۔ اعلیٰ حضرت نے بمبئ سے بریلی کا قصد کیا۔ والد نے جبل پور تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا: ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوا بریلی جاؤں گا۔ ان شاء اللہ پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔'' [اکرامِ امام احمد رضا، طبع بمبئ، ۱۹۹۵ء ص: ۶۴ تا ۶۸]

☆......۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر قرابت دار سفرِ حج و زیارت پر روانہ ہوئے۔ ان کی واپسی پر صفر المظفر ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں براہِ بمبئ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اپنے بھائی اور دیگر صاحبان کو لینے کے لیے بمبئ تشریف لائے۔ مولانا شاہ محمد عبدالسلام قادری رضوی جبل پوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''برادر بہ جان برابر مولوی حسن رضا خان سلمہ الرحمٰن کا خط ۲۶؍ ذی الحجہ کا لکھا ہوا مکہ معظّمہ سے یک شنبہ گذشتہ کو آتا تھا۔ جس میں صرف اس قدر تھا کہ عن قریب بعونہ تعالیٰ مدینہ طیبہ حاضر ہونے والے ہیں۔ مگر تعینِ تاریخ نہ تھا۔ اس یک شنبہ کو کوئی خط آئے، مگر نہ آیا، وحسبنا اللہ ونعم

الوکیل۔ اگر خط آجاتا، تو حساب ہوسکتا کہ واپسی بالخیر کب تک ہوگی۔ اب ایک نہایت مجمل حالت ہے۔ دعائے خیر فرمائیں۔

حضرتِ بابرکت سید حبیب اللہ صاحب زعمی دمشقی جیلانی، اولادامجاد حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور اس افقر واحقر کے حال پر کمالِ کرم فرما ہیں۔ پہلے سے تشریف لاتے ہیں۔ یہ بھی میرے حجاج سلمہم اللہ تعالیٰ کے استقبال کو میری طرح بمبئی تشریف لے جانے والے ہیں۔ میں دوایک روز اور خط کا انتظار کر کے چلوں گا۔ اگر نہ آیا، یا آیا اور حساب سے وقفہ پایا، تو بعونہ تعالیٰ حاضرِ جبل پور ہو کر دوایک روز جناب کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا بمبئی جاؤں گا اور اگر خط آیا، جس سے ظاہر ہوا کہ بالخیر فوراً بمبئی پہنچنا چاہیے، تو جناب کو بذریعہ تار اطلاع دے دوں گا کہ براہِ راست بمبئی جاتا ہوں۔''

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ۲/۱۵]

☆......اعلیٰ حضرت ۳ر صفر المظفر ۱۳۲۶ھ کو بریلی سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ ۴ر صفر کی شب جبل پور پہنچے۔ چار روز قیام فرمایا۔ پھر جبل پور سے بمبئی، بمبئی میں قیام اور اس کی تفصیلات تک فقیر راقم الحروف کی رسائی نہیں۔ کاش! حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی علیہ رحمۃ اللہ الباری ساتھ ہوتے، یا کوئی اور دوسرا اس سفر کے بھی حالات لکھتے، تو کیا ہی بہتر ہوتا۔

☆......علما و مشائخِ بمبئی کا علمی و روحانی رابطہ اعلیٰ حضرت سے برابر مستحکم رہا۔ مثالیں بہت ہیں۔ یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت علامہ محمد جہانگیر صاحب، جو ۱۳۳۶ھ میں نوپارہ، باندرہ کی مسجد میں امام و خطیب تھے، ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۳۷ھ کو ''**دعا بین الخطبتین**'' [دونوں خطبوں کے درمیان والی دعا] سے متعلق اعلیٰ حضرت کو ایک سوالیہ مکتوب لکھا۔ جس کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواز کی صورت میں دیا ہے اور سائل نے لکھا کہ: ''جیسا آپ تحریر فرمائیں، آمنّا کیا جائے''۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''خود بمبئی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے **بین الخطبتین** دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا، نہ بعد کو''۔ (مکمل سوال و جواب کے لیے دیکھیں:

الف: فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ، طبع لاہور، ۱۹۹۵ء ۴۳۸/۸، ب: خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، طبع بمبئی ۲۰۰۷ء ۲۸۳/۱)

آل انڈیا سنی کانفرنس کی رکنیت:

مجدد اعظم امام احمد رضا کا وصال ۱۹۲۱ء میں ہوا، ۱۹۲۵ء میں صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی اور اس کا دستور اساسی تیار ہوا، ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک اس کے ممبران علما و مشائخ کی تعداد بائیس ہزار سے زائد بتائی گئی ہے۔" تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس" (مطبوعہ: سعید برادران، کھاریاں، گجرات) میں ۵۴۵ علما کی نا مکمل فہرست دی گئی ہے، یہ فہرست آل انڈیا سنی کانفرنس کے رکن مشائخ و علما کی ہے، اس میں بارہ نام علمائے بمبئی کے موجود ہیں۔ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شہر ممبئی کے سرکردہ علما اور اہل دانش ہندوستان میں انجام دیے جانے والے مذہبی امور سے نہ صرف واقف تھے بلکہ سچ کے حمایتی اور حق کے طرف دار بھی تھے۔ ذیل میں ان اراکین علما کے اسما درج کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کہ ان کی رکنیت کا اعلان کس اخبار یا جریدے میں کیا گیا تھا۔

(۱)-مولانا محمد ابراہیم قادری، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء)

(۲)-مولانا اسد الحق، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۳)-مولانا محمد حامد فقیہ، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۴)-مولانا حکیم شمس الاسلام، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۲۳ جنوری ۱۹۴۶ء)

(۵)-مولانا محمد صدیق، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۶)-مولانا فضل رحیم، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۷)-مولانا محمد احمد، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء)

(۸)-مولانا محمد احمد قادری، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۹)-مولانا محمد محسن فقیہ، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(۱۰)-مولانا محمود احمد قادری، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء)

(۱۱)-مولانا نذیر احمد مجددی، بمبئی (ندائے اہل سنت، لاہور، ۱۶ تا ۳۱ جنوری ۱۹۴۶ء)

(۱۲)-مولانا نوراللہ، بمبئی (دبدبہ سکندری، رام پور، ۹ جنوری ۱۹۴۶ء)

(امتیاز اہل سنت، مرتبہ مولانا رحمت اللہ صدیقی، مطبوعہ: دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، ممبئی، فروری ۲۰۱۴ء ص: ۱۴۷ تا ۱۷۷)

۱۹۴۷ء کے بعد ممبئی کے مذہبی حالات:

ہم نے گزشتہ سطور میں شہر بمبئی کے مذہبی حالات اور مسلمانان بمبئی کے دینی تصلب پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ بد مذہبیت کے سیلاب نے کس وقت سے اور کن حالات میں غیر مسلموں سے اتحاد وو داد کے نام پر مسلمانوں کے اسلامی تشخص اور دینی نشان کو دھندلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس طرح ایک زمانے میں پرتگالیوں نے یہاں کے مسلمانوں کو تبدیلیِ مذہب کے لیے مجبور کیا تھا اور جبراً ان پر مذہب عیسائیت تھوپنے کی ناکام کوشش کی تھی اور جس طرح ایک دور میں انگریز پادریوں نے اپنی طاقت، سیاسی اثر ورسوخ اور شاطرانہ چال کی بدولت یہاں کے مسلمانوں کو ترقی اور عصری تقاضوں کے نام پر اپنے دھرم، تہذیب، تمدن، کلچر، زبان، کردار اور تعلیم کا گرویدہ بنانا چاہا تھا۔ ٹھیک اسی طرح بد مذہبیت کے آتش فشاں نے انگریزی حکومت سے ساز باز کر کے اور انہیں اپنا معاون وحمایتی ثابت کر کے مسلمانوں کے سچے عقائد، بزرگوں کی عقیدتوں، علما کی محبتوں اور اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان وناموس کی حفاظت کے جذبات فراواں پر شب خون مارنے کی ناپاک جسارت کی تھی۔ اس تاریخی صداقت کا ہر دیانت دار مؤرخ کو اعتراف ہے کہ انگریز سرکار اگر ایک طرف مدرسۂ دیوبند کو فنڈ فراہم کر رہی ہے تو دوسری جانب کولکاتا کی سرزمین پر ایک سوال کے جواب میں اس فتنے کے سب سے بڑے مبلغ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والوں سے جہاد کو فرض قرار دیا تھا اور انگریز سرکار نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ان سرکردہ نام نہاد مولویوں کو انگریز گورنمنٹ کی جانب سے ماہانہ وسالانہ جو وظیفہ ملا کرتا تھا اس کی بھی شہادتیں خود انہیں کے اعتراف کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ ان تن کے گورے من کے کالے انگریزوں نے ہندوستان میں وہابیت کے جس شجر بد کی آبیاری کی تھی اور مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پھیلا کر انہیں باہم دست بگریباں کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا،

۱۸۵۷ء تک وہ اس مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہو چکے تھے اور ۱۹۴۷ء تک پورے طمطراق کے ساتھ بے خوف وخطر ہو کر ہندوستان کی تہذیب، سیاست، تمدن، معاشیات، اقتصادیات اور مذہبی پوزیشن کو تختۂ مشق بناتے رہے اور اپنے منصوبوں کی تکمیل پر خوشی ومسرت کا اظہار واعلان کرتے رہے۔ اس دوران ان کا بویا ہوا بیج کافی توانا درخت بن چکا تھا اور اس کے سائے ہندی مسلمانوں پر گہرے ہو رہے تھے۔

کہیں تحریک ترک موالات کا زور تھا، کہیں تحریک خلافت کا چرچا اور کہیں تحریک ریشمی رومال کے نام پر ملک کے باشندوں سے دھوکہ دہی۔ خیر سے جب ۱۹۴۷ء میں آزادی کا سورج طلوع ہوا اور ملک ہندوستان انگریزوں کے دست وبرد سے آزاد ہوا اور پھر ناپاک منصوبوں کے تحت تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا تو اس وقت مسلمانان ہند عجب کش مکش میں پڑ گئے اور ان کے مذہبی حالات میں بھی اتار چڑھاؤ آنے لگا۔ پورا ملک ایک نئے حادثے سے دو چار ہوا۔ کانگریسی لیڈران اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب دکھائی دیے۔ اقتدار اس کے ہاتھ میں آیا۔ سیاست میں ہلچل مچی۔ ایسے عالم میں موقع شناس اور انگریز سرکار کے ہمنوا مولویوں نے ''موقع راغنیمت شمارکن'' کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے اپنا ایمان، اپنا دھرم، اپنی تہذیب، اپنا وقار، اپنا تشخص مطلب پرست کانگریسیوں کے ایوان میں گروی رکھ دیا اور ہندوستانی سیاست میں اپنے قدم جمانے لگ گئے۔ اور یہ سچائی ہے کہ اس میں انہیں بے پناہ پذیرائی، کامیابی اور دولت واثر حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے جب کہ یہ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان ۱۹۴۷ء میں ضرور آزاد ہو چکا ہے لیکن ہندوستانی مسلمان ایک غلامی سے آزادی حاصل کر کے دوسری غلامی میں گرفتار کر دیا گیا ہے۔ گزرے ہوئے ۶۵ سالوں میں کانگریس نے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ کیا ناروا سلوک کیا اور انہیں کن کن مراعات سے محروم کر رکھا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔ حقائق کیا اعلان کر رہے ہیں جگ ظاہر ہے۔ اس مسئلے پر کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں۔

اب ہمیں عمومی گفتگو سے گریز کرتے ہوئے آزادی کے بعد ممبئ کے مذہبی حالات کا جائزہ لینا ہے۔ اس سے پہلے بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ جب بھی کوئی مؤرخ مسلمانان ہند

کے احوال اور مختلف میدان عمل میں ان کے عروج وارتقا کو قلم کے حصار میں مقید کرنا چاہے گا یا کرنا چاہے تو اولاً وہ ہندوستان کو تین ادوار میں ضرور تقسیم کرے۔ ایک مسلم سلاطین ہند کا دور، دوسرا انگریزی دور حکومت اور تیسرا آزادی کے بعد ملک پر مختلف پارٹیوں کا دور حکومت۔ اور پھر ان تینوں زمانوں میں اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی صورت حال کا تعین کرکے اور پھر ان کے تقابلی مطالعہ سے کوئی نتیجہ اخذ کرے۔ چاہے دینی لحاظ سے مسلمانوں کی ترقی کا معاملہ ہو یا دنیوی اعتبار سے ان کے اثر ورسوخ کا حال، بغیر تقسیم عہد حکومت کے درست نتیجے تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ خاص طور پر ۴۷ء کے بعد ۶۵ برسوں کا نہ تو انگریزی دور حکومت سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بادشاہی عہد سلطنت پر قیاس کرکے کسی مسئلے کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ ہر عہد ایک الگ عہد تھا اور ہر ایک کے تقاضے یکسر مختلف تھے۔ حالات جداگانہ تھے بالخصوص انگریزوں کے برپا کیے ہوئے انقلاب نے تو اچھے اچھوں کو خس وخاشاک کی طرح اچھال دیا تھا اور وہ انگریزی توے پر اپنی اپنی روٹیاں سینک رہے تھے اور آزادی کے بعد سے تاحال کانگریسی لیڈران کے تلوے چاٹ رہے ہیں اور اپنا سیاسی اثر ورسوخ بڑھا رہے ہیں۔ ممبئ شہر جسے انگریزوں نے اپنی کلکٹری کے لیے چنا تھا اور اپنا مرکزی مقام بنالیا تھا۔ تحریک آزادی میں بھی اس کی مرکزیت باقی تھی۔ حریت ہند کے بڑے بڑے لیڈران کی میٹنگیں یہیں ہوتی تھیں۔ خلافت ہاؤس کی تاریخی عمارت قائم کی گئی۔ بڑے بڑے چھاپہ خانے یہاں پہلے سے موجود تھے۔ تعلیمی ادارے بھی اچھی تعداد میں وجود پذیر ہوئے۔ عیسائیوں کے بڑے کالجز اور اسکول تو لمبے زمانے سے اپنا تعلیمی نصاب ونظام مضبوط کیے ہوئے تھے اور جب سے اس شہر نے ملک کی اقتصادی راجدھانی ہونے کا درجہ حاصل کیا ہے اور پوری دنیا سے شہر ممبئ کا رابطہ بڑھا۔ ہندوستان کے ہر صوبے، ہر شہر ودیہات کے باشندوں کا سیلاب ممبئ کی جانب رواں دواں ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت شہر ممبئ پورے ملک کی تنہا کفالت کررہا ہے اور ہر اچھائی اور ہر برائی سے اس کا دامن مالا مال ہے۔ شہر ممبئ میں عالی شان مساجد تعمیر کی گئیں، ہاسپٹل بنائے گئے، مختلف زبانوں کے اخبارات وجرائد کا اجرا عمل میں آیا، فلمی دنیا ایک صنعت بن کر ابھری، بڑی بڑی کمپنیوں کے مرکزی دفاتر کھلے، زمین کی قیمت آسمان پر پہنچ گئی اور اس وقت شہر ممبئ پوری دنیا کے پانچ انتہائی

مہنگے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

ممبئ کی سنیت کے متعلق پیچھے کے اوراق میں ہم نے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تحریر کا ایک اقتباس درج کیا تھا۔ ان کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں ممبئ شہر میں دیوبندیت و وہابیت کا زور کافی کم تھا۔ صلح کلیت اپنے ابتدائی مرحلے میں تھی۔ جب سے مسلم لیگ کا زور بڑھا اور تحریک پاکستان کے مطالبے میں شدت آئی، دیوبندیت کے بڑے بڑے سرغنہ ممبئ میں داخل ہوئے اور اپنی انگریز زدہ فطرت ثانیہ کا استعمال شروع کر دیا لیکن علمائے اہل سنت و جماعت کے حقیقت بیان خطابات اور دینی کاوشات نے ان کے پیر جمنے نہ دیے اور انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ خاص طور سے حضور شیر بیشۂ سنت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کی زبان و قلم نے دیوبندیوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ اس وقت بد مذہبوں نے اپنا سازشی جال بچھانا شروع کیا۔ بہ ظاہر خود کو کمزور ظاہر کر کے در پردہ اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ چند سنی مساجد پر اپنا سیاسی رسوخ استعمال کرتے ہوئے قبضہ بھی جما لیا اور چند نئی مساجد خود تعمیر کیں۔ جب کہ ممبئ کی بڑی مساجد پر سنی حضرات کا قبضہ تھا اور دونوں کی مساجد الگ الگ ہو چکی تھیں۔ شہر ممبئ میں آرام فرما بزرگان دین اور اولیائے کرام (فقیہ مخدوم علی مہائمی، حضرت حاجی علی، بابا بہاؤ الدین شاہ، عبدالرحمٰن شاہ بابا، سید عاشق شاہ بخاری علیہم الرحمہ وغیرہم) کے عقیدت مندوں کی تعداد میں کمی نہ واقع ہوئی تھی۔ یہ تمام مزارات ہمہ وقت زیارت گاہ خلائق رہے ہیں اور آج بھی خلقت کثیر ان سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ چند سنی تنظیمیں ۱۹۴۷ء کے بعد بھی سرگرم تھیں۔ جماعت رضائے مصطفیٰ، انجمن تبلیغ صداقت، اور جمعیۃ الاشرف وغیرہ تحریکوں کے نام صرف سینوں میں محفوظ ہیں لیکن ان کی خدمات و اثرات کے انوار آج بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

غازی ملت مفتی محبوب علی رضوی کی ممبئ آمد:

آزادی سے قبل کون کون سے علمائے اہل سنت شہر ممبئ میں مستقل طور پر قیام پذیر تھے، اس کی تفصیل کافی تشنہ ہے (چند علما کا تذکرہ باب ششم میں کیا گیا ہے۔) البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ جماعت رضائے مصطفیٰ سے منسلک وقت کے جید علما و مناظرین، خطبا و مبلغین مسلسل رابطے

میں رہے اور اس شہر کو اپنی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا دوامی نقش ضرور عطا کیا تھا۔ ایک وجہ تو یہ بھی تھی کہ حج بیت اللہ کے لیے روانگی کی سہولت شہر ممبئ ہی سے حاصل تھی۔ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سرزمین بمبئ کو اپنے قدوم میمنت سے مشرف فرمایا تھا اور ممبئ کی عوام وخواص آپ کی علمی مرکزیت اور فقہی قیادت کے قائل تھے اور اپنے دینی مسائل کے حل کے لیے آپ سے برابر رابطہ جاری رکھا تھا۔ جس کی قدرے تفصیل ماقبل کی سطور میں گزر چکی ہے۔

۱۹۴۷ء کے آخر یا ۱۹۴۸ء کے آغاز میں محبوب ملت حضرت مولانا مفتی محبوب علی خاں رضوی علیہ الرحمہ احباب اہل سنت کی دعوت اور برادر معظم حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کے حکم پر ممبئ کی سنی بڑی مسجد مدن پورہ میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے ممبئ تشریف لائے۔ شہزادۂ محبوب ملت مولانا مقصود علی خان مصباحی لکھتے ہیں (محررہ ۱۲؍شوال ۱۳۹۷ھ):

''اب سے تقریباً ۳۲ سال پہلے (غالباً ۱۳۶۵ھ میں) جب احباب اہل سنت کی دعوت اور حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم سے حضرت محبوب ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ریاست پٹیالہ کے مفتی اعظم کے عہدے سے سبک دوش ہو کر سنی بڑی مسجد مدنپورہ ممبئ کی خطابت وامامت اور مفتیِ ممبئ کے عہدے پر فائز ہوئے۔'' (مولانا منصور علی خاں، ابتدائیہ، خوابوں کی بارات، کتب خانۂ اہل سنت، ممبئ، ۲۰۰۹ء، نواں ایڈیشن، ص:۱۸)

حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ کی ولادت سرزمین لکھنؤ پر ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ حضرت مفتی محمد ہدایت رسول قادری رضوی رام پوری علیہ الرحمہ کے ذریعے رسم بسم اللہ خوانی ہوئی۔ ۱۳۳۱ھ میں دس سال کی چھوٹی سی عمر میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔ ۱۳۳۳ھ میں تکمیل قراءت فرمائی۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں حاصل کی۔ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں خلیفۂ امام احمد رضا حضرت مولانا سید دیدار علی الوری قدس سرہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے ۱۳۵۰ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔ ۱۹؍جمادی الآخرۃ ۱۳۳۷ھ میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ فراغت کے بعد ۱۳۵۱ھ میں سانگلہ ہل کی جامع مسجد میں خطابت وامامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اسی سال لکھنؤ سے تکمیل طب کی سند حاصل کی۔ ۱۳۵۲ھ میں راجہ پٹیالہ کی دعوت پر ریاست پٹیالہ کے مفتی کا عہدہ سنبھالنے

پٹیالہ تشریف لے گئے۔ پٹیالہ کے مفتی کی حیثیت سے تاریخ ساز کتاب ''اربعین شدت'' ۱۳۵۷ھ میں تصنیف فرمائی۔(محمد شاداب قادری، حضرت محبوب ملت، مطبوعہ: ممبئ، ۱۹۹۷ء، ص۴)

۱۳۵۹ھ میں انجمن اسلامیہ ریاست پٹیالہ سے چھپا ہوا ایک مختصر کتابچہ 'محرم کی حقیقت۔۴' محبوب ملت کا تحریر کردہ مولانا عبدالمبین نعمانی کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں موجود ہے، جس کے کل صفحات ۱۶ ہیں۔ اور اس پر نمبر ۴ کا لکھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے قبل مزید تین کتابچے اس موضوع پر لکھے جا چکے تھے۔ لیکن محبوب ملت کی تصنیفات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پٹیالہ میں ایک عرصہ خدمت دین انجام دینے کے بعد حضرت شیر بیشۂ سنت کے حکم پر ممبئ تشریف لائے۔ اس واقعے کا پس منظر بھی ملاحظہ کر لیں۔ ہندو پاک کی تقسیم کے دوران پٹیالہ اور سرحدی علاقوں میں زبردست فساد ہوا۔ حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ کا ذاتی کتب خانہ جس میں اس وقت پانچ ہزار سے زائد اہم نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا وہ جلا دیا گیا۔ شہزادۂ محبوب ملت مولانا منصور علی خاں رضوی لکھتے ہیں:

''تقسیم ہند کا ہنگامہ ہوا اور چوں کہ پٹیالہ سرحد سے قریب کا شہر تھا اس لیے ہنگاموں کا، فتنہ وفساد کا اثر زیادہ تھا۔ حضرت نے پٹیالہ چھوڑا اور چند ماہ کان پور میں قیام کے بعد پھر حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ ممبئ تشریف لائے۔''

(مفتی محبوب علی خاں رضوی، مقدمہ، سوانح شیر بیشۂ سنت، مطبوعہ: کان پور۔ ۲۰۰۵ء ص: ۲۰)

حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ نے اپنی زبان وقلم کو دین متین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا اور عروس البلاد ممبئ میں اس کے اثرات بڑے واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ دین وسنیت کی بہاریں ممبئ کے افق پر جگمگا رہی تھیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے افکار ونظریات کی روشنی میں مسلک حقہ کے فروغ واستحکام میں محبوب ملت علیہ الرحمہ کی کاوشات تاریخ کے صفحات میں سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔

پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''بریلوی مسلک کے فروغ وارتقا میں اگر سب سے پہلے کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو شیر بیشۂ سنت اور محبوب ملت کا۔ دنیا ہزار طعنہ دیتی رہی لیکن علامہ جامی کی زبان میں یہی کہتے رہے

ے ''بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم ۔'' (ابتدائیہ، سوانح شیر بیشۂ سنت، ممبئ، ۲۰۰۵ء، ص: ۹،۱۰)

مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

'' آپ بہت ہی خلیق، متواضع بزرگ تھے، اطراف بمبئ میں مذہب اہل سنت کی بہار آپ کے دم سے قائم تھی ۔'' (تذکرۂ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۲۳۳)

حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے تقریر ومناظرہ کے ذریعے پورے ملک میں دورہ فرما کر خدمت دین واشاعت حق کا فریضہ انجام دیا اور حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ انتہائی خاموشی اور بے حد مستعدی کے ساتھ اپنے قلم کے ذریعے مذہب حق کی اشاعت کا فرض ادا کر رہے تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد مولانا منصور علی خاں رضوی نے ۲۷ بتائی ہے۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعے بے دینوں بد مذہبوں کا مکمل تعاقب فرمایا۔ مذہب اہل سنت کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے اور ہر باطل تحریک کا بھرپور جواب دیا۔ جب بد مذہبوں کو جواب اور رد عمل کی ہمت نہ ہوئی تو انہوں نے جھوٹے پروپیگنڈوں کا سہارا لیا اور حدائق بخشش حصہ سوم کا نام لے کر آپ کے خلاف اس زور وشور اور منظّم سازش کے تحت انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کیا اور اس کار بد میں وہابیہ، دیابنہ کی نوزائیدہ بیٹی انقلاب اینڈ کمپنی اپنے اخبار کے ذریعے پورا پورا تعاون فراہم کر رہی تھی۔ حالاں کہ آپ نے توبہ ومعافی نامہ اور معذرت کے اعلانات بھی چھپوائے لیکن ان بہتان طرازیوں کا سلسلہ تھما نہیں۔

اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے حضور شیر بیشۂ اہل سنت لکھتے ہیں:

'' واقعہ یہ ہے کہ اس طرف قریب کے چند برسوں میں برادرم سلمہ ربہ کی چند لاجواب تصنیفات رد وہابیہ دیوبندیہ ندویہ، مودودیہ تبلیغیہ میں ایسی شائع ہوئی ہیں جن کے جواب سے سارے کے سارے وہابی غیر مقلد وہابی دیوبندی ندوی تبلیغی حیران وپریشان ہیں جیسے (۱) دیوبندی ترجموں کا آپریشن ۔ (۲) برق خداوندی رد بے دینی وہابی دیوبندی (۳) تاریخ اعیان وہابیہ (۴) العذاب الباس علی رأس الیاس (۵) تاریخ مجدد دین حزب وہابیہ اور دیگر تصنیفات کہ جن کا جواب اب تک نہ دیا اور نہ آئندہ دے سکتے ہیں۔ انہیں کتابوں سے لاجواب ہوکر یہ منظّم سازش کر کے حدائق بخشش حصہ سوم کو آڑ بنایا ہے۔''

(مفتی محبوب علی رضوی، سوانح شیر بیشۂ سنت، کان پور، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۱۸، ۲۱۹)

محرم الحرام ۱۳۷۵ھ میں حضرت شیر بیشۂ سنت کے مبارک بیانات ممبئ میں نل بازار، ابا بلڈنگ کے سامنے انجمن خدام چشتیہ کے زیر اہتمام ہو رہے تھے۔ ۴؍محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۳؍اگست، ۱۹۵۵ء سہ شنبہ کی شب میں ایک وہابی کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے شیر بیشۂ سنت نے مندرج بالا بیان ارشاد فرمایا تھا۔ اس دور میں ممبئ میں وہابیوں دیوبندیوں نے ایک انجمن بنام انجمن تحفظ ناموس رسالت بنائی تھی۔ حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ اپنے خطابات میں اس انجمن کا مخفف نام اے ٹی این آر استعمال کرتے تھے۔ اس تقریر میں آپ نے ایک مقام پر اسی نام سے دیوبندوں سے وہابیوں کو چیلنج بھری باتوں سے نشتر لگایا تھا۔

ان حالات کو پڑھ کر قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شہر ممبئ میں سنیت کس پوزیشن میں تھی۔ ہر وقت خطرات وحادثات کے سیاہ بادل ممبئ کے آسمان پر منڈلاتے رہتے تھے اور علمائے اہل سنت پوری مستعدی، حق بیانی، بے خوفی اور بھرپور جوش وجذبے کے ساتھ آندھی طوفان بن کر ہواؤں کا رخ موڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔

حضور سید العلماء حضرت علامہ الحاج سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قادری مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت ۲۵؍رجب ۱۳۳۳ھ وفات ۱۱؍جمادی الآخرۃ ۱۳۹۴ھ) ۱۹۴۹ء میں ممبئ تشریف لے گئے۔ یہاں کی جماعت بکر قصاباں نے سید میاں کو ممبئ کی مسجد کھڑک کی امامت کی پیش کش کی جو سید میاں نے قبول کر لی۔ اس طرح مارہرہ کا سید شہر ممبئ کی گہما گہمی کا ایک جز بن گیا۔ آپ کا ابتدائی طالب علمی کے زمانے سے ممبئ میں تشریف آوری اور وصال تک حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ کا ساتھ رہا اور ان دونوں بزرگوں کی عظیم الشان بے لوث پر خلوص خدمات دین وسنیت کا ہی یہ عظیم ثمرہ ہے کہ عروس البلاد ممبئ میں اسلام اور مسلک حق کی یہ ساری بہاریں رونقیں اور جلوہ نظر آرہا ہے۔

جب غازی ملت مفتی محبوب علی خاں علیہ الرحمہ کے خلاف ممبئ کے دیوبندیوں وہابیوں نے ہنگامہ خیز حالات برپا کر رکھے اور انقلاب اخبار کے ذریعے اس ایشو کو خوب بڑھاوا مل رہا تھا۔

اسی دوران ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۵ء بروز سنیچر کو محبوب ملت کی مسجد سنی بڑی مسجد مدن پورہ میں وہابیوں دیوبندیوں نے ظہر کی نماز کے وقت ہنگامہ کر دیا۔ اس تاریخی ہنگامے کی تفصیل خود غازی ملت مولانا مفتی محبوب علی خاں نے یوں بیان کی ہے، لکھتے ہیں:

''میرے مضامین واعلانات وتوبہ نامہ، معافی نامہ کی اشاعت اور حصہ سوم کا صحیح ورق چھپوانے کے باوجود وہابیوں دیوبندیوں کا میرے خلاف ہنگامہ ختم نہیں ہوا کیوں کہ وہ تو ان لاجواب کتب مذکورہ بالا کا انتقام تھا۔ وہ خوب بڑھایا گیا۔ لوگوں میں اشتعال کی آگ تیزی سے بھڑکائی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۵ء بروز سنیچر کو سنیوں کی بے خبری اور لاعلمی میں ظہر کی نماز کی اذان سے ۴۵ منٹ پہلے ہی تقریباً تین سو وہابی دیوبندی سنی بڑی مسجد مدن پورہ میں اپنے امام کے ساتھ آ گئے اور مسجد میں اگلی چار پانچ صفیں گھیر کر بیٹھ گئے۔ مسجد میں وقت پر اذان ہوئی اور ان وہابیوں دیوبندیوں نے دکھاوے کی سنتیں ادا کیں اور اپنا امام جماعت کے وقت مقررہ سے پہلے مصلے پر بڑھانا چاہا تو مسجد میں آئے ہوئے سنی نمازیوں میں سے ایک سنی نے روکا اور نعرۂ رسالت یارسول اللہ بلند کیا۔ اس مبارک نعرے کی ہیبت ان دیوبندیوں پر ایسی ہوئی کہ سارے کے سارے وہابی دیوبندیوں میں ہلچل مچ گئی اور وہ بھاگتے نظر آئے۔''

(سوانح شیر بیشۂ سنت، کان پور، ۲۰۰۵ء ص: ۲۲۱)

دو تین منٹ کے اندر اندر ہی پوری مسجد ان ناپاک وہابیوں سے پاک ہوگئی اور وہ انتہائی بدحواس ہوکر بھاگتے نظر آئے۔ ظہر کی نماز وقت مقررہ پر حضرت محبوب ملت نے پڑھائی۔ مسجد کے باہر ہنگامہ آرائی کا ماحول تھا۔ اب اس ہنگامے کو نیا رخ دینے کے لیے خود ہی اپنے گروپ کے آدمی مشہور چلیا حاجی جان محمد جیوا جی کو مسجد سے سو قدم کے فاصلے پر قتل کر دیا اور اس کا الزام سنیوں پر لگا دیا اور ناگپاڑہ پولس اسٹیشن میں بعد نماز مغرب حضرت کو بلا کر بہانے سے حراست میں لے لیا گیا اور اس کے بعد دس اور سنی مسلمانوں کو حراست میں لیا گیا اور ان گیارہوں افراد پر قتل کا جھوٹا مقدمہ بنا دیا گیا۔ ۱۷ر فروری ۱۹۵۷ء کو ممبئ سیشن کورٹ سے حضرت محبوب ملت اور ان کے دس ساتھیوں کو باعزت رہائی حاصل ہوئی۔ اس مقدمے کی تمام کارروائی ایک اہم دستاویز اور تابناک تاریخ ہے۔ حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ نے مقدمے کے دوران نظر بندی

دو اہم کتابیں ''کراماتِ صحابۂ کرام'' اور ''کراماتِ سادات وآلِ اطہار'' تصنیف کیں۔

(محمد شاداب محبوب قادری، حضرت محبوب ملت، مطبوعہ: ممبئ، ۱۹۹۷ء، ص:۱۱)

ان تمام کارروائیوں میں حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کا مجاہدانہ کردار قطعاً ناقابل فراموش ہے۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ آپ کے مجاہدانہ کردار اور اس پورے واقعے کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''اس کے بعد دیوبندی مہاجنوں نے اپنی حرام کی کمائیوں کے بل بوتے پر غازی ملت (مولانا محبوب علی خاں) پر بھی قتل کا مقدمہ قائم کر دیا۔ پولس نے رشوت لے کر دیوبندیوں کا جھوٹا ایف آئی آر درج کیا اور غازی ملت کو قتل کا ملزم ٹھہرا کر حراست میں لے لیا۔ یہ وقت ممبئ میں اہل سنت پر بہت ہی سخت تھا۔ ممبئ کے سارے دیوبندی طے کر چکے تھے کہ خواہ کتنا ہی روپیہ صرف ہو ڈی ایم کو خریدنا پڑے تو خرید لیا جائے مگر غازی ملت کو پھانسی کی سزا دلوائی جائے۔

سخت کس مپرسی کا عالم تھا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بھائی کی مدد کے لیے پہنچے لیکن چوں کہ شیر بیشۂ سنت نے مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی تھی اس لیے ان کی آواز مؤثر نہ ہو سکی۔ حضرت سید العلماء قدس سرہ ممبئ میں ابھی نئے نئے تھے۔ پورا تعارف بھی نہیں تھا۔ ممبئ کی عوام جانتے بھی نہ تھے کہ کھڑک کی مسجد کا امام کون ہے۔ اس کے باوجود حضرت سید العلماء غازی ملت اور ان کے ساتھ ماخوذ مظلوم غربائے اہل سنت کی امداد کے لیے میدان میں کود پڑے اور اپنی پوری ذہنی و روحانی توانائیوں سے کام لے کر غازی ملت اور ان کے ہمراہیوں کا بھرپور تعاون فرمایا۔ غافل سنیوں کو بتایا کہ اس کیس کے مضمرات کیا ہیں؟ اگر خدانخواستہ غازی ملت کو سزا ہو گئی تو ممبئ میں اہل سنت کے ائمہ کا رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ قارون کے وارث دیوبندی دو چار بے وقوف جوشیلے دیوبندیوں کو بھینٹ چڑھا کر سنی ائمہ مساجد کا ممبئ میں قیام مشکل کر دیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت سید العلماء قدس سرہ کی آواز نے اپنا اثر دکھایا۔ ممبئ کے سارے اہل سنت جاگ گئے اور لیگ نے جو افسوں پھونکا تھا سنی وہابی بھائی بھائی۔ یہ افسوں ختم ہو گیا اور ممبئ کے سنیوں نے سمجھ لیا کہ روئے زمین پر ہمارا سب سے بڑا دشمن دیوبندی ہے۔ پھر ممبئ کے سارے اہل سنت نے متحد ہو کر غازی ملت کے کیس میں دلچسپی لی جس کے نتیجے

میں ایک وقت وہ آیا کہ قارونوں کی ساری دولت ان کے گلے میں لعنت کا طوق بن گئی اور غازی ملت اوران کے ہمراہی باعزت بری ہوئے۔ججوں نے اپنے فیصلے میں غازی ملت اوران کے ہم راہیوں کوصرف بری ہی نہیں کیا بلکہ انہیں یہ حق دیا کہ وہ پولس اور ایف آئی آر درج کرنے والے اور گواہوں پر جھوٹا مقدمہ قائم کرنے کا کیس کریں مگر ہمارے علما کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ اپنا معاملہ کچہری میں نہیں لے جاتے۔اس لیے حضرت غازی ملت نے ججوں کے دیے ہوئے حق کو استعمال نہیں فرمایا۔غازی ملت کی براءت پر ممبئ کے اہل سنت نے شکرانے میں ایک بہت بڑا جلسہ کیا جو ممبئ کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا۔اس میں ایک نظم پڑھی گئی جس کا یہ شعر مجھے یاد ہے:

آخر ہماری فتح نے ثابت یہ کردیا
اللہ بھی ادھر ہے جدھر غوث پاک ہے

(مقالات شارح بخاری، مرتبہ: مولانا عبدالحق رضوی وساحل شہ سرامی: گھوسی، ص:۱۹۲۔۱۹۴، ج۳)

اس عظیم کامیابی پر شہر ممبئ کے مختلف محلوں میں جشن فتح کے مسلسل اجلاس دس روز تک جاری رہے جس میں حضور شیر بیشۂ سنت، حضور سید العلماء اور اکابر علمائے اہل سنت کے بیانات ہوئے اور غازی ملت اوران کے رفقا کی خدمات میں ہدیہ عقیدت ومحبت پیش کیا گیا۔اس کے بعد حضرت شیر بیشۂ سنت، مفتی وجیہ الدین مفتی پیلی بھیت اور حضرات اہل سنت کے ہمراہ غازی ملت نے حضور سرکار سلطان الہند علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں اجمیر مقدس حاضری دی اوراس کے بعد یہ قافلہ بریلی شریف امام احمد رضا قدس سرہ کے آستانے پر حاضر ہوا اور بریلی سٹی اسٹیشن سے جلوس فتح روانہ ہوا جس میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ خود جلوہ فرما تھے۔اس کے بعد کان پور اور لکھنؤ میں جشن فتح منایا گیا اور اکابر علما نے اہل سنت کے بیانات ہوئے۔خود غازی ملت علیہ الرحمہ نے اس حادثے کی پوری تفصیل بیان فرمائی۔یہ واقعہ شعبان ۱۳۷۶ھ کا ہے۔سیشن کورٹ میں ناکامی کے بعد ممبئ کے دیوبندیوں نے ممبئ ہائی کورٹ میں اپیل کی۔وہاں بھی قبلہ ممدوح گرامی کو فتح نصیب ہوئی اور دیوبندیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔۱۹۶۲ء میں حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ نے سفر حج وزیارت فرمایا۔۲۴؍جمادی الاٰخرۃ۔۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰؍اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز

بدھ آپ کا وصال ہوا اور ممبئ میں مدفون ہوئے۔

سرزمینِ ممبئ میں فروغِ سنیت واشاعتِ اسلام کے حوالے ان مرشدانِ کرام اور پیرانِ طریقت کے کردار کو قطعاً فراموش نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے وقتاً فوقتاً فروغِ سلسلہ کے لیے یہاں کا رُخ کیا اور ہزاروں عوام وخواص ان کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوکر سلسلۂ بیعت وارشاد میں داخل ہوئے۔ ان میں آزادی سے قبل اور بعد دونوں زمانوں کو یاد کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان بھر کے مشہور ومعروف خطبا اور سربراہانِ مدارسِ اسلامیہ کی ممبئ آمد نے بھی خوش گوار اثرات چھوڑے ہیں اور کارِ سنیت انجام پایا ہے۔ محرم الحرام کی مجالس میں ہندوستان بھر سے تشریف لانے والے علماے کرام، ان کے خطابات، ان کی ذہن سازی، دین ومذہب کے فروغ کے لیے بمبئ کے عوام وخواص کی توجہات مبذول کرانا، خود اس کام کی سنجیدہ کوششیں کیا فراموش کی جاسکتی ہیں؟ ہمیں اپنی تاریخ خود لکھنی ہوگی۔ ورنہ:

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

●●

باب پنجم: ممبئ کے مشہور بزرگان دین

اللہ عزوجل کے خاص بندے جنھیں ''رجال الغیب'' کہا جاتا ہے، وہ اللہ کے ولی اور دین کے بزرگ ہوتے ہیں، یہ بندے لوگوں کے دلوں پر بھی حکومت کرتے ہیں اور زمین کے بھی حاکم کل ہوا کرتے ہیں، ان کی سیادت وحکومت کا سکہ ہمیشہ رائج الوقت ہوتا ہے، وہ کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے، نہ ہی انھیں کوئی رنج ہوتا ہے۔ وہ افراد انسان کی دینی رہنمائی اور مذہبی قیادت فرماتے ہیں، لیکن ہمیشہ خود کو چھپا کرر کھتے ہیں، ان کی زندگی ایک راز رہتی ہے، وہ بہت کچھ ہوتے ہیں، مگر کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق دنیا ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتی اور اپنا نصیبہ چمکاتی ہے۔ شہر ممبئ بھی ایسے بزرگان دین سے خالی نہیں رہا، یہاں ایسے ایسے اولیاء اللہ گزرے ہیں جنھوں نے اپنی باطنی قوت اور روحانی توانائی کے سبب حق کی رہبری کا فریضہ نبھایا ہے۔ ان کی کرامتوں کے نشانات آج بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، البتہ یہ ضرور ہوا کہ یہ سارے حقائق حفظ صدور سے آگے کی منزل نہ طے کر سکے، انھیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہیں کیا گیا، فقط روایتیں ہیں، کانوں سے سنی جاتی ہیں، کتابوں میں نظر نہیں آتیں، کیوں کہ اب تک ان پر تفصیل سے لکھا ہی نہیں گیا، کتابیں ان کے ذکر جمیل سے خالی ہیں، چند کے تذکرے ملتے ہیں، مگر ناقص اور ادھورے۔ ڈاکٹر اشفاق انجم، مالیگاؤں نے ''اولیائے اسلام'' نامی جو ڈائرکٹری مرتب کر کے شائع کی ہے، اس میں ۹۰ کے قریب اولیائے ممبئ کی فہرست موجود ہے لیکن تذکرے کی کتب میں دس کا بھی ذکر نہیں ملتا۔ اس کے لیے راقم نے تذکرۃ الانساب، تذکرۃ الاخیار فی اسرار الابرار، مشاہیر اسلام، تذکرۃ اولیائے ہند وپاک، تاریخ صوفیائے گجرات، ہند اور پاک کے اولیا، تذکرہ اولیا، تاریخ کوکن، علمائے ہند کا شاندار ماضی وغیرہا کتب کا مطالعہ کیا ہے مگر نتیجہ کچھ بھی سامنے نہ آسکا۔ حالاں کہ ان کے اعراس

بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوتے ہیں، ان میں عقیدت مندوں کی حاضری لائق دید ہوتی ہے، مگر وہ ان بزرگ کی حالت زندگی سے ناواقف ہوتے ہیں، کتبے پر لکھے ہوئے نام اور تاریخ وصال پڑھ کر اتنا جانتے ہیں کہ ان کا انتقال کب ہوا، بعض کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں ہوتا، نہ ان کے احوال، نہ سن وصال، بس مزار ہے اور عرس ہو رہا ہے۔ یہاں ہمیں انتہائی قلق اور افسردگی کے ساتھ یہ بھی لکھنا پڑ رہا ہے کہ مزارات پر حاضری جو ایک جائز و مستحسن عمل تھا ہم نے اسے سیر وتفریح اور انجوائے کا کام بنالیا ہے اور اعراس میں ایسی ایسی خرافات اور فضول اعمال واشغال شامل کر لیے گئے ہیں مذہب حق جن کی بالکل اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ کام ہمارے مسلک و مذہبی تعلیمات کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں، لیکن ہمیں اس کا احساس نہیں، اور ایسے غلط اور ناجائز کاموں کے خلاف بولنے یا لکھنے والے کو ہم شبہے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شہر ممبئ کے مشہور بزرگان دین میں فقیہ مخدوم علی مہائمی، حاجی علی بخاری، بابا بہاء الدین شاہ، بابا عبدالرحمٰن شاہ، بسم اللہ شاہ بابا، پیڈ روشاہ وغیرہم کا نام اور ان سے نیازمندانہ لگاؤ کی کیفیات ممبئ اور کوکن کی لوک گیتوں میں بھی ملتی ہیں۔ اردو شعرا نے بھی اس موضوع کو اپنے تخیل کا حصہ بنایا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں یہاں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بدرالدین طیب جی کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی، جس میں شبلی نعمانی اور مولوی نذیر احمد نے بھی شرکت کی تھی، مولوی نذیر احمد نے اپنی ایک نظم پڑھی تھی جس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

خوشا بمبئ تجھ پہ پیروں کا سایہ
تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا

اردو لوک گیتوں میں بھی فقیہ مخدوم علی مہائمی اور دیگر اولیا کا ذکر ملتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی کتاب ''کوکن اور ممبئ کے اردو لوک گیت'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ چند ایک آپ بھی ملاحظہ کریں اور لطف لیں۔

مہائم میں مخدوم علی ہمارے خواجہ
مہائم میں سچے ولی ہمارے خواجہ
سیڑھیاں نا سیڑھیاں ستار جو بیٹھے

خواجہ کا چوکھٹ بنائے ہمارے خواجہ

(میمونہ دلوی، کوکن اور ممبئ کے اردو لوک گیت، مطبوعہ ممبئ، ۲۰۰۱ء ص:۲۱۸)

دیگر اولیا کے تذکرے پر مشتمل یہ لوک گیت دیکھیں اور لوگوں کے جذبۂ عقیدت کو سلام پیش کریں:

کروں گی سوا من کا ملیدہ
بھروں گی سونے روپے کے تھالاں
جھانکوں گی کارچوبی رومالاں
دیوں گی احمد میاں کے سر پہ
بھیجوں گی مخدوم پیر صاحب کی درگاہ
کروں گی سوا من کا ملیدہ
بھروں گی سونے روپے کے تھالاں
جھانکوں گی اطلسی رومالاں
دیوں گی باوا پیارے کے سر پہ
بھیجوں گی بسم اللہ باوا کی درگاہ
کروں گی سوا من کا ملیدہ
بھروں گی سونے روپے کے تھالاں
جھانکوں گی بنارسی رومالاں
دیوں گی باوا پیار ے کے سر پہ
بھیجوں گی حاجی علی باوا کی درگاہ
کروں گی سوا من کا ملیدہ
بھروں گی سونے روپے کے تھالاں
جھانکوں گی کم خوابی رومالاں
دیوں گی گوتوں والے کے سر پہ

بھیجوں گی عبدالرحمٰن باوا کی درگاہ

(میمونہ دلوی، کوکن اور ممبئ کے اردو لوک گیت، مطبوعہ ممبئ، ۲۰۰۱ء ص: ۲۲۰)

فقیہ مخدوم علی مہائمی کا تذکرہ ایک مستقل باب میں کر دیا گیا ہے، اس لیے اس باب میں چند بزرگان دین کی حیات وخدمات پر اجمال بھر گفتگو کی جائے گی۔ اور وہ بھی جن کی سوانح تک راقم کی رسائی ہوئی ہے، اس کے بعد ہم اپنی نارسائی کا اعتراف کر کے قلم روک دیں گے۔

حضرت حاجی علی شاہ بخاری:

ساحل سمندر واقع حضرت حاجی علی شاہ بخاری علیہ الرحمہ کی درگاہ شہر ممبئ کی شہرت میں چار چاند لگاتی ہے، اور بیرونی ممالک میں ہندوستان کے تعارف کا سبب بھی بنتی ہے۔ یہ ۵۰۰ سال قدیم درگاہ ہے اور بحر عرب میں ساحل سے تھوڑا اندر واقع ہے، ہر مذہب کے لوگ ایک زمانے سے یہاں زیارت کے لیے حاضری دیا کرتے ہیں۔ اللہ کا ہر بندہ اس کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اولیاء اللہ کی اپنی دنیا ہوتی ہیں، ہم اسے اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے، وہ دین اور رضاے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، کہیں بھی نکل جاتے ہیں، دنیا ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتی، بلکہ پوری دنیا ان کی نگاہوں میں ہوتی ہے، وہ اشارۂ الٰہی کی بنیاد پر دنیا گھومتے رہتے ہیں، جہاں جیسی دین کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ویسا ہی کرتے ہیں، جس کے لیے انھیں ہجرت کرنی پڑتی ہے، اپنا گھر بار چھوڑنا ہوتا ہے، دنیوی آرام کو تج دیا کرتے ہیں، بسا اوقات انھیں خود کی بھی پروا نہیں رہتی۔ تاریخ اولیاء اللہ میں اس کی بے شمار نظیریں دکھائی دیتی ہیں، ان کی قربانیاں، جاں فشانیاں، بے نیازیاں، محنتیں، مشقتیں، ہجرتیں ہمیں بہت کچھ پیغام دیتی ہیں ،ان کی حیات کا لمحہ لمحہ درس عبرت ہوتا ہے، اس میں نصیحتیں موجود ہوتی ہیں اور ہمیں حرکت وعمل پر آمادہ کرتی ہیں۔ ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ اس کی واضح مثال ہیں۔ حضرت حاجی علی علیہ الرحمہ کے حالات سے متعلق تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں۔ درگاہ کی ٹرسٹ اور خدام کے ذریعے جو کچھ معلوم ہوا، اسے ہم اپنے قارئین سے شیئر کرتے ہیں۔ آپ سرزمین بخارا کے رہنے والے تھے، اپنی والدہ محترمہ کی اجازت اور اپنے برادر کی رفاقت میں ہندوستان کا رخ کیا تا کہ سیاحت کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کی جا سکے اور بے

سہاروں کی مدد بھی، آوارہ پیشانیوں کو ایک خدا کی جناب میں جھکایا جائے اور بے خوفوں کو اللہ کی خشیت کا جذبۂ صادق دیا جائے۔ ان کے بھائی تو واپس بخارا چلے گئے مگر آپ نے یہیں رک کر خدمت دین کرنا گوارا کیا، اپنی ماں کے نام ایک خط بھی لکھ کر بھائی کے ہاتھوں بھیجا کہ میں بالکل اچھا ہوں، مگر واپس نہیں آرہا ہوں، بلکہ یہیں رہ کر دین کی تبلیغ کرنا چاہتا ہوں، ماں! مجھے معاف کر دینا۔ حضرت حاجی علی بخاری علیہ الرحمہ تا دم وصال یہیں قیام فرمارہے، عبادت میں مشغول رہتے، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا دیتے، ہمہ وقت اپنے اعمال واشغال میں مست رہتے، نہ کسی سے بحث، نہ زیادہ بات چیت، بہ قدر ضرورت ہر کام، بس کام سے کام۔ آپ کی پاک دامنی، نیک سیرتی، عبادت و ریاضت اور خلق خدا کی خدمت گاری کو آہستہ آہستہ شہرت ملتی گئی اور حلقہ ارادت وسیع ہوتا گیا، آپ کے ماننے اور چاہنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی، جو آپ کی بارگاہ میں رہ کر دین سیکھتے، اللہ کی معرفت حاصل کرتے اور اپنے تشنہ قلب کو آپ کی میٹھی باتوں سے سیرابی دیتے۔ یہ سلسلہ وصال تک جاری رہا۔ پروفیسر ناصر نقوی (ڈائریکٹر بابا فرید صوفی سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، پٹیالہ) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت حاجی علی شاہ بخاری، ممبئ سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(ماہ نامہ اردو دنیا، نئی دہلی، جولائی ۲۰۱۵ء، ص:۵۵)

آپ سے مختلف کرامتوں کا ظہور ہوا اور عزیمتیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ وصال سے کچھ پہلے آپ نے اپنے مریدین کو یہ حکم دیا کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے کہیں دفن نہیں کرنا، مریدین نے سوال کیا، حضور! پھر کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے غسل وکفن دے کر سمندر میں ڈال دینا، جہاں میری نعش ٹھہر جائے اسی جگہ میری قبر ہوگی، وہیں مجھے دفن کر دینا۔ چناں چہ بعد وصال آپ کی وصیت وحکم کے مطابق ویسا ہی کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ سمندر کے بیچ میں آپ کا مزار بنایا گیا اور آج تک وہیں موجود ہے۔

حضرت مولانا فیض الحق رضوی پرنسپل مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو، اتر پردیش نے مینارہ مسجد میں راقم الحروف سے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ان کا اپریل ۲۰۱۴ء کے اخیر میں شمالی افریقی ملک کینیا کے شہر ممباسا جانا ہوا، وہاں ان کی ملاقات شیخ عبد النور قادری دام ظلہ سے

ہوئی، انھوں نے اپنے دادا پیر کا ایک واقعہ بیان کیا جو صومالیہ میں رہتے تھے کہ قبیلہ شاش کے لوگ ان کے پاس آئے اور بارش نہ ہونے کی شکایت اور دعا کی درخواست کی۔ ابھی یہ جماعت وہاں موجود تھی کہ دادا پیر نے دیکھا کہ ایک ولی صفت بزرگ ہوا میں پرواز کرتے ہوئے آئے اور دادا پیر سے مخاطب ہوئے، کہا کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر بارش چاہتے ہو تو اس مقام پر حضرت حاجی علی ہندی کا زاویہ (خانقاہ) اور ایک مسجد تعمیر کردو، ان شاء اللہ بارش ہو جائے گی۔ لوگوں نے اس بات کی ہامی بھر لی اور زاویہ اور مسجد کی بنیادوں کا نشان لگا دیا، تھوڑی دیر گزری تھی کہ بارش شروع ہوگئی۔ بعد میں یہ مسجد اور یہ خانقاہ تعمیر کی گئی۔ اس وقت سے ایسا اکثر ہوتا رہا ہے جب بھی لوگوں پر کوئی آفت یا بلائے ناگہانی آن پڑتی ہے یا وہ کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو اس خانقاہ اور مسجد میں آکر ورد قادریہ کرکے دعا کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

راوی (مولانا فیض الحق رضوی) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس سفر میں وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حاجی علی کون ہیں؟ تو ان کا جواب تھا کہ ہم ان کو نہیں جانتے، ہاں اتنا جانتے ہیں کہ وہ ایک ہندوستانی ولی اللہ ہیں اور بس۔ راوی نے خود ہی بتایا کہ شیخ عبدالنور زبردست عالم دین اور سلسلہ قادریہ کے بزرگ ہیں، ہندوستان ممبئ میں ان کا دورہ ہو چکا ہے۔ انھوں نے مولانا فیض الحق کو قرأت دوری کی اجازت اور اس سے متعلق قرآنی نسخہ بھی عطا فرمایا، ساتھ ہی سلسلہ قادریہ کے اوراد کا مجموعہ بھی دیا اور اس کی اجازت بھی دی، مزید حزب امام نووی کی اجازت بھی۔ شیخ عبدالنور قادری نے مکینہ روڈ پر سید باغ علی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کے قریب گاؤں میں اپنا مدرسہ اور خانقاہ بنائی ہے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حاجی علی شاہ بخاری علیہ الرحمہ کا مقام اور ان کا روحانی پایہ کس قدر بلند و بالا ہے۔

عبدالجبار اجمیری نے لکھا ہے: ''بمبئ سمندر کے اندر واقع حاجی علی کا مزار ۱۴۳۱ء میں بنایا گیا تھا، اس کے میناروں کی اونچائی پچاسی فٹ ہے، اب اس کی دوبارہ تعمیر میں پانچ کروڑ روپیہ خرچ ہونے کا امکان ہے۔'' (عبدالجبار اجمیری، مسلمانوں کا شاندار ماضی، ص: ۸۵)

حضرت حاجی علی شاہ بخاری علیہ الرحمہ کی یہ درگاہ شہر ممبئ کے سات عجائب میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ درگاہ ممبئ شہر کی ایک بڑی پہچان ہے۔ اس کی اپنی ایک تاریخ ہے، جس پر کافی دھند

پڑ چکی ہے۔اولیا اور مشائخ کے اکثر تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں۔البتہ ٹرسٹ کی جانب سے انگریزی زبان میں شائع شدہ ۱۶/ورقی کتابچے میں جو تفصیلات دی گئی ہیں راقم انھیں کی روشنی میں کچھ حقائق پیش کرنے کی سعی کرتا ہے۔

حاجی علی ٹرسٹ ۱۹۱۶ء میں قائم ہوئی ، اس وقت سے میمن کمیٹی اس کی نگراں اور ذمہ دار ہے، اسی کمیٹی نے ۱۹۱۶ء میں سوٹ نمبر ۱۳۳۷ کے تحت ممبئ ہائی کورٹ میں سب سے پہلے اپیل کی تھی اور کورٹ نے اسے حاجی علی ٹرسٹ کا نام دیا تھا۔ حاجی علی درگاہ پانچ ہزار اسکوائر فٹ زمین پر رجسٹرڈ ہے۔۱۹۴۴ء میں لالہ لجپت رائے روڈ سے درگاہ تک کا راستہ کمیٹی نے بنایا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ درگاہ کے مینیجر حاجی ابوبکر نے سوچا کہ ایسا راستہ بنانا چاہیے جو مضبوط بھی ہو اور پانی کے بہاؤ میں محفوظ بھی رہے۔مگر وہ اس کام کی ہمت نہیں جٹا پا رہے تھے۔ایک دن ایک نیک صفت شخص نے آکر خواب میں حضرت کی جانب سے دی جانے والی بشارت کا تذکرہ کیا تو انھیں ہمت ہوئی اور یہ کام شروع کر دیا گیا اور پایہ تکمیل کو پہنچا۔ جو کام ادھورا تھا وہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۰ء تک میں مکمل کیا گیا۔ چوڑائی بڑھائی گئی، لائٹیں لگائی گئیں، راستہ بڑے بڑے پتھروں کو استعمال میں لاکر بنایا گیا۔ درگاہ کا تعمیری کام کب شروع ہوا اس سلسلے میں کوئی وضاحت نگاہ سے نہیں گزری۔ البتہ اتنا ملتا ہے کہ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک میں درگاہ سے متصل قوالی ہال اور عورتوں کے لیے نماز کی جگہ تعمیر کی گئی۔ درگاہ کا کام بھی قدیم مغلیہ طرز پر ہوا تھا، مینارہ اور گنبد بنا ہوا تھا۔۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک دوبارہ درگاہ کا تعمیراتی کام جاری رہا اور ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء تک پرانی عمارت کو نئی طرز تعمیر دی گئی۔اس وقت سفید ماربل سے بنا ہوا ایک مین گیٹ ہے، درگاہ کی عمارت ہے، ایک پختہ عالی شان مسجد ہے، قوالی ہال ہے، کئی کمروں پر مشتمل ایک مضبوط عمارت بائیں جانب ہے اور داہنی طرف بھی کچھ حجرے بنے ہوئے ہیں، ساحلی گیٹ پر داہنی جانب کنارہ مسجد ہے، اس کے اوپر کئی کمرے ہیں، انھیں میں سے ایک میں ٹرسٹ کا آفس ہے۔ دوسرے میں کنارہ مسجد کے خطیب و امام نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت مفتی محمود اختر امجدی اپنی فیملی کے ساتھ اقامت پذیر ہیں۔ چوں کہ ۲۰۰۹ء سے بالکل نیا تعمیری کام شروع کیا گیا ہے جس کے تحت مزار سے متصل ایک انتہائی خوب صورت طویل مینار اور مسجد بن چکی ہے، جس کی آرائش میں مکرانہ

راجستھان کا مشہور سفید ماربل استعمال کیا گیا، جس میں بہترین نقش و نگار ہیں، آیتوں کی خطاطی کی گئی ہے، دیوار، چھت اور ستون سب پتھر ہی کا ہے۔ کام ابھی جاری ہے، جوان شاءاللہ تکمیل آشنا ہو جائے گا۔ حاجی علی درگاہ میں زیارت کے لیے ہر روز تیس سے پچاس ہزار زائرین کی آمد و رفت رہتی ہے، جمعرات اور جمعہ کو یہ تعداد ایک لاکھ سے زائد ہو جاتی ہے اور عید، بقرعید اور چند اور دنوں میں تو حد سے زیادہ لوگ حاضری دیا کرتے ہیں۔ ۱۶ ربیع الآخر کو عرس پاک منعقد ہوتا ہے جب کہ ہر ماہ کی ۱۷ ویں شب میں بعد نماز عشا محفل میلاد منعقد ہوتی ہے اور لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ سارا کام محترم عبدالستار مرچنٹ اور ٹرسٹ کے دوسرے افراد کی نگرانی اور کوشش سے مکمل کیا جاتا ہے۔

اس درگاہ کی خصوصیت اور حضرت حاجی علی شاہ کی کرامت یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں جب ممبئ شہر میں ایک طوفانی سیلاب آیا تھا تو اس میں درگاہ کو معمولی نقصان بھی نہیں پہنچا تھا، اسی طرح ۲۶ رجولائی ۲۰۰۵ء کے سیلاب میں بھی یہ درگاہ بالکل محفوظ رہی تھی۔ ہر روز کے ہائی ٹیڈ سے بھی مزار اور اس سے متصل عمارتوں اور راستوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

شیخ مصری علیہ الرحمہ:

درگاہ شیخ مصری علیہ الرحمہ انٹاپ ہل، وڈالا، ممبئ میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی آٹھ نو سال قبل مصری تاجروں کا ایک قافلہ سمندری راستے سے ہندوستان آیا، اس قافلے میں تاجروں کے علاوہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین، اہل علم اور مبلغین کی بھی ایک جماعت تھی۔ اسی جماعت میں قاہرہ کے قریب کے ایک قصبہ عموج کے بھی ایک بزرگ تھے، جن کے احباب انھیں ''یا شیخ یا شیخ'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے، اہل قافلہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ شیخ کس پایہ کے بزرگ ہیں، اس لیے ان کا احترام بھی کرتے تھے اور ان کی بات بھی مانتے تھے، شیخ ہندوستان اس لیے آئے تھے تاکہ یہاں کے ظلمستان کو ایمان کی تجلیات سے بقعہ نور بنا دیں اور اسلام کا اجالا ہر سو پھیل جائے۔ شیخ مصری کا اصلی نام اب تک پردۂ خفا میں ہے، انھوں نے یہاں آکر انٹاپ ہل میں قیام کیا، جو پہلے ایک ساحلی علاقہ تھا، اسے کھاڑی کا علاقہ بھی کہا جاتا تھا۔ مقامی باشندے یہاں نمک تیار کرتے تھے، بعد میں وہی علاقہ انٹاپ ہل کہلایا، شیخ مصری علیہ الرحمہ جو نیک مقصد لے

یہاں آئے تھے، اس کے لیے کوشش کرنے لگے، یعنی دین حق کی تبلیغ اور اسلام کی دعوت۔

(بمبئی گزیٹر، جلد:۳۔ص:۳۱۳)

آپ کا حسن اخلاق ایسا تھا کہ لوگ دیکھتے ہی گرویدہ ہوجاتے اور آپ کے دامن سے وابستگی کو زندگی کی معراج تصور کرنے لگتے اور پھر اسلام کی دولت سے مشرف ہوجاتے۔ آپ کے قول وعمل میں یکسانیت تھی، تضاد بالکل بھی نہ تھا، جس کا نتیجہ مثبت آنا ہی تھا۔ یہاں ایک لمبا عرصہ آپ کا قیام رہا، بہت سی کرامتوں کا بھی ظہور ہوا مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی دین پر استقامت اور شریعت پر عمل کو قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ نہ آپ کے سن ولادت کی تحقیق ہوسکی ہے نہ ہی تاریخ وصال کسی کو معلوم ہے۔ بعد وفات اسی جگہ آپ کی مزار پاک تعمیر کی گئی جو شیخ مصری درگاہ کے نام سے مشہور ہے، جہاں عقیدت مندوں کی حاضری جمعرات اور اتوار کو زیادہ ہوتی ہے بقیہ دنوں میں زیارت ہوتی ہے مگر کم کم۔ عرس بھی ہوتا ہے، درگاہ سے منسلک ایک مسجد بھی ہے اور نقار خانہ بھی۔

باباحاجی عبدالرحمٰن شاہ قادری:

باباحاجی عبدالرحمٰن شاہ قادری نظامی علیہ الرحمہ کی سوانح پر راقم کو پیرزادہ سید محمد سلیم چشتی کی مرتب کردہ ایک مختصر کتاب مل سکی ہے، جس کا پہلا ایڈیشن مراٹھی زبان میں یکم جولائی ۲۰۰۳ء کو شائع ہوا تھا، دوسرا ایڈیشن مئی ۲۰۰۶ء کو طبع ہوا ہے اور یہی راقم کے سامنے ہے، یہ اردو سوانح محض ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔ عبدالرحمٰن شاہ بابا کا مزار واستانہ چھتری سارنگ محلّہ، ڈونگری، ممبئ ۹ میں واقع ہے اور ان کا چلہ ڈونگری پولس اسٹیشن کے احاطے میں ہے۔ آپ غوث الاعظم دستگیر حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اسی مناسبت سے آپ کے نام کے ساتھ قادری لکھا جاتا ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت سید شمس الدین قادری شہر بغداد سے ہندوستان آکر مدراس کے سلیم ضلع میں سنور کے قریب سکونت پذیر ہوگئے۔ تبلیغ دین ان کا مشن تھا، باباحاجی عبدالرحمٰن شاہ قادری کی پیدائش بھی وہیں ہوئی، سن شعور کو پہنچے تو تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، والد نے دینی تعلیم دینے کا آغاز فرمایا، قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ باباعبدالرحمٰن شاہ قادری کا ممبئ میں آنا جانا ہوتا تھا، جاملی محلّہ میں قیام

رہتا تھا، میمن واڑہ روڈ پر اس دور کے کمو یعقوب مدرسہ میں بچے حفظ قرآن کرتے تھے، بابا یہاں بھی آیا کرتے تھے، ممبئ میں قیام ہی کے زمانے میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی میں جالی محلّہ مسجد میں ہی قیام کیا۔ لیکن پھر اس کے بعد آپ کی زندگی میں ایسا بدلاؤ آیا کہ ظاہری حالت بالکل الگ دکھائی دینے لگی، ایک روز اپنا عمامہ، کرتہ اتار پھینکا، حدیث کی کتابیں محبین میں تقسیم کر دیں، اپنا عصا ہاتھ میں لیا اور مسجد سے نکل پڑے، ڈونگری اور آس پاس کے علاقوں میں گھومنے لگے، مجذوبیت کا رنگ غالب آ گیا، یہ حالت تادم وصال باقی رہی، پہلے لوگ بابا کے قریب نہیں جاتے تھے مگر جیسے جیسے کرامتیں ظہور میں آتی گئیں، آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کی ضرورتیں بھی پوری ہونے لگیں اور انھیں فیض باطنی بھی ملنے لگا۔ یہاں تک کہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ء/۱۳ فروری ۱۹۱۸ء کو چہار شنبہ کی صبح کو ۱۲۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

میاں محمد چھوٹانی جو بابا کی حیات میں ان کی خدمت میں ہمہ وقت رہتے تھے بابا کے انتقال کے بعد بابا جہاں بیٹھا کرتے تھے وہ جگہ خرید کر ان کا آستانہ تعمیر کروایا۔ آپ کا عرس یکم جمادی الاولیٰ سے دس جمادی الاولیٰ تک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

بسم اللہ شاہ بابا:

حضرت بسم اللہ شاہ بابا کا مزار مبارک سی، ایس، ٹی اسٹیشن کے عقب میں پڑتا ہے، آپ کے حالات میں صرف تاریخ وسن وصال ملتا ہے جو مزار کے ایک جانب لکھا ہوا ہے، ۱۹/شوال ۱۱۴۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ ایک باکرامت بزرگ کے طور پر شہر ممبئ میں کافی شہرت رکھتے ہیں، بغل میں بائیں جانب ایک مسجد بھی ہے۔

سید عبداللہ شاہ قادری:

سید عبداللہ شاہ قادری کا عرفی نام پیڈ روشاہ بابا کافی شہرت رکھتا ہے، آپ کا مزار حج ہاؤس ،پلٹن روڈ، ممبئ کے چند قدم سے فاصلے پر واقع ہے، داہنی جانب ایک عالیشان مسجد ہے، اس کے ٹھیک پیچھے مزار ہے۔ مزار پر خوب صورت گنبد بنا ہوا ہے، سی، ایس، ٹی ریلوے اسٹیشن جاتے ہوئے بائیں طرف حج ہاؤس کے بعد ایک بڑا گیٹ نظر آتا ہے، یہ مزار اور مسجد کا خارجی دروازہ

ہے، جس پر درج ذیل فارسی کتبہ لکھا ہے، اس سے سن وصال ۱۲۱۵ھ برآمد ہوتا ہے:

ولی پیڈ رو شاہ جنت سرشت
چوں فرمودہ رحلت ز دنیاے زشت

آپ عراق سے آئے تھے، یہیں آکر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، اپنے حال میں مستغرق رہنے لگے، ۶ر محرم الحرام ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۹ء میں وصال ہوا۔ اولیائے اسلام کی ڈائرکٹری میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے آپ کے انتقال کا سن ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء دیا ہے، جب کہ کتبہ کچھ اور کہتا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں پیڈ روشاہ کی ایک کرامت ظاہر ہوئی، ان کے مزار کے قریب سیتا رام نامی ایک بلڈنگ بن رہی تھی، مالکان نے آپ کا مزار زمیں بوس کرنا چاہا تا کہ مزید توسیع کی جا سکے، ابھی انھوں نے اقدام بھی نہ کیا تھا کہ وہ پوری بلڈنگ ڈھہ گئی۔ اسی برس آپ کا دوسوواں عرس پاک منایا گیا ہے۔

سید مقبول شاہ قادری:

امام العارفین سید مقبول شاہ قادری علیہ الرحمہ سلسلہ قادریہ کے ایک بافیض بزرگ ہیں، جن کا مزار پاک ڈونگری چارنل، ممبئ ۹ میں واقع ہے، یہاں دو اولیا کا مرقد ہے، جن میں سے ایک سید مقبول شاہ قادری ہیں، جن کا وصال ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۰۷۵ھ کو ہوا۔ مزار پاک کے حجرے میں سامنے کی جانب کتبہ پر ایک رباعی درج ہے:

تھے امام العارفیں مقبول شاہ قادری
زمرۂ فقرا میں تھے مقبول شاہ قادری
فکر کی تاریخ میں تب غیب سے آئی ندا
واصل حق ہوگئے مقبول شاہ قادری

ابتدا میں آپ کے مزار کا دروازہ کانچ کا تھا، دونوں بزرگ لمبے قد کے تھے۔ مزار کے موجودہ متولی اور مجاور الحاج سید ارشاد احمد جو ۴۰ سال سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، ضلع سلطان پور، اتر پردیش کے رہنے والے ہیں، انھوں نے راقم کو ایک ملاقات میں بتایا کہ یہ بزرگ وصف جمالی سے مالا مال ہیں، جلالی بالکل نہیں ہیں۔ مزید بتایا کہ ان پر بھی جب بھی کوئی

مشکل وقت آن پڑا، سید مقبول شاہ قادری نے ان کی دست گیری کی ہے، انھیں خواب میں آپ کی زیارت کا شرف بھی مل چکا ہے اور بشارت بھی حاصل ہے۔ ان سے قبل ام کے والد سید نوشاد احمد اس کے مجاور تھے، ابراہیم چاچا اور احمد چاچا بھی مزار پاک کی کافی سے زیادہ خدمت کیا کرتے تھے، عرس کا انتظام بھی وہی کرتے تھے جس میں صندل اور فاتحہ خوانی ہوتی تھی۔ وصال کی تاریخ میں ہر سال آپ کا عرس پاک منعقد ہوتا ہے اور خلق کثیر فیض یاب ہوتی ہے۔

بابا بہاء الدین قادری اصفہانی:

حضرت بابا بہاء الدین قادری اصفہانی علیہ الرحمہ کا مزار پاک بومبے ہاسپٹل کے سامنے واقع ہے۔ آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا، اصفہان کے رہنے والے تھے، تبلیغ دین کی غرض سے ہندوستان کا رخ کیا، ممبئ میں وصال ہوا۔ باقاعدہ مزار پاک پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کیا گیا ہے، اندر ایک مسجد بھی ہے، درگاہ ٹرسٹ کا رجسٹریشن نمبر یہ ہے: B.57.1952۔ مزار کے ایک کونے میں فرما میں محفوظ ایک شجرہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس کی روشنی میں اٹھارہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

حضرت حاجی بہاء الدین قدس سرہ ابن سید مصطفیٰ قدس سرہ ابن سید علی قادری قدس سرہ ابن سید عبدالقادری قدس سرہ ابن سید ابوبکر قدس سرہ ابن سید اسماعیل قدس سرہ ابن سید عبد الوہاب قدس سرہ ابن سید نورالدین قدس سرہ ابن سید محمد درویش قدس سرہ ابن سید حسام الدین قدس سرہ ابن سید ابوبکر قدس سرہ ابن سید یحییٰ قدس سرہ ابن سید نورالدین قدس سرہ ابن سید ولی الدین قدس سرہ ابن سید زین الدین قدس سرہ ابن سید شرف الدین قدس سرہ ابن شمس الدین قدس سرہ ابن سید محمد ہناک قدس سرہ ابن سید عبدالعزیز قدس سرہ ابن سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی قدس سرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد کا نام سید جمال الدین اصفہانی ہے۔

مزار پاک کے باہری حصے میں جو راہ داری بنی ہوئی ہے، اس کی دیوار پر آپ کی شان میں تحریر کردہ مسدس کی ہیئت میں ایک طویل منقبت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پیش کیا گیا ایک استغاثہ کندہ ہے، منقبت کے چند اشعار قارئین کی ضیافت طبع کے لیے حاضر خدمت ہیں:

سنایا نغمہ قرآں بہاء الدین بابا نے
پلایا ساغر عرفاں بہاء الدین بابا نے
دکھایا جلوۂ ایماں بہاء الدین بابا نے
بڑھایا رتبہ انساں بہاء الدین بابا نے
بہت بافیض و دل افروز ان کا آستانہ ہے
جہاں پہ سر خمیدہ باادب سارا زمانہ ہے
گرامی مرتبت شہزادۂ غوث الوریٰ ہیں یہ
شہنشاہ ولایت جانشین مصطفیٰ ہیں یہ
سراپا زہد و تقویٰ پیکر عشق و وفا ہیں یہ
امیر کاروانِ معرفت مردِ خدا ہیں یہ
کرو تم یاد ان کو تو اندھیرے میں اجالا ہو
نوازیں آپ جس بندے کو وہ اللہ والا ہو

آپ کا وصال ۲۱ ر ذوقعدہ ۱۳۴۴ھ بروز جمعہ ہوا، بامبے ہاسپٹل کے قریب آپ کی آخری آرام گاہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ راقم کئی بار حاضری کا شرف پا چکا ہے۔

سید عاشق شاہ بخاری:

حضرت سید عاشق شاہ بخاری علیہ الرحمہ سلسلہ چشتیہ کے ایک باکرامت اور بافیض بزرگ ہیں، چارنل ڈونگری، ممبئ ۹ میں سید عاشق شاہ بخاری مسجد سے متصل ان کا مزار پاک مرجع خلائق ہے، اسی احاطے میں ایک دوسرے بزرگ سید بدرالدین شاہ قادری رفاعی کا مزار بھی ہے۔ سید عاشق شاہ بخاری اور سید بدرالدین شاہ رفاعی قدس سرہما کے شجرہ طریقت پر مشتمل ایک قلمی تحریر راقم کو یہاں کے خادم محترم نرگس کے ذریعے دست یاب ہوئی، جس کا ترقیمہ یہ ہے: ''عالم علی شاہ صدر خلیفہ رفاعی منڈل ممبئ۔ ۱۰ر رجب ۱۴۰۶ھ/۲۲ر مارچ ۱۹۸۶ء۔'' اس قلمی تحریر میں درج سید عاشق شاہ بخاری کے سلسلہ چشتیہ کا شجرہ یہ دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت پیر سید معین الدین شاہ بخاری (۲) حضرت نگاہ بادشاہ (۳) حضرت ثانی

شہباز شاہ (۴) حضرت ہدایت اللہ شاہ (۵) حضرت داول شاہ (۶) حضرت کریم اللہ شاہ (۷) حضرت سیدنا ومولانا قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین عاشق شاہ چشتی بخاری قدس سرہ العزیز (۸) عارف باللہ بابا شاہ حسینی (۹) حضرت خواجہ امین الدین قطب آفاق (۱۰) حضرت خواجہ میراں گیلانی شمس العشاق (۱۱) حضرت خواجہ کمال الدین بیابانی چشتی (۱۲) حضرت عبد اللہ مغربی واحد الاسرار چشتی (۱۳) حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز چشتی (۱۴) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (۱۵) حضرت خواجہ محبوب الٰہی چشتی (۱۶) خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہ (۱۷) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۱۸) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۱۹) حضرت خواجہ عثمان ہارونی (۲۰) حضرت خواجہ شریف زندانی (۲۱) خواجہ قطب الدین مودود چشتی (۲۲) خواجہ شمس الدین ابو اسحاق چشتی (۲۳) خواجہ ممشاد علوی دینوری (۲۴) حضرت خواجہ امین ہبیرہ بصری (۲۵) حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی (۲۶) حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادہم بلخی (۲۷) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض (۲۸) حضرت خواجہ عبد الواحد بن زید (۲۹) حضرت خواجہ حسن بصری (۳۰) حضرت سیدنا ومولانا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم (۳۱) وھو اخذ العلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتادب باداب امین الوحی، طاؤس الملائکہ جبریل علیہ السلام وھو عن رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سید عاشق شاہ چشتی بخاری علیہ الرحمہ کی کئی کرامتیں بھی بیان کی جاتی ہیں، ان کی بارگاہ سے فیض باطنی بھی ملتا ہے۔ مولانا عبد اللہ سرور اعظمی کی لکھی ہوئی ایک منقبت مزار پاک کی اندورنی دیوار میں کانچ کے شیلف میں لگائی گئی ہے اس کا صرف ایک شعر باذوق قارئین کی نذر ہے، جس میں آپ کی ایک کرامت کو منظوم کیا گیا ہے:

ایک اشارہ پاکے تمہارا، دریا میلوں دور ہٹا تھا
آپ کا فرماں سب پہ بھاری، سید عاشق شاہ بخاری!

سید عاشق شاہ بخاری کا وصال ۱۱۱۲ھ میں ہوا۔ عرس پاک ہر سال رجب المرجب کے مہینے میں منعقد ہوتا ہے، ۲۳/رجب کو شب میں بعد نماز عشا غسل شریف اور نیاز ہوتی ہے اور ۲۴/رجب کو شب میں بعد نماز مغرب صندل اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے، اس کے بعد دعا اور لنگر عام رہتا

ہے۔محترم سلیم سارنگ اوران کے رفقا عرس کے سارا انتظام دیکھتے ہیں اوراخراجات برداشت کرتے ہیں۔ یہ عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

سید بدرالدین شاہ رفاعی:

حضرت شیخ سید بدرالدین شاہ قادری رفاعی علیہ الرحمہ سلسہ قادریہ رفاعیہ کے بزرگ ہیں۔ جن کا مزار پاک ڈونگری، ممبئ ۹ میں واقع ہے۔ان کا شجرہ طریقت یہ ہے:

(۱) حضرت سید محمد بن سید احمد شاہ قادری (۲) شیخ سید بدرالدین حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ (۳) شیخ عبدالرحمٰن قادری (۴) سید عمر قادری سجادۃ الحامہ (۵) سید یٰسین قادری (۶) سید علی قادری (۷) سید ابراہیم قادری (۸) سید جلال الدین قادری (۹) شیخ سید شہاب الدین قادری (۱۰) سید عبداللہ قادری (۱۱) سید شمس الدین قادری (۱۲) سید قاسم قادری (۱۳) سید عبدالباسط قادری (۱۴) سید شہاب الدین احمد قادری (۱۵) سید بدرالدین قادری (۱۶) شیخ سید علاؤ الدین قادری (۱۷) سید شرف الدین یحییٰ قادری (۱۸) سید شہاب الدین احمد قادری (۱۹) سید عماد الدین احمد قادری (۲۰) سید جمال عراقی ابوبکر عبدالرزاق قادری (۲۱) غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی (۲۲) شیخ ابوسعید مبارک مخزومی (۲۳) شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری (۲۴) شیخ ابوالفرح طرطوسی (۲۵) شیخ عبدالواحد تمیمی (۲۶) شیخ ابوبکر شبلی (۲۷) شیخ ابوالقاسم جنیدی بغدادی (۲۸) شیخ سری سقطی (۲۹) شیخ معروف کرخی (۳۰) شیخ داؤد طائی (۳۱) شیخ حبیب عجمی (۳۲) خواجہ حسن بصری (۳۳) امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (۳۴) رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کا عرس بھی سید عاشق شاہ بخاری کے عرس کے ساتھ ہی منایا جاتا ہے،مزار مبارک کو غسل دیا جاتا ہے،صندل چڑھایا جاتا ہےاور چادر پوشی وگل پوشی ہوتی ہے۔آپ کے سن وتاریخ وصال کا علم نہ ہوسکا۔اس لیے راقم اس کی تعین سے معذرت کرتا ہے۔

سید عبداللہ شاہ وسید مظفر شاہ:

ممبئ کی مشہور مساجد میں مینارہ مسجد کافی معروف ہے،اس مسجد کے احاطے میں بائیں جانب بہت سے مزارات ہیں،حوض سے متصل ایک حجرے میں دو بزرگوں کی قبریں ہیں،جس

کے اوپر ایک خوب صورت گنبد بھی بنا ہوا ہے۔ ایک کا نام حضرت مولوی سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے اور دوسرے بزرگ کا اسم گرامی حضرت سید مظفر شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، دونوں کا وصال ایک ہی تاریخ اور ایک ہی مہینے میں ہوا لیکن سن میں فرق ہے، اول الذکر کا سن وصال ۱۲۳۰ھ ہے جب کہ ثانی الذکر کا سن ۱۲۳۵ھ ہے۔● ●

باب پنجم: ممبئ کے سرکردہ علما و مشائخ

تین انقلابی کردار:

مضمون کا یہ حصہ لکھے بغیر ممبئ عظمیٰ کی اسلامی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ وہ تین اعاظم زمانہ جن کی دینی، علمی اور تبلیغی خدمات واحسانات سے اہل ممبئ کی گردنیں گراں بار ہیں اور جن کی بارگاہ میں تشکر وتحسین کا خراج پیش کرنا ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ان تینوں شخصیات میں ایسا گہرا اور ناقابل فراموش مرشدانہ وعقیدت مندانہ تعلق وانسلاک ہے کہ جن کے ذکر سے ان شاء اللہ دل ودماغ کو جلا ملے گی اور اسلاف شناسی کا جوہر بھی کھل کر عیاں ہوگا۔ یہ تینوں کردار جدا جدا بھی ہیں اور فکری ومعنوی لحاظ سے ان میں جو اشتراک وانسلاک موجود ہے، وہ قابل ذکر ہے۔ ممبئ کی تجارت پیشہ زندگی میں مذہب اہل سنت کی ہمہ جہت اشاعت میں ان کی قربانیاں آب زر سے رقم کیے جانے کی حق دار ہیں۔ ان میں ایک نام سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کا ہے، دوسرا حضرت مولانا سید محمد ابراہیم باعلظہ علیہ الرحمہ کا اور تیسرا قاضی القضاۃ حضرت مولانا سید عبد الفتاح گلشن آبادی قدس سرہ کا۔ سیف اللہ المسلول اور سید محمد ابراہیم، سید عبد الفتاح گلشن آبادی کے اساتذہ میں ہیں، جب کہ سید محمد ابراہیم، سیف اللہ المسلول سے انتہائی متاثر اور گہری شناسائی رکھتے تھے اور ممبئ میں اپنے متوسلین کو ہدایت دے کر ان سے مرید کرواتے تھے۔ اب ہم تینوں اکابر کا الگ الگ تذکرہ تحریر کرتے ہیں۔

علامہ شاہ فضل رسول بدایونی:

ممدوحِ امام احمد رضا سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ شہر بدایوں میں آباد خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے ایک جلیل القدر فرد، تیرہویں صدی ہجری میں غیر منقسم

ہندوستان کے مایۂ ناز مفتی و عالم اور منقولات ومعقولات کے امام تھے۔ فقہ وتصوف، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ وارشاد، افتا وقضا اور تحقیق وتدقیق میں خانوادۂ عثمانیہ بدایوں کی قریب آٹھ سو سالہ جیتی جاگتی خدمات کا ایک زندہ تسلسل ہماری دینی وخانقاہی تاریخ کا ایک زریں اور قابل صد رشک باب ہے۔ ملک ہندوستان میں اس خانوادے کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری جو جامع القرآن امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں، ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں قطب الدین ایبک کے لشکر کے ساتھ بدایوں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔

اکمل التاریخ کے مصنف مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں:

''چھٹی صدی کے اختتام پر سلطان قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ھ (۳۔۱۲۰۲ء) قطعہ کالنجر اور کالپی کی فتح کے بعد قلعۂ بدایوں کو فتح اور یہاں مستقل اسلامی حکومت قائم کرکے گرد ونواح کے بہت بڑے علاقے کو صوبۂ بدایوں میں الحاق کیا اور سلطان شمس الدین التمش کو یہاں کی حکومت تفویض کی گئی۔'' (اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی،، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۴۳)

سلطان شمس الدین التمش خود ایک خدا شناس، رعایا پرور اور علم وفضل کا قدر دان تھا۔ حضرت قاضی دانیال قطری چوں کہ ظاہری کمال کے ساتھ باطنی خوبیوں کے بھی مالک تھے، حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے شرف بیعت حاصل تھا اس لیے بدایوں کی حکومت ہاتھوں میں لیتے ہی سلطان نے اطرف واکناف سے صاحبانِ علم وفضل اور اربابِ کمال کو تلاش کرکے بلانا شروع کیا اور بدایوں کے آسمان پر علم وآگہی، زہد وورع اور فقر وغنا کی نورانی ہستیاں مثل آفتاب وماہتاب جگمگانے لگیں۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسی زمانے میں قاضی دانیال قطری جو نواحِ قطر سے ترکِ سکونت کرکے جیش اسلامی کے ہمراہ ہندوستان وارد ہوکر اول لاہور میں مقیم ہوئے تھے، اس کے بعد مقام دیوبند میں کچھ دنوں رہ کر ایک عالم کو مستفیض کرکے شہرت کامل حاصل کر چکے تھے، سلطان کی اشتیاق آفریں طلب کی بدولت ہاتھوں ہاتھ بدایوں بلائے گئے۔ عزت وتکریم سے خیر مقدم کرکے عظمت ووقار کی مسند پر بٹھایا، عہدۂ قضا حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا۔ اس وقت سے آپ دائرہ حکومت

شمسی کے قاضی القضاۃ مشہور ہوئے۔'' (حوالہ سابق: ص۴۴)

قاضی دانیال قطری تا دم وصال اس عظیم منصب پر قائم رہے یہاں تک کہ ۶۱۸ھ (۲۲۔۱۲۲۱ء) میں بدایوں میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ کے بعد سے اب تک آپ کی نسل میں علم و فضل کا یہ رنگ اور یہ سلسلہ قائم ہے۔ اس امتیازی فضل و کمال کو آٹھ صدیاں گزر چکی ہیں۔ ممدوح گرامی حضرت سیف اللہ المسلول علیہ الرحمہ حضرت عثمان ذوالنورین کی نسل میں اکتیس اور حضرت قاضی دانیال قطری کی نسل میں سترہویں اولاد ہیں۔ آپ مولانا شاہ عبد المجید بدایونی (متوفی ۱۸۲۱ء) کے فرزندِ ارجمند اور مولانا شاہ عبد الحمید قادری بدایونی (متوفی ۱۲۳۳ھ) کے پوتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری مارہروی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ سیف اللہ المسلول کی ولادت ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں بدایوں میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ''ظہور محمدی'' ہے۔ شمس مارہرہ نے آپ کے والد ماجد کو ولادت کے قریب فرزند ہونے کی بشارت دی تھی اور جب ولادت ہوئی تو آپ کا نام شمس مارہروی نے ''فضل رسول'' رکھا۔

ابتدائی تعلیم دادا محترم اور کچھ والد ماجد سے حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پا پیادہ فرنگی محل لکھنؤ کا سفر کیا اور محض چودہ برس کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ حضور اچھے میاں مارہروی کے حکم و ارشاد پر علمِ طب کی تحصیل کی اور بعد میں مدرسہ قادریہ کی بنیاد ڈالی۔ سرکاری ملازمت بھی کی، ملک کے مختلف گوشوں میں جہاں بھی رہے تدریس و تصنیف سے رشتہ استوار کیا۔

(**ترجمة فضل الرسول البدایونی للاستاذ محمد احمد المصباحی**، مشمولہ: **المعتقد المنتقد**، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ، مئی ۱۹۹۹ء، ص۴۴۰، ۴۴۱)

مولوی رحمان علی ''تذکرۂ علماے ہند'' میں لکھتے ہیں:

''مولوی فضل رسول بدایونی بن مولوی شاہ عبد المجید قدس سرہ ماہ صفر ۱۲۱۳ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے، ان کا تاریخی نام ''ظہور محمدی'' ہے۔ مروجہ درسی کتابوں کی تحصیل و تکمیل مولوی نور الحق فرنگی محلی خلف مولانا انوار الحق شاگرد ملک العلماء بحر العلوم ملا عبد العلی سے کی۔ قصبہ

ردولی میں مخدوم شاہ عبدالحق قدس سرہ کے مزار کے سامنے اکابر علماے وقت مثلاً مولوی عبد الواسع، مولوی عبدالواجد خیرآبادی، مولانا ظہوراللہ فرنگی محلی وغیرہ نے رسم دستار بندی ادا فرمائی۔ علم طب حکیم ببر علی خان موہانی، علم حدیث وتفسیر شیخ مکہ عبداللہ سراج اور شیخ المدینہ شیخ عابد مدنی اور علم تصوف اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ قادریہ و چشتیہ سلسلے میں بیعت وخلافت اپنے والد ماجد سے پائی۔ چند بار حرمین شریفین گئے اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بار دہلی سے احرام باندھ کر ممبئ تک پیدل گئے، اسی سال کامل جذب وارادت کے ساتھ بغداد شریف گئے۔ سجادہ نشین درگاہ غوثیہ سید علی نے بھی خاص طور سے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ غرض ہمیشہ مخلوق کی ہدایت وتعلیم اور تدریس میں مشغول رہتے۔ وہابیوں کی بیخ کنی میں بہت کوشش کرتے۔ بہت سے مشہور علما وفضلا نے ان سے استفادہ کیا۔ ان میں مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی سخاوت علی جون پوری، مفتی اسداللہ الٰہ آبادی، مولوی شاہ احمد سعید رام پوری اور مولوی عنایت رسول چریاکوٹی ہیں۔ ۳ر جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں بروز پنج شنبہ بعد نماز ظہر ۸۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا، بدایوں میں دفن ہوئے۔ مولوی عبدالسلام مرادآبادی نے ان کی تاریخ انتقال فقرہ ''**انا فضل الرسول**'' سے نکالی ہے۔ تصانیفِ مشہورہ بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، معتقد منتقد، سیف الجبار، فوز المومنین، تلخیص الحق، احقاقِ حق، شرحِ فصوص الحکم، رسالۂ طریقت، حاشیہ میر زاہد، حاشیۂ ملا جلال، طب الغریب اور متفرق مسائل میں دیگر رسائل۔''

(تذکرہ علماے ہند، مترجمہ: ڈاکٹر ایوب قادری، مطبوعہ: پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی، ۲۰۰۳ء ص ۳۸۰، ۳۸۱)

مولانا محمود احمد قادری نے ''تذکرہ علماے اہل سنت'' (مطبوعہ فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص ۲۰۸، تا ۲۱۰) اور مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری گنوری نے ''اکابرِ بدایوں'' (مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۱۸ تا ۳۷) میں صاحبِ تذکرہ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کا ذکر بڑے اہتمام اور تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ سید امام الدین گلشن آبادی اپنی اہم تصنیف ''تذکرۃ الانساب'' میں رقم فرماتے ہیں:

''آپ مشاہیر علماے کاملین سے ہیں، جامع علوم ظاہری وباطنی تھے، ۱۲۱۳ ہجری کو تولد

ہوئے ، انوار فیوضات ظاہری و باطنی آپ کے تمام ہند بلکہ عرب میں لامع و درخشاں ہیں ۔ تصانیف آپ کی بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل وغیرہ رسائل اس زمانہ میں مفید انام وفیض دہ خاص وعام ہیں ۔فرق ضالہ وہابیہ کے عقائد باطلہ کی تردید میں آپ نے بہت رسالے لکھے ہیں ۔تین بار حج بیت اللہ سے شرف یاب ہوئے ،اور بغداد جا کر حضرت مرشد عالم غوث الاعظم قدس سرہ کی ارواح مبارک سے فیض اویسیہ قادریہ اخذ کیا ۔ یہ راقم خوردسالی میں آپ کے دیدار قدوم سے مشرف ہوا ہے اور جامع اوراق کے جدامجد سید عبداللہ حسینی اور والد ماجد حضرت مولانا مولوی سید اشرف علی مدظلہ نے نعمت خلافت قادریہ کو آپ سے اخذ کیا ہے اور چند ماہ تک شہر بمبئ میں اکثر درسی کتابیں دینیات کی آپ کی خدمت میں دیکھی ہیں اور اس راقم کے وطن شہر ناسک میں آپ کے قدوم فیض لزوم کے تشریف لانے سے کئی حضرات خاندان قادریہ میں آپ سے بیعت ہوئے اور محی الدین والدولہ صدرالصدور کے زمانہ میں آپ حیدرآباد دکن میں تشریف لائے ۔ امرا وعلما وہاں کے آپ کے قدوم کو باعث برکت سمجھتے تھے ، وہاں ہزارہا مریدین آپ سے فیض یافتہ ہیں ۔'' (سید امام الدین گلشن آبادی، تذکرۃ الانساب، افضل المطابع ، دہلی ۱۳۲۲ھ، ص ۲۵، ۲۶)

سیف اللہ المسلول علیہ الرحمہ میں عہد طفلی ہی سے علم وفضل اور فقر وغنا کے آثار نمایاں تھے، گھرانے کی علمی شخصیات اور مشہور اساتذۂ فن کی نگاہ کیمیا اثر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اس کے علاوہ حد درجہ عبادت وریاضت وچلہ کشی نے آپ کے باطن کو کندن بنادیا جس کی وجہ سے آپ علم وفضل کے ساتھ زہد وتقویٰ اور فضل وکمال میں یکتائے زمانہ رہے اور وقت کی مشہور درس گاہی وخانقاہی شخصیات سے روابط وتعلقات اور افادہ واستفادہ نے اس ہیرے کی تراش خراش میں بنیادی رول ادا کیا اور آپ رشد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف و بحث ومناظرے کا فریضہ نبھاتے رہے۔تحریراً وتقریراً ہر اس فتنے کا سد باب کیا جو دین کی بنیادی تعلیمات اور مسلمہ عقائد ونظریات کے لیے زہر آلود تھا، آپ کی درجنوں تصانیف اور تقریری مجالس اس حقیقت کے بیان پر شاہد عدل ہیں۔آپ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کی اس عظیم خدمت کا ذکر کیا ہے۔

مفتی محمود احمد قادری رقم طراز ہیں:

''حضرت نے وہابیت کے انسداد کے لیے بڑی کوشش فرمائی ، مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے تذکرۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب صاحب کے مزار شریف پر معتکف تھے، عین مراقبہ میں دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دست اقدس پر اس قدر کتب کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آتی ہے، آپ نے عرض کیا، اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی ؟ ارشاد مبارک ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمہ لے کر شیاطین وہابیہ کا قلع قمع کرو۔ بہ مجرد اس ارشاد کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشاد والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ کتاب مستطاب ''بوارق محمدیہ'' تالیف فرمائی ۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیف اللہ المسلول صفِ اول کے ان ممتاز علما و مشائخ میں تھے جنہوں نے فتنۂ وہابیت کے سد باب کے لیے کوشش بلیغ فرمائی ۔آپ کی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات قدسی صفات کی وجہ سے اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق دور اول میں ''بدایونی اور خیرآبادی'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔''

(تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰۹، ۲۱۰)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی لکھتے ہیں:

''آپ انتہائی جری و بے باک تھے، اعلائے کلمہ حق میں آپ نے کبھی بھی مصلحت سے کام نہیں لیا، شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے ذریعہ جب ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان دینی و مذہبی انتشار برپا ہوا تو اس کے سد باب کے لیے آپ نے بھرپور کوششیں فرمائیں۔'' (تاریخ مشائخ قادریہ، جلد دوم، مطبوعہ بزم قاسمی برکاتی، بدایوں، ۲۰۰۱ء ص: ۲۷۴)

سیف اللہ المسلول امام معقولات و مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کے معاصر تھے، ہم مسلک، ہم مزاج اور ہم مجاہدہ تھے۔ مولانا خوشتر نورانی رقم طراز ہیں:

''سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی (۱۲۸۹ھ / ۱۲۱۳ء) علامہ فضل حق خیرآبادی کے معاصر تھے، ان دونوں کے درمیان خلوص ومحبت اور دوستانہ مراسم تھے، دین وسنیت کی اشاعت اور اعتقادی انحراف کے خلاف تحریک میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدایونی کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''المعتقد المنتقد'' پر

علامہ فضل حق خیرآبادی نے تقریظ بھی لکھی ہے۔ اسی رشتۂ خلوص ومحبت کی وجہ سے سیف اللہ المسلول نے اپنے صاحب زادے تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (۱۲۵۳ھ/۱۳۱۹ء) کو معقولات کی تحصیل کے لیے علامہ خیرآبادی کی درس گاہ میں لکھنؤ اور الور بھیجا۔ علامہ کے شاگردوں کی طویل فہرست میں وہ چار حضرات جو عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں ان میں ایک مولانا عبدالقادر بدایونی بھی ہیں۔''

(علامہ فضل حق خیرآبادی، چند عنوانات: حاشیہ۔ قومی کونسل، نئی دہلی ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

جب مکتبہ رضویہ لاہور نے ۱۹۷۲ء میں آپ کی کتاب ''سیف الجبار'' شائع کی تھی تو آغازِ کتاب میں بطورِ مقدمہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے ''تعارف مصنف'' کے عنوان سے ایک جامع تذکرہ تحریر فرمایا تھا۔ آپ کی یہ تحریر بعد میں ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' (مرتبہ مولانا اسیدالحق قادری بدایونی، ص: ۶۷، تا ۹۳) میں شامل کی گئی۔ اسی تحریر میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

''مولانا شاہ فضل رسول قادری ان علما میں سے تھے جنھوں نے اس نئے فتنے (وہابیت) کی تردید کے لیے بھرپور تقریری کام کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جنہیں اہلِ علم سرآنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ مولانا کی ساری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی کوششوں میں حفاظت دین کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آئے گا۔ کیا اس بات کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں تقریر کے ذریعے عقائد باطلہ کی تردید نہیں کی۔ حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۳۹ تالیف ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری کے مطالعے سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا طالب علمی کے زمانے ہی سے ردِ وہابیت کی ابتدا کر چکے تھے۔''

(علامہ فضل رسول بدایونی، مجموعہ رسائل فضل رسول، رضا اکیڈمی، ۲۰۱۰ء ص ۹۰)

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ اسی مضمون میں علامہ شرف قادری نے آپ کے اکیس تلامذہ کے نام شمار کرائے ہیں۔ جب کہ مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری نے ''اکمل التاریخ'' (ص ۱۸۱ تا ۱۹۶) میں آپ کے بائیس تلامذہ کے مختصر احوال درج کیے ہیں، جن میں

دو نام انتہائی شہرت یافتہ ہیں، ایک مولانا عنایت رسول چریا کوٹی کا اور دوسرا مولانا سید عبد الفتاح گلشن آبادی کا۔ اور آپ کے اساتذہ کے ضمن میں چار شخصیات مولانا نور الحق فرنگی محلی، حکیم سید ببر علی موہانی، شیخ محمد عابد مدنی اور عبد اللہ سراج کا مختصر تعارف تحریر کیا ہے۔

(اکمل التاریخ، بدایوں: ص۱۷۶ تا ۱۸۰)

حضرت سیف اللہ المسلول نے جہاں دیگر علمی وفنی موضوعات پر کتب وتصانیف کا گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے وہیں اس وقت کے سب سے بڑے اسماعیلی وہابیہ فرقے کے رد وابطال اور تعاقب وتنقید پر مبنی علمی وتحقیق مقالات اور کتابیں تحریر کی ہیں اور بدمذہبیت کا قلع قمع فرمایا ہے بلکہ سچائی یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے مزعومہ وہابی عقائد ونظریات کے رد وابطال میں پیش پیش رہنے والے اس وقت کے جید علما میں آپ کا نام اولین سالاروں میں ہوتا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف میں سیف الجبار، بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، احقاق حق، فصل الخطاب اور اکمال فی بحث شد الرحال وغیرہ کا نام آتا ہے۔ مشہور نشریاتی وطباعتی ادارہ رضا اکیڈمی ممبئ نے ۲۰۱۰ء میں ''مجموعہ رسائل فضل رسول'' کے نام سے مولانا اسید الحق قادری کے ترجمہ، تخریج اور ترتیب کے ساتھ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل جو مجلد کتاب شائع کی ہے اس میں سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کے چار رسائل ''رسالہ فصل الخطاب، اکمال فی بحث شد الرحال، فوز المؤمنین بشفاعۃ المومنین، رسالہ حرز معظم'' اور اختلافی مسائل پر ایک فتویٰ شامل ہے۔ یہ وہی فتویٰ ہے جو ہند کے آخری تاج دار بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بعض اختلافی مسائل کی تحقیق کے لیے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جس میں محفلِ میلادِ پاک، فاتحہ، استمداد بالاولیاء، تعزیہ، کعبہ ومدینہ کی عظمت وبزرگی پر ہونے والے اعتراضات وایرادات کا بیان تھا اور آپ سے اس کا جواب طلب کیا گیا تھا۔

شاہی استفتا اور تاریخی فتویٰ سے متعلق مولانا ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

''یہ استفتا بارگاہِ سلطانی سے نواب معلیٰ القاب علاء الدولہ یمین الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ خلف الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خاں بہادر بدایوں لے کر آئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطۂ سلطانی پیش کیا گیا،

آپ نے شاہی مہمان کو درویشانہ میزبانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جوابِ استفتا مرتب فرمایا۔ دہلی کے تمام اکابر علماے اعلام نے تصحیح و تصدیق کی مہریں کر دیں۔ فرمانِ سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دار الخلافت شاہ جہان آباد محلّہ زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا۔'' (اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۲۸۶)

مجموعہ رسائل فضل رسول، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۲۶ تا ۱۶۶ پر یہ تاریخی فتویٰ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی نے اکمل التاریخ میں آپ کی ۲۲ تصانیف کا مختصر اور طویل تعارف پیش کیا ہے۔ (اکمل التاریخ: ص ۲۷۴ تا ۲۸۶)

سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی کی ایک مشہور کتاب'' **المعتقد المنتقد**'' ہے۔ اکمل التاریخ میں تحریر ہے کہ: ''علم کلام کی وہ کتاب ہے اور ایسی تصنیف ہے جس نے بڑی بڑی کتابوں کی ضرورت واحتیاج سے مستغنی کر دیا ہے۔ یہی پر سطوت تصنیف علم کلام و عقائد میں ایک محقق کامل اور متبحر وسیع الفیض معلم بنی ہوئی ہے۔ فرق باطلہ مستحدثہ زمانہ موجود کا رد جا بجا شامل کیا گیا ہے گویا رد فلسفۂ جدید کی بنیاد قائم فرمائی تھی۔'' (اکمل التاریخ: ص ۲۷۶)

یہ وہی کتاب ہے جس پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی، مولانا شیخ احمد سعید دہلوی اور مولانا حیدر علی نے تقریظات رقم فرمائی تھیں اور جس معرکۃ الآراء کتاب پر مجدد اعظم امام احمد رضا قادری بریلوی سرہ نے ''**المعتمد المستند**'' کے نام سے حاشیہ تحریر فرمایا۔ متن کتاب، حاشیہ وشرح اور حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن ایک ساتھ ایک ہی جلد میں ۱۹۹۹ء میں المجمع الاسلامی کے زیر اہتمام رضا اکیڈمی ممبئی سے ۴۸۸ صفحات پر مشتمل شائع ہو چکا ہے۔ مذکورہ متن اور اس کا حاشیہ عربی زبان میں تھا، تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری دام ظلہ نے ان دونوں کو اردو زبان میں ترجمہ کر کے اردو داں حضرات کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف سے پہلی بار ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں مجلد ۲۷۴ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آیا، جس میں امام احمد رضا کے رسالہ ''انوار المنان'' کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ پاکستان سے بھی طبع ہو چکا ہے۔ ابتدا میں عربی متن مدارس میں داخل نصاب تھا، اب بھی کچھ مدارس میں عربی متن مع حاشیہ اور

چند ایک میں اردو ترجمہ داخل درس ہے۔مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے ''ضمیمہ اکمل التاریخ'' (ص:۳۷۸ تا ۳۹۱) میں علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کی گیارہ کتابوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے اور انتہائی جامع الفاظ میں ان کتابوں کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

''مجموعہ رسائل فضل رسول'' میں ہر رسالے کا مختصر تعارف مولانا اسید الحق قادری کے قلم سے زینت کتاب ہے۔ بزرگ قلم کار، مصنف و محقق مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی اس مجموعے پر تحریر کیے گئے ۶۶ صفحات پر مشتمل اپنے طویل مقدمے میں ان کی چند تصانیف اور تحریرات کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے آپ کی سولہ مشہور تصانیف کا نام گنانے کے بعد تین کتابوں المعتقد المنتقد ، بوارق محمدیہ اور سیف الجبار کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔(تعارف مصنف: مجموعہ رسائل فضل رسول، رضا اکیڈمی ممبئی،ص:۸۱)

علامہ بدایونی علم ظاہری و باطنی دونوں کے مرجع تھے،اورفن طب میں بھی یکتائے روزگار تھے،سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد ماجد مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری سے شرف بیعت حاصل کیا تھا اور اسی سلسلے میں آپ انھیں کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے،خانقاہ قادریہ بغداد شریف کے اس وقت کے سجادہ نشین سے بھی خلافت حاصل تھی۔

مولوی نظام الدین نظامی بدایونی لکھتے ہیں:

''آخر عمر میں بینائی جواب دے گئی تھی۔اپنے والد حضرت شاہ عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پہنا اور سجادہ نشین ہوئے اور سلسلۂ بیعت جاری کیا۔''

(تذکرۂ خانوادۂ قادریہ: مرتبہ مولانا عبدالعلیم قادری، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ستمبر ۲۰۱۲ء، ص۵۰، بحوالہ قاموس المشاہیر:ص۱۱۶، ج۲)

اسی تذکرے میں ''مردانِ خدا'' مؤلفہ مولانا ضیا علی خاں اشرفی کے حوالے سے مذکور ہے:

''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے تھے۔ایک بار قیامِ بغداد کے دوران عالم واقعہ میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیدار سے بھی مشرف ہوئے تھے اور معانقے سے سرفراز کیے گئے تھے۔''

ایک مرتبہ بہادر شاہ ظفر ایسے علیل ہوئے کہ زندگی کی توقع نہ رہی جب شاہی طبیب علاج

سے عاجز ہوئے تو آپ کو علاج کرنے کے لیے طلب کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ نے بادشاہ کو صحت بخشی، صلے میں بادشاہ نے آپ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا موے مبارک دیا جو آج تک قادری درگاہ کے تبرکات میں موجود ہے۔ (ایضاً،ص:۱۰۸)

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے:

''۱۲۶۸ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ایک بیٹی بیمار ہوئی تو اس نے آپ کو دہلی مدعو کر کے اپنی بیٹی کا علاج کروایا جس سے اسے شفا مل گئی۔''

(مقدمہ، مجموعہ رسائل فضل رسول: رضا اکیڈمی، ۲۰۱۰ء،ص:۳۱)

ممدوح گرامی ایک عالم وفاضل، مفتی ومصنف کے ساتھ مرشد طریقت بھی تھے اور طبیب حاذق کے ساتھ انتہائی خوش فکر اور تصوف مزاج شاعر بھی تھے۔ ''مولود منظوم'' کے نام سے آپ کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے، مستؔ تخلص رکھتے تھے اور بہت عمدہ اور خیال افروز شاعری کرتے تھے، دو شعر ملاحظہ ہوں:

کتاب لوح محفوظ ایک ملفوظ محمد ہے
ہے قرآں مختصر شرح کمالات محمد میں
جو ظاہر اور مظہر میں ہے نسبت، ہے وہی نسبت
مناجات خدا میں اور مناجات محمد میں

آپ نے رشد وہدایت کے لیے سلسلۂ بیعت کو بھی آگے بڑھایا اور ملک وبیرون ملک کے تشنگانِ معرفت کو آسودگی فراہم کی۔ سرزمین ممبئ اس عظیم وجلیل عالم ومفتی، مصنف وفقیہ اور مرشد ومربی کی کرم نوازیوں سے مسلسل فیض پاتی رہی یہاں کے علما اور عوام میں آپ کا حلقۂ اثر تھا اور سب عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے اور تعظیم بجالاتے تھے۔ جامع مسجد بمبئ کے خطیب وامام عربی عالم دین مولانا سید محمد ابراہیم قدس سرہ کے تذکرے میں ملتا ہے کہ آپ اپنے متوسلین کو سیف اللہ المسلول سے مرید کرواتے تھے جب کہ آپ خود صاحب ارشاد مشائخ میں تھے۔

(اکمل التاریخ: حواشی، حصہ دوم،ص ۳۷۴)

مولانا ضیاء القادری بدایونی نے اپنی کتاب (اکمل التاریخ:ص ۲۵۶ تا ۲۶۸) میں آپ کے

بارہ خلفائے مجاز کا تذکرہ شامل کر دیا ہے اور تذکرۂ مریدان خاص کے ذیل میں نواب ریاست علی خاں حیدرآبادی، شیخ چاند محمد قادری اور سید خواجہ حفیظ اللہ قادری پر مختصر تحریر ہے۔

اس تذکرے کی آخری بات لکھ کر قلم کو روکتے ہیں وہ یہ کہ سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی علمی واعتقادی ثقاہت واستناد کے ثبوت میں فقیہ اسلام شاعر اہل سنت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے حضرت سیف اللہ المسلول کی شان والا صفات میں تحریر کردہ دو عربی قصائد ''قصیدۂ نونیہ اور قصیدۂ دالیہ'' کو پیش کیا جا سکتا ہے، جسے امام احمد رضا نے آج سے ۱۳۵ سال قبل ۱۳۰۰ھ میں ۳۱۳/اشعار پر مشتمل عربی زبان میں نظم کیا تھا جو ''قصید تان رائعتان'' (اردو ترجمہ وتشریح) کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے اکتوبر ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آچکا ہے، جس کا عربی متن اس سے قبل کئی نشریاتی اداروں سے چھپ چکا تھا۔ پوری عربی و اردو دنیا ان شاہ کار قصیدوں سے فیض پا رہی ہے۔ افسوس علم وفضل کا یہ آفتاب ۲/ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ ـ ۱۸۷۲ء کو غروب ہوگیا۔ درگاہ قادری بدایوں شریف میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجعِ خلائق ہے۔

آپ کی اولاد میں ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے مولانا محی الدین مظہر محمود اور تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی یادگار رہے اور آپ کے علمی وروحانی فیضان کو آگے بڑھایا۔

مولانا سید ابراہیم باعلظہ قدس سرہ:

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کی تفصیلی سوانح تک راقم کی رسائی نہیں ہوسکی۔ مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' میں اتنا لکھا ہے:

''معلم ابراہیم دانش مند متبحر، فقیہ اشہر، شافعی المذہب، اور جامع مسجد بندر بمبئی میں خطیب تھے۔ ہمیشہ تفسیر وحدیث وفقہ کے درس وتدریس میں مشغول رہتے، مفتی عبد اللطیف ومولوی عبد الفتاح عرف مولوی علی گلشن آبادی اور سید عماد الدین ان کے ارشد شاگرد ہیں۔''

(تذکرہ علمائے ہند، مترجم، مطبوعہ پاکستان، ۲۰۰۳ء ص: ۹۹، ۱۰۰)

اکمل التاریخ کے مصنف مولانا ضیاء القادری بدایونی حصہ دوم کے حواشی میں آپ کے مختصر تذکرے کی بابت فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا سید ابراہیم قدس سرہ: آپ اجلۂ مشائخ عرب سے ہیں۔نسباً سید، مذہباً شافعی ہیں، بانی مسجد جامع بمبئ سیٹھ محمد علی ناخدا عرب شریف سے باصرار تمام آپ کو جامع مسجد کی امامت کے لیے بمبئ ہمراہ لائے تھے۔ ہندوستان میں آپ کے فضل وکمال کی شہرت علمی طبقے کے ہر گوشے میں مسلم ہے۔بمبئ میں آپ شیخ المشائخ اور قطب وقت سمجھے جاتے تھے۔آپ کے حلقۂ درس میں جلیل القدر علما استفاضۂ علمیہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ چناں چہ مفتی عبد اللطیف، سید عماد الدین رفاعی، مولوی عبد الفتاح گلشن آبادی وغیرہ نے آپ سے ہی اکتساب علم کیا ہے۔ حضرت اقدس (شاہ فضل رسول بدایونی) سے مراسم خلوص واتحاد بدرجہ کامل مضبوط تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ صاحب ارشاد مشائخ میں تھے لیکن زمانۂ قیام بمبئ میں اپنے متوسلین کو ہدایت کر کے حضرت اقدس کے سلسلۂ بیعت میں داخل کراتے تھے۔ شیخ چاند اور سیٹھ محمد علی ناخدا کے دونوں لڑکوں کو نیز بہت سے اہل عقیدت باوجاہت تجار کو حضرت اقدس سے بیعت کرایا۔'' (اکمل التاریخ، حواشی حصہ دوم، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، ص: ۳۷۴)

امام الوہابیہ فی الہند شاہ اسماعیل دہلوی نے جب ہندوستان میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے خود ساختہ باطل عقائد ونظریات پر مشتمل فتنۂ وہابیت کا بیج بویا تو متعدد علمائے اہل سنت نے اس فتنے کے استیصال میں تحریراً وتقریراً ومناظرۃً بھرپور حصہ لیا۔ علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے بھی بدمذہبیت کے اس سیلاب پر بند باندھنے کا فریضہ ادا کیا اور اسماعیلیہ جماعت کے رد وابطال میں کئی اہم اور معرکہ آرا کتابیں تصنیف کیں جس کا اجمالاً ذکر گزشتہ اوراق میں ہم کر چکے ہیں۔ جب کہ شاہ اسماعیل دہلوی کا اپنا حال نہ دہلی میں اچھا رہا اور نہ دوسرے شہروں میں۔ وہ اپنے مزعومات کے دفاع میں ہر جگہ ناکام ونامراد رہے، نہ دلی کی جامع مسجد کے مناظرے میں اپنی عزت بچا سکے۔ (ملاحظہ کریں: آزاد کی کہانی، مرتبہ عبد الرزاق ملیح آبادی، مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور، ص: ۲۸/ سیف الجبار: مولفۂ شاہ فضل رسول بدایونی، مطبوعہ ادارہ مظہر حق بدایوں، ۱۹۸۵ء، ص: ۵۰تا۵۳)

اور نہ تقویۃ الایمان کے رد میں لکھی جانے والی کتابوں میں سے کسی کا کوئی جواب ان سے بن پڑا۔ اس سلسلے میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' اور

شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب ''سیف الجبار'' اور ''بوارق محمدیہ'' کافی اہم مانی جاتی ہیں۔

شاہ اسماعیل دہلوی نے سرزمین ممبئ کے متمول طبقے تک بہ طور خاص اپنا زائیدہ عقیدۂ وہابیت پہنچانے کی کوشش کی اور یہاں کی بڑی مساجد سے وابستہ افراد اور تجارت پیشہ لوگوں سے ربط و تعلق بنانے لگے۔ یہاں کے عوام اہل سنت اور خواص علما، مذہب حق کے جن مسلمہ عقائد و معمولات پر کاربند تھے، شاہ صاحب کو یہ ساری چیزیں کانٹے کی طرح چبھتی تھیں مگر وہ ہر جگہ اس کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے تھے لیکن جہاں موقع ملتا تھا بے محابا اس کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ صاحب تذکرہ سید محمد ابراہیم قدس سرہ کے احوال کے ذیل میں مصنف اکمل التاریخ نے ایک زندہ واقعہ یوں تحریر کیا ہے، ملاحظہ کریں:

''جس زمانے میں مولوی اسماعیل دہلوی وارد بمبئ ہوئے، ناخدا مذکور (جو ایک علم دوست قلب اپنے پہلو میں رکھتے تھے) مولوی اسماعیل صاحب کو اپنے مکان پر بہ طور مہمان لے آئے۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں نماز کے لیے مولوی صاحب بھی پہنچے۔ جس وقت مؤذن نے اذان خطبہ میں ''اشھد ان محمداً رسول اللہ'' کہا، معلم صاحب (سید محمد ابراہیم) نے حسب معمول حضور کے اسم شریف پر اپنی انگلیاں بعدِ مسِّ لب آنکھوں پر ملیں جیسا کہ اہل سنت کا شعار ہے۔ مولوی اسماعیل صاحب عاشقان رسول کی اس محبت بھری ادا کو بھلا ٹھنڈے دل سے کب دیکھ سکتے تھے، نماز تو پڑھی لیکن مسجد سے واپس آکر ناخدا (سیٹھ محمد علی ناخدا) سے شکایت کی کہ مسجد میں جو یہ فعل ہوتا ہے قطعاً شرک ہے، خطیب کو اس سے ممانعت کر دینا چاہیے۔ ناخدا نے کہا کہ میری کیا مجال کہ میں حضرت خطیب صاحب کو منع کروں البتہ اگر بروقت ملاقات مکالمہ اور مناظرہ کر کے معلم صاحب کو عاجز کر دیں گے، اس کے بعد میں ممانعت کرنے کی جراءت کر سکوں۔ مولوی اسماعیل صاحب بہ ظاہر راضی ہو گئے۔ دوسرے روز معلم صاحب برائے ملاقات مولوی صاحب ناخدا کے مکان پر آئے۔ ناخدا نے سلسلۂ کلام شروع کیا: ''حضور! یہ فعل جو بروقت اذان دیکھنے میں آتا ہے شرک و بدعت ہے یا مستحب و مستحسن؟ اگر جائز ہے تو کیا دلیل ہے؟ خطیب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے صرف یہی دلیل کافی ہے کہ صدہا علما و اولیاے دیار و امصار عرب و عجم اس مستحب و مستحسن فعل کو کرتے ہیں، اگر کوئی ذی علم تمہارے

پردے میں تمھیں وسیلہ وواسطہ بنا کر دلیل چاہتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ بے واسطہ سامنے آ کر شرک وضلالت ہونا اس پاک طریقے کا ثابت کرے۔ میں استحباب واستحسان ثابت کرتا ہوں اور ابھی ابھی اہل علم پر امر صواب واضح ہوا جاتا ہے۔

ناخدا نے بار بار مولوی اسماعیل کی طرف دیکھا بھی اور اشارتاً، کنایاً جواب کے لیے بھی کہا لیکن وہاں انی بچائے بیڑا پار صدائے برنخاست پر اکتفا کیا گیا۔ ناخدا کی نگاہوں سے گر کر مولوی صاحب تو فوراً چلتے بنے لیکن معلم صاحب نفس قدسی صفات کی عام شہرت ہوگئی۔''

(اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ص: ۳۷۴۔۳۷۵)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی پر دہلی کے ساتھ ممبئ میں بھی گھیرا تنگ ہو چکا تھا اور علما و عوام و خواص کا ایک بڑا طبقہ ان کا شدید مخالف تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ انگوٹھا چومنے کا مسئلہ عرب وعجم کے علما و اولیا کا مسلم الثبوت مسئلہ تھا۔ سرزمین ممبئ کی مساجد، ان کے بانیان ومتولیان ومصلیان عقائد اہل سنت پر گامزن تھے لیکن وہابیہ دیابنہ کی پیہم یورشوں نے بہت بعد میں یہاں کے ماحول کو بدل دیا، سنی مساجد پر قبضہ کرلیا، حیلے اور بہانے سے سنی ائمہ کو نکال کر اپنا امام بٹھا دیا، جس کی وجہ سے ہماری بہت ساری سنی مساجد دیوبندیوں، وہابیوں کے قبضے میں چلی گئیں، قدیم لائبریریوں پر ان لوگوں نے قبضہ کرلیا۔

مولانا سید محمد ابراہیم قدس سرہ کا وصال ۲۷ رجب ۱۲۸۲ھ / دسمبر ۱۸۶۵ء کو ہوا، بہ مقام بندر سورت میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مشن کو آپ کے تلامذہ ومتوسلین نے آگے بڑھایا اور محاذ پر ڈٹے رہے۔

شیخ چاند محمد قادری:

اس مقام پر ایک اور شخصیت کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو ممبئ کے صاحب ثروت بزرگ، فیض وسخا کے مالک اور اولیا وعلما کے عقیدت مند تھے، سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے، غریبوں اور مسکینوں کی اعانت، نادار مسافروں کی حاجت برآری اور مذہبی ورفاہی کاموں میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار سیف اللہ المسلول علیہ الرحمہ کے مریدان خاص میں ہوتا تھا۔ صاحب ''اکمل التاریخ'' مولانا ضیاء

القادری بدایونی نے علامہ فضل رسول بدایونی کے جن چار خاص مریدوں کا مختصراً ذکر اپنی کتاب میں شامل کیا ہے، شیخ چاند محمد قادری ان میں سے ایک ہیں۔ حضرت مولانا ضیاء القادری بدایونی آپ کے احوال کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

''مظہر فیض وسخا جناب شیخ چاند محمد صاحب متوطن بمبئ علیہ الرحمہ۔ آپ بمبئ کے مشہور سیٹھ اور صاحب ثروت بزرگ تھے۔ اصل وطن آپ کا سورت تھا، عقیدتِ کامل حضرت مولانا ابراہیم باعلظہ قدس سرہ سے رکھتے تھے اور حسب ارشاد مولانا ممدوح جب حضرت اقدس (شاہ فضل رسول بدایونی) رونق افروز بمبئ ہوئے تو شیخ صاحب داخل سلسلہ ہوئے۔ روزمرہ عقیدت جوش خلوص کے ساتھ ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ مرتبہ فنا فی الشیخ (کہ اصل اصول طریقہ وصول الی اللہ کا ہے) خصوصی امتیاز کے ساتھ حاصل کیا۔ ہر سال متعدد اشخاص کو آپ اپنے صرف (خرچ) سے حج بیت اللہ شریف کو بھیجا کرتے تھے۔ بروقت واپسی حجاج ناداروں کی امداد کرنا، قلتِ زادِ راہ کے باعث جو لوگ بے وطنی کے عالم میں پریشان ہوتے ان کو زادِ راہ دے کر وطن پہنچانا آپ کا معمول تھا۔ صدہا بندگانِ خدا کو آپ نے حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف کروایا اور خود بھی متعدد بار حج کیے۔ مدینۃ الرسول کی حاضری ہوئی، غربا و مساکین کی اعانت کرنا روزانہ کا معمول تھا۔ غرض آپ کی ذات ستودہ صفات ملاذِ غربا اور محبّ الفقرا تھی۔ شب و روز یادِ الٰہی میں مصروف رہنا، تصورِ شیخ میں مستغرق رہنا آپ کا کام تھا۔ فنائیتِ شیخ اس درجہ کامل تھی کہ جس روز شیخ کے وصال کی خبر اور مرض کی کیفیت بمبئ میں آپ کو معلوم ہوئی اسی ہفتے میں اسی مرض سے جو پیر و مرشد کو لاحق تھا آپ بھی جان بحق ہوگئے۔ رسالہ ''عبرت نامہ'' میں جو نظم میں مطبوع ہو چکا ہے آپ کے انتقال کی مفصل کیفیت درج ہے۔''

(اکمل التاریخ: مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ص ۲۶۷۔۲۶۸)

مذکورہ شخصیات میں ان کے اپنے ذاتی اوصاف وکمالات کے علاوہ بہت ساری خصوصیات قدرِ مشترک کے طور پر موجود تھیں۔ مذہبِ حق کی وفاداری، فروغِ سنیت کا جذبۂ فراواں، شوقِ عقیدت و احترام، خدمتِ خلق واشاعتِ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت، ردِ بدمذہباں، خلوص وجذبۂ دروں، رشتۂ ارادت کا تحفظ وبقا، ہمدردی فقرا و مساکین، فقر و غنا، بے نیازی، احترامِ علما

ومشائخ، ادب واکرامِ بزرگانِ دین، خوفِ خدا اور عشقِ رسول مقبولِ صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاق وکردار کی شفافیت، حسنِ ظن اور حسنِ عمل وغیرہا بہت ساری خوبیاں ان حضرات میں پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

قاضی سید عبدالفتاح گلشن آبادی:

جن نامور علمائے دکن اور مشائخ طریقت نے مہاراشٹر دکن کی سرزمین پر علم وفن، صدق وصفا، اخلاقیات اور فضل وکمال کے گل ولالہ اُگائے اور اپنی شبانہ روز کی محنت شاقہ سے اس کے حسن ودل کشی میں چار چاند لگا دیے، ان میں ایک امتیازی شان رکھنے والی شخصیت حضرت علامہ قاضی ومفتی سید عبدالفتاح گلشن آبادی علیہ الرحمہ کی ہے۔ آپ عربی وفارسی کے متبحر عالم ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ مصنف ومحقق اور مایہ ناز قاضی ومفتی بھی تھے، ان کی فنی تصنیفات، تاریخی تذکرے اور گراں بہار علمی خزانے ایک سچی تاریخ رکھتے ہیں اور جس کے تذکرہ کے بغیر تاریخ دکن مرتب ہی نہیں کی جاسکتی۔

آپ کا اسم گرامی ''سید عبدالفتاح'' اور عرفیت ''اشرف علی'' ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید اسد اللہ حسینی شاہ جہاں کے عہد (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء تا ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء) میں وارد دکن ہوئے، جو سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحلیم ساحل سلطان پوری رقم طراز ہیں:

''ان کے جد اعلیٰ سید اسد اللہ حسینی شاہ جہاں کے عہد میں وارد دکن ہوئے۔ وہ اس کاروان علم وعرفان کے ایک ممتاز فرد تھے جو اس زمانے میں دکن کے علاقے میں تبلیغ دین کے لیے آیا تھا۔ انہیں کی اولاد میں سید صادق شاہ حسینی جو سید شیر محمد حسینی کے فرزند ارجمند تھے بڑے پائے کے بزرگ اور مرجع خلائق صوفیا میں شمار ہوتے تھے، دکن میں حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اگر کوئی صوفی روحانیات کے فیوض وبرکات کو عام کرنے میں کامیاب ہوا تو وہ سید صادق شاہ حسینی تھے۔ ان کی روحانیت، تعلیمات اور اخلاقی اصلاحات کا مرکز بھی علاقۂ مہاراشٹر تھا۔'' (مضمون ''سید عبدالفتاح گلشن آبادی''۔ مشمولہ: سہ ماہی نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء ص: ۵۴)

سید عبدالفتاح گلشن آبادی کے فرزند سید امام الدین گلشن آبادی اپنے جد اعلیٰ سید محمد صادق

حسینی سرمست علیہ الرحمہ سے متعلق رقم طراز ہیں:

’’آپ مشاہیر اولیاے متصرفین ملک دکن سے ہیں، خرقہ خلافت قادریہ کو اپنے والد ماجد سید امین الدین شیر محمد مدنی سے حاصل کیا اور بحکم بشارت حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان کی جانب تشریف لائے اور حضرت خواجہ عمر مختار اللہ بال چشتی سے خرقہ خلافت چشتیہ اخذ کیا۔‘‘ (سید امام الدین گلشن آبادی، تذکرۃ الانساب، افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۲ھ، ص: ۱۴۰)

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنے پی، ایچ، ڈی کے تحقیقی مقالہ ’’بمبئ میں اردو‘‘ کے باب دوم: تذکرہ شعرا و نثر نگار دور اول میں ’اشرف‘ کے عنوان سے لکھا ہے:

’’اشرف کا پورا نام سید عبد الفتاح الحسنی القادری اور عرف اشرف علی ہے، ناسک کے شاہ صادق کی اولاد سے ہیں، شاہ صادق شاہ جہاں کے دور کے صوفی اور عالم تھے اور انھوں نے شاہ جہاں اور فوج کی دعوت کی تھی۔ اشرف کے والد کا نام سید عبد اللہ حسینی پیرزادہ گلشن آبادی تھا، مذہب حنفی اور مشرب قادری تھا۔‘‘

(بمبئ میں اردو، ۱۹۱۴ء تک، مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۱۳۱، ۱۳۲)

ممدوح گرامی سید عبد الفتاح گلشن آبادی اپنے جد اعلیٰ سید اسد اللہ حسینی کی نویں اور سید صادق حسینی کی ساتویں اولاد میں ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سید عبد الفتاح گلشن آبادی ابن سید عبد اللہ حسینی ابن سید زین العابدین ابن سید محی الدین ابن سید عبد الفتاح ابن سید شیر محمد حسینی ابن سید صادق حسینی ابن سید شیر محمد حسینی ابن سید اسد اللہ حسینی۔

(سہ ماہی نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء ص: ۵۵)

ان کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں اسی پیرزادہ خاندان میں ہوئی جو اپنی دین داری اور علم و فضل کے لیے کافی شہرت رکھتا تھا، جائے پیدائش اور ابتدائی تربیت گاہ ناسک ہے۔ جسے عہد عالم گیری (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۷ھ/ ۱۷۰۷ء) میں اس کے جغرافیائی محل وقوع اور فطری دل کش مناظر کے پیش نظر ’’گلشن آباد‘‘ کا نام دیا گیا۔

سادات حسینی ہونے کے باعث آپ کا خانوادہ شروع ہی سے دکن کے علاقے میں پیرزادہ خاندان کہلاتا تھا، جو شرافت نسب کا بھی گہوارہ تھا اور علم و فضل کے روحانی و عرفانی انوار کی آماج

گاہ بھی اور اپنی علم دوستی اور اخلاقی بلندی کے لحاظ سے بھی متعارف ومشہور تھا۔ سید عبد الفتاح گلشن آبادی کی ابتدائی تعلیم وتربیت اسی علمی وروحانی ماحول میں ہوئی، ایک تو خاندانی ماحول کی سازگاری اور دوسرے خود آپ کا فطری ذوق وشوق، جس نے مجموعی طور پر آپ کو کسب علم اور تحصیل فن کا ایسا خوگر وشیدا بنا دیا کہ باہر کے علما ومشایخ کی بارگاہ علم میں زانوئے ادب تہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا، اور پھر اس تراش خراش سے علم وفن کا جو جوہر دنیا کے سامنے آیا اس نے نگاہوں کو خیرہ اور دلوں کو عقیدت ومحبت کا آبگینہ بنا ڈالا۔

مولوی رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' میں آپ کے درج ذیل اساتذہ کے اسما گنائے ہیں: سید میاں سورتی، مولوی شاہ عالم بڑودوی، مولوی بشارت اللہ کابلی، مولوی عبد القیوم کابلی، مولوی بدر الدین کابلی، محمد عمر پشاوری، مولوی اشرف آخونزادہ، مولوی محمد صالح بخاری، مولوی محمد اسحاق محدث دہلوی، مفتی عبد القادر تھانوی (تھانہ، ممبئ) مولوی محمد اکبر کشمیری، مولانا خلیل الرحمٰن مصطفیٰ آبادی، سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بداونی اور مولانا سید محمد ابراہیم باعکظہ وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (تذکرہ علمائے ہند، مترجم، مطبوعہ پاکستان، ۲۰۰۳ء، ص:۲۷۲)

مولانا ضیاء القادری بدایونی اپنی مایہ ناز تصنیف ''اکمل التاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''قاضی القضاۃ مولانا مولوی سید عبد الفتاح عرف اشرف علی حسنی حسینی نقوی گلشن آبادی ابن سید عبد اللہ حسینی۔ نواح ناسک خاندیش میں آپ فاضل اجل، عالم باعمل، مشاہیر علما میں شمار کیے جاتے ہیں، متعدد علما سے اکتساب علم کیا، کتب متداولہ کی تکمیل ملا محمد اکبر شاہ کشمیری (خلیفہ حضرت اقدس قدس سرہ ومعلم ابراہیم باعکظہ) سے بمبئ وغیرہ میں کی۔ تصوف وحدیث وغیرہ کی تکمیل حضرت اقدس (سیف اللہ المسلول) سے فرمائی۔''

(اکمل التاریخ، مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۱۸۵)

خیر الاذکیاء اور عربی واردو زبان کے مستند تذکرہ نگار، مصنف ومحقق مولانا محمد احمد مصباحی سیف اللہ المسلول کے تلامذہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''قاضی القضاۃ الشیخ عبد الفتاح اشرف علی الحسنی الحسینی النقوی الگشن آبادی ابن الشیخ عبد اللہ الحسینی من اجلۃ العلماء المشاہیر

بخانديش من نواحی ناسک، له عدة تصانيف مثل التحفة المحمدية فی الرد على الوهابية وجامع الفتاوىٰ فی اربعة مجلدات وخزينة العلوم وتاريخ الاولياء'' (**ترجمة فضل الرسول القادری البدايونی** ،مشمولہ:**المعتقد المنتقد** ،عربی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ، جون ۱۹۹۹ء،ص:۴۴۳)

تکمیل علوم کے بعد جذبۂ خدمت خلق اور فروغ علم وفن کی چاہت کے پیش نظر آپ نے مسند تدریس آراستہ کی اور کئی دہائیوں تک تشنگان علم ومعرفت کو سیراب کرتے رہے، اس درمیان سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لیے مفتی گیری کا امتحان عربی زبان میں دیا اور اس میں کامیابی کی سند لی، سن ۱۸۵۶ء میں وہ دھولیہ (خاندیش) کی عدالت میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔اسی عہدۂ عالیہ پر وہ ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۸۶۴ء تک رہے۔سن ۱۸۸۴ء میں بمبئ کے اولین الفسٹن کالج وہائی اسکول میں عربی اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔(عبدالحلیم ساحل، مضمون سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مشمولہ: نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

یہاں آپ تدریس کے ساتھ تبلیغ مذہب حق اور تصنیف وتحقیق میں بھی ہمہ دم منہمک رہے اور اپنے علم وفن کی ایک اچھی شناخت بنانے میں کامیاب ہوئے،آپ کے تلامذہ میں مولوی سید نظام الدین، شیخ قطب الدین، قاضی سید بجو میاں خاندیشی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

لیکن بعد میں آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا، مولانا عبدالحلیم ساحل اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ارباب کالج نے عربی وفارسی کی تدریس غیر ضروری یا انہیں اختیار مضامین کے زمرے میں شامل کر دیا تو وہ اس خدمت سے سبک دوش ہوگئے۔......اس ملازمت سے علاحدگی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے آبائی سلسلۂ ارشاد وتعلیمات پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی اور تنگی وقت کے باعث وہ دیگر مشاغل کے ساتھ کالج کی پروفیسری پورے انہماک کے ساتھ نباہ نہیں سکتے تھے۔'' (سہ ماہی نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

حکومت ہند نے آپ کی علمی ومنصبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ''جسٹس آف پیس'' اور ''خان بہادر'' کے خطاب واعزاز سے نوازا، اس اعزاز واکرام کا تذکرہ آپ کے تمام تذکرہ

نویسوں نے کیا ہے۔البتہ وجوہات کے بیان میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے،مولانا ضیاء القادری بدایونی کے مطابق اس کی وجہ علمی خدمات اور خاندانی وجاہت تھی۔

(اکمل التاریخ،مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء،ص:۱۸۵)

مولانا عبدالحلیم ساحل کا کہنا ہے کہ ''مصنف کا خود بیان ہے کہ ان کی علمی و منصبی خدمات کا اعتراف حکومت ہند نے اس شکل میں کیا کہ انہیں اس اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

(سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

جب کہ مولانا خوشتر نورانی لکھتے ہیں کہ ''ان کی علمی لیاقت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے یہ خطاب دیا گیا۔'' (علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات، مطبوعہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۳ء،ص:۲۰۰)

اس سلسلے میں ایک آخری بات مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی لکھتے ہیں:

''حکومت کی یہ مہربانی (اعزاز و کرام) آپ برداشت نہیں کر سکے اور سارے مراتب ومناصب سے مستغنی ہو کر گلشن آباد (ناسک) میں آکر فروکش ہو گئے اور یکسو ہو کر خدمت دین متین میں جٹ گئے۔'' (مقدمہ، دولت بے زوال وبرکت حال وآل، ممبئ، دسمبر ۲۰۱۳ء،ص:۱۱)

سید عبدالفتاح گلشن آبادی کو درس وتدریس کے شغل کے سوا تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا،فتویٰ نویسی بھی کرتے تھے، اعلیٰ پائے کے واعظ بھی تھے، آپ نے اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں جہاں عقائد اہل سنت اور معمولات حقہ کا بڑے مہتم بالشان انداز میں تذکرہ فرمایا ہے وہیں فرقہ ضالہ وہابیہ دیابنہ کا رد وابطال بھی کیا ہے، آپ نے جملہ تذکرہ نگاروں نے آپ کو کثیر التصانیف بزرگ کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔مولانا ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں:

''اکثر تصانیف مثل تحفہ محمدیہ فی رد وہابیہ، تایید الحق، جامع الفتاویٰ (چار جلد میں) خزینۃ العلوم، تاریخ الاولیاء، وغیرہ مطبوع ہو کر مشہور ہو چکی ہے۔''

(اکمل التاریخ، بدایوں، جولائی ۲۰۱۳ء،ص:۱۸۵)

ڈاکٹر میمونہ دلوی خامہ فرسا ہیں:

''اشرف متعدد کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں، جو اردو، فارسی اور عربی زبانوں میں ہیں،

ان کی درسی کتابیں بمبئ کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں رائج تھیں اور ہر ایک کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔اشرف کی اردو تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

''خزانۂ دانش،تعلیم اللسان،تحفہ محمدیہ،تائید الحق،صد حکایات،اشرف الانشاء،تحفۃ المقال ،مصدر الافعال ، رحمۃ للعالمین ، تاریخ روم ، تاریخ الاولیاء ، دیوان اشرف الاشعار ، باقیات الصالحات فی مولد اشرف المخلوقات ، (یہ رسالہ مولود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے) اشرف القوانین ، (صرف ونحو کے بیان میں ۵۴ صفحات کی ایک کتاب ہے) اظہار الحق ، تاریخ افغانستان ، رسالہ جغرافیہ، سراج الہدایہ، دولت بے زوال کی چار جلدیں ، دیوان نعتیہ، مولود الشریف ،مجلس لیلۃ القدر مسمی بہ اشرف المجالس ،اور جامع الفتاویٰ کے نام سے ایک اور کتاب لکھی ہے ،جس میں نکاح ، طلاق ، میراث ، ہبہ، وغیرہ مسائل پر بحث کی ہے ، یہ کتاب چار جلدوں میں ہے ۔ فارسی تصانیف (میں) کلید دانش،قوانین صغیر ،قوانین کبیر ، دیوان قصائد۔ عربی تصانیف (میں) خزینۃ العلوم کی جلد اول ،جلد دوم ،جلد سوم مع اردو ترجمہ ۔ ہندی تصانیف (میں) کلید دانش ۔ درسی (کتب میں) پہلی کتاب ، دوسری کتاب ، تیسری کتاب ، یہ کتابیں سرکاری مدرسوں میں رائج تھیں۔''

(بمبئ میں اردو،۱۹۱۴ء تک،مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ ، دہلی ، ستمبر ۱۹۷۰ء ص:۱۳۲،۱۳۳)

آگے مصنفہ نے رسالہ تائید الحق ، دولت بے زوال اور خزینۂ دانش کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے۔خزینۂ دانش کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

''اشرف نے ۱۲۸۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ۴۳۵ صفحات پر مشتمل ایک نصابی کتاب تالیف کی تھی ، جس میں کل ۵۶ ، اسباق ہیں،اس کتاب میں انگریزی حکایتوں کا ترجمہ،تاریخ ،جغرافیہ،سائنس ،نباتات،حیوانات سے متعلق معلوماتی مضامین اور مشاہیر عالم کی سیرت وغیرہ درج ہیں۔''

اسی مقالے کی ابتدا''میں اشرف علی'' نام پر حاشیہ لگاتے ہوئے مصنفہ نے لکھا ہے:

'' گارسا دتاسی نے ہندوستانی ادب کی تاریخ (فرانسیسی) کے ص : ۲۴۵ پر بمبئ کے ایک شاعر اشرف علی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اشرف علی نے ۱۸۶۷ء میں ابتدائی کتاب ہندوستانی زبان میں شائع کی ، جو تعلیم سے متعلق ہے۔''(ایضاً، حاشیہ ص:۱۳۱)

سید عبدالفتاح گلشن آبادی ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے، جیسا کہ ان کے اردو اور فارسی دواوین (دیوان اشرف الاشعار اور دیوان قصائد) سے عیاں ہے۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی کتاب کے باب دوم میں دور اول کے شعرائے بمبئ کے تحت ان کا تذکرہ بڑے تحسین آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

''سید عبدالفتاح کو شعروشاعری سے بھی دل چسپی تھی، اشرفؔ تخلص رکھتے تھے، شعری سرمایہ'' دیوان اشرف'' اور'' بیاض اشرف'' کے نام سے یادگار چھوڑا ہے۔ **دیوان اشرف الاشعار**: اشرفؔ کا یہ دیوان ۱۲۷۹ھ میں مرتب ہوا تھا، اس میں غزلیات، نعت اور مناقب شامل ہیں، اس کے علاوہ اشرف المجالس کے نام سے سورۂ قدر کی منظوم تفسیر بھی دی گئی ہے، یہ دیوان اب نایاب ہے، اس کا تذکرہ کریمی لائبریری کی فہرست کتب میں موجود ہے۔ **بیاض اشرفؔ**: اشرفؔ کا یہ خودنوشت مجموعہ کتب خانہ مدرسہ محمدیہ میں موجود ہے، جس میں دس اردو اور دس فارسی قصائد ہیں، اشرفؔ نے یہ قصائد اپنے دیوان سے نقل کر کے مولانا محمد صدیق ملتانی ثم احمد نگری کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس مخطوطہ میں اشرفؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط بھی شامل ہے جو مولانا کے نام ہے۔ یہ مخطوطہ ۱۲۸۲ھ میں دھولیہ میں تحریر کیا گیا تھا۔ بیاض اشرفؔ کا پہلا قصیدہ مشہور عربی قصیدہ'' قصیدہ بردہ'' کا اردو ترجمہ ہے، اس میں کل ۶۹، ابیات ہیں۔ دوسرا قصیدہ مطلع دیوان مہندی کے نام سے ہے، جس میں نعت، منقبت اور مدح اصحاب کبار ہے، اس میں کل ۹۸، ابیات ہیں۔ تیسرا قصیدہ قصیدہ صنعت حرفین کے نام سے ہے، اس میں کل ۱۹، ابیات ہیں، اسی طرح آخری قصیدہ دیوان قصائد اشرفؔ کی تاریخ سے متعلق ہے، یہ گیارہ بیت پر مشتمل ہے، جن سے دیوان اشرف کے سنہ تصنیف پر روشنی پڑتی ہے۔

بیاض اس کی مقدس اور شعر ہے طور کا ہر حرف
نہاں ہے روشنائی میں تجلا سنگ اسود کا
ترا ممدوح ہے محبوب حق اور نعت ہے مقبول
صلہ جنت میں ہے تجھ کو محل لعل و زمرد کا
مرتب جب ہوا دیوان مدح احمدی اشرفؔ

کہا ہاتف نے یہ ہے ''اشرف الاشعار'' سید کا

(بمبئ میں اردو،۱۹۱۴ء تک،مطبوعہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص:۱۱۲، ۱۱۳)

''اشرف الاشعار'' سے سنہ تصنیف ۱۲۷۹ھ برآمد ہوتا ہے۔

سید عبدالفتاح گلشن آبادی نے عقائد وافکار اہل سنت کو موضوع بنایا ہے، اور اس موضوع سے متعلق مباحث کو دلائل و براہین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بدمذہبوں کے رد وابطال کا یہ رنگ آپ کی تقاریر ومواعظ میں بھی دکھائی دیتا تھا اور آپ کے فتاویٰ میں بھی اس کے نشانات جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ سید عبدالفتاح گلشن آبادی بمبئ کے ایک قدیم محلے ''جالمی محلّہ'' میں سکونت رکھتے تھے، اس محلے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر تھی، یہ محلّہ آج بھی اسی نام سے موجود ہے، آپ نے کچھ عرصہ بمبئ کے محلّہ ''گوری ملا'' میں بھی قیام کیا تھا۔ اس کے علاوہ بمبئ میں قیام کے دوران ناریل واڑی کو بھی اپنی عارضی قیام گاہ بنایا تھا، اس جگہ مسلمانوں کے کئی خاندان آباد تھے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں بیٹھ کر آپ تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی، تبلیغ مذہب حق اور فروغ علم وفن کا گراں قدر کام بہ حسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں مولانا عبدالحلیم ساحل رقم طراز ہیں:

''جن دنوں میں سید عبدالفتاح وہاں قیام پذیر تھے وہ زمانہ بمبئ کے مسلمانوں کے لیے بڑا ہی پرآشوب تھا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان عقائدی بحثوں، مناظروں اور معرکہ آرائیوں کا دور تھا، فرقہ وہابیہ کے مقابل اہل سنت وجماعت کے علما وفضلا نبرد آزما رہتے تھے، اور مولوی سید عبد الفتاح ان کی قیادت کیا کرتے اور اس زمانے کے جید علما میں شمار ہوتے تھے، جامعہ الفتاویٰ کی ورق گردانی سے اس بیان کے بڑے روشن ثبوت مل سکتے ہیں۔''

(مضمون: سید عبدالفتاح گلشن آبادی، مشمولہ نوائے ادب بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء)

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ سید عبدالفتاح گلشن آبادی اس زمانے میں سرزمین بمبئ کے اندر فرقہ وہابیہ دیابنہ کے مقابل محاذ قائم کرنے والا علما وفضلائے اہل سنت کے سرخیل وقافلہ سالار تھے اور شاید اسی زمانے میں آپ نے ''تحفہ محمدیہ فی رد فرقہ مرتدیہ'' نامی کتاب تصنیف کی تھی جس میں فرقہائے باطلہ کا رد بلیغ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار کریمی پریس، بمبئ سے طبع

ہوئی تھی، جس میں خود مصنف نے اپنا ذاتی صرفہ برداشت کیا تھا۔اس کے بعد بھی اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے اور عوام وخواص اہل سنت نے اسے حرز جاں بنایا اور اپنے ایمان وعقیدے کا تحفظ کیا۔تحفہ محمدیہ کی شرح علامہ قاضی عبدالقدوس حنفی قادری بنگلوری نے تحریر کی ہے اور بعد کی اشاعت میں مفید اضافے مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا جیلانی بریلوی نے کیے ہیں۔۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں مفتی محمد اشرف رضا قادری،ممبئ کی ذاتی دل چسپی اور خواہش پر مطبوعہ قدیم نسخہ کو بنیاد بنا کر نئی کمپوزنگ اور تصحیح کے ساتھ شاہ صادق اکیڈمی ناسک مہاراشٹر نے اسے طبع کرایا، یہ نسخہ ۲۹۶ صفحات پر مشتمل نہایت اہتمام سے مجلد شائع کیا ہے۔

اسی کتاب میں ایک جگہ اس موضوع کو اٹھا کر یہ ذیلی عنوان قائم کیا ہے: ’’معمورۂ بمبئ میں ان لوگوں نے جو فتنہ کیا اس کے بیان میں‘‘۔اور اس کے تحت سرزمین بمبئ میں اس وقت سر ابھارنے والے فتنۂ وہابیت اور عقائد ومعمولات اہل سنت پر وارد کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات کی جانب اشارہ کیا ہے۔لکھتے ہیں:

’’۱۲۴۵ ہجریہ مقدسہ میں مولوی ولایت علی عظیم آبادی خلیفہ سید احمد صاحب کا یہاں آیا اور نئی بدعتیں برپا کیں، یہاں کے رئیس دین دار لوگ مسلمان ہمیشہ مولود شریف کی مجلسیں کرتے ہیں، خصوص ربیع الاول کے مہینے میں ہر ایک رئیس کے یہاں نیاز کے کھانے پکتے ہیں، ہزاروں آدمی فیض پاتے، بلکہ شادی غمی میں بھی مولود شریف کی مجلس ہوتی ہے،نعت کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی کمال محبت سے جو ایمان کا شعبہ بلکہ عین ایمان ہے سلام کے وقت سب مجلس کے آدمی تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب مولود شریف کی مجلس ہمیشہ دہلی میں بڑی دھوم دھام سے کیا کرتے تھے، یہ بات مشہور تھی۔مگر مولوی ولایت علی مذکور نے ان کاموں کو برا کہنا شروع کیا، آخر بلوائے عام ہوا، حضرت مولوی عصام الدین صاحب اور حضرت مولوی روح اللہ صاحب اور حضرت مولوی محمد صالح بخاری صاحب رحمہم اللہ کی سعی اور کوشش سے یہ فساد مٹ گیا اور ولایت علی یہاں سے شبا شب (راتوں رات) بھاگ گیا۔‘‘

(تحفہ محمدیہ فی رد فرقہ مرتدیہ،مطبوعہ شاہ صادق اکیڈمی، ناسک، ۲۰۰۸ء ص:۳۵)

اس کے بعد ایک دوسرے فسادی مولوی سلیمان کا مقدمہ بیان کیا ہے جس نے ۱۲۶۴ھ میں ہانڈی والی مسجد، بمبئ ۳ میں وعظ کے دوران کئی باتیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہانت کی کہیں، اس کا بھی تعاقب کیا گیا، جس کی وجہ سے اسے بھی یہاں سے راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔ ۵ ذوقعدہ ۱۲۶۴ھ کو مجمع الاخبار، بمبئ میں اس مقدمے کی خبر نمایاں انداز میں شائع کی گئی۔ خبر کی تفصیل بھی اسی کتاب میں دی گئی ہے۔

آپ کی ایک اور اہم کتاب ''دولت بے زوال وبرکت حال مآل'' ہے۔ اس کتاب مستطاب میں اسباب مفلسی کے ایک سو مسائل درج ہیں جن سے پرہیز لازم، ساتھ ہی ایک سو فوائد تونگری کے مرقوم ہیں جن پر عمل ضروری ہے، یہ کتاب پہلی بار مطبع کریمی، بائیکلہ، بمبئ میں چھپ کر ۱۳۵۰ھ کو شائع ہوئی تھی۔ جس کا تازہ ایڈیشن ۱۲۸ صفحات پر مولانا سید رضوان رفاعی شافعی کی توجہ خاص سے جون ۲۰۱۳ء میں مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی کی تسہیل وترتیب کے ساتھ ناسک سے شائع کیا گیا۔ اور بعد میں ادارہ معارف اسلامی، ممبئ نے دسمبر ۲۰۱۳ء میں یہی نسخہ طبع کرا کے عام کیا۔ یہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد اور بے مثال کتاب ہے، جس کا مطالعہ بہت سارے حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے اور فکر وعمل پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ کتاب ہر انسان کو ایک بار ضرور پڑھ لینی چاہیے۔

آپ کے ایک اہم اور تاریخی قلمی کام ''ترجمہ قصیدہ بردہ'' پر کریمی لائبریری، ممبئ میں ریسرچ پروفیسر محترمہ سعیدہ پٹیل صاحبہ نے ''سید عبدالفتاح گلشن آبادی اور قصیدہ بردہ کے ترجمے کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے ایک تحقیق وتجزیاتی مقالہ قلم بند کیا ہے جو عن قریب کریمی لائبریری انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، وی ٹی اسٹیشن ممبئ سے مطبوع ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے، راقم کی خواہش پر مقالہ نگار نے اپنا مسودہ دکھایا جو اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کی دیگر تصانیف کو جدید رنگ وآہنگ کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ ہماری نئ نسل ان سے استفادہ کر سکے۔

یہاں رک کر ہم ایک اور حقیقت سے پردہ اٹھا دیں وہ یہ کہ جس وقت تحریک ندوہ کا طوفان جماعت اہل سنت کے مذہبی سفینے پر شب خون مارنے کی پوری تیاری میں تھا اور انجانے میں

بہت سارے لوگ اسے ایک دین آشنا اور صالح قدروں پر مبنی تحریک سمجھ کر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے تھے لیکن بعد میں ندوہ کے مفاسد ونقصانات سے آگاہ ہوئے تو اس سے علاحدہ ہو گئے، اس موضوع پر ''تذکرۂ محدث سورتی'' مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جس میں تحریک ندوہ پر صاحب کتاب ڈاکٹر رضی حیدر نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

سید عبد الفتاح گلشن آبادی بھی ابتدا میں تحریک ندوہ کے خاص اراکین میں تھے لیکن مجدد اعظم فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تنبیہ اور کشف حقائق کے بعد وہ اس سے یک لخت الگ ہو گئے اور سارے رشتے منقطع کر لیے۔

اس سلسلے میں استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی رقم طراز ہیں:

''نیز بتوفیق الٰہی جناب مفتی مولوی سید عبد الفتاح صاحب حسینی گلشن آبادی ساکن ناسک، درگاہ محلّہ، رکن جلیل ندوہ نے بھی اس صریح وجلیل فتویٰ پر مہر ثبت فرمائی اور اقوال ندوہ پر ضلالت وگمراہی والحاد وغیرہ جملہ مراتب مندرجہ فتویٰ کی نسبت صاف لکھ دیا کہ: **المجیب مصیب فیما قال** (مجیب نے جو کچھ بیان کیا سب حق ہے)۔ والحمد للہ رب العالمین۔''

(رسائل حسن، مطبوعہ: رضا اکیڈمی ممبئ، ۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ، ص: ۵۷۸)

سید عبد الفتاح گلشن آبادی کی فقہی خدمات بھی قابل صد رشک ہیں، علم فقہ وحدیث اور تصنیف وسلوک میں آپ کی حذاقت، زبان وبیان پر آپ کی ماہرانہ دست رس اور تاریخی کتب وتحقیقات پر آپ کی گہری گرفت کا اندازہ تیس سے زائد آپ کی گراں قدر تصنیفات وکتب سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے، جن کے موضوعات میں بلا کا تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ جو آپ کی عربی وفارسی دانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، آپ کی اردو تصانیف بھی زبان وبیان کی خوبیوں سے لذت آشنا ہیں۔

ان تمام حقائق کے علاوہ آپ کے اخلاق وکردار اور عادات وخصائل کی شفافیت بھی قابل ذکر ہے جو خالص اسلامی وخانقاہی رنگ وروپ میں جلوہ گر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں بھی رہے اپنے بلند اخلاق اور مذہبی رواداری وخیر خواہی کی وجہ سے مرجع علما بھی رہے اور مرجع انام بھی، اور آپ کے گرد چاہنے والوں کا ایک حلقہ موجود رہا، یہ بہت بڑی چیز ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں، پہلی پیرزادہ خاندان کی ایک بی بی شرف النساء سے ہوئی، ان کی وفات کے بعد دوسری شادی ۱۲۵۶ھ میں عائشہ بی بی سے کی، دو سعادت بیٹے مولوی سید امام الدین احمد گلشن آبادی اور سید سراج الدین محمد گلشن آبادی اپنے پیچھے یادگار چھوڑے۔ اول الذکر صاحبزادے بھی صاحب علم اور صاحب تصانیف مشہور ہیں۔

مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''مولانا سید امام الدین حسنی آپ کے صاحب زادے بھی عالم متبحر اور عارف حق نگر تھے، آپ ہی کی طرح درس وتدریس اور رشد وہدایت کا مشغلہ رکھتے تھے۔ مولانا امام الدین نے تین جلدوں میں ''تاریخ الاولیاء'' کے نام سے عہد رسالت سے چودہویں صدی کے ربع اول تک کے ان علما کا تذکرہ لکھا جو عارف بھی تھے۔ اس کتاب کے دو حصے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، تیسرے حصے کا حال معلوم نہیں۔''

(تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۱۳۹)

۱۵/ صفر ۱۳۲۳ھ/ ۲۰/ اپریل ۱۹۰۵ء کو ممبئ میں سید عبد الفتاح گلشن آبادی کا وصال ہوا اور ممبئ کی مشہور جامع مسجد، مینارہ مسجد کے تہہ خانے میں سمت مغرب سپرد خاک کیے گئے۔ ''ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے''۔ آمین

مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی:

ممبئ کی سرزمین پر صدیقی برادران کی مذہبی وملی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ بالخصوص مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد صدیقی اور مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی۔ اس لیے ان کا تذکرہ یہاں شامل کیا جارہا ہے۔ یہ خانوادہ ایک زمانے سے اپنی دینی، علمی اور ملکی خدمات کے لیے شہرت رکھتا ہے، جس کا تعلق سرزمین عرب کے اشراف خاندانوں سے ہے۔ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی بنت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی رقم طراز ہیں:

''ہمارا شجرۂ نسب اڑتیسویں (۳۸) پشت میں جا کر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے، والد گرامی حضرت محمد عبد العلیم صدیقی مدنی کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف بخشا جو کہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔ ہمارے آبا واجداد عرب سے آکر ہندوستان کے مشہور

صوبہ اتر پردیش (یوپی) کے شہر میرٹھ میں بس گئے تھے، اور انھوں نے قاضی القضاۃ کی ذمہ داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ یاد رہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ابتدا میرٹھ سے ہوئی تھی، جہاں اس دور میں فوجی چھاونی تھی۔ میرٹھ کے محلّہ مشایخان میں مکانات تھے اور ہماری رہائش والا آبائی مکان بڑا وسیع و عریض تھا۔ ہمارے دادا محمد عبد الحکیم صدیقی اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی کا شمار جید علما میں ہوتا تھا، بڑے دادا ابا کی کتب یوپی اردو بورڈ کے نصاب میں شامل تھیں۔''

محمد صلاح الدین سعیدی اپنے تحقیقی مقالہ ''امام نورانی اور ان کا خاندان'' میں لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی ہجری میں صوفی حمید الدین صدیقی نجندی کی نسل میں سے میرٹھ میں دو بھائیوں ''علامہ عبدالحکیم جوش میرٹھی اور مولوی اسماعیل میرٹھی'' نے بڑی شہرت پائی۔ علامہ عبدالحکیم جوش میرٹھی نے تو شعر و شاعری کے ساتھ اپنے آبا و اجداد کی طرح رشد و ہدایت کی مسند کو بھی رونق بخشی لیکن مولوی اسماعیل میرٹھی نے فقط اردو شعر و ادب کی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ دونوں بھائی اپنے اپنے شعبے میں استاد مانے جاتے تھے۔''

(قائدِ اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی، ص:۴۰۹)

خلیفہ مخدوم الاولیاء حضرت مولانا عبدالحکیم جوشؔ صدیقی کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے اسما حسب ذیل ہیں: (۱) مولانا احمد مختار صدیقی (۲) مولانا نذیر احمد صدیقی (۳) مولانا بشیر احمد صدیقی (۴) مولانا صدیق احمد صدیقی (۵) جناب خلیل احمد صدیقی (۶) جناب حمید احمد صدیقی (۷) مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی۔

ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی، کراچی نے اپنے ایک مضمون ''تذکرۂ خانوادہ علیمیہ'' میں مذکورہ ساتوں حضرات کا تفصیلاً و اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اور مولانا مظہر حسین علیمی، ممبئ نے بھی اپنے ایک مقالے ''خلیفہ اعلیٰ حضرت اور عظیم داعی و مبلغ حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی علیہ الرحمہ'' میں آپ کی حیات اور دینی و علمی، تعلیمی و تدریسی، ملکی و ملی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔

(ملاحظہ کریں: ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ، فروری ۲۰۱۱ء ص: ۲۵ تا ۲۸)

مفتی محمود احمد قادری نے اپنی کتاب ''حیات مخدوم الاولیاء'' میں خلفا کے ذیل میں صفحہ:

۳۹۲ پر مولانا عبدالحکیم صدیقی کا،۳۹۳ پر مولانا احمد مختار میرٹھی کا،۴۰۲ پر مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی اور ۴۲۶ پر مولانا نذیر احمد خجندی کا ذکر کیا ہے اور ان کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا احمد مختار صدیقی مجدد اعظم امام احمد رضا قادری کے اجل خلفا میں سے ہیں، ان کی ولادت محلّہ مشایخان میں ۷ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو ہوئی ۔ پانچ برس کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے اور قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا، والد محترم خود عالم وفاضل تھے، لہٰذا اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں گھر ہی پر والد ماجد سے پڑھیں ۔اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں مولانا ناظر حسن سے متوسطات اور منتہی کتابوں کا درس لیا، ۱۶ برس کی عمر میں ۱۳۱۰ھ کو فارغ التحصیل ہوئے ، دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے مولانا راغب اللہ پانی پتی کے پاس گئے اور ۱۳۱۴ھ میں مولانا محمد یوسف نواسہ شاہ اسحاق دہلوی سے بھوپال میں علم حدیث کا درس لیا۔ ۱۳۲۱ھ میں مکہ مکرمہ میں شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبدالحق الٰہ آبادی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۲۲ھ میں ایک سال مدینہ منورہ میں حاضر رہ کر حضرت شیخ رضوان وغیرہ سے تحصیل علم کر کے سندیں حاصل کیں ۔ کچھ عرصہ مولانا شاہ احمد میاں گنج مرادآبادی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ (محمود احمد قادری، تذکرۂ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۳۲، ۳۳)

آپ نے علم شریعت کی تکمیل کے بعد علم معرفت وطریقت کے سمندر میں غوطہ لگایا اور ظاہر کے ساتھ باطن بھی منور ومجلّا کیا۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے سرچشمۂ فیض وعرفان سے متاثر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس عظیم بارگاہ کے خوشہ چینوں میں شامل ہوگئے ۔ بعد میں خلافت واجازت سے بھی نوازے گئے ۔ اشارۂ روحانی پر دیوا شریف کا سفر کر کے حضرت حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور اکتساب فیض کیا ۔اور محبوب ربانی سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی جناب میں حاضری دی، اس دریائے علم وعرفان سے خوب خوب سیرابی ملی، یہاں بھی اجازت وخلافت کا تمغہ پایا۔ ان بارگاہوں سے فیض پانے کے بعد آپ پر باطنی رازوں کا انکشاف ہوا اور قلبی طمانیت میسر آئی ۔عاشقِ رسول سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ السامی نے اپنے اس چہیتے خلیفہ کا تذکرہ ''الاستمداد''

میں ان الفاظ میں فرمایا ہے:

مجبور احمد مختار ان کو
کرتا ہے مر جاتے یہ ہیں

آپ کے برادر صغیر مولانا نذیر احمد صدیقی اس حقیقت کو یوں منظوم کرتے ہیں:

حصول فیض باطن کے بڑے مشتاق تھے دل سے
نہ گھبراتے مشقت سے، نہ ہی ڈرتے تھے مشکل سے
کچھوچھہ اور بریلی اور جلوہ گاہ فضل ربانی
شراب معرفت پیتے رہے ہر ایک محفل سے

عظیم بابرکت صحبتوں میں رہ کر علوم ظاہری اور رموز باطنی سے آگاہ ہونے کے بعد مولانا احمد مختار میرٹھی نے میدان عمل میں قدم رکھا اور درس تدریس کا شغل اختیار فرمایا۔ سب سے پہلے مدرسہ قومی میرٹھ یوپی میں فارسی زبان کی تدریس پر مامور ہوئے، پھر اسلامیہ کالج اٹاوہ یوپی میں ہیڈ ماسٹر کا عہدہ پایا، اس کے بعد امراؤ جہاں بیگم کے اسلامی مدرسہ بھوپال میں صدر مدرس کے منصب جلیل پر فائز ہوئے۔ (تذکرۂ علمائے اہل سنت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۳۳)

سامرود اور دمن پرتگیز میں بھی انھوں نے مسند درس آراستہ کی اور تشنگان علم کو آسودہ کیا۔ مختلف ملکوں میں دین متین کی بیش بہا خدمات انجام دیں، مدارس و اسکولز قائم کیے اور ان میں تدریس کا کام بھی کیا، انتظامی امور بھی سنبھالے اور اپنے تجربات میں دوسروں کو شرکت کی دعوت دی۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی (لاہور) تحریر فرماتے ہیں:

’’حج سے واپسی پر میرٹھ کے قومی مدرسے میں مدرس اور اسلامیہ کالج اٹاوہ میں پروفیسر عربی مقرر ہوئے، شاہ جہاں بیگم کے اسلامی مدرسہ بھوپال میں صدر مدرس مقرر ہوئے، شدھی تحریک کے دوران برما گئے، وہاں ایک اسلامی دارالعلوم کی بنیاد رکھی، مانڈے میں اعلیٰ تعلیم کا کالج قائم کیا، ڈربن میں عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک درس گاہ بنائی، ۱۹۰۸ء افریقہ پہنچے اور ’’الاسلام‘‘ جاری کیا۔‘‘ (امام احمد رضا، الاستمداد: حاشیہ، مرتبہ: اقبال احمد فاروقی، ص: ۹۴، ۹۵)

سرزمین بمبئ میں ایک عرصے تک قیام فرمایا اور اپنے علم و آگہی، دور بینی، دور اندیشی اور

دینی وملی تڑپ کا بھرپور مظاہرہ کیا، جماعت اہل سنت کا قد اونچا کیا اور مختلف دنیاؤں میں انھیں ایک بلند مقام عطا کیا۔ جہاں رہے حرکت وعمل کا کوہ ہمالہ بن کر رہے اور کچھ نہ کچھ تاریخی کام کرتے رہے۔ صحافتی بصیرت بھی رکھتے تھے اور اس فن کو عملی زندگی میں برتا بھی۔ افریقہ کے غیر یقینی ماحول میں ۱۹۰۸ء میں اسلامی تعلیم کو عام کرنے اور لوگوں کو دینی ماحول میں ڈھالنے کی غرض سے ''الاسلام'' نامی گجراتی اخبار جاری فرمایا۔

مولانا عبدالسلام رضوی رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی (ولادت: ۱۲۹۴ھ۔ وفات: ۱۳۵۷ھ) نے مدت العمر تبلیغ وارشاد میں گزاری۔ برصغیر ہند کے علاوہ افریقہ، جزائر، انڈونیشیا میں تبلیغی مراکز قائم کیے اور ہزاروں غیر مسلموں کو داخلِ اسلام کیا۔ برما کا سفر کیا تو وہاں ایک اسکول قائم کیا ۔ مانڈے میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی۔ ڈربن میں عورتوں کو تعلیم کی جانب متوجہ کیا۔ قومی اور ملکی معاملات میں آپ کو خصوصی دلچسپی تھی۔ حجازِ مقدس میں سعودی خاندان نے برسر اقتدار آنے کے بعد مدینہ منورہ میں جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کیا تو عالم اسلام میں نجدیوں کے اس اقدام سے ہلچل مچ گئی۔ ۱۹۲۴ء میں مسلمانانِ بمبئ نے سلطان سعود اول کو اس جرأت سے باز رکھنے کے لیے آپ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔ حضرت سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست لاہور اور مولانا فضل اللہ مالک علمیہ بک ڈپو آپ کے رفقائے وفد تھے۔'' (عہدِ رضا میں وابستگان رضا کی صحافتی خدمات، سال نامہ یادگار رضا ممبئ۔ ۲۰۰۹ء)

مولانا احمد مختار میرٹھی کے دل میں دین وملت کی خدمت کا جذبہ ہر وقت موجیں مارتا رہتا اور آپ مسلسل اپنے دینی خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں کوشاں نظر آتے، بے بسوں اور پریشاں حال لوگوں کی اعانت وامداد کرتے، انھیں مصیبتوں میں دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے، اسی جذبے کے پیش نظر ۱۹۱۸ء میں میرٹھ (یوپی) میں اور ۱۹۳۵ء میں ڈربن (افریقہ) میں مسلم ''دارالیتامیٰ'' کی بنیاد رکھی۔ مختلف شہروں میں تعلیمی مراکز قائم کیے، غریبوں کے نادار بچوں کی تعلیمی وتہذیبی ترقی کے لیے اسلامک اسکول کھولے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا احمد مختار میرٹھی (۱۲۹۴ھ۔۱۳۵۷ھ دمن، پرتگیز) سرکار اعلیٰ حضرت کے اجلہ خلفا میں سے ہیں۔ مدت العمر تبلیغ وارشاد میں گزاری، برصغیر ہند کے علاوہ افریقہ، جزائر انڈونیشیا میں تبلیغی مراکز قایم کیے اور لاکھوں غیر مسلموں کا داخل اسلام کیا۔''

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، رضوی کتاب گھر، دہلی۔۲۰۰۲ء ص:۶۳، ۶۴)

محمد صلاح الدین سعیدی اپنے مقالہ ''امام نورانی اور ان کا خاندان'' میں لکھتے ہیں:

''علامہ عبدالحکیم جوش میرٹھی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی فرزند عطا فرمائے اور وہ سب اسلام کے عظیم سپوت ثابت ہوئے۔سب سے بڑے مولانا احمد مختار صدیقی اپنے خاندانی پس منظر کے علاوہ اس وجہ سے بھی ممتاز مقام رکھتے تھے کہ آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ممبئی میں ایک عرصے تک دینی خدمات انجام دینے کے بعد آپ جنوبی افریقہ سے شہر ڈربن تشریف لے گئے اور ڈربن میں مرکزی جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور اس مسجد میں مسلسل ۳۵ سال خطیب رہے۔آپ ایک عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے، آپ کی تبلیغی مساعی سے ڈربن میں کئی اسلامی مدارس قائم ہوئے اور مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہوا۔''

(قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی، ص:۱۴۵)

ان تمام خوبیوں کے ساتھ مولانا احمد مختار میرٹھی ایک سچے عاشق رسول اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔یہ حسن کلام اور فکری وفنی جمال آپ کو والد محترم مولانا عبدالحکیم جوشؔ میرٹھی سے ورثے میں ملا تھا۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھے اس کا جلوہ دکھا دے خدایا
جسے تو نے آئینہ اپنا بنایا
یہ مختارؔ عاصی بھی پہنچے مدینہ
کوئی راہ ایسی بتا دے خدایا
مرے دل میں ہے آرزوئے مدینہ
چلوں ہند سے کاش سوئے مدینہ
اللہ اللہ وہ جمالِ شہ بطحا دیکھو

نورِ حق جلوہ نما ہے رُخِ زیبا دیکھو

۶۳ برس کی عمر میں ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ/ ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء کو پیر کی شب بعد مغرب ڈمن پرتگیز میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ لاکھوں دلوں کی یہ دھڑکن پل بھر میں خاموش ہوگئی۔ لیکن ان کا چھوڑا ہوا مشن آج بھی زندہ اور توانا ہے اور فکر وعمل کا پیغام دیتا ہے۔

(تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۳۴)

مولانا نذیر احمد صدیقی میرٹھی:

مولانا احمد مختار صدیقی کے چھوٹے بھائی مولانا نذیر احمد صدیقی اپنے وقت کے عالم بے بدل اور فاضل اجل تھے، اپنے برادر کبیر ہی کی طرح انتظامی امور میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور آفاقی ذہن رسا کے مالک تھے۔ آپ کی ولادت بھی محلہ مشایخان میں ہوئی، تاریخ ولادت کا پتہ نہیں چل سکا، ابتدائی عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں مولانا نور احمد سے اکتساب علم وفن کیا اور اسی مدرسے سے فارغ التحصیل ہوئے ۔آپ مخدوم الاولیاء سید شاہ ابواحمد محمد علی حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ کے خلفائے طبقہ علما میں شمار کیے جاتے ہیں ۔آپ کے امتیازات میں صحافتی بصیرت، خطیبانہ مہارت، حکمت وطبابت، اور مناظراتی کمال کا نام لیا جاسکتا ہے، اپنی عملی زندگی کا آغاز ہی صحافت سے کیا، میرٹھ سے ''تاجر'' نامی اخبار جاری کیا اور جب ممبئ وارد ہوا تو یہاں سے ''غالب'' اخبار نکالا۔ آپ کی جادو بیاں خطابت اور زود اثر تقریر کی کافی شہرت تھی، اس فن کے ذریعے بھی آپ نے بہتوں کو دین کا پابند اور انسانیت کا پاسدار بنایا۔ فن مناظرہ میں بھی آپ کو کامل دست گاہ حاصل تھی، دیوبندیوں ، وہابیوں اور آریوں سے کئے مناظرے کیے اور انھیں شکست فاش دی۔ تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا اور ۱۳۲۱ھ میں گرفتار بھی کیے گئے۔ (محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۲۵۰)

تحریک خلافت کے نام سے جس گاندھیائی فکر کو ہندستان میں فروغ دیا جارہا تھا وہ سراسر اسلام مخالف تھی، انگریزوں سے ترک موالات اور ہندوؤں مشرکوں سے اتحاد کی باتیں ہورہی تھی، نہ ترک موالات سے آزادی ملنے والی تھی اور نہ مشرکوں کافروں سے اتحاد سے مذہب کا بھلا ہونے والا تھا، بلکہ اسی اتحاد کا نتیجہ تھا کہ شدھی تحریک نے اپنے بازو پھیلا کر کئی لاکھ راجپوت

مسلمانوں کو اسلام وایمان سے برگشتہ کر دیا تھا، اگر بروقت جماعت رضائے مصطفیٰ کے جید اراکین علما ومشائخ نے راجپوتانہ کے علاقوں میں جا کر اپنی دینی و مذہبی قربانیاں نہ پیش کی ہوتیں تو اتنے سارے مسلمانوں کے ایمان کا اﷲ ہی حافظ تھا۔ (تفصیل ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔) مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ اس اتحاد کے سخت مخالف تھے اور بریلی سے فتویٰ بھی جاری کیا تھا، البتہ کئی علمائے اہل سنت تحریک خلافت کے باقاعدہ رکن بن کر اس کی حمایت بھی کر رہے تھے اور فنڈ کا انتظام بھی کر رہے تھے۔ انھیں میں مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی، مولانا احمد مختار میرٹھی اور مولانا نذیر احمد خجندی بھی تھے، اور بہت سرگرمی سے اس کا تعاون کر رہے تھے، لیکن بعد میں ان حضرات کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس تحریک سے قطع تعلق کر لیا اور اسی حقیقت کو مان لیا تھا جو امام احمد رضا قدس سرہ پیش کر رہے تھے۔

مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''حد تو یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی نثار احمد کان پوری اور مولانا شاہ احمد مختار صدیقی اور ان کے دونوں بھائی مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی اور خطیب العلماء مولانا شاہ نذیر احمد خجندی خلافت کمیٹی سے سرگرم تعاون کر رہے تھے، بلکہ مولانا شاہ احمد مختار صدیقی اور مولانا شاہ نذیر احمد خلافت تحریک کے سلسلے میں جیل بھی جا چکے تھے۔ ان تینوں بھائیوں نے خلافت فنڈ میں لاکھوں روپے لا کر جمع کرائے اور ہندو مسلم اتحاد کا بڑھ چڑھ کر پرچار کر رہے تھے۔ لیکن باری تعالیٰ جل شانہ کا ہزار ہزار شکر واحسان ہوا کہ ان حضرات کو بہت جلد اس راہ پر خار سے نکل آنے کی توفیق خیر مرحمت ہوگئی۔ برہان العلم والعمل حضرت مولانا شاہ عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ سا بھی نیک اور سادہ مزاج بھی کم دیکھا گیا ہوگا، ان سے بھی سادگی میں کچھ اہم غلطیاں سرزد ہوئیں۔ لیکن یہ ان کی للٰہیت اور اخلاص تھا کہ وہ اپنی غلطی کا برملا اعتراف کر لیا کرتے تھے، خلافت تحریک کے استحکام کے لیے سادگی میں ہندو و مسلم اتحاد کی لے ان کی زبان وعمل سے حد سے تجاوز کر گئی تھی، لیکن فتنہ ارتداد نے ان کے ہوش اڑا دیے اور ''مسلمان اور فتنہ ارتداد'' کتابچہ کی اشاعت فرما کر انھوں نے اقرار فرما لیا کہ: ''ہم نے غلطی کی، ہمارے کرتوتوں نے یہ برا دن دکھایا۔'' (حیات مخدوم الاولیاء، امین شریعت ٹرسٹ، مظفر پور، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۶۹)

اس بات کا ثبوت مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی کی وہ تقریر ہے جو ۵/اگست ۱۹۲۸ء کو فقیہ مخدوم علی مہائمی کی درگاہ، ماہم کے عظیم الشان اجلاس میں کی تھی، اور الفقیہ، امرتسر کے شمارہ ۲۸/ اگست ۱۹۲۸ء ص ۴ پر شائع ہوئی تھی، اس میں انھوں نے کہا تھا:

''ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں سے مقابل کے لیے ہم ہندو سے اتحاد کریں، ہم نے ۱۹۰۷ء میں مسٹر گوکھلے کے کہنے پر ایک بہترین نمونہ اتحاد پیش کیا اور ۱۹۰۷ء میں بنگال سے سودیشی کی اٹھنے والی آواز کو لبیک لبیک سے جواب دیا۔ اس اتحاد کا نتیجہ یہ ملا کہ ۱۹۰۷ء میں شدھی شدھی کی صدائیں بلند ہوئیں، جس نے تمام محنت پر پانی پھیر دیا۔''

مولانا نذیر احمد صدیقی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ممبئ میں گزارا، یہاں آپ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا شاہ خیر الدین علیہ الرحمہ کی تعمیر کردہ ''مسجد خیر الدین'' میں برسوں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

مولانا شاہ خیر الدین دہلوی کے تذکرے میں مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''بمبئ میں شیعہ جماعت کے سربراہ عبد العلی خان انسپکٹر پولس کا واقعہ اور اس کے مقابلہ میں آپ کی بے خوفی، آپ کی صداقت و بزرگی پر شاہد عدل ہے، اسی سفر (۱۹۰۲ء) میں بمبئ میں ایک مسجد تعمیر کرائی، جواب مسجد خیر الدین ک ء نام سے مشہور ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ ۱۹۰۱ء میں آپ کی ملاقات کے لیے کلکتہ گئے تھے۔''

(تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۸۷)

بیرسٹر محمد علی جناح سے بھی مولانا نذیر احمد صدیقی کے قریبی تعلقات تھے، ممبئ میں طبیب کی حیثیت سے بھی آپ کی شہرت تھی۔ جناب ضیاء الدین احمد برنی لکھتے ہیں:

''مولوی نذیر احمد خجندی میرٹھ کے رہنے والے تھے اور چوں کہ ان کا تعلق پرانی وضع کے علمی گھرانے سے تھا، اس لیے انھوں نے پہلے تو درس نظامی کی تکمیل کی اور پھر طب کا مطالعہ کیا۔ اگر چہ طبیب کی حیثیت سے وہ ممبئ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے جلوہ گر ہوئے تھے۔ ان کے ایک بھائی (مولانا احمد مختار صدیقی) تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جنوبی افریقہ میں مقیم ہوگئے تھے۔ ان کے دوسرے بھائی (مولانا عبد العلیم صدیقی) سنگاپور، ماریشش وغیرہ علاقوں میں

مدتوں تبلیغ کا کام کرتے رہے، جہاں ان کے قائم کردہ ادارے آج بھی مصروف تبلیغ ہیں۔''

(قائد تحریک نظام مصطفیٰ علامہ شاہ احمد نورانی، مطبوعہ: لاہور، ص:۱۴۴)

سرزمین ممبئ مولانا نذیر احمد صدیقی کا خاص میدان عمل رہی اور یہاں آپ نے بیش بہا تاریخی خدمات انجام دیں، جناب خلیل احمد رانا خامہ فرسا ہیں:

''ان کی ایک دو خدمات ایسی ہیں جنہیں ممبئ والے کبھی فراموش نہیں کر سکتے، انھوں نے محمد زکریا منیہار اور حکیم ابو یوسف اصفہانی کے ساتھ مل کر آزاد میدان میں عیدین کی نماز کا ڈول ڈالا، اور سر غلام احمد حسین سے جوان دنوں محکمہ رفاہ عامہ کے وزیر تھے، آزاد میدان کے ایک حصے میں نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس وقت سے وہاں عیدین کی نماز بڑی شان سے ادا ہوتی ہے۔ ان کی دوسری خدمت یہ تھی کہ وہ شہر ممبئ کے تمام مسلم اداروں کی طرف سے عید میلاد کی تقریب نہایت شان دار طریقے سے کاوس جی جہانگیر ہال میں مناتے تھے، ان جلسوں میں سب مذاہب کے لیڈروں کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی، مسز نائیڈو، سردار تیجا سنگھ اور پادری موبدراس پلیٹ فارم سے ایک سے زائد مرتبہ تقریر کر چکے تھے۔ محمد علی جناح، نواب بہادر یار جنگ، مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلم اکابر بھی ان موقعوں پر عوام سے خطاب کر چکے تھے۔'' (ایضاً، ص:۱۴۸)

مولانا نذیر احمد کو تحریر و قلم سے بھی لگاؤ تھا، آپ نثر و نظم پر یکساں قدرت رکھتے تھے، اور فی البدیہہ شاعری کا کمال حاصل تھا، اپنے والد ماجد اور بڑے ابو کی شان میں لکھے گئے ان کے تین اشعار پیش خدمت ہیں، ان اشعار کے مطالعے سے ان کی ادبی شان اور شعری بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

شہ عبد الحکیم اور شاہ اسماعیل مولانا
زمانے کی نظر میں تھے بہت ہی محترم دونوں
مصنف تھے، مؤلف تھے کہ استاذ زمانہ تھے
رہے معروف وہ اہل سخن اہل قلم دونوں
بنائیں درس گاہیں، علم کے دریا بہانے کو

ہوئے مخدوم ملت صاحب لطف وکرم دونوں

اسی شعری ذوق کا نتیجہ تھا کہ آپ ممبئ میں خاص عرسوں کے موقعوں پر مشاعرے منعقد کراتے تھے، شیخ مصری کی درگاہ میں انھوں نے متعدد مشاعرے منعقد کرائے۔ یہ مشاعرے اکثر طرحی ہوا کرتے تھے۔ جناب خلیل احمد رانا رقم طراز ہیں:

''مولانا خجندی کے اندر شعر وشاعری کا اچھا خاصا ذوق تھا، شاعری کا فن ان کو خاندانی وراثت میں ملا تھا، اس لیے ان کے خاندان کے بیشتر افراد نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ انھیں مشاعرے منعقد کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ وہ عرسوں کے موقعوں پر مشاعرے منعقد کراتے تھے۔ شیخ مصری کی درگاہ، ممبئ میں انھوں نے متعدد مشاعرے منعقد کیے۔''

(قائد تحریک نظام مصطفیٰ علامہ شاہ احمد نورانی، ص:۱۴۸)

مولانا نذیر احمد صدیقی پاک سیرت، خوش طبع اور متوازن الفکر انسان تھے، صبر وشکر اور وضع داری کا جیتا جاگتا نمونہ، شرافت اور سادگی میں ان کی مثال پیش کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی کے مطابق انتقال سے ڈیڑھ برس پہلے آپ مدینہ منورہ چلے گئے تھے، ۱۳۵۵ھ ماہ شعبان میں وہیں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی:

محسن ملت، نازش اہل سنت، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی قادری میرٹھی بتاریخ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو محلہ مشایخان، شہر میرٹھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ (مولانا عبد الحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ کان پور، ص:۲۳۶)

اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم آپ نے گھر ہی پر اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے ذہین تھے۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن مجید مکمل کر لیا۔ ختم قرآن پاک اور ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد ہی آپ کو مدرسہ عربیہ میرٹھ میں داخل کیا گیا۔ آپ کی قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اساتذہ جس قدر درس دیتے تھے اس کا ایک ایک لفظ ذہن نشین ہو جاتا تھا اور جب آپ کے ہم سبق درس کی تکرار کرتے تو آپ استاد کی پوری تقریر سنا دیتے تھے۔ آپ کے اساتذہ کہا کرتے تھے: ہمارا یہ شاگرد مستقبل قریب میں اپنے وقت کا ایسا فاضل ہوگا جو علما اور آبا

واجداد کا نام روشن کرے گا۔

آپ کو طالب علمی کے زمانے ہی سے تبلیغ واشاعت دین، مناظرہ ومکالمہ اور مذاہب عالم کے مطالعے کا شوق تھا۔ ۹ سال کی عمر میں دیانت وذکاوت کا یہ عالم تھا کہ عالمانہ مباحث کرتے تھے۔ جمعہ کے دن اکثر اپنی لکھی ہوئی تقریر ذہن نشین کر کے جامع مسجد میرٹھ میں سناتے تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے اکثر کہا کرتے تھے: خدا نے اگر مجھے موقع دیا تو میں ہندوستان سے نکل کر دنیا کے ہر حصے میں اشاعت دین کروں گا۔ ۱۹۰۵ء میں جب سن بارہ سال کا ہوا تو سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم ختم ہو چکی تھی، بعد میں مولانا عبدالمومن، مولانا قاضی احتشام الدین، مولانا محمد شاہ اور مولانا امجد علی سہارنپوری کے شاگرد ہوئے اور اکتساب علم کرتے رہے۔ اس دوران برادر بزرگ مولانا احمد مختار میرٹھی سے بھی تعلیم وتربیت کا شرف پایا۔ بہ اختلاف روایت سولہ یا سترہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کی صاحب زادی ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی رقم طراز ہیں:

''آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت برادر بزرگ مولانا شاہ احمد مختار صدیقی نے کی، ۷ سال میں قرآن پاک حفظ کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اپنے برادر بزرگ مولانا احمد مختار صدیقی سے بیعت ہوئے، انھوں نے آپ کو بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت کا پروانہ بھی دیا۔ پھر میرٹھ کالج سے بی اے کیا، ساتھ ہی طب کی پیشہ ورانی تعلیم بھی پائی، بعد ازاں آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی، انھوں نے بھی آپ کو خرقہ وخلافت عطا فرمایا۔''

کتب بینی کے شوق نے عربی، فارسی اور اردو کی طرح انگریزی زبان کا ماہر بنا دیا۔ آپ کو چوں کہ ابتدا ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا، اس لیے علوم جدیدہ حاصل کرنے کے لیے اٹاوہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا، ۱۹۱۷ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ میرٹھ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ کو برما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کے لیے تجویز کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو معرکۃ الآرا خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا، وہ برما، ملایا، سیلون اور انڈونیشیا کے گوشے گوشے میں پہنچا۔ اس سے

آپ کی شخصیت ان اطراف میں مشہور ہو گئی۔

آپ کا خاندان عرصۂ دراز سے طریقت و روحانیت کا مرکز تھا۔ حضرت علامہ کی اپنے والد محترم سے بھی بیعت کی روایت ملتی ہے، برادر بزرگ مولانا شاہ احمد مختار صدیقی کے علاوہ شیخ طریقت قطب عالم حضرت شاہ علی حسین اشرفی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہما الرحمہ جیسے اکابر نے آپ کو اسنادِ خلافت دیں۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں:

''آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایما و ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لیے وقف کر دی، اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ محسن ملت امام اہل سنت آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اپنے تلامذہ اور خلفا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عبد علیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

(مولانا عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ کان پور، ص:۲۳۶)

خود مبلغ اسلام علیہ الرحمہ نے بھی تبلیغ دین کے ساتھ رشد و ہدایت اور بیعت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے دیرینہ احباب و مقربین کے خیال کے مطابق ہندوستان اور بیرونِ ہند میں تقریباً تین لاکھ سے زیادہ افراد آپ سے بیعت ہوئے۔ اور لاکھوں غیر مسلم آپ کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جب کسب معاش کا بوجھ حضرت کے کاندھوں پر آیا تو فارسی اور اردو کے معلم ہوئے۔ بعد میں کمیشن ایجنٹ کا کام اختیار کیا۔ ۱۹۱۷ء میں بمبئی پہنچے، تو اپنے کاروباری تجربے کی بنا پر بمبئی کے ایک مشہور تھوک فروش تجار کی دوکان کے منیجر ہو گئے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دو سال کے قلیل عرصے میں حالات تیزی سے بدل گئے۔ حالات نے مجبور کیا اور آپ جذبۂ حب الوطنی اور خدمت دین کے ہاتھوں مجبور ہوئے، سیاسی و قومی تحریکات میں شامل ہو گئے، خصوصاً تحریک

خلافت کے اس دور میں جب کہ انگریزوں کے خلاف زبان کھولنا مشکل ترین امر تھا۔ آپ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، حضرت تاج العلماء مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حضرت مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فاخر الہ آبادی اور دیگر زعماے خلافت کی صف اول میں شامل تھے اور ایک عرصے آپ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے شانہ بشانہ تحریک خلافت میں کام کرتے رہے۔ تحریک خلافت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مسلمانانِ ہند میں شدھی کا جال پھیلانا شروع کیا تو آپ نے تبلیغی مراکز قائم کرنا شروع کیے۔ آپ کو ہر سال ماہِ محرم الحرام میں وعظ فرمانے کے لیے بمبئ بلایا جاتا، جہاں لاکھوں مشتاق دیدار گرویدہ، مہینوں پہلے سے آپ کی آمد کے مشتاق رہتے تھے۔

آپ نے صوبہ بمبئ میں کرناٹک، احمد آباد اور گجرات میں تبلیغی جماعتیں قائم کیں اور ایسی قیادت فرمائی کہ ان اضلاع میں مسلمان شدھی کی لعنت سے محفوظ ہو گئے۔ بمبئ کے دوران قیام آپ نے پونہ میں ایک نیشنل ہائی اسکول قائم کیا جس کا الحاق نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ سے کرایا۔ بمبئ میں آپ نے خدمات تبلیغی ودینی میں سرگرم حصہ لیا۔ (مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، مطبوعہ: رضوی کتاب گھر، دہلی، ۲۰۰۲ء ص: ۶۷)

آپ کی ان مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مولانا عبدالحامد قادری بدایونی سابق صدر جمعیت علمائے پاکستان لکھتے ہیں:

''جب تحریک خلافت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مسلمانان ہند کی سیاسی روح کو ختم کرنے کے لیے مہا سبھائی ہندوؤں نے پہلی بار یوپی اور دیگر صوبہ جات میں شدھی کا جال پھیلانا شروع کر دیا اور گاندھی جی کی سیاست بے نقاب ہوگئی تو مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی اپنے محترم علما اور رفقا کے ساتھ تحریک خلافت سے علاحدہ ہو گئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالماجد صاحب قادری بدایونی نے متھرا، آگرہ، ایٹہ وغیرہ میں تبلیغی مراکز قائم فرمائے اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب نے صوبہ بمبئ، کرناٹک، احمد آباد اور گجرات میں تبلیغی جماعتیں قائم فرمائیں ۔بہترین مبلغین مامور فرمائے اور سارا نظام اپنے ذمے لے کر کامیاب قیادت فرمائی۔ اس نظام کے قیام کا نتیجہ ان اضلاع میں کامیاب ثابت ہوا، مسلمان شدھی کی لعنت سے محفوظ ہو گئے۔''

(روزنامہ جنگ، کراچی، ۳۰/اگست ۱۹۵۴ء)

آپ نے پہلا حج ۱۹۱۹ء میں کیا اور کچھ عرصے تک مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں رہ کر تصانیف اسلام وتعلیمات دین کے شب وروز مطالعے میں مصروف رہے۔اس دوران قیام مکہ میں آپ کی نشست وبرخاست آپ کے عزیز دوست میر عدل (چیف جسٹس) مکہ کے یہاں رہتی تھی۔دینی افکار ہوتے، مذہبی وعلمی مباحثے ومناظر ہوتے۔مکہ کے علما آپ کے عین رفقا میں تھے۔چونکہ آپ دنیا کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی کے ماہر تھے اور مذاہب عالم اور علومِ جدیدہ پر آپ کی نظر وسیع تھی جو ایک جامع مبلغ اسلام میں ہونی چاہیے۔اس لیے آپ نے دنیا کے ہر حصے میں پہنچ کر تبلیغ واشاعت کا ٹھوس کام کیا۔مولانا عبدالحکیم شرف قادری رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب، اور عظیم مفکر اسلام تھے، جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلایل وبراہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا، اور بڑے بڑے سائنس دان، فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے۔آپ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے کہ خود اہل لسان ورطہ حیرت میں رہ جاتے، آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا، جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔'' (مولانا عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ کان پور، ص:۲۳۸)

مولانا سلیمان ندوی سے منسوب ایک تحریر میں ہے:

''مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھ کے ایک پر جوش مبلغ عالم تھے، بریلی میں عربی ومذہبی درسیات کی تکمیل کی ہے، ان کو تبلیغ کا شوق ہوا اور اپنے لیے ہند وچین کے جزیروں اور ساحلی شہروں کا میدان پسند کیا، جو اسلامی ملکوں میں درحقیقت سب سے زیادہ قابل امداد اور عیسائیوں اور قادیانیوں کی زد میں ہیں، سنگاپور جاوا سے لے کر چین وجاپان کے سواحل بلکہ افریقہ کے بھی دور افتادہ مقامات میں ان کا سال بہ سال دورہ رہتا ہے، ادھر چند نو مسلم یورپین کو دیکھا اور حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کی قسمت میں سعادت رکھتا ہے، موصوف کی یہ تبلیغی کوششیں علما

کے لیے قابل تقلید ہیں۔''

دوروں کی کچھ تفصیلات بھی ملاحظہ کرلیں جو''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں'' مرتبہ مولانا یٰلیین اختر مصباحی۔''ماہ نامہ قاری'' دہلی، شمارہ فروری ۱۹۹۱ء۔اور''تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان''،مؤلفہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری سے ماخوذ ہیں۔

۱۹۲۳ء میں سیلون کے مسلمانوں نے آپ کو دعوت دی، آپ سیلون پہنچے تو یہاں کے مسلمانوں میں اختلاف تھا۔آپ نے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کوتوڑ کرایک بنادیا،مسلمانوں کا شیرازہ برہم پھر متحد ہوگیااورآپ وعظ و پند فرماتے رہے۔اسی وقت کا ذکر ہے کہ سیلون کا ایک عیسائی وزیر مسٹر ایف کنگس بیری مسلمان ہوگیااور ہزارہا شخص حلقہ معتقدین میں شامل ہوگئے۔

پیغامات پیہم ملنے پرآپ دوبارہ سیلون تشریف لے گئے۔قیام فرمایا،تبلیغ واشاعت دین فرماتے رہے۔ ۱۹۲۸ء میں یہاں سے انگریزی اخبار''کوکبِ اسلام'' کی بنیاد رکھی۔اخبار بڑے آب وتاب سے نکلتا تھا۔اس اخبار کی ادارت مسٹر موس جے مسجد کرتے تھے۔تمام ممالک اسلامی میں بڑے ہی شوق سے یہ اخبار پڑھا جاتا تھا۔

آپ نے جنوبی مشرقی ایشیائی ممالک کا دورہ ایسے وقت میں کیا جب کہ یہاں کے مسلمانوں کے حالات دگرگوں تھے۔ان پر دوسرے مذاہب کے اثرات زیادہ تھے۔آپ نے طویل عرصے تک سیلون، برما، شیام، انڈونیشیا،فرانسیسی ہند چین، ملایا، چین، جاپان اور سنگاپور میں قیام فرمایااور دنیا کے دیگر مذاہب کو دعوت اسلام دی۔قادیانیوں کی مشنریوں کے اثر یک دم ختم کرنے کی سعی جاری رہی۔عیسائی جماعتوں نے جن ہزارہا مسلمانوں کوعیسائی بنالیا تھا،انہیں پھر دعوت اسلام دی، بیشتر نے قبول اسلام کیا۔اس دوران قیام آپ نے اٹھارہ ہزار مسلمانوں کو جنہیں عیسائی بنادیا گیا تھا از سرنو دین اسلام سے محبت پیدا کرائی۔

برما میں آپ نے انجمن نوجوانانِ برما قائم کی۔اس انجمن کے اراکین برما کے مختلف حصوں میں پہنچ کر اشاعت وتبلیغ کا کام کرتے رہے۔جب آپ انگریزی میں تقاریر فرماتے اور عالمانہ خطبات پڑھتے تو انگریزی طبقہ دل وجان سے آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔خصوصاً ملایا اور ویسٹ انڈیز میں لاکھوں لوگ جمع ہوتے تاکہ حضرت علامہ کی انگریزی تقریر سن سکیں۔سنگاپور،

مالے، پینانگ، کوالالمپور میں مسلمان آپ پر جاں نثار تھے۔ سنگاپور کے دوران قیام آپ نے یہاں سے مشہور انگریزی رسالہ The Genuin Islam جاری کیا۔ اس رسالے کی عنانِ ادارت و تنظیم آپ نے اپنے لائق شاگرد ڈاکٹر ایچ ایس منشی کے ہاتھ میں دی۔ دوسرے لائق شاگرد سید ابراہیم الشگوف کو آپ نے آل ملایا مشنری سوسائٹی کا صدر بنایا۔ اس سوسائٹی کا سنگ بنیاد آپ ہی نے رکھا تھا۔

امریکہ، جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور دیگر یورپی ممالک میں آپ زیادہ عرصے تک دورہ کرتے رہے۔ مقام مسرت بلکہ باعث فخر امر یہ ہے کہ حضرت علامہ کو یورپ اور امریکہ میں تبلیغ واشاعت دین کے دوران وایام قیام میں زیادہ تر علوم جدیدہ کے ماہرین، کالجوں، سائنسدانوں اور یونیورسٹیوں کے فضلا، فلسفیوں، دہریوں اور اپنے علوم وفنون میں کامل عناصر سے سابقہ پڑا، تاریخی ملاقاتیں ہوئیں، عالمانہ مباحثے ہوئے اور الحمدللہ آپ کے سامنے اکثر محققین کو سر تسلیم خم کر کے دولتِ اسلام سے مالا مال ہونا پڑا۔ ایک بار جنوبی افریقہ کے دوران قیام جب آپ ویٹ واٹرس لینڈ (Wit waters rend) یونیورسٹی میں اہم خطبات وتقاریر کے بعد زنجبار، دارالسلام اور ممباسا تشریف لے گئے تو یہاں برنارڈ شا سے ملاقات ہوئی۔

اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

''١٧/اپریل ١٩٣٥ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی، آپ نے برناڈ شا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہ نامہ ''ترجمان اہل سنت'' کراچی شمارہ محرم وصفر ١٣٩٢ھ میں شائع ہو چکا ہے۔'' (تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ: کان پور، ص: ٢٣٩)

افریقہ کے دوران قیام آپ نے فرانسیسی گورنر مسٹر مروارٹ کو اسلام قبول کرایا اور گورنر کے توسط سے آپ نے مراکو مشہور لیڈر غازی عبدالکریم جو قید میں تھے، ان سے ملاقات کی۔ ماریشس کے سفر کے بعد آپ مدغاسکر تشریف لائے اور یہاں سے نیوزی لینڈ میں آپ نے

اپنے لائق شاگرد مسٹر عزیز ایچ عباسی کو تبلیغ کا کام سپرد کیا۔ آسٹریلیا میں مشہور فاضل ڈاکٹر محمد عالم کو تبلیغ و اشاعت کا منتظم مقرر کیا۔

۱۹۳۶ء میں ایک بار پھر جنوبی مشرقی ایشیا کا دورہ کیا۔ اس وقت آپ فرانسیسی ہند چین اور چین میں تقاریر فرماتے رہے جہاں لاکھوں مسلمان یورپین چین اور جاپانی سامعین نے آپ کی مجالس تقاریر و وعظ میں شرکت کی۔ کینٹن، شنگھائی اور پیپنگ میں عرصے تک قیام فرمایا۔ جن سینکڑوں اشخاص نے چین میں آپ کے ذریعے اسلام قبول کیا، ان میں زیادہ تر تجار، اہل علم، پروفیسر اور اساتذہ شامل تھے۔ جاپان پہنچنے کی دیرینہ آرزو دل میں تھی۔ جاپان کے مشہور شہر کعب (kab) کی جامع مسجد کمیٹی نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ جاپان کے مسلمان آپ کی تقاریر کے دلدادہ تھے۔ آپ انگریزی ہی میں گفتگو اور تقاریر فرماتے تھے اور جس جگہ زبان کی دشواری پیش آتی تو مترجم سے کام لیتے تھے۔

جاپان کی اور نیشنل کلچر سوسائٹی ٹوکیو نے آپ کو خاص طور پر مدعو کیا۔ یہاں آپ تعلیمات اسلام پر تقاریر فرماتے رہے اور تبلیغ و اشاعت دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اسی عرصے میں شب و روز کی مصروفیت اور عرق ریزی کی وجہ سے آپ کی صحت پر بھی اثر پڑا۔ آپ کو تنفس کے دورے پڑتے رہے۔ مزید چند دن قیام کے بعد آپ مصر واپس چلے آئے۔ مولانا چونکہ عربی زبان میں مہارت تامہ رکھتے تھے اس لیے سارے مصر میں آپ عربی میں تقاریر فرماتے رہے۔ تاریخ مصر میں آپ پہلے غیر ملکی شخص تھے جس نے مصر کے اندروں حصوں میں پہنچ کر عربی میں تقاریر کیں۔ مصر کے بعد سیریا، عراق، لبنان اور بعد میں ترکی آئے۔

ترکی و بلاد اسلامیہ کے دورے کے بعد آپ یورپ تشریف لے گئے۔ روم میں مشہور شہر وٹی کان سٹی جو پاپائے روم کا صدر مقام ہے، وہاں قیام کیا۔ یونیورسٹیوں اور بے شمار علمی اداروں میں تقریر کرتے رہے۔ پاپائے روم سے ملاقات کی۔ پاپائے اعظم کو آپ نے ایک عرضداشت بھی پیش کی۔ آپ نے پاپائے اعظم کو دعوت دی کہ وہ کمیونزم (جو خدا پر ایمان کے قائل نہیں ہیں) کے خلاف مولانا کی مہم میں شریک ہوں اور خدا کی وحدانیت پر اتفاق کریں۔ روم میں قیام کے بعد مولانا اسپین، پرگالی جرمنی اور ہالینڈ تشریف لے گئے۔ یہاں مختصر قیام کے بعد آپ

انگلستان روانہ ہوئے اور عرصے تک لندن، برمنگھم، کارڈف وغیرہ جیسے شہروں میں تبلیغ واشاعت کرتے رہے۔ انگلستان کے ان بڑے شہروں میں آپ کی تقریر سننے کے لیے لاکھوں انگریز جمع ہوتے تھے۔ اس کے بعد امریکی اور افریقی ممالک کے بھی دورے ہوئے۔

افریقہ کے دوران قیام آپ کی ملاقات وہاں کے وزیر اعظم ڈاکٹر ڈی ایف ملان سے ہوئی۔ ڈاکٹر ڈی اے ڈومیگنر جونیٹال کے ناظم تھے۔ یہاں آپ کے شاگرد رشید مسٹر آر اے محمد پورٹ لوئس کے میئر (میر شہر) تھے۔ دوسرے شاگرد محمد اسحاق عبداللطیف تنظیم واشاعت دین کا کام کیا کرتے تھے۔

آپ نے کینیا اور برٹش ایسٹ افریقہ میں کئی نئی مساجد کا افتتاح کیا۔ آپ کی زندگی کا ایک طویل حصہ دنیا کی بے شمار کانفرنسوں، سوسائٹیوں اور انجمنوں کی شرکت میں گزرا۔ دنیا کے تقریباً ہر حصے میں پہنچے اور تبلیغی ادارے، کالج، لائبریریاں، مدارس اور مساجد قائم کیں اور قائم کرائیں۔ سائنس اور فلسفے کے ماہرین اور یونیورسٹیوں کے فضلا سے معرکۃ الآراء مباحثے ہوئے۔ ان فضلا میں سے بیشتر آج دنیا کے مختلف ممالک میں اسلام کی ترویج اور اشاعت کے لیے کوشاں ہیں اور بے شمار علما بحیثیت مبلغ اسلام کام کر رہے ہیں۔

دنیا کے جس ملک میں آپ قیام فرماتے آپ کی توجہ ہمیشہ مدینہ منورہ و مکہ معظّمہ پر مرکوز رہتی۔ حکومت سعودی عربیہ نے ایک عرصہ دراز سے ٹیکس لگا رکھا تھا۔ آپ نے اس پر پُر زور احتجاج کیا۔ وفد آپ کی قیادت میں مکہ معظّمہ پہنچا۔ امیر وفد کی حیثیت سے آپ ابن سعود سے ملے۔ منیٰ اور مدینہ منورہ میں بھی قیام کیا۔ مشاہیر عالم اسلامی سے تبادلہ خیال ہوا۔ مولانا نے ابن سعود سے کئی ملاقاتیں کیں۔ پہلی ملاقات تقریباً سوا دو گھنٹے تک جاری رہی۔ حضرت علامہ نے حج ٹیکس نہ لگانے کی تجویز کو اس عالمانہ خوش اسلوبی سے پیش فرمایا کہ ابن سعود مجبور ہوئے اور کہا: حج پر ٹیکس حرام ہے۔ میں نے یہ ٹیکس اس لیے لگایا ہے کہ قبائل کے لوگوں پر آمدنی صَرف کروں۔ میں جلد ہی ٹیکس کے انسداد کی تجویز پر عملی قدم اٹھاؤں گا۔ بالآخر ٹیکس معاف ہو گیا۔ اس وقت سے لاکھوں عاشقانِ حرم کو ہر سال معمولی خرچ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرتے تھے۔ لیکن افسوس اب سعودی حکومت اپنے پرانے ڈھب پر واپس آچکی ہے۔

اراکین وفد جب اپنے اپنے ملکوں کو واپس آئے تو آپ بھی ہندوستان تشریف لائے اور بمبئ میں عرصے تک قیام کے بعد آپ مصر، عالم اسلامی اور پھر کل دنیا کے دورے پر روانہ ہوگئے۔ بعدہٗ یورپ اور امریکہ کا مزید دورہ کیا۔ اس طویل سفر میں آپ نے ہر جگہ مزید مشنری، ادارے، اسلامی سوسائٹیاں، مدارس اور لائبریریاں قائم کرائیں۔ ہزارہا جلسوں اور کانفرنسوں میں تقریریں کیں، اسلامی لٹریچر ہر ملک کی زبان میں شائع کراتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کل دنیا کے دورے سے ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچے اور صدر بازار میں قیام فرمایا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پہلی نماز عیدگاہ میں حضرت مولانا کی امامت میں ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح و تمام عمال جماعت میں شریک ہوئے۔

کراچی سے حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سے حضرت پھر عالمی دورے پر روانہ ہوگئے۔ یہ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا، یہ پوری دنیا کا آخری دورہ تھا، جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، برٹش، گیانا بڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینیڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور سیلون تھے۔ لیکن اس طویل سفر میں آپ کا مزاج برابر خراب رہا۔ چنانچہ انتقال سے سات یا آٹھ ماقبل آپ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف سے متصل ایک مکان میں مستقل اقامت پذیر ہوگئے۔ ۱۹۵۴ء میں آپ کی علالت تشویش ناک ہوگئی۔ سلسلۂ علالت ماہ رمضان المبارک سے قبل جاری تھا۔ خفیف بخار وضیق النفس وحبس ریاح آپ کے قلب پر اثر انداز ہوئے لیکن رمضان المبارک کے روزے پورے رکھے۔ حرم محترم میں حاضر رہتے، نمازِ تراویح میں شریک اور مکان پر نماز تہجد بلا ناغہ ادا کرتے۔ دو ماہ کے قلیل عرصے میں یکا یک حالت دگرگوں ہوگئی۔ بالآخر ۲۲ والحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۲ر اگست ۱۹۵۴ء کی شب دوشنبہ نصف شب ہوتے ہی آپ بائیں کروٹ ہوئے، سر حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی جانب کیا اور قبلہ رو ہوکر ایک عالمِ استغراق میں کھوگئے۔ چند لمحات بھی نہ گزرے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ دوسرے دن صبح جسدِ مطہر کو آب زمزم سے غسل کرایا گیا۔ بہ اختلاف روایت نماز جنازہ علامہ مرحوم کے مشفق دیرینہ مولانا محمد علی حسین الباقری الحنفی یا حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مدنی نے پڑھائی۔

(مفتی محمود احمد قادری، تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص:۱۶۶)

بعدۂ مسجدِ نبوی میں بابِ جبرئیل سے نکل کر آپ کی دیرینہ آرزو کے مطابق جنت البقیع میں سپردخاک ارض پاک کیا گیا۔ (ماہ نامہ قاری، دہلی، شمارہ: فروری ۱۹۹۱ء)

آپ کی تصانیف میں (۱) ہائی وائی لاگ وتھ برناڈ شا۔ (۲) ان پر پچول کلچر ان اسلام۔ (۳) مسلم رول ان سائٹیفک وسکوریز۔ (۴) ذکر حبیب۔ (موضوع: میلاد شریف) (۵) بہارِ شباب (موضوع: نوجوانوں کی اصلاح میں) اور (۶) ''ردقادیانی'' قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبد الحکیم شرف قادری نے آپ کی اردو، انگریزی گیارہ کتابوں کا نام پیش کیا ہے۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ کان پور، ص:۲۴۱، ۲۴۲)

اور مولانا محمد ادریس رضوی نے چھوٹی بڑی ۲۵ کتب ومقالات کے اسما گنائے ہیں۔

(امام احمد رضا کے مبلغین، مطبوعہ غوث الوریٰ اکیڈمی، کلیان، ۲۰۱۴ء ص:۹۲، ۹۳)

مشہور مذہبی جرائد واخبارات، جو آپ نے جاری فرمائے یہ ہیں: دی مسلم ڈائجسٹ ڈربن (جنوبی افریقہ)، اسٹار آف اسلام، سیلون، پاکستان نیوز، جنوبی افریقہ، اسلامک ورلڈ اینڈ یو ایس اے، امریکہ وغیرہ۔ دیگر اسکول، لائبریریوں، تبلیغی اداروں اور سوسائٹیوں کی تعداد ہزار سے تجاوز کرگئی ہے۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے، علیمؔ تخلص اختیار فرماتے تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ کی نعتیہ شاعری کیف وکم ہر دو اعتبار سے لائق تحسین ہے، راقم سطور (توفیق احسنؔ برکاتی) نے ''مبلغ اسلام کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کی جھلکیاں'' کے عنوان سے الگ سے ایک مضمون قلم بند کیا ہے، جو ماہ نامہ پیام حرم، جمدا شاہی بستی کے مبلغ اسلام نمبر میں شامل ہے۔ اسی مضمون میں ایک واقعہ یوں درج کیا ہے:

''ممدوح گرامی مبلغ اسلام علامہ الشاہ عبد العلیم صدیقی، قادری، رضوی، میرٹھی قدس سرہ العزیز حرمین طیبین سے واپسی پر عاشق رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک طویل منقبت نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھ کر سنائی، جس کے چند اشعار قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

قسیم جاں عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
غریق بحر الفت مست جام بادۂ وحدت
محبّ خاص منظور حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو
علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

''حیات اعلیٰ حضرت'' میں ہے کہ جب مولانا اشعار پڑھ چکے تو حضور (امام احمد رضا) نے ارشاد فرمایا: مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ (اپنے عمامے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جو بہت ہی قیمتی تھا۔ فرمایا) اگر اس عمامے کو پیش کروں تو آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمتی ایک جبہ ہے، وہ حاضر کیے دیتا ہوں، اور کاشانۂ اقدس سے سرخ کاشانی مخمل کا جبہ لاکر عطا فرمادیا۔ جو ڈیڑھ سو روپے سے کسی طرح کم قیمت کا نہ ہوگا۔ مولانا ممدوح نے سروقد کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ پھیلا کر لے لیا، آنکھوں سے لگایا، لبوں سے چوما، سر پر رکھا، سینے سے دیر تک لگائے رہے۔''

(علامہ ظفرالدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ گجرات، ص:۱۷۸ ج۱)

مولانا عبدالحکیم شرف قادری یہ واقعہ لکھنے کے بعد نتیجے کے طور پر فرماتے ہیں:

''اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدے کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ آج کل وہ خلوص ومحبت کہاں جو ان مقدس ہستیوں کا طرۂ امتیاز تھا۔''

(تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ: کان پور، ص:۲۳۷)

آپ کی لکھی ہوئی ایک مناجات جو آپ کی کتاب ''ذکر حبیب'' میں شامل ہے یہاں پیش کی جارہی ہے:

الٰہی! وہ زباں دے جو ثنا خوانِ محمد ہو

ثنا ایسی ہو جو ہر آئینہ شایانِ محمد ہو
وہ جان پاک دے یا رب جو قربانِ محمد ہو
وہ دل سے جو شکار تیر مژگانِ محمد ہو
بدل جائے شبِ بختِ سیہ، صبحِ دل آرا سے
اگر جلوہ نما روئے درخشانِ محمد ہو
علیمؔ خستہ جاں تنگ آ گیا ہے دردِ ہجراں سے
الٰہی ! کب وہ دن آئے کہ مہمانِ محمد ہو

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے محبوب خلیفہ اور داماد حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری قادری رحمہ اللہ تعالیٰ (بین الاقوامی تبلیغی جماعت ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز کے بانی وصدر) اور فرزندار جمند حضرت مولانا علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ (صدر جمعیت علمائے پاکستان) اور ان کے بعد حضرت مولانا شاہ انس نورانی مدظلہ العالی نے نہ صرف علامہ صدیقی کے مشن کو جاری رکھا بلکہ اسے مزید آگے بڑھایا، یہ سلسلہ آج تک قائم وباقی ہے۔

(مبلغ اسلام کی حیات وخدمات پر مزید حوالہ جاتی کتب میں تذکرہ علمائے اہل سنت، مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری، خلفائے اعلیٰ حضرت، مؤلفہ ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی، تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، مرتبہ محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری، امام احمد رضا کے مبلغین، مؤلفہ مولانا محمد ادریس رضوی اور ماہ نامہ پیام حرم کا مبلغ اسلام نمبر مطالعے کی زینت بنائے جاسکتے ہیں۔ اور بے حد خوشی کی بات تو ہے کہ علامہ مبلغ اسلام پر بزبان انگریزی ایک فاضل اشرفیہ محبّ گرامی مولانا اشرف الکوثر مصباحی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے پی، ایچ، ڈی کررہے ہیں۔)

شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی رضوی:

تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا، شیر بیشۂ اہل سنت، مناظر اعظم ہند، عبید الرضا حضرت علامہ مفتی حشمت علی قادری رضوی علیہ الرحمہ جماعت اہل سنت کی ان قد آور اور عدیم المثال شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے علمی وعملی طرز پر مذہب حق کے محقق افکار و ثابت شدہ تعلیمات کی بھرپور

نمائندگی کی ہے، تلامذۂ امام احمد رضا میں آپ کئی جہتوں سے امتیازی شان کے مالک ہیں، بہ حیثیت مناظر ان کا مقام کافی بلند و بالا ہے۔ آپ کی ولادت لکھنؤ میں حضرت مولانا صوفی عبد الرحمٰن لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ مقدسہ کے قریب آفریدی النسل گھرانے میں ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں ہوئی، سلسلہ نسب یہ ہے: محمد حشمت علی خان ابن ابوالحفاظ محمد نواب علی خان ابن محمد حیات خان ابن محمد سعادت خان ابن محمد خان۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کا نام والد ماجد نے ''محمد حشمت علی'' رکھا اور مولانا ابوالوقت شیر اسلام محمد ہدایت رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ''محمد صدیق'' تجویز فرمایا۔ آپ کے والدین حضرت مولانا ہدایت رسول قادری علیہ الرحمہ سے شرف ارادت رکھتے تھے۔ حضور شیر بیشۂ سنت اپنا سن ولادت اس جملے سے فرماتے تھے: ''سگ بارگہ بغداد'' (۱۳۱۹ھ)۔

شعور بیدار ہوا تو الحاج صوفی کریم بخش علیہ الرحمہ نے بسم اللہ پڑھائی اور تعلیم کا آغاز ہوا، قاعدہ بغدادی اور ناظرۂ قرآن حافظ و قاری غلام طٰہٰ ٹونکی سے پڑھا، پھر مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں داخل ہوئے اور حفظ قرآن مکمل کیا، اس وقت آپ کی عمر شریف دس برس تھی اور والد ماجد نے حفظ قرآن کی تقریب بڑی شان سے منائی تھی۔ آپ نے پہلی محراب سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی کی مسجد میں سنائی تھی۔ گیارہ برس کی عمر میں آپ نے تجوید میں روایت حفص کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوئے، تیرہ برس کی عمر میں قرات سبعہ اور چودہ سال کی عمر میں قرات عشرہ کی سند حاصل کی۔ مشہور خطاط منشی شمس الدین اعجاز رقم سے خوش خطی میں کمال حاصل کیا۔ آپ کی عمدہ صلاحیت کے باعث مولانا عین القضاۃ آپ کو اپنے مدرسے کا آفتاب کہا کرتے تھے۔

درس نظامی کی تعلیم بھی شروع ہوئی، آساتذہ میں دیوبندی خیال کے لوگ تھے، مدرسہ فرقانیہ میں آپ کے اساتذہ و مہتمم سب کافی مہربان تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کا آٹھ روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس دوران حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے ایک روز والدہ ماجدہ مرحومہ کے پاس مجدد اعظم امام اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی مصنفہ کتاب ''تمہید ایمان'' دیکھی، پھر جب اسے پڑھا اور مکمل مطالعہ کیا تو دیوبندیوں کی بد مذہبیت کی پوری حقیقت

سمجھ میں آ گئی، اسی وقت گھر میں ہی وہابیہ دیوبندیہ کی حمایت سے توبہ کی۔ آپ کے اولین سوانح نگار برادر اصغر مفتی محبوب علی رضوی لکھتے ہیں:

''والد ماجد اور (والدہ) محترمہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی، اب جو حضرت شیر بیشۂ سنت ''رضی اللہ عنہ یا حکم'' (۱۳۸۰ء) مدرسہ پہنچے تو آپ سنیوں کے ایک مناظر کی حیثیت میں تھے۔'' (سوانح شیر بیشۂ سنت، مطبوعہ کان پور، ۲۰۰۵ء، ص:۳۸)

''تمہید ایمان'' آپ کی دینی حیات کا ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوئی اور مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی علمی شخصیت کا نور آپ کے دل میں ایسا سمایا کہ پھر کبھی نہ نکل سکا، یہ اسیری زندگی کے آخری لمحے تک باقی رہی۔ واقعہ یوں ہے کہ حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کسی کام سے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ خبر ملی تو والد ماجد کے ساتھ شیر بیشۂ اہل سنت بھی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور حضور سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کے بعد جلد ہی بریلی شریف حاضر ہو کر امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور واپس تشریف لائے۔ (مصدر سابق، ص:۳۹)

مفتی محمود احمد قاری لکھتے ہیں:

''بریلی پہنچنے سے پہلے فرنگی محل (لکھنؤ) میں حضرت صدر الشریعہ استاذ الہند مولانا شاہ امجد علی اعظمی سے مرید ہوئے۔'' (تذکرۂ علمائے اہل سنت، ص:۸۳)

بہ ظاہر دونوں باتوں میں تضاد نظر آتا ہے، لیکن ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مسئلہ ارادت کو یوں صاف کرتے ہیں:

''شیر بیشۂ اہل سنت وکالتہً بیعت مصنف بہار شریعت حضرت مولانا محمد امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کر چکے تھے لیکن جب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف پہنچے، تو آپ نے یہاں اس بیعت کی تجدید فرمائی۔''

(سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ مقدسہ، نومبر ۲۰۱۴ء، ص:۲۱۱)

خدائے بخشندہ نے حافظہ بلا کا بخشا تھا، مدرسے میں آپ کی ذہانت کا شہرہ تھا، بریلی سے واپسی کے بعد مدرسہ فرقانیہ میں آپ کی سنیت کا کافی چرچا رہا، اب مدرسے کے دیوبندی طلبا

ومدرسین سے اختلافی موضوعات پر بحثیں ہونے لگیں، اعتراضات کی بھرمار اور آپ کی جانب سے ان کے مسکت جوابات اور رد بلیغ۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ تعلیم میں کافی خلل پڑنے لگا تو بریلی شریف مرشد گرامی کی بارگاہ میں عریضہ روانہ کیا اور صورت حال بتائی، جواب آیا کہ فوراً آجاؤ۔

۱۳۳۶ھ میں آپ بریلی شریف حاضر ہوئے اور دارالعلوم اہل سنت منظر اسلام میں باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی، منظر اسلام کے جید اساتذہ اور شیخ کامل کی نگاہ کرم سے دن بہ دن علمی وروحانی عروج حاصل کرتے رہے اور تپ کر کندن بنتے رہے۔ مدرسہ میں پڑھتے بھی اور مسجد بی بی صاحبہ میں امامت بھی کرتے، اور تعلیم وامامت سے جو وقت بچ رہتا اس میں مرشد گرامی امام احمد رضا کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر علم وفن اور بحث ومناظرہ کے گوہر نایاب چنتے رہے۔ اساتذہ میں صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، صدرالافاضل علام سید نعیم الدین مرادآبادی، مولانا محمد رحم الٰہی منگلوری، مولانا نورالحسن رام پوری، اور مولانا ظہورالحسن رام پوری وغیرہم کا نام قابل ذکر ہے۔ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قادری علیہ الرحمہ سے بھی اکتساب علم کیا، تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند سے بخاری شریف کا دورہ کیا اور مزید حدیث کی کتابیں پڑھیں اور بعض اسباق خود امام احمد رضا قادری سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۳۳۸ء میں مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید خاص وخلیفہ مولوی یٰسین خام سرائی نے ہلدوانی منڈی میں سنیوں کو مناظرے کا چیلنج دیا، وہاں کے سنیوں نے مجدد اعظم امام احمد رضا کو خط لکھا کہ کوئی عالم مناظر جلد روانہ فرمائیں کہ فلاں تاریخ کو جامع مسجد میں مناظرہ ہے اور دیوبندیوں کی طرف سے یٰسین خام سرائی مناظر ہوگا۔ بریلی شریف میں شیر بیشہ اہل سنت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کو باہر سے آئے ہوئے خطوط پڑھ کر سنا رہے تھے، یہ خط بھی سنایا اور عرض کیا کہ حضور! ارشاد فرمائیں تو یہ فقیر اس مناظرے کے لیے جائے، فرمایا، کہ بہت مناسب ہے، آپ جایئے۔ یہ شیر بیشہ اہل سنت کی زندگی کا پہلا مناظرہ تھا، وہ بھی زمانہ طالب علمی کا اور عمر انیس برس، گویا زمانہ طالب علمی ہی میں یہ صلاحیت اللہ عزوجل نے انھیں عطا فرمادی تھی اور قدرت الٰہیہ غیب سے ان کی دست گیری کر رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہلے ہی مناظرے میں سنیوں کو فتح ملی اور آپ کامیاب ہوکر بریلی شریف تشریف لائے۔

مفتی محبوب علی رضوی لکھتے ہیں:

''حضرت شیر بیشہ سنت حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام وقدم بوسی کے بعد ایک کنارے بیٹھ گئے اور ان مشاہدین (جو ہلدوانی سے ساتھ آئے تھے) نے یہ عریضہ پیش کیا، چشم دید واقعات زبانی عرض کیے۔ تمام باتوں کو حضور اعلیٰ حضرت نے بغور سماعت فرمایا اور تبسم کناں حضرت شیر بیشہ سنت کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''ماشاء اللہ! آپ تو ابو الفتح ہیں۔'' قریب بلایا اور خود کھڑے ہو کر حضرت کو سینہ اقدس سے لگایا، اپنا عمامہ مبارک حضرت شیر بیشہ سنت کے سر پر رکھ دیا، اپنا جبہ شریف عطا فرمایا اور پانچ روپے نقد عطا فرمائے۔''

(سوانح شیر بیشہ سنت، کان پور، ۲۰۰۵ء، ص: ۴۳)

اسی موقع پر امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے مدرسے کا قبض الوصول طلب فرما کر اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ: حشمت علی میرا روحانی بیٹا ہے، آج سے میں ان کا پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔'' مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اور نبیرۂ امام احمد رضا مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خان جیلانی علیہ الرحمہ شیر بیشہ اہل سنت کو زندگی بھر پابندی کے ساتھ یہ وظیفہ ادا فرماتے رہے۔''

(مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۳۳)

علامہ حشمت علی لکھنوی علیہ الرحمہ نے بارگاہ مرشد میں رہ کر علم وتحقیق، فقہ وافتا، بحث ومناظرہ، اور تصنیف وتالیف کا ذوق پروان چڑھایا اور روحانیت کی بلندیاں حاصل کیں۔ ۱۳۳۸ھ میں بھوالی نینی تال کے سفر میں بھی امام احمد رضا کی رفاقت نصیب رہی، یہ رمضان آپ نے اعلیٰ حضرت کے ساتھ بھوالی میں گزارا اور آپ کے چھوٹے بھائی مفتی محبوب علی رضوی تراویح کی نماز پڑھانے کے لیے بریلی بلائے گئے۔ ۱۳۳۹ھ میں امام احمد رضا کے آخری سفر بھوالی میں شیر بیشہ سنت کو ان کی ہمراہی کا شرف ملا، انھیں ایام میں امام احمد رضا نے آپ کو ''ولد مرافق'' اور ''غیض المنافقین'' کے لقب سے نوازا۔ امام احمد رضا کی رفاقت میں یہ دو اسفار چار چار پانچ پانچ ماہ پر مشتمل تھے، جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں، استاذ ومرشد کا فیضان

سحاب کرم بن کر برستا رہا اور یہ باادب تلمیذ ومرید اس میں نہاتا رہا۔ یہ شیر بیشہ اہل سنت کی حیات کا بے حد قیمتی اور انتہائی کارآمد سال تھا کہ بارگاہ امام میں رہ کر وہ اپنی علمی وروحانی زندگی کو مسلم الثبوت بنا رہے تھے۔ اسی فیضان وتربیت کا نتیجہ تھا کہ ''**اشداء علیٰ الکفار ، رحماء بینھم**'' کی عملی تفسیر بن کر دینی وعلمی خدمات سے بھرپور زندگی گزاری۔

مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''آپ کا نام نامی رد وہابیہ، دیوبندیہ میں بہت مشہور ہے۔ بزرگوں کے بڑے ادب شناس تھے، اپنی غلطی معلوم ہونے پر معافی طلب کرنے میں مطلق تاخیر نہیں فرماتے۔ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف تھے۔'' (تذکرہ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص:۸۲)

مذکورہ دونوں اوصاف میں لوگ عموماً افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں، دشمنوں پر نرمی برتنے لگتے ہیں اور اپنوں پر شدت، وجہ صاف ہے کہ لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا، وہ یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے کہ ان سے بھی خطا ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے وہ خیر خواہوں کو بدخواہ سمجھنے لگتے ہیں اور ان پر سختی کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ دشمنان رسول وہابیہ، دیابنہ سے پینگیں بڑھانے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں مخالفین کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بھی بڑا خطرناک مرض ہے، جس کا شکار آہستہ آہستہ راہ راست سے بھٹکنے لگتا ہے اور پھر بالکل دور چلا جاتا ہے۔ اس لیے دونوں جانب حد بندی لازمی ہے، دونوں سرحدوں کی رعایت ضروری ہے، دشمنوں پر سختی بھی اور اپنوں پر نرمی بھی۔ حضور شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ ان دونوں اوصاف میں کامل تھے اور یہی تا زندگی آپ کا وطیرہ رہا۔

ماہ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کا وصال ہوا، اس سے قبل امام احمد رضا قادری قدس سرہ آپ کو اپنی خلافت سے نواز چکے تھے۔ اسی سال ماہ شعبان المعظم میں دارالعلوم اہل سنت منظر اسلام بریلی شریف کے امتحان میں آپ اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے اور سالانہ جلسہ عام میں مسجد بی بی صاحبہ میں علما ومشائخ کے دست مبارک آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اسی موقع پر حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قادری نے آپ کو سلسلہ قادریہ کی خلافت دی اور اپنا جبہ پہنایا۔ ساتھ ہی صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی، اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ

رضا نوری علیہما الرحمہ نے بھی اپنی اپنی خلافتوں سے نوازا۔امام احمد رضا کی تربیت خاص اور اجل علما کی صحبتوں نے آپ کا علمی وروحانی پایہ کافی بلند کردیا تھا،جبھی تو اتنی عظیم عظیم روحانی امانتیں آپ کے حوالے کردی گئی تھیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی رقم طراز ہیں:

''امام اہل سنت نے آپ کی ایسی تربیت کی اور آپ پر فیوض وبرکات کی ایسی بارش فرمائی کہ علم وفضل میں یکتائے روزگار ہوگئے۔علوم شرعیہ،علوم عقلیہ اور علوم ادبیہ میں بالا دستی حاصل ہوگئی۔۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے جلسہ عام میں اس دور کے مقدس ترین علما کے ہاتھوں آپ کی دستار بندی ہوئی اور سند فراغت سے سرفراز فرمائے گئے۔اسی سال امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا،مگر فتویٰ نویسی کا کام آپ نے اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ میں شروع فرمادیا تھا۔''

(سال نامہ اہل سنت کی آواز،مارہرہ مقدسہ،نومبر ۲۰۱۴ء،ص:۱۹۱)

حضور حجۃ الاسلام کے خلف اکبر مفسر اعظم ہند مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ اباجی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے:''اللہ تعالیٰ نے مجھے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ،ایک مولانا سردار احمد صاحب اور ایک حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب''۔اور یہ سیدنا حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی نگاہ مبارک کا اثر ہے کہ دونوں ہی ہم ذوق وہم مزاج،سخت متصلب اور جذبۂ تبلیغ سے سرشار تھے۔''

امام احمد رضا،حجۃ الاسلام،صدر الشریعہ اور مفتی اعظم ہند کے علاوہ شیر بیشۂ سنت کو حضرت مولانا الحاج محمد ابو القاسم سید اسمٰعیل حسن احمدی مارہروی،حضرت مولانا الحاج سید فتح علی قادری ،حضرت بابرکت مولانا الحاج محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی،حضرت مولانا ابو المسکین محمد ضیاء الدین رضوی تلہری،حضرت مولانا عمر ابوبکر قادری پوربندری وغیرہم نے بھی مختلف اجازتوں سے نوازا تھا بلکہ مفتی محبوب علی رضوی لکھتے ہیں کہ''مجھے یاد آتا ہے کہ حضور سیدی تاج العلماء حضرت مولانا مولوی حافظ قاری مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی قاسمی مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی حضرت شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ نے تبرکاً اجازت حاصل کی تھی۔''

(سوانح شیر بیشہ سنت، مطبوعہ کان پور، ۲۰۰۵ء، ص: ۴۸، ۴۹)

تحصیل علم وفن سے فراغت کے بعد منظر اسلام بریلی میں آپ نے تدریس کا مشغلہ شروع کیا، مدرسہ مسکینیہ، دھوراجی گجرات میں صدرالمدرسین کے عہدے پر فائض رہے اور مدرسہ اہل سنت پادرہ ضلع بڑودہ گجرات میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد میں تقریری دوروں اور مناظروں میں شرکت کی بنا پر تدریس کا کام تقریباً موقوف ہوگیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کے موسسین اولین میں آپ کا نام جلی حروف میں نظر آتا ہے، جماعت رضائے مصطفیٰ کے مفتی رہے، جماعت کے شعبہ تبلیغ کے بھی سرگرم رکن تھے اور جماعت کی جانب سے مناظر بھی نامزد تھے۔ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے خطبات رضویہ کے جامع ومرتب بھی آپ ہی ہیں، یہی نہیں بلکہ میلاد شریف کو موضوع پر امام احمد رضا قادری کے بیان کے ناقل وجامع بھی آپ ہی ہیں۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے شعبہ نشر واشاعت سے آپ کی کئی کتابیں طبع ہوئیں۔ جن میں **الصوارم الهندية علیٰ مکر شياطين الديوبندية**، حق کا خنجر، تقریر منیر قلب، **راد المهند**، شمع ہدایت، **الانوار الغيبية** ، **نصرة الواعظین** مکمل، اور کلام فائق، قابل ذکر ہیں۔

(تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۳ تا ۱۱۰)

جماعت رضائے مصطفیٰ کے متعلق آپ فرماتے ہیں: ''جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء حمایت دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سرگرم جماعت ہے، یہ ایک مبارک گلشن ایمان افروز، کفر سوز ہے جس کی ایمان افروز شمیموں سے دماغ اہل ایمان معطر، جس کے نائرجلال سے قلوب اہل کفر خاکستر، جس نے دین حق کی سچی حمایت اور اعدائے دین کی نکایت کی۔'' (مصدر سابق، ص: ۴۱۹)

شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی تعداد ہے جس میں سید العلماء حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی، احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی، مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں، شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی، مفتی احمد میاں قادری، مفتی ابو طاہر محمد طیب دانا پوری، حضرت سید شاہ حسن میاں، خلف اکبر علامہ مشاہد رضا خان اور مولانا قاری احمد احسن قادری پانی پتی وغیرہم خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہیں، مفتی

محبوب علی رضوی نے آپ کے ۲۷ تلامذہ کی فہرست اپنی مرتبہ کتاب میں پیش کی ہے۔

علوم وفنون اور فتویٰ نویسی میں حد درجہ مہارت کی بنیاد پر تدریس وتصنیف کے ساتھ فن ناظرہ میں آپ کو کمال حاصل تھا، یہ وہ وصف ہے جس میں دور دور تک آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، غیر منقسم ہندستان میں آپ کی خطابت کے ساتھ مناظرہ کی دھوم تھی، مخالف جماعتوں کے لیے ''حشمت علی'' نام ہی سوہان روح تھا۔ وہابیہ دیابنہ آپ کا نام سن کے کانپ جایا کرتے تھے، آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ دین وسنیت کی تبلیغ اور باطل فرقوں کی تردید وابطال میں گزرتا تھا، آپ نے داخلی فتنوں کے سد باب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، جہاں جاتے فتح ونصرت ان کے قدم چومتی۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ جس شان وارفتگی کے ساتھ حضور شیر بیشہ اہل سنت نے اسلام کو داخلی فتنوں سے پاک کیا اس کی مثال دور حاضر میں نہیں ملتی اور یہ بھی ایک امر مسلم ہے کہ اسلام کو جتنا اندر سے نقصان پہنچا ہے باہر سے نہیں۔ صدر اول کا وہ فتنہ جس نے ایوان اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور آج تک اس کی دھمک محسوس ہوتی ہے، وہ اندر سے ہی برپا ہوا تھا۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ مرد مومن اپنے وقت کا بہت بڑا مجاہد ہے جو دین مصطفیٰ کو اندر سے پاک کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور بے مثال جرأت و پامردی کے ساتھ باطل کی بساط الٹ کر حق کو برتر و غالب کر دے۔''

(علامہ ارشد القادری، شخصیات، مرتبہ ڈاکٹر غلام زرقانی، دار الکتاب، دہلی، ۲۰۰۷ء ص: ۱۷۸)

بہ حیثیت مدرس، بہ حیثیت مصنف، بہ حیثیت خطیب اور بہ حیثیت مناظر شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ کے علمی نشانات کافی گہرے ہیں اور ان میدانوں میں آپ کی مثالی کامیابیاں بڑی اہم ہیں۔ کتب ورسائل کی تصنیف اور فتویٰ نویسی کے اعتبار سے بھی آپ کے علمی آثار محفوظ ومسلم ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کی چار درجن سے ائد کتابوں کی نشان دہی کی ہے، چند کا نام پیچھے گزر چکا ہے، تفصیل سوانح شیر بیشہ سنت، مصنفہ مفتی محبوب علی رضوی، مفتی اعظم اور ان کے خلفا، مصنفہ مولانا شہاب الدین رضوی، مولانا حشمت علی لکھنوی: ایک تحقیقی مطالعہ، مصنفہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، اہل سنت کی آواز، نومبر ۲۰۱۴ء، کتابی سلسلہ پیغام رضا ممبئ، گوشہ شیر بیشہ

اہل سنت، مرتبہ مولانا رحمت اللہ صدیقی، اپریل تا جون ۲۰۰۹ء کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی مناظرانہ شان بالکل انوکھی اور ممتاز ترین ہے، یہ زاویہ آپ کی حیات دینی کا کافی حقیقت افروز ہے، جس کی ستائش تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے کی ہے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حضرت کی خصوصیات میں مناظرہ کا ملکہ وہ ممتاز صفت ہے جس میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ مناظرہ کے لیے جو خصوصیات ضروری ہیں سب حضرت میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، کلام میں روانی، شیرینیِ افہام و تفہیم، ذکاوتِ ذہن، حاضر جوابی، علمِ مستحضر، آواز میں قوت، ان سب صفات میں یگانۂ وقت تھے۔'' (سال نامہ پیغام رضا ممبئ، اپریل تا جون ۲۰۰۹ء ص: ۲۶۴)

مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی رقم طراز ہیں:

''تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں تن تنہا جتنے مناظرے کیے اور فاتح قرار پائے وہ ایک عالمی ریکارڈ ہے، اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی وفات کے بعد سے لے کر آج تک پوری جماعت نے اتنے مناظرے نہیں کیے ہوں گے۔''

(پیش نوشت، راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب، مطبوعہ ناسک، ۲۰۱۴ء ص: ۶)

آگے کی سطور میں انھوں نے اٹھائیس مناظروں کی فہرست پیش کی ہے، سوانح شیر بیشہ سنت اور دیگر کتابوں میں مختلف مناظروں کی تفصیلی روداد درج کی گئی ہے۔ پیغام رضا، ممبئ کے گوشے میں بھی کئی مقالات میں اس موضوع پر خاص گفتگو کی گئی ہے۔ بھیونڈی اور شہر ممبئ میں آپ کی خطابت اور مناظرے کا چرچا رہا، یہاں مسلسل آپ کی تشریف آوری ہوتی رہی۔ ممبئ میں آپ کی پہلی حاضری سے متعلق آپ کے برادر اصغر مفتی محبوب علی رضوی لکھتے ہیں:

''بمبئ میں پہلی بار حضرت شیر بیشہ سنت کو حضرت مولانا الحاج مولوی نثار احمد صاحب کان پوری مفتی آگرہ علیہ الرحمہ نے بلایا، جب کہ مولانا موصوف کا مناظرہ مقرر ہو چکا تھا اور دیوبندیوں کی طرف سے مناظر مولوی عبدالشکور کاکوروی ایڈیٹر النجم، لکھنؤ مقرر ہوئے تھے۔ یہ مناظرہ بمبئ کے ایک مشہور محلّہ ماہم شریف میں ہوا تھا اور کاکوروی جی لاجواب ہوئے۔ اس کے بعد حضرت کے کچھ بیانات ہوئے اور حضرت بمبئ سے واپس تشریف لے گئے۔''

(سوانح شیر بیشہ سنت، ص:۷۵)

شیر بیشہ اہل سنت کو دوسری بار حکیم سید فضل رحیم دہلوی نے بلایا جب بمبئ میں دربھنگی جی اور مولوی منظور سنبھلی مناظرے کی ڈینگیں مار رہے تھے، جب آپ بمبئ آگئے اور بیانات کا سلسلہ شروع ہوا تو دیوبندی مولویوں کے سارے دعوے ختم ہوگئے اور باطل منہ چھپا کر یہاں سے رخصت ہوا۔ دونوں دیوبندی مولوی بغیر مناظرہ کیے واپس ہوگئے۔ مالیگاؤں میں بھی کئی بار حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ گجرات کے مختلف شہروں میں تو مستقل قیام رہا، اور مسلسل تقریر کی محفلوں میں شرکت رہی، کئی مناظرے ہوئے اور کامیابی میسر آئی۔

۱۳۴۴ھ میں راندیر ضلع سورت کا تاریخی مناظرہ آج بھی یاد کیا جاتا ہے، اسی مناظرے میں کامیابی کے بعد آپ کو بالاتفاق ''شیر بیشۂ اہل سنت'' کا لقب دیا گیا۔ اس مناظرے کی مکمل روداد حضرت مولانا محمد نظام الدین نوری نے ''راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب'' (۱۳۴۴ء) کے تاریخی نام سے مرتب کر دی تھی، جو پہلی بار علوی پریس، بلاسیس روڈ، بمبئ ۸ سے شائع ہوئی تھی، اور جسے گزشتہ برس ۲۰۱۴ء میں رفاعی مشن، ناسک نے مولانا محمد افروز قادری چریا کوٹی کی ترتیب جدید کے ساتھ شائع کیا ہے۔

حضور شیر بیشہ اہل سنت نے صرف دیوبندیوں وہابیوں ہی سے نہیں آریہ سماج اور عیسائی پادریوں سے بھی مناظرہ کیا ہے، شدھی تحریک کے خلاف جماعت رضائے مصطفیٰ کے نمائندوں میں آپ کا نام سنہری حروف میں مرقوم ہے، بلکہ پنڈت شردھانند کو لاجواب کرنے میں آپ کی قربانیاں تاریخ کا حصہ ہیں۔ جس میں پنڈت شردھانند سے مناظر اعظم شیر بیشہ اہل سنت نے فرمایا تھا کہ ''حق و باطل کا فیصلہ آگ کرے گی''، اور آپ کے اس چیلنج مناظرہ پر شردھانند نے انکار کر دیا تھا۔ حضور مفتی اعظم ہند نے بھی اس کی ستائش کی ہے۔

(تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، رضا کیڈمی، بمبئ، ۱۹۹۵ء، ص:۲۵۴، ۲۵۵)

بریلی میں بھی شردھانند کو آپ نے مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔ بھدرسہ فیض آباد کا تاریخی مقدمہ اور اس میں آپ کی فتح و کامیابی بہت اہمیت کی حامل مانی جاتی ہے، سنی جمعیۃ العلماء، بمبئ کی تاسیس بھی آپ کا بڑا اہم کارنامہ ہے، مجالس محرم الحرام کا انعقاد بھی آپ ہی سے منسوب ہے،

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ میں قیصر باغ ڈونگری ممبئ میں منعقد سنی جمیۃ العلماء کانفرنس میں بھی آپ کی شرکت رہی اور حاضرین کے شدید اصرار پر نقاہت کے باوجود آپ کا بیان ہوا۔

بدمذہب فرقوں کی جانب سے آپ کے خلاف کئی عدالتوں میں مقدمے بھی کیے گئے، کان پور میں آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، آپ کو زہر بھی دیا گیا مگر بریلی کا یہ شیر زندگی کی آخری سانسوں تک باطل فرقوں سے مقابلہ کرتا رہا اور مسلک امام کو فروغ ملتا رہا۔ سرزمین بمبئ بطور خاص ان کی خطابت و تبلیغ کی جولان گان بنا رہا اور آپ کے بیانات اور مناظروں کی یہاں دھومیں رہیں۔ تفصیل نوانح شیر بیشہ سنت میں موجود ہے۔ سردست ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کے مقالے کا یہ اقتباس ملاحظہ کرلیں، لکھتے ہیں:

''ہندستان کے تمام شہروں میں عروس البلاد بمبئ کو جو اسلامی رونق حاصل ہے وہ کسی شہر کو میسر نہیں، خواہ وہ رمضان کا مبارک مہینہ ہو اور اس میں علمائے کرام کا ورود مسعود ہو یا محرم کی مجالس، بمبئ کی اپنی ایک جداگانہ شناخت ہے۔ جو دین داری وہاں کے مسلمانوں میں دیکھنے کو ملی وہ کہیں نہیں۔ بمبئ کے دینی ماحول کو فروغ دینے میں حضور شیر بیشہ اہل سنت کا ہی کردار رہا ہے۔ بعد میں دیگر علماے کرام نے اس ماحول کو بہتر بنانے میں اپنا کلیدی رول ادا کیا ہے۔ محرم کی مجالس کا آغاز بھی آپ ہی نے فرمایا اور جب علمائے دیوبند نے محرم کی مجلسیں کرنی شروع کیں تو آپ نے اپنی مجالس میں صلاۃ وسلام اور قیام تعظیمی کا بھی سلسلہ شروع کردیا تاکہ علمائے دیوبند سے علمائے اہل سنت کی مجالس کا امتیاز ہو جائے۔''

(اہل سنت کی آواز، شمارہ، نومبر ۲۰۱۴ء ص: ۱۹۵)

آپ نے ممبئ میں مستقل قیام پذیر غازی ملت مفتی محبوب علی رضوی اور سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی علیہما الرحمہ کا ہر قدم پر تعاون فرمایا، مختلف مکتوبات وخطوط سے ان بزرگوں کے درمیان گہرے روابط و تعلقات کا پتہ چلتا ہے، ایسا کیوں نہ ہو کہ حضور شیر بیشہ اہل سنت ان دونوں حضرات کے استاذ ومربی تھے اور یہ دونوں حضرات بمبئ شہر میں آپ کے شاگرد ومعتمد علیہ تھے۔ سنی جمیۃ العلماء کو باقاعدہ اپنا تعاون ارسال فرماتے تھے، بلکہ بعد وصال حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے اپنی تعزیتی تقریر میں جو حقیقت بیان فرمائی جو بہت سوں کے لیے قابل تقلید اور

لائق عمل ہے، فرمایا:

''دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس آخری والا نامہ ابھی رمضان المبارک میں تشریف لایا تھا، وہ بھی ایک منی آرڈر کی کوپن کی حیثیت سے دس روپے حضرت نے مجھے عطیہ بھیجے تھے۔ اور اس میں لکھا تھا کہ حضرت! آپ کو معلوم ہے کہ میرا سارا آزوقہ یہی تبلیغ سنیت تھا اور اسی میں میرا دین بھی تھا، میری دنیا بھی تھی، لیکن آج میں علیل ہوں، لہٰذا وہ سارے دروازے بند ہیں، مگر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء میری پیاری جمعیت نے مجھے تحریر کیا، لہٰذا میں اپنے امدادی فنڈ میں سے یہ دس روپے اس کی نذر کے لیے دو مہینہ کے بھیج رہا ہوں۔''

(خطبات سید العلماء، مرتبہ توفیق احسؔن برکاتی، بزم برکات آل مصطفیٰ ممبئ۔ ۲۰۱۳ء ص: ۲۱۱)

شیر بیشہ اہل سنت تقسیم پاکستان اور مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے، اور اس کی فاسق قیادت کا شدید رد فرماتے تھے۔ شیخ طریقت بھی تھے اور سلسلہ عالیہ قادریہ معمریہ رضویہ میں مرید بھی کرتے تھے، بے شمار شخصیات کو اپنی خلافت واجازت سے بھی نوازا تھا۔ دو مرتبہ حج وزیارت مدینہ منورہ کا بھی شرف ملا، پہلا حج ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں کیا اور دوسرا سفر زیارت وحج ۱۳۷۷ء مطابق ۱۹۵۷ء میں مکمل کیا۔ ۱۹/ اگست ۱۹۵۸ء کو آپ اس مبارک سفر سے وطن واپس ہوئے، تو ممبئ میں آپ کا زبردست استقبال کیا گیا۔

(مفتی محبوب علی رضوی، سوانح شیر بیشہ سنت، کان پور ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۳)

آپ کو شعر وشاعری سے بھی شغف تھا، دل کی آہوں، کراہوں کو آمد کی کیفیت میں منظوم کرتے تھے، نعتیہ اشعار میں عشق حقیقی کی جھلکیاں صاف محسوس ہوتی ہیں، ''عبید'' تخلص اختیار فرماتے تھے، امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے والہانہ عقیدت تھی۔ تحدیث نعمت پر مبنی ان کا یہ شعر کافی شہرت رکھتا ہے:

سگ ہوں میں عبیؔد رضوی غوث ورضا کا
آگے سے مرے بھاگتے ہیں شیر ببر بھی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم رقم فرماتے ہیں:

''شعر وسخن کا اعلیٰ مذاق حاصل تھا، آپ سے منسوب شاعری کا کوئی دیوان تو دستیاب نہیں،

لیکن جتنے اشعار آپ نے کہے ہیں وہ واقعی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی الفت ومحبت کا آئینہ دار ہیں۔ شجرہ عالیہ قادریہ رضویہ جو اس وقت ہندستان میں کثرت سے وظیفہ کے طور پر پڑھا جاتا ہے وہ آپ ہی کی فکر عالی کی پرداخت ہے، جس کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے:

یا الٰہی ! رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ ! کرم کیجے خدا کے واسطے

(تاریخ مشائخ قادریہ، جلد دوم، بزم قاسمی برکاتی، بدایوں، ۲۰۰۱ء ص: ۴۳۰، ۴۳۱)

حضور شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ نے علم وعمل، رشد وہدایت اور بحث ومناظرہ سے بھرپور زندگی گزاری۔ بالآخر ۸/ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ مطابق ۳/ جولائی ۱۹۶۸ء بروز یک شنبہ دن میں دس بج کر بیس منٹ پر پیلی بھیت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور دنیائے سنیت کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ آپ کا مزار پاک محلّہ بھورے خان پیلی بھیت شریف میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ حضور شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ کی دوسری شادی پیلی بھیت میں ہوئی تھی، سسرال ہی کو آپ نے اپنا مستقر بنالیا تھا، اس لیے پیلی بھیت ہی کی مٹی کو آپ کی آخری آرام گاہ بننے کا شرف ملا۔ وصال کے بعد آپ کے فرزند اکبر، خلیفہ وجانشین مشاہد ملت علامہ مشاہد رضا قادری علیہ الرحمہ نے آپ کے مشن کو بڑی دیانت داری کے آگے بڑھایا۔ دیگر صاحب زادگان بھی اس مشن پر گامزن ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی مفتی محبوب علی رضوی نے ۱۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ء میں آپ کی پہلی مبسوط سوانح عمری رقم کردی تھی جو تیس سال بعد ان کے فرزند اکبر خطیب اہل سنت مولانا منصور علی رضوی نے ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں شائع کرائی۔

سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی:

دنیا میں بڑی شخصیتیں قابل احترام بھی ہوا کرتی ہیں اور لائق محبت بھی۔ ممدوح گرامی حضرت علامہ حکیم مفتی سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ کی مثالی ذات اور ہمہ جہت تاریخی کارنامے انھیں کئی حیثیتوں سے امتیازی شان عطا کرتے ہیں، ان کی بے پناہ کاوشات، عظیم الشان قربانیاں اور ان کے ناخن تدبیر سے حل ہوئے لاتعداد مسائل اور فیض بخشی کی وجہ سے ہم ان کا ادب واحترام بھی کرتے ہیں، اور ان کی پاک طینتی، خوش اطواری اور خوش

اخلاقی کے سبب ان سے سچی محبت بھی کرتے ہیں۔ وہ یقیناً سید العلماء تھے، بہ قول شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ:

''دقیق سے دقیق علمی مباحث میں وہ نکتہ سنجیاں فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی، اس وقت اعتراف کرنا پڑتا کہ سید العلماء کا خطاب ان کے قامت زیبا ہی کے لیے وضع ہوا ہے۔''

(مقالات شارح بخاری، مرتبہ: مولانا عبدالحق رضوی وساحل شہ سرامی، مطبوعہ: گھوسی، ص:۱۸۴)

ڈاکٹر محمد ارشاد ساحلؔ شہ سرامی لکھتے ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ بیک وقت محدث، مفسر، مفتی، نغز گو شاعر، حاذق حکیم، مدبر، اسلامی سیاست داں اور اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کے مالک عابد شب زندہ دار بزرگ تھے۔'' (سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ مقدسہ، جلد:۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۳۱)

اسم گرامی: آپ کا پورا نام آل مصطفیٰ اولاد حیدر ہے، عرفیت ''سید میاں ہے'' اور لقب ہے ''سید العلماء''۔

ولادت: ۲۵/رجب المرجب ۱۳۳۳ھ مطابق ۹/جون ۱۹۱۵ء بروز بدھ مارہرہ مطہرہ میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر: حضور تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ جو خانوادۂ برکاتیہ کے مستند تاریخ نویس بھی تھے۔ اپنی کتاب ''تاریخ خاندان برکات'' میں لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ہمارا نسب بواسطۂ حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک پہنچتا ہے بادشاہان ظالم کے ظلم سے ہمارے دادا سید علی عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترک وطن فرما کر قریہ واسطہ میں جو مابین عراق، عرب وعراق، عجم کے ہیں تشریف لاکر قیام پذیر ہوئے، آپ کے احفاد سے حضرت سید ابوالفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں سید ابونواس جد سادات بلگرام وسید ابوالفضائل وسید داؤد وسید معزالدین کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے غزنی تشریف لائے، اور بعد قیام چند روزہ مع سید معزالدین پھر واسط کو مراجعت فرمائی اور باقی صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا اور سید ابونواس نے جاجیز اور سید ابوالفضائل نے چہاتر و دا ور سید داؤد نے تہن پور میں اقامت اختیار فرمائی۔ سید ابو

نو اس کے احفاد سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش سری نام راجۂ بلگرام پر جو کافر سخت اور بڑا سرکش تھا جہاد فرمایا اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری میں فتح پائی۔ سلطان نے اس فتح کے جلدو میں بلگرام مع اس کے توابع ولواحق کے آپ کی جاگیر میں دے دیا، حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعار و مراسم اسلام کو رواج دیا اور اپنے توابع شیوخ فرشوری اور ترکمانوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں سکونت اختیار فرمائی۔''

(تاریخ خاندان برکات، برکاتی پبلشر، کراچی، فروری ۱۹۸۷ء ص: ۴، ۵)

بلگرام ہندوستان کے صوبہ اودھ کا مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے اور آج کل ضلع ہردوئی کے توابع میں ہے، بعد فتح بلگرام حضرت سید محمد صغریٰ نے وہاں اکتیس برس عدل وانصاف، رعایا پروری، رشد وہدایت اور حکمرانی میں عمر شریف گزاری اور وہیں بروز دوشنبہ بوقت دوپہر چودہ شعبان المعظم ۶۴۵ھ میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ حضرت میر سید صغریٰ کے دو صاحب زادے ہوئے، بڑے سید سالار اور چھوٹے سید عمر، والد کا انتقال ہوا تو سید عمر نے قرآن پاک لیا اور سید سالار نے اس قرآن پاک کی حفاظت کے لیے تلوار سنبھالی، ان دونوں کی اولادوں میں وہ صاحب کمال شخصیات اکابر علما و فضلا و کملا پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ میں اپنا نام روشن کیا۔ فتح بلگرام کے بعد سے سید محمد صغریٰ علیہ الرحمہ کا خاندان حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ تک بلگرام میں رہا۔ اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے بڑے صاحب زادے حضرت سید شاہ میر عبدالجلیل (وفات: ۱۰۵۷ھ) ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ تشریف لائے، اسے آباد فرمایا، اس وقت سے آج تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں ہے۔ مارہرہ اور میر عبدالجلیل بلگرامی مارہروی سے متعلق مفتی محمود احمد قادری نے اپنی کتاب ''حیات آل رسول'' میں یہ تفصیل دی ہے۔ رقم طراز ہیں:

''ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد میں ۶۹۹ھ میں مذکورہ بادشاہ کی اجازت سے راجہ بنی رام نے مارہرہ کی بنیاد ڈالی۔'' مزید لکھتے ہیں:

''میر سید عبدالواحد بلگرامی (متوفی ۱۰۱۷ھ) صاحب سبع سنابل کے صاحب زادے اور

مارہرہ شریف میں سادات زیدیہ واسطیہ کی مشہور روحانی شخصیت حضرت میر سید عبدالجلیل بلگرامی مارہروی زیدی واسطی (متولد ۹۷۲ھ در بلگرام ہردوئی۔ متوفی ۱۰۵۷ھ) زیدی سادات میں سب سے پہلے مارہرہ تشریف لائے، آپ حالت جذب ووارفتگی میں جنگل جنگل گھومتے پھرتے، بلگرام سے ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ کے قریب اترنجی کھیڑہ پہنچے، یہاں ایک مرد غیب نے شبر برنج کھلا کر ارشاد فرمایا: یہاں سے قریب ایک شہر مارہرہ نام کا آباد ہے، بارگاہ الٰہی اور دربار رسالت پناہی سے وہاں کی ولایت تم کو عطا ہوئی ہے، وہاں جا کر رہو اور ارشاد وہدایت خلق میں مشغول ہو۔'' اور حضرت کا ارادہ مارہرہ کا ہوا، ادھر چودھری وزیر خان رئیس مارہرہ نے تین بار خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور چودھری صاحب کو حکم رسالت ملا کہ میری اولاد سے تیرا پیر یہاں کا صاحب ولایت اترنجی کھیڑہ پر ہے، مشرق کی طرف سے آرہا ہے، اس کا استقبال کر کے لے آؤ، چودھری صاحب نے حکم رسالت پر عمل کیا اور اپنے دیوان خانے میں ٹھہرایا اور بیعت کی اور تھوڑے عرصے کے بعد حضرت سید بدرالدین شہید صاحب ولایت مارہرہ نے ارشاد فرمایا: ''ہم اور تم ایک جگہ رہیں'' چودھری صاحب کی صلاح سے اس جگہ پر محل سرائے، دیوان خانہ، مسجد وخانقاہ بن گئی اور حضرت میر عبدالجلیل کے متعلقین بھی بلگرام سے آگئے، یہاں قریب اکتالیس برس خلق کی ہدایت فرمائی اور بدعات وقبائح کا قلع قمع کیا، آٹھویں صفر المظفر دوشنبہ بعد نماز فجر ۱۰۵۷ھ بعہد شاہ جہاں بادشاہ وصال فرمایا اور اپنی خانقاہ (مارہرہ) میں مدفون ہوئے جو درگاہ پیر کہلاتی ہے۔ (محمود احمد قادری، حیات آل رسول، ملخصاً، ص: ۲۹ تا ۳۱)

مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۱۷ھ میں میر عبدالجلیل بلگرامی کی مارہرہ آمد سے پہلے ہی یہاں مسلمان موجود تھے بلکہ ایک صاحب ولایت بزرگ سید بدرالدین بھی یہیں پر رہتے تھے۔

حضرت تاج العلماء فرماتے ہیں:

''حضرت سید شاہ عبدالجلیل نے وہیں (مارہرہ) سکونت مستقلہ اختیار فرمائی، حضرت نے تقریباً اکتالیس برس بہدایت وارشاد مارہرہ میں قیام فرمایا۔''

(تاریخ خاندان برکات، برکاتی پبلشر، کراچی، فروری ۱۹۸۷ء ص: ۱۰)

حضرت سید میر عبدالجلیل بلگرامی مارہروی علیہ الرحمہ نے اپنا دوسرا عقد مارہرہ مطہرہ کے

بخاری سادات کی ایک صاحب زادی سے فرمایا، جن سے دو صاحب زادے ہوئے اور جوانی ہی میں آپ کی حیات میں عالم جذب میں گھر سے نکل گئے، اور پھر ان مسافران راہ سلوک کا پتہ نہ چلا۔ پہلی بلگرامی بیوی صاحب سے آپ کے چار بیٹے سید ابوالفتح، سید اویس، سید محمد اور سید ابو الخیر صاحبان رحمۃ اللہ علیہم اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپ کے دوسرے صاحب زادے سید اویس قدس سرہ العزیز سے ہی مارہرہ مطہرہ برکاتیہ خانوادہ چل رہا ہے۔ آپ کے دوسرے صاحب زادگان کی اولاد بلگرام وغیرہ میں ہیں۔ حضرت سیدنا شاہ اویس قدس سرہ (متوفی ۱۰۹۷ھ) کے تین صاحب زادے حضرت شاہ سید برکات اللہ، حضرت سید شاہ عظمت اللہ اور حضرت سید شاہ رحمت اللہ علیہم الرحمۃ والرضوان اور دو صاحب زادیاں تھیں۔

سید شاہ اویس قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمہ کی ولادت ۲۶ر جمادی الاٰخرہ ۱۰۷۰ھ کو بلگرام میں ہوئی، بچپن کا زمانہ والد ماجد اور دیگر بزرگان خاندان کی آغوش تربیت میں گزارا، آپ کے والد ماجد نے اپنے وصال (۲۰ر رجب، ۱۰۹۷ھ) سے پہلے شاہ صاحب کو سجادہ نشینی اور سلاسل آبائی قدیم چشتیہ وسہروردیہ وقادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی، اس کے بعد کالپی شریف کے مشہور زمانہ بزرگ سید شاہ فضل اللہ علیہ الرحمہ سے بھی اجازت وخلافت سلاسل عالیہ قادریہ و چشتیہ وسہروردیہ ونقش بندیہ، ابوالعلائیہ ومداریہ بدیعیہ حاصل کی اور صاحب البرکات کا خطاب پایا۔ سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ نے ۱۰۹۷ھ کے بعد بلگرام کی سکونت ترک فرمادی اور مارہرہ کو مسکن بنایا۔ آپ کے دادا میر سید عبد الجلیل قدس سرہ مارہرہ کو اپنا وطن بنا چکے تھے، شاہ صاحب قبلہ نے مارہرہ میں اپنے دادا کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ مگر ایک شریر قوم گوندل کی ہمسائیگی پسند نہ فرما کر ۱۱۱۸ھ میں قصبہ سے باہر نئی آبادی کی بنیاد ڈالی اور مسجد وخانقاہ کی تعمیر فرمائی، اس جدید آبادی کا نام ''پیم نگر برکات نگری'' رکھا، جو ''میاں کی بستی'' کے نام سے موسوم ہے۔ اور جہاں اب تک آپ کی اولاد آباد ہے۔ آپ ہی کے دو صاحب زادگان، حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ اور حضرت سید شاہ نجات اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مارہرہ مطہرہ کی دو سرکاروں، سرکار کلاں اور سرکار خورد کا آغاز ہوتا ہے اور اس کی شاخیں پھیلتی ہیں۔

حضرت شاہ سید برکت اللہ قادری علیہ الرحمہ ایک عرصہ تک تشنگان بادۂ وحدت کو جام

معرفت سے سیراب کرنے کے بعد شب عاشورہ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ مطابق ۷/اگست ۱۷۲۹ء کو وصال فرما گئے۔

مارہرہ مطہرہ میں جہاں آپ مدفون ہوئے اور جو آج درگاہ شاہ برکت اللہ کے نام سے معنون ہے اس کی تعمیر نواب محمد خاں بنگش مظفر جنگ والیِ فرخ آباد نے شجاعت خان ناظم کے زیر اہتمام کرائی۔ اب یہیں سے سلسلہ برکاتیہ اور خانوادۂ برکاتیہ کا آغاز ہوتا ہے۔ برکات نگری کی خاک سے علم وعمل، رشد وہدایت، فضل وکرامت اور شریعت وطریقت کے ایسے آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے اور اپنی علمی وروحانی خدمات اور دینی ومذہبی کارہائے نمایاں سے تاریخ کو حیران کردیا، حضرت سید شاہ برکت اللہ قادری مارہروی قدس سرہ کے بعد اس خانقاہ برکاتیہ کو رونق بخشنے والوں میں جن اعاظم زمانہ کا نام سرفہرست ہے وہ ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

(۱)۔استاذ المحققین حضرت سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ (ولادت ۱۱۱۱ھ۔ وفات:۱۱۶۴ھ) (۲)۔محبوب العاشقین حضرت سید شاہ حمزہ قادری قدس سرہ (ولادت: ۱۱۳۱ھ۔ وفات: ۱۱۹۸ھ) (۳)۔قطب العارفین حضرت سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ (ولادت: ۱۱۶۰ھ۔ وفات:۱۲۳۵ھ) (۴)۔خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ (ولادت:۱۲۰۹ھ۔ وفات: ۱۲۹۶ھ) (۵)۔حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ (ولادت:۱۲۵۵ھ۔ وفات:۱۳۲۴ھ) (۶)۔حضرت ابوالقاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی قدس سرہ (ولادت: ۱۲۷۲ھ۔ وفات: ۱۳۴۷ھ) (۷)۔تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ (ولادت:۱۳۰۹ھ۔ وفات:۱۳۷۵ھ)

ساتویں نمبر کے بزرگ تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ حضرت ابوالقاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی قدس سرہ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں، آپ کو اپنے نانا حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ اور والد ماجد سیدنا شاہ محمد اسماعیل حسن نور اللہ مرقدہ سے خلافت واجازت حاصل تھی، آپ کو خانوادۂ برکاتیہ کا مستند تاریخ نویس اور مجدد برکاتیت بھی کہا جاتا ہے، آپ صاحب تصنیف کثیرہ بزرگ ہیں، ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل شہ سرامی نے اپنے مقالہ ''مشائخ مارہرہ کی تصنیفی خدمات'' مشمولہ سیدین نمبر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں

حضور تاج العلماء علیہ الرحمہ کی ۳۹ تصانیف کی فہرست دی ہے۔ اور اپنے ایک دوسرے تحقیقی مقالے ''خانوادۂ برکات کی علمی وادبی خدمات'' مشمولہ اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء (ص: ۱۲۵) میں آپ کی ۴۲ تصنیفات وتالیفات کا موضوعاتی خاکہ پیش کیا ہے۔

والد ماجد حضرت شاہ سید محمد اسماعیل حسن صاحب قدس سرہ نے اپنی حیات ہی میں اپنے سلسلے کا سجادہ نشین حضرت تاج العلماء کو بنا دیا تھا۔ اس کے مطابق حضرت شاہ سید ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر حسب دستور قدیم خاندان برکاتیہ آپ سجادہ غوثیہ برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اپنے والد ماجد قدس سرہ کی تحریک کو حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پوری توانائیوں کے ساتھ چلایا اور آپ کی علمی وروحانی توانائیوں کی بدولت سلسلہ برکاتیہ کے وابستگان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔''

آگے مزید لکھتے ہیں:

''مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مرشد کا آستانہ جیسے ان کے مرشد کے عہد پاک میں مرکزی آستانہ تھا، حضرت تاج العلماء کی بدولت پھر دنیا کو اس کی مرکزیت تسلیم کرنی پڑی۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ، سیدین نمبر، مبارک پور، اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۲ء ص: ۳۰۷)

حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ بہت زبردست عالم، عظیم مفتی، محدث، مفسر، کثیر المطالعہ بزرگ تھے، حافظہ قوی تھا، انتہائی ذہین، فطین، نکتہ رس، طباع تھے، جس پر ان کی تحریرات شاہد ہیں لیکن آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے بہت متاثر تھے، اس کے باوجود کہ امام احمد رضا سے کچھ پڑھا نہیں تھا مگر انہیں اپنا استاد سمجھتے تھے، ایک جگہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر کو اگرچہ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ سے تلمذ رسمی حاصل نہیں مگر فقیر ان کو اپنے اکثر اساتذہ سے بہتر وبرتر اپنا استاد جانتا ہے۔ ان کی تقریرات وتحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی وعلمی حاصل ہوئے اور چوں کہ تقریر وتحریر میں ان کا طریقہ بے لوث اور مواخذات صوری ومعنوی، شرعی وعرفی سے منزہ ومبرا ثابت ومحقق ہوا

لہٰذا فقیر بھی تا بہ وسعت ان کے طریقہ کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔''

(تاریخ خاندان برکات، برکاتی پبلشر، کراچی، فروری ۱۹۸۷ء ص:۶۶)

حضور تاج العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک فرزند بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اس کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی لہٰذا آپ نے اپنے بھانجوں، سید العلماء حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ قادری اولاد حیدر، احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن اور حضرت سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسین کو مثل اولاد پالا، خانقاہ برکاتیہ کی سجادگی و تولیت حضور نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد حضور سید مہدی میاں، حضور سید محمد اسماعیل حسن اور حضور تاج العلماء علیہم الرحمہ سے ہوتی ہوئی حضور سید العلماء اور حضور احسن العلماء قدس سرہ تک آئی اور ان دونوں بزرگ بھائیوں کی ہمہ جہت کاوشوں اور روحانی توانائیوں کی بدولت سلسلہ برکاتیہ کو کافی فروغ حاصل ہوا اور خانوادۂ برکاتیہ کو شہرت دوام ملی۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حضرت تاج العلماء کے بعد ان کے پروردہ و تربیت یافتہ حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ اور احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں صاحب کی بدولت آج دنیا کا گوشہ گوشہ براہ راست اس آستانہ سے وابستہ ہے، جن کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے۔''

تحصیل علم کا آغاز: سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی قدس سرہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''حضور سید میاں چوں کہ خاندان میں اپنی نسل کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اس لیے سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے نانا شاہ جی میاں یعنی سید شاہ اسماعیل حسن صاحب اپنے نواسے پر جان چھڑکتے تھے۔ سید میاں کی پرورش و پرداخت کا ذمہ خود نانا نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پھر اس نقیب برکاتیت کی تربیت خانقاہ عالیہ کے مقدس اور اللہ والے ماحول میں ہوئی، زمینداری کا زمانہ تھا، ۲۷ دیہات کی مال گزاری درگاہ برکاتیہ کے لیے بندھی ہوئی تھی، نانا جان بھی ظاہری و باطنی اعتبار سے صاحب ثروت تھے، نواسے کی تربیت اور پرورش شہزادوں کی طرح کی۔ اپنے سے کبھی جدا نہ ہونے

دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی دادیہال میں بھیجتے تو تاکید فرمادیتے کہ زیادہ دیر وہاں نہ رکیں۔ دادا سید شاہ حسین حیدر قدس سرہ کو اپنے پوتے کے بہترین مستقبل کی خاطر یہ سب کچھ گوارا تھا۔

نواسا جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو نانا شاہ جی میاں صاحب نے پورے شرعی اہتمام سے تسمیہ خوانی کا جشن کیا۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک کی تحریر کی ہوئی بسم اللہ شریف ہمارے خاندان میں موجود ہے۔ سارے بچے اس کو سامنے رکھ کر بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ سید میاں کو بھی علم کا پہلا جام بغدادی میخانہ سے ہی پلایا گیا۔ تسمیہ خوانی کے بعد علم دین کا سفر شروع ہوا، اس سفر کا پہلا مرحلہ تھا حفظ قرآن، جو سید میاں نے سات آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں طے کرلیا۔ شروع کے پارے والدہ ماجدہ نے از بر کرائے پھر حافظے کی تکمیل حافظ عاشق علی صاحب برکاتی نے کرائی۔ حافظ سلیم الدین صاحب کی اعانت بھی شامل رہی، اسی چھوٹی سی عمر میں مسجد جامع برکاتی میں پہلی محراب سنائی، سامع تھے نانا جان شاہ جی میاں صاحب۔ فارسی کی پہلی کتاب اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھی۔ نانا حضرت اور خال محترم سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ سے علوم درسیہ مروجہ کا اکتساب کیا، تفسیر قرآن، علم حدیث، منطق، علم کلام، صرف ونحو اور ادب عالیہ میں کمال حاصل کیا۔ جامعہ معینیہ اجمیر مقدس میں حضور صدر الشریعہ،، شیخ الطریقۃ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی چہیتے شاگرد رہے، استاذ محترم کی اجازت خاص تھی کہ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ جب چاہیں درس لے سکتے ہیں۔ مولوی، عالم (دینیات میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری کے برابر) کی سند پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی، طیبہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ادویۂ ہندی و یونانی اور عمل جراحی میں ڈی۔ آئی۔ ایم۔ ایس کا ڈپلوما لیا۔'' (سیدین نمبر، ص: ۴۷۳، ۴۷۴)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف صدر الشریعہ قدس سرہ ہی کی وجہ سے ان کو اجمیر مقدس بھیجا گیا تھا۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پہلے حضرت صدر الشریعہ کے وہاں مفاوضۂ عالیہ امضا فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھانجے سید آل مصطفیٰ سلمہ کو آپ کی خدمت میں تعلیم کے لیے بھیجوں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بہ خوشی بلکہ بصد خوشی اسے منظور فرمایا۔ عریضہ میں

تحریر فرمایا کہ ''صاحبزادے صاحب تشریف لائیں، میرے پاس جو کچھ ہے ان کے جد امجد کا عطیہ ہے، یہ ان کی امانت ہے تشریف لا کر اپنی امانت مجھ سے واپس لے لیں۔'' حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پھر مفاوضۂ عالیہ امضا فرمایا کہ سید آل مصطفیٰ فلاں ٹرین سے فلاں وقت اجمیر شریف پہنچ رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بہ نفس نفیس مع چند تلامذہ کے حضرت سید العلماء کو اسٹیشن لینے تشریف لے گئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو لائے اور ان کے طعام کا بندوبست اپنے گھر کیا۔ تین دن کے بعد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے حضرت سید العلماء سے دریافت فرمایا: صاحبزادے! آپ کس لیے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا: پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا: اب جب کہ آپ پڑھنے کے لیے آئے ہیں تو طالب علموں کی طرح رہنا ہوگا۔ اس قیمتی لباس کے بجائے معمولی سادہ لباس پہننا ہوگا اور شہزادگی کا تصور ختم کر کے ایک طالب علم کا ذہن بنانا ہوگا۔

حضرت صدر الشریعہ خود بازار تشریف لے گئے، معمولی کپڑا خریدا اور سلوایا، پہنایا اور پھر تعلیم شروع کی۔ پہلی بار جب حضرت صدر الشریعہ کی درس گاہ میں تشریف لے گئے۔ (صدر الشریعہ) کھڑے نہ ہوئے جب کہ اس سے قبل جب حضرت سید العلماء تشریف لاتے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے، دست بوسی فرماتے، اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت سید العلماء جب پہلی بار درس گاہ میں آئے تو حضرت صدر الشریعہ تعظیم کے لیے کھڑے کیا ہوتے، ملے بھی نہیں اور طلبہ کی صف میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حضرت سید العلماء طلبہ کے ساتھ بیٹھ گئے مگر چہرے پر کچھ دوسرے آثار تھے، حضرت صدر الشریعہ بھانپ گئے اور فرمایا: صاحب زادے! تعلیم اور اخذ فیض کے لیے ضروری ہے کہ آپ طالب علم اور متعلم کی طرح رہیں اور جب تک آپ تعلیم جاری ہے ایک طالب علم کا مزاج رکھتے ہوئے محنت سے پڑھیں۔

حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے سنا اور جب تک زیر تعلیم رہے ایک نیاز مند طالب علم کی طرح زندگی گزاری، اسی کا نتیجہ ہے کہ سید العلماء ہوئے۔''

(مفتی محمد شریف الحق امجدی، مقالات شارح بخاری، مرتبہ: مولانا عبدالحق رضوی وساحل شہ سرامی، مطبوعہ: گھوسی، ص: ۱۸۹، ۱۹۰)

طب کی تحصیل: درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت سید العلماء قدس سرہ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جا کر شاہی حکیم عبد اللطیف لکھنوی سے علم طب کی تحصیل کی اور اس کا فائدہ عوام تک پہنچانے کی غرض سے سید میاں مارہرہ مطہرہ میں مطب کرتے رہے، خانقاہ شریف کے سامنے سڑک پر جو بڑا گیٹ ہے اس کے اوپر آپ کا مطب تھا۔ دوا اور دعا کا سنگم ہوا تو مریضوں کو شفا تقسیم ہونے لگی، حکمت چلی اور خوب چلی۔ دیہات سے دور دراز کا سفر طے کر کے لوگ مارہرہ مطہرہ آتے اور خانقاہ برکاتیہ کے مطب سے فیض یاب ہو کر لوٹتے۔

بیعت وخلافت: حضور سید العلماء کو خاندان کے جن بزرگوں سے بیعت وخلافت تھی۔

نانا سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں، ماموں تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں، خالو سید شاہ مہدی حسن علیہم الرحمۃ والرضوان۔ اس کی جو تفصیل آپ کے فرزند سید حسنین میاں نظمی مارہروی نے اپنے مقالہ ''نقیب مسلک برکاتیت۔ سید العلماء علیہ الرحمہ'' (مشمولہ سیدین نمبر، ص: ۴۷۲) میں دی ہے اس کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

''نانا جان شاہ جی میاں نے اپنے پیارے نواسے کو تیرہ سال کامل خانقاہی تربیت عطا فرمائی، اپنی بیعت کے ساتھ ساتھ خلافت واجازت سے بھی نوازا۔ نانا کے وصال کے بعد سید میاں کی تربیت خال محترم تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ نے اپنے ذمہ لی۔ سونے کو کندن بنانے میں جو کسر رہ گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ تقریر وخطابت کا آغاز خانقاہ ہی سے ہو گیا تھا۔ ۱۰/ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ کے مبارک دن خال محترم نے اپنے چہیتے بھانجے کو خلافت سے نوازا۔'' (آگے وہ خلافت نامہ لکھا گیا ہے: احسنؔ)

مارہرہ مطہرہ میں خاندان کے سارے بزرگوں کی شفقت سید میاں کے حصے میں بھرپور طریقے سے آئی تھی۔ حضور سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ کے چچازاد بھائی اور سید میاں کے سگے خالو حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رب تعالیٰ کے حکم سے اولاد نرینہ سے محروم تھے، اس لیے انہوں نے سید میاں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا اور باپ سے زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ سید شاہ مہدی میاں صاحب کے مزاج پر جذب غالب تھا، سید میاں کو اپنا جانشین اور وصی مقرر فرمایا، عرس نوری کے موقع پر اپنے مکان سجادگی کی چوکھٹ پر سید

میاں کو کھڑا کر کے ہزاروں کے مجمع میں انہیں اپنا سجادہ قرار دیا اور اپنی مسند پر بٹھا کر مریدوں سے نذریں دلائیں۔ اسی پر نہیں بلکہ اپنے دست مبارک سے سید میاں کے نام ایک شفقت نامہ بھی تحریر فرمادیا۔'' (آگے وہ شفقت نامہ درج ہے: احسنؔ)

ادھر خال محترم سید شاہ اولادرسول محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید میاں کو خلافت واجازت سے تو سرفراز فرمایا ہی، خاندانی روایات کے پیش نظر کتاب مستطاب ''**النور والبھا فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء**'' (سن تالیف تاریخی ۱۲۰۷ھ) مؤلفہ سید شاہ ابو الحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے سرورق پر اپنے دست مبارک سے خاندان کے جملہ اوراد واشغال واعمال کی اجازت تحریر فرمادی۔'' (سیدین نمبر، ص:۴۷۴۔تا۔۴۷۶)

آگے کتاب مذکورہ کے صفحہ۲ پر تحریر کیا ہوا اجازت نامہ ہے۔ اس کے بعد تحریر ہے: ''سید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے بزرگوں نے بھرپور پیار دیا اور جی بھر کر نوازا۔ ایک خالو سید شاہ مہدی حسن صاحب قدس سرہ اپنی روحانی اور مالی وراثت کا مالک بنا ہی چکے تھے، دوسرے خالو اور خانقاہ کی تیسری گدی کے وارث سید شاہ ارتضیٰ حسین صاحب قادری نے بھی سید میاں کو اپنا بیٹا بلکہ بیٹے سے زیادہ چہیتا بنا کر اپنا سب کچھ ان کے نام لکھ دیا۔'' (ایضاً، ۴۷۷)

اس کے بعد قریب پانچ صفحات پر مشتمل سید شاہ ارتضیٰ حسین قادری عرف پیر میاں کا تحریر کردہ مکتوب نقل کیا گیا ہے جس میں اس حق ملکیت کا تذکرہ بڑے واضح لفظوں میں کیا گیا ہے۔

خلفائے کرام: حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے جن اشخاص کو سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت وخلافت سے نوازا، ان میں کل سات افراد کے اسما راقم کو دستیاب ہوسکے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی (جانشین حضور سید العلماء)

(۲) سید محمد اشرف برکاتی مارہروی (شہزادۂ حضور احسن العلماء)

(۳) مولانا سخاوت علی برکاتی (مگہر بستی)

(۴) شیر نیپال مفتی جیش محمد قادری (نیپال)

(۵) حضرت مولانا عبدالقادر کھتری (ممبئ)

(۶) حضرت مولانا غلام عبدالقادر علوی (براؤں شریف)

(۷) حاجی غلام احمد صاحب برمووالے (بہار)

ممدوح گرامی حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اولوالعزم ذات اور ہر اعتبار سے مثالی شخصیت کے جن پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے وہ ہیں تصلب فی الدین، استقامت علی المذہب، علمی جلالت، تنظیمی صلاحیت، فتویٰ نویسی، تقریر و خطابت، تصنیف و تالیف، ذوق شعر و ادب، بحث و مناظرہ، امام احمد رضا سے عشق و محبت، مسلک رضا کی کامیاب ترجمانی، احترام علما و مشائخ، مدارس اسلامیہ کی سرپرستی اور تحریک اشرفیہ سے وابستگی وغیرہا۔

بمبئی میں ورود مسعود: ہم نے ماقبل کی سطور میں لکھا ہے کہ آپ نے تقریر و خطابت کا آغاز خانقاہ ہی سے کردیا تھا اور اس فن میں بہ تدریج کمال حاصل ہوتا گیا، کامیاب مطب کے بعد آپ کی باقاعدہ عملی زندگی اور دینی خدمات کا آغاز سرزمین بمبئی میں تشریف آوری سے ہوتا ہے، بمبئی کے اہل سنت اور مسلک حق بلکہ پورے ہندوستان کی سنیت کے لیے ایک مؤثر آواز کی شکل میں ممبئی میں ورود مسعود سب کے لیے نیک فال ثابت ہوا، جس ستارے کو خانقاہ برکاتیہ کے اکابرین نے رشک قمر بنایا تھا اس کی چمک دمک سرزمین بمبئی میں آکر نکھرنے لگی اور دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔

بمبئی آمد سے متعلق سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی رقم طراز ہیں:

''حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء میں بمبئی تشریف لے گئے یہاں کی جماعت بکر قصابان نے سید میاں کو بمبئی کی مسجد کھڑک کی امامت کی پیش کش کی جو سید میاں نے قبول کرلی۔ اس طرح مارہرہ کا سید شہر ممبئی کی گہما گہمی کا ایک جزو بن گیا۔''

(سیدین نمبر، ص: ۴۸۵، ۴۸۶)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اللہ عزوجل نے حضرت سید العلماء قدس سرہ کو اس لیے نہیں پیدا فرمایا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں بیٹھ کر مطب کریں بلکہ اللہ عزوجل نے انہیں پورے ہندوستان کے سنیوں

کی قیادت کے لیے پیدا فرمایا تھا، اسی سبب ممبئ میں ورود ہوا۔'' (مقالات شارح بخاری، مرتبہ: مولانا عبدالحق رضوی وساحل شہ سرامی، مطبوعہ: گھوسی، ص:۱۹۲)

یقیناً یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ایک عظیم خانقاہ کا پروردہ خانقاہ کے عیش وآرام کو چھوڑ کر بمبئ جیسی سنگلاخ زمین کا رخ کرتا ہے اور ایک چھوٹی مسجد کی امامت وخطابت کو ترجیح دیتا ہے لیکن ایسا ممکن ہوا اور دنیا نے دیکھا کہ سید العلماء علیہ الرحمہ نے جس نیک نیتی اور جذبۂ دروں کے ساتھ خدمت دین اور فروغ اہل سنت کے جس میدان میں قدم رکھ دیا اس میں انہیں بے پناہ کامیابیاں میسر آئیں اور جماعت اہل سنت کو سربلندی نصیب ہوئی، رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر مارہروی (شہزادۂ حضور احسن العلماء) رقم طراز ہیں:

''کیا ہماری جماعت حضور سید العلماء کی اس قربانی کو فراموش کرسکتی ہے کہ وہ ذات اپنی خانقاہ اور حلقۂ مریدین کو چھوڑ کر جماعت کی شیرازہ بندی کی خاطر ممبئ کی ایک مسجد کی امامت کو فوقیت دے دی ہے۔ نیت ثابت اور صاف تھی، محنت رنگ لائی، پورے اہل سنت و جماعت کو ایک پلیٹ فارم پر لے آئے، نتیجتاً جماعت اہل سنت کا قد اونچا ہوا، ہمیں ایک نئی شناخت حاصل ہوئی۔'' (اداریہ، اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، جلد:۱۸، نومبر ۲۰۱۱ء ص:۱۶)

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا قیام: اس تنظیم کے قیام کے سلسلے میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''غازی ملت (مولانا محبوب علی خاں رضوی) کے کیس کے دوران اہل سنت کے حساس افراد نے یہ دیکھا کہ ہم اہل سنت کی کوئی مضبوط تنظیم نہیں۔ ہمارے بالمقابل دیوبندیوں کی بہت مستحکم تنظیم ''جمعیۃ العلماء'' ہے۔ غازی ملت کے کیس میں جمعیۃ العلماء نے قدم قدم پر دیوبندی فتنہ گروں کی قیادت کی تھی، بمبئ کے سارے اہل سنت نے بالاتفاق یہ طے کرلیا کہ اہل سنت کو بھی اپنی ایک مضبوط اور مستحکم تنظیم قائم کر لینی چاہیے۔ چناں چہ تمام عمائد اہل سنت بشمول مفتی اعظم ہند کے مشورے سے ''آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے بالاتفاق پہلے صدر حضرت سید العلماء منتخب ہوئے اور تاحیات صدر رہے۔ حضرت سید العلماء نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ذریعے اہل سنت کی کتنی نمایاں خدمات انجام دیں، یہ ایک لمبی داستان

ہے۔‘‘ (مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص:۱۹۴)

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی تاسیس ۱۹۵۸ء میں عمل میں آئی، حضور شیر بیشۂ سنت اور حضور سید العلماء علیہما الرحمۃ والرضوان نے اس جماعت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کے قیام میں جماعت اہل سنت کے اکابرین کی دعائیں اور مشورے شامل تھے، اس جماعت کے سرپرست تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی اور شہنشاہ خطابت حضور محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی تھے اور صدر بالاتفاق حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کو چنا گیا تھا، پورے ہندوستان میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں قائم کی گئیں۔ ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل شہ سرامی لکھتے ہیں:

’’۱۹۵۸ء میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کے حل کرنے اور انہیں ہر موڑ پر آگے لانے کے لیے عمل میں آئی۔ حضرت سید العلماء مولانا حکیم سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں آپ کی جامعیت، کمالات اور ذاتی اعلیٰ تنظیمی خصائص کی بنا پر اس تنظیم کی صدارت کی شہ نشینی پیش کی گئی۔ آپ نے اکابرین ملت کے اصرار اور اصلاحات کے تئیں ذاتی رجحانات کے پیش نظر اسے قبول فرمایا اور تاحیات اس عظیم منصب کی ذمہ داریوں کے احساس اور شاندار اصلاحی خدمات کی بنیاد پر اس کے صدر نشین رہے۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں پورے ہندوستان میں قائم کی گئیں، جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے واسطے مذہبی اور سیاسی سطح پر عظیم الشان نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس تنظیم کے مقاصد بہت واضح اور شرعی اصولوں پر مبنی تھے۔‘‘

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳۶)

سرزمین بمبئی میں سنی جمعیۃ العلماء کے زیر اہتمام ہونے والی ایک اہم تاریخی تنظیمی کانفرنس میں وقت کے جید علما و مشائخ، پیران طریقت اور خطبا و مناظرین کا اجتماع دیکھ کر رئیس القلم علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

’’اس نعمت کبریٰ کو ہم جماعت کی خوش بختی ہی سے تعبیر کریں گے کہ صف اول کے اکابر کی اب گراں قدر توجہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ اہل سنت کی تنظیم (سنی

جمعیۃ العلماء) کی طرف منعطف ہوگئی۔‘‘

(ماہ نامہ جام نور دہلی، رئیس القلم نمبر، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء، ص:۱۸۹)

ہندوستان بھر کے اکابرین اہل سنت میں حضور مفتی اعظم ہند، برہان ملت، سید العلماء، حافظ ملت، مجاہد ملت، سلطان المتکلمین، پاسبان ملت، محبوب العلماء، اشرف العلماء، اور طوطی ہند وغیرہم کے اسما قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اس عظیم الشان کانفرنس کو زینت بخشی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کس معیار کی تحریک تھی اور اس کا دائرہ کار کتنا وسیع اور پر اعتماد تھا۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا میدان عمل مذہبی اور سیاسی دونوں تھا، یہ ممبئی میں اہل سنت کی واحد تنظیم تھی جس سے تقریباً تمام سنی مساجد، مدارس اور جماعتیں وابستہ تھیں۔

اس ضمن میں علامہ بدر القادری لکھتے ہیں:

’’آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء دراصل پراگندہ ذہن مسلمانان اہل سنت کی جمعیت خاطر کا ایک مرکز تھا تاکہ الیکشن اور دیگر مواقع پر مسلمانان اہل سنت اپنے مقتدر علما اور سربراہان ملت کی ہدایات کے مطابق اقدامات کریں۔‘‘ (سید ین نمبر، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، ص:۶۶۹)

سنی جمعیۃ العلماء کی برانچ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کان پور کے زیر اہتمام ۱۹۶۳ء میں حلیم مسلم کالج کے گراؤنڈ پر ایک سہ روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک کے بہترین دماغ اور اعلیٰ صلاحیتیں مجتمع تھیں۔ اس کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت سید العلماء قدس سرہ نے فرمائی، اس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا تھا وہ متعدد بار کتابی شکل میں چھپ چکا ہے، اپنے خطبۂ صدارت کے آخیر میں اپنی قوم کو پیغام بیداری دیتے ہوئے فرماتے ہیں، توجہ سے پڑھیں اور ان نکات پر سنجیدگی سے غور کریں:

’’محترم حضرات! اب وقت سونے کا نہیں رہا، زمانہ اپنی برق رفتاری سے گزرتا جارہا ہے، اور ملک کی شاطر جماعتیں اپنی نت نئی شاطرانہ حرکتوں سے ہمارے جماعتی نظام کو منتشر کردینا چاہتی ہیں۔ اگر آپ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی پائمالی نہ ہونے پائے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ سنی جمعیۃ العلماء کی شاخوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور زیادہ سے زیادہ ممبر سازی کرکے یہ واضح کردیا جائے کہ ملک کی رائے عامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے

ساتھ ہے۔'' (خطبۂ صدارت، اجلاس سوم، ص: ۱۵)

حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو سنی جمعیۃ العلماء سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ ہر وقت اس کے دست و بازو بن کر جماعت اہل سنت کا قد اونچا کرتے رہے اور دینی و ملی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں بعض سنی حلقوں کی طرف سے جب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے بالمقابل ایک دوسری جماعت کی تشکیل کی بات شروع ہوئی تو تمام اتحاد پسند علماے اہل سنت کو اس کا افسوس بھی ہوا اور غم بھی مگر اس المیہ کا سب سے زیادہ اثر حضور سید العلماء کی ذات پر ہوا۔ صحافی اہل سنت حضرت علامہ طیش صدیقی کانپوری لکھتے ہیں:

''سید میاں کو جمعیت سے عشق تھا، پیار تھا، محبت تھی، ۱۹۷۴ء کے شروع میں جب بعض حلقوں کی طرف سے سنی جمعیۃ العلماء کے مقابلے میں ایک نئی تنظیم کا شوشہ چھوڑا گیا تو سید میاں تڑپ اٹھے، بے چین ہوگئے۔ کانپور کے ایک زبردست مجمع میں تقریباً ایک لاکھ افراد سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میں سید زادہ ہوں، سنی جمعیۃ العلماء کی پرورش و پرداخت میں میرے بوڑھے خون کے قیمتی قطرات صرف ہوئے ہیں۔ میں اپنے جیتے جی اسے مرنے نہیں دوں گا، میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس کی آبیاری میں صرف کر دوں گا۔''

(سیدین نمبر، ص: ۵۵۰، ۵۵۱)

اکابرین اہل سنت نے متفقہ طور پر جس جمعیت کی داغ بیل ڈال کر اس کا پاسبان سید العلماء کو بنایا تھا، سید العلماء نے اس کی پاسبانی کا حق ادا کر دیا، پورے ہندوستان میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، جمعیت کے نام سے ملک کے اندر متعدد اہم تاریخی اجلاس اور کامیاب کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا، جس کا اثر حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ پر بہت گہرا پڑا تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے خود بمبئ پہنچ کر استعفیٰ واپس لینے پر مجبور کیا۔

اس کی تفصیل سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی نے اپنے طویل مضمون میں یہ دی ہے، لکھتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جماعت کے قیام کے کچھ برسوں کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا

جب ابا جماعت کے کچھ عہدے داروں کی بدچلنی سے ناراض ہوگئے اور صدارت سے استعفیٰ لکھ کر بریلی شریف بھیج دیا، حضور مفتی اعظم ہند کو جیسے ہی استعفیٰ ملا ویسے ہی بمبئ روانہ ہوگئے، ان دنوں مسجد کھڑک میں واقع ابا کے حجرے کی مرمت چل رہی تھی اور ابا مسجد کی دوسری منزل کے ایک کونے میں معتکف تھے، ایک شام حضور مفتی اعظم بہت تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے اور اس سے پہلے کہ ابا تعظیم کے لیے اٹھیں مفتی اعظم نے اپنا عمامہ اتار کر ابا کے قدموں پر رکھ دیا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ابا نے عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا: سید میاں! سنیت کی لاج آپ کے ہاتھ میں ہے، جماعت سے آپ علاحدہ ہوگئے تو شیرازہ بکھر جائے گا۔ دشمن پہلے ہی سے ہمارے اتحاد پر نظر جمائے ہوئے ہے، انہیں ہم پر ہنسنے اور گل کھلانے کا موقع مل جائے گا۔ آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اپنا استعفا واپس لے لیجیے۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم نے آپ کا استعفا نکال کر پیش کیا۔ میں نے ابا کو دیکھا، مفتی اعظم کا عمامہ اپنے سر پر رکھے روتے جارہے تھے، ادھر مفتی اعظم کی بھی آنکھوں میں آنسو رواں تھے، میں نے ابا کو روتے دیکھا تو خوب زور زور سے رونے لگا، ابا کے خادم صوفی نظام الدین صاحب مجھے گود میں اٹھا کر نیچے صحن مسجد میں لے آئے۔ اس دن حضور مفتی اعظم تب ہی واپس گئے جب ابا نے استعفا واپس لے لیا۔'' (جہان مفتی اعظم، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئ۔ ۲۰۰۷ء، ص: ۲۲۴)

حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے لیے اپنی زندگی کا آخری لمحہ تک وقف کر دیا تھا۔ اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے خصوصی تاریخی اجلاس اور کانفرنسوں میں آپ کا خطاب اپنے موضوع پر ایک جامع اور مؤثر خطاب ہوتا تھا۔ دینی موضوعات کے علاوہ جب سیاسی موضوعات پر گفتگو کرتے تب بھی آپ کی جہاں دیدگی اور سیاسی بصیرت کے اجالے ہر طرف بکھرے دکھائی دیتے اور بڑے بڑے سیاست داں دم بخود ہوکر آپ کا خطاب سماعت کرتے، یہ ان کی ذہانت اور علمی کمال تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ خانقاہی بزرگوں سے ملی ہوئی ان کی روحانی توانائی اور علمی فیضان تھا جو ان کی زبان فیض ترجمان سے نکل کر اہل دل کو مالا مال کر رہا تھا، سنی جمعیۃ العلماء نے اپنے عروج کے زمانے میں

نہ صرف جماعت اہل سنت کے لیے خوشیوں کا سامان فراہم کیا بلکہ مخالفین اور حریف جماعتوں کے لیے سوہان روح سے کم نہ رہی اور جو شہرت ومقبولیت اس کو حاصل ہوئی وہ بہت کم جماعتوں اور تحریکوں کے حصے میں آئی، لیکن افسوس قائد تحریک کے وصال نے اس کا دم خم توڑ دیا اور اس کی عظمت قصہ پارینہ بن چکی ہے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی لکھتے ہیں:

''جو مقبولیت آل انڈیا سنی جمیۃ العلماء کو عوام وخواص میں حاصل ہوئی وہ آج تک کسی تنظیم کو میسر نہیں ہوئی۔ افسوس کہ حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آل انڈیا سنی جمیۃ العلماء کی عظمت قصۂ پارینہ بن گئی۔'' (مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص:۱۸۵)

سرزمین بمبئ کے عوام وخواص اہل سنت آج بھی حضور سید العلماء کے احسان عظیم کو یاد کرتے ہیں تو آبدیدہ ہوجاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے جمعیت کے ذریعہ آخری سانسوں تک جماعت کے فروغ اور استحکام کے لیے کام کیا، علماے اہل سنت کو ایک وقار عطا کیا، ائمہ مسجد کو ایک مستحکم بنیاد فراہم کی، شہر بمبئ کے تقریباً ہر محلے میں نیاز کمیٹیاں قائم کروائیں اور ان کے زیر اہتمام مختلف پاکیزہ مجالس اور اعراس بزرگان منعقد کروائے، پورے ہند کے جید خطبا اور مشہور مقررین کا دورہ شروع ہوا یہ وہ ناقابل فراموش خدمت ہے جس میں اولیت کا سہرا حضور سید العلماء قدس سرہ کے سر سجتا ہے۔

علمی جلالت: حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو اللہ عزوجل نے غضب کی قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، اس اعلیٰ درجے کی ذہانت وذکاوت پر حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ جیسے مربی استاذ کی استاذانہ مہر لگ جائے تو پھر کیا پوچھنا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات علوم جدیدہ وقدیمہ کی سنگم اور ظاہری اور باطنی جامعیت کا منبع نظر آتی ہے، مفتی ظفر احمد قادری بدایونی آپ کے وفور علم اور جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کے مبارک سینے میں علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، مناظرہ میں امام المناظرین، گفتگو میں سید المتکلمین، تحریر وتقریر کے مانے ہوئے بادشاہ اور قادر الکلام تھے، ایک ہی موضوع پر مختلف عنوانات اور متعدد پیرائے سے بیان آپ کے لیے معمولی بات تھی۔ قوت

حافظہ کا یہ عالم کہ آٹھ نو سال کی عمر شریف میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ جب مدارس عربیہ کے طلبا کے امتحان لیتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسند تدریس کے بادشاہ ہیں، دورۂ حدیث شریف کا امتحان لیتے تو احادیث نبویہ خود سناتے کہ حافظ حدیث کا گمان ہوتا تھا۔''

(اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر، ۱۹۹۹ء ص: ۲۳۲)

تحدیث نعمت کے طور پر ایک جگہ حضور سید العلماء خود ہی فرماتے ہیں:

''درس و تدریس سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں لیکن اس عمر میں عربی گرامر اس طرح پر نقش ہیں کہ کوئی جب چاہے دریافت کر سکتا ہے۔'' (سیدین نمبر، ص: ۵۲۶، بہ حوالہ: ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، نومبر ۱۹۷۴ء، ص: ۳۳)

فتویٰ نویسی: حضور سید میاں قدس سرہ کے علمی تبحر اور جلالت فن کا مشاہدہ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ اور کتب و مقالات میں کیا جا سکتا ہے بالخصوص ''اہل سنت کی آواز'' اور ''ملفوظات مشائخ مارہرہ'' میں شامل شدہ علمی اور ٹھوس مضامین کو ضرور مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے جن کا مطالعہ آج بھی دور رس نتائج کا حامل ہے۔ آپ کو فقہ و افتا میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جزئیات فقہ پر کامل عبور رکھتے ہوئے جب کوئی محققانہ فتویٰ تحریر فرماتے تو اس کے استناد میں ذرہ بھر شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آپ کا قول قول فیصل مانا جاتا بلکہ آپ کے فتاویٰ ممبئ ہائی کورٹ تک میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ حضور سید نظمی میاں مارہروی آپ کی فتویٰ نویسی سے متعلق رقم طراز ہیں:

''سید میاں نے فتویٰ نویسی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر عمل کیا، وہ جب تک مسئلے کی گہرائی کو نہ سمجھ لیتے اس وقت تک کوئی حکم نہ لگاتے۔''

(سیدین نمبر، ص: ۵۱۳)

آپ کی فقہی بصیرت و ژرف نگاہی کا انکشاف کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سید العلماء نے ہزاروں فتاویٰ قلم بند کیے، آج کے مفتیان کرام اپنے فتوؤں کی نقلیں تیار کر کے رکھتے ہیں تا کہ زندگی کے کسی موڑ پر فتاویٰ کے مجموعے شائع کر سکیں مگر سید میاں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی، اگر چہ ان کے میراث کے فتوے ممبئ ہائی کورٹ تک میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ سید میاں کے کاغذات میں بہت کم فتوؤں کی نقلیں ملیں۔''

(اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص: ۳۵)

استاد گرامی محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب قبلہ نے حضور سید العلماء کی فتویٰ نویسی پر آپ کے چند مختصر اور تفصیل فتاویٰ کی روشنی میں قریب ۳۰ رصفحات میں مفصلاً گفتگو کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: سال نامہ اہل سنت کی آواز، اکابر مارہرہ مطہرہ (دوم) ص: ۴۶۶ تا ۴۹۵)

تصنیف وتالیف:

حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کی بے پناہ مصروف زندگی نے انہیں اتنا موقع نہ دیا کہ پوری توجہ تصنیف وتالیف کی جانب کر پاتے، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت وخطابت، دوروں کی کثرت، اور دیگر مسائل اس قدر زیادہ تھے کہ تحریر وقلم کے میدان کو زیادہ مالا مال نہ کر سکے لیکن جتنا بھی لکھا وہ اپنے کیف وکم ہر دو اعتبار سے انتہائی جامع اور وقیع تسلیم کیا جاتا ہے، آپ کے تحریر کردہ مضامین ومقالات اور چند قلمی نگارشات جو یادگار ہیں ان سے آپ کی تحریری مہارت اور جودت فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''مارہرہ کے قیام کے دوران آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ انہی ایام میں مارہرہ شریف سے ماہانہ رسالہ ''اہل سنت کی آواز'' جاری فرمایا جس میں انتہائی اہم مفید مضامین لکھتے رہے۔''

ڈاکٹر محمد ارشاد ساحلؔ شہ سرامی لکھتے ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ کو نثر ونظم، تقریر وتحریر کے اصناف سخن پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ لیکن قدرت نے خدمت اسلام کا کام آپ کی لسانی خوبیوں سے زیادہ لیا۔''

آگے مزید رقم طراز ہیں:

''لیکن آپ کی جو بھی قلمی یادگاریں ہیں ان سے آپ کی تحریری مہارت، زبان وبیان پر پوری دسترس، قلم کی برق رفتاری، زبان کی سلاست، فکر کی جولانی، اسلوب کا اچھوتا پن اور نثر ونظم کی اعلیٰ خوبیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' (اہل سنت کی آواز، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص: ۲۳۳)

اس کے بعد ساحل صاحب نے نو صفحات میں آپ کی مستقل تین تصنیف (۱) فیض تنبیہ (۲) نئی روشنی (۳) مقدس خاتون اور ایک خطبۂ صدارت پر وقیع تبصرہ وتجزیہ پیش کیا ہے اور

اخیر میں آپ کے چند علمی مضامین کی نشان دہی کی ہے۔

ذوق شعر وادب: حضور سید العلماء قدس سرہ کا ذوق شعر وسخن بھی بڑا ستھرا،نکھرا اور پاکیزہ تھا،آپ فن ادب اور نعت گوئی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور زبان دانی کے عظیم جوہر سے مالا مال تھے،آپ کا اردو کلام اہل سنت کی آواز کے مختلف شماروں میں شائع ہوتا رہتا تھا۔حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کے مرتب کردہ رسالہ ''مدائح مرشد'' میں بھی آپ کی متعدد منقبتیں شامل ہیں۔

سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں علیہ الرحمہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔مرزا داغؔ دہلوی مرحوم کے شاگرد رشید اور فرزند معنوی سید شاہ احسنؔ مارہروی کے تلامذہ میں سے تھے۔سید میاں نے بہت کم سنی میں شاعری شروع کردی تھی۔بہار یہ شاعری کا الگ انداز تھا اور نعتیہ شاعری کے تیور کچھ اور۔سیدؔ تخلص فرماتے تھے۔ایک دیوان بھی ترتیب دے رکھا تھا مگر وہ شعری بیاض سفر پاکستان کے دوران سامان کے گم ہوجانے کے ساتھ ضائع ہوگئی اور ہم اردو والے ایک روایت سے محروم ہوگئے۔'' (سیدین نمبر،ص:۵۰۰)

ان کے اشعار کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو کسی اچھے شعر کا طرۂ امتیاز ہیں، برجستگی، روانی، تغزل، شعریت، نغمگی، شوخی سب کچھ نظر آتا ہے، غزلیں ہوں، یا نعت ومنقبت کے اشعار ان کا رنگ وآہنگ الگ ہی تاثر دیتا ہے۔ذرا یہ شعر دیکھیں:

ہونا تھا جس کو پیر خرابات میکدہ
اس کو رہین جبہ و دستار کر دیا
خیال یار نے بستر لگایا قلب مضطر میں
یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں

نعت کے چند اشعار بھی پڑھ لیں:

خدا نے خود تمہیں ایسا سنوارا یارسول اللہ
نہیں ممکن کوئی ثانی تمہارا یارسول اللہ

اور اس نعت کا یہ مقطع تو زبان زد خاص وعام ہو چکا ہے:

کسی کی جے وجے ہم کیوں پکاریں کیا غرض ہم کو
ہمیں کافی ہے سیِّد اپنا نعرہ یا رسول اللہ

ان کے علاوہ امام حسین سید الشہدا، خواجۂ اجمیری، نوری میاں اور امام احمد رضا علیہم الرحمہ کی شان میں لکھی گئی منقبتیں تو بڑی دھوم سے مذہبی مجالس میلاد میں پڑھی جاتی ہیں۔ بس ایک شعر امام عالی مقام کی شان میں:

تمہارے سجدے کو کعبہ سلام کہتا ہے
جلال قبۂ خضرا سلام کہتا ہے

بحث ومناظرہ: مذکورہ تمام خوبیوں کے ساتھ حضور سید العلماء علیہ الرحمہ ایک با کمال اور بلند پایہ مناظر تھے۔ اپنی تقریر میں بد مذہبوں کا رد وتعاقب تو کرتے ہی تھے با قاعدہ تحریری طور پر بھی ان کا تعاقب فرمایا اور بد مذہبوں کے ایوان میں زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ آپ کے ایک تحریری مناظرے کی روداد و تفصیل ''اہل سنت کی آواز'' اکتوبر ۱۹۹۹ء کے شمارے میں صفحہ ۳۴ پر دی گئی ہے جس کے مطالعے سے آپ کی مناظرانہ شان نمایاں نظر آتی ہے، جس کے آغاز میں آپ کے بلند اقبال فرزند سید نظمی میاں لکھتے ہیں:

''حضور والد ماجد سرکار سید میاں علیہ الرحمہ نے بمبئ کے قیام کے ابتدائی دور میں وہابیت سے کافی مچیٹے لیے۔ بھیونڈی کا مناظرہ ایسی ہی ایک اہم کڑی تھی، ان دنوں وہابی لابی کا ایک سرگرم رکن مولوی محمد یونس بگھیروی بمبئ کی سرزمین پر بڑا فعال تھا اور چاہتا تھا کہ بمبئ کے سنی عوام کو اپنے مکر وفریب سے صراط مستقیم سے بہکا دے اور شیطان کی راہ پر لگا دے۔ حضور سید میاں نے ابھی نہیں تو کبھی نہیں، یہ سوچ کر یونس بگھیروی کا تعاقب کیا اور جھوٹے کو جھوٹے کے گھر تک پہنچا کر دم لیا۔ ایک دن یوں ہی میں ابا حضور کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا کہ ان میں یونس بگھیروی سے متعلق خط وکتابت نظر آئی، ابا حضرت نے جس طرح اس کا پیچھا کیا اسے آپ بھی پڑھ لیں۔'' (اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر، ۱۹۹۹ء ص: ۳۵)

سید نظمی میاں کا یہ تفصیلی مقالہ ''حضور سید العلماء: مناظر بے نظیر'' کے عنوان سے ۶۳ر صفحات میں شائع ہوا ہے، جس کے اخیر میں ایک تمثیلی مناظرہ بھی درج ہے جو حضور سید العلماء

کی کتاب ''مقدس خاتون'' سے ماخوذ ہے جو انتہائی علمی رنگ لیے ہوئے ہے، اس کے مطالعہ کے بعد حق کی صداقت اور باطل کا بطلان آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور جس سے حضور سید العلماء کی مناظرانہ شان تاباں و درخشاں ہو جاتی ہے۔ یہی مقالہ بعد میں سیدین نمبر میں بھی شامل کیا گیا جو مذکورہ نمبر کے صفحہ ۵۹۷ تا ۶۴۶ پر پھیلا ہوا ہے اور قارئین کو دعوت مطالعہ پیش کر رہا ہے۔

امام احمد رضا سے عشق و محبت: مجدد اعظم، فقیہ اسلام، امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ تو چشم و چراغ خاندان برکات ہیں اور مارہرہ مطہرہ امام احمد رضا کا پیر خانہ ہے، ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ نے دین متین اور مسلک حقہ کی جس ذمہ داری کے ساتھ ترجمانی کی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی بیش بہا پونجی کا زندگی بھر تحفظ کرتے رہے۔ ایسے ان گنت کمالات وروابط نے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سچا شیدا بنا دیا تھا اور آپ کے دل میں امام عشق و محبت کی پاکیزہ عقیدت اتنی رچ بس گئی تھی کہ ان کے خلاف ذرا بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے، سید نظمی میاں مارہروی رقم طراز ہیں:

''سید میاں مارہرہ مطہرہ کے اس مقدس خانوادے کے فرد تھے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا پیر خانہ تھا۔ اتنا ہی نہیں، وہ اس گدی کے وارث تھے جس سے ارادت ووابستگی امام احمد رضا اپنے لیے دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ سید میاں نے امام احمد رضا کا پیر زادہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے دنیا کو ایک جاندار نعرہ دیا:

یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد
حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

(سیدین نمبر، ص: ۵۰۴، ۵۰۵)

شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی دام ظلہ رقم طراز ہیں:

''حضور سید العلماء کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت سے بہت والہانہ لگاؤ تھا، جب آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ذکر فرماتے تو انداز بیان اس قدر مؤثر اور رقت انگیز ہوتا کہ آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔'' (سیدین نمبر، ص: ۳۴)

امام احمد رضا کا نام آتے ہی سید میاں بے قرار ہو جاتے اور اگر کہیں ان کی مخالفت سامنے آتی تو پوری جواں مردی کے ساتھ اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سید میاں علیہ الرحمہ کی والہانہ محبت کا ثبوت آپ کا وہ رسالہ ہے جو ''فیض تنبیہ'' کے تاریخی نام سے ۱۹۷۴ء میں دارالاشاعت برکاتی مارہرہ سے شائع ہوا جس میں امام احمد رضا کے قصیدہ معراجیہ پر کی گئی تنقید کا وافی وشافی جواب دیا گیا ہے۔اور اس قصیدے پر کی گئی گرفت کا سخت محاسبہ کیا گیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

امام احمد رضا کے مشن کو عام کرنے میں سید میاں علیہ الرحمہ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا تھا، انہوں نے اپنی پوری حیات مستعار مسلک برکاتیت کے نقیب اور مسلک رضا کے علم بردار کی حیثیت سے گزار دی، شہزادۂ امام احمد رضا حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمہ سے بھی سید میاں کو بے حد گہرا لگاؤ تھا اور دونوں بزرگوں میں ایک دوسرے کا حد درجہ احترام وادب باقی رہا، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے سلسلے میں دونوں حضرات ایک دوسرے کے اور بھی قریب آگئے اور جماعت کا کام کرتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے رفقائے کار بن گئے، بہ قول نظمی میاں: ''حضور مفتی اعظم ہند کا یہ معمول رہا کہ آخری فیصلہ سید میاں کا ہی مانتے تھے۔'' (سیدین نمبر، ص:۵۰۵)

ماقبل کی سطور میں گزرا کہ چند وجوبات کی بنیاد پر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت سے سید میاں کا استعفا دینا اور مفتی اعظم ہند کا بریلی سے بمبئ آکر استعفا واپس لینے پر مجبور کرنا اسی محبت ووارفتگی کا ثبوت تھا۔ان دونوں بزرگوں میں خط وکتابت کا سلسلہ عرصۂ دراز سے قائم تھا، اسی پس منظر میں سید نظمی میاں مارہروی کے دو اشعار پڑھ لیں:

مفتی اعظم جنہیں خط میں لکھیں یا سیدی
ہاں وہی فخر سیادت حضرت سید میاں
مفتی اعظم سے پوچھا آپ کا پیارا ہے کون
آگیا ان کی زباں پر برملا سید میاں

احترام علما ومشائخ: خانوادۂ برکاتیہ کے مشائخ کرام اور سجادہ نشینان کی دیرینہ روایت رہی

ہے کہ وہ علمائے اہل سنت کا بے حد احترام کرتے ہیں اور انہیں دل کے نہاں خانے میں جگہ دیتے ہیں، اعراس کے مواقع پر بھی یہ منظر خوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ حضور سید العلماء قدس سرہ کو احترام علما کا یہ بیش قیمت جوہر وافر مقدار میں عطا ہوا تھا آپ اپنے معاصر علمائے اہل سنت و مشائخ طریقت کا حد درجہ ادب و اکرام کرتے تھے، حضور مفتی اعظم سے متعلق اوپر کی سطور پر اجمالاً روشنی ڈالی جا چکی ہے، استاد محترم حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے سید میاں قدس سرہ غایت درجہ عقیدت و محبت فرماتے اور ادب واحترام سے آپ کا ذکر فرماتے، اس ضمن میں حضرت مولانا عابد حسین مصباحی لکھتے ہیں:

''۴/ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو مولانا مبین الہدیٰ صاحب نورانی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند نے ایک ملاقات پر راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا: کہ ایک مرتبہ سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ مارہروی قدس سرہ بیت الانوار ایک جلسہ کی بابت تشریف لائے، خواص و عوام کی ایک مجلس میں حضرت صدر الشریعہ کا تذکرہ چھڑ گیا تو حضرت سید العلماء نے برجستہ فرمایا کہ ''حضرت صدر الشریعہ کا وہ مقام ہے کہ اگر آپ کی جوتیاں مجھے مل جائیں تو میں اپنے سر پر رکھنے کو باعث فخر و انبساط سمجھوں گا اور انہیں سر پر لیے گھومتا رہوں گا۔''

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

(ماہ نامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء ص: ۱۹۲، ۱۹۳)

سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی حضور صدر الشریعہ کی مجسم کرامت کا نام ہیں جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی اور سید میاں علیہ الرحمہ کے مابین قلبی روابط اور دینی تعلقات کو بھی اس خصوص میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس کا واضح ثبوت ۶/ مئی ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر کل ہند تعلیمی کانفرنس میں حضور سید میاں کا مفتی اعظم ہند کے ساتھ شرکت، خطبہ صدارت اور تعاون کا وعدہ آج بھی اشرفیہ کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے، سید میاں کے چھوٹے بھائی احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی قدس سرہ کے روابط اور دونوں بزرگ بھائیوں کے تعلقات اور

گہری قلبی وابستگی کے گواہ آج بھی سیکڑوں لوگ زندہ مل جائیں گے اس سلسلے میں شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی کے تاثرات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

خطابت کی منفرد آواز: تبلیغ دین کے کارآمد ذرائع میں تحریر وقلم اور تدریس وافتا کے ساتھ تقریر وخطابت کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ بڑا منظّم اور انتہائی مفید فن ہے، اس فن کو انتہائی آسان اور بے حد منافع بخش تصور کرلیا گیا ہے، آسان ضرور ہے لیکن اس کے لیے جو اس فن کو پیشہ بنالے اور یہی اس کا ذریعۂ معاش ہو لیکن جو تقریر وخطابت کو اشاعت مذہب حق کا مؤثر وسیلہ گردانتا ہو اور حقائق ومعرفت سے لبریز اور اخلاص وجذبۂ دروں سے ہم آہنگ خطبات پیش کرتا ہو اس کے مشکل اور دقت طلب ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ میدان انبیا ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرغوب میدان رہا ہے، ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیرے اور جواہرات ہیں، ان کا اثر براہ راست دل پر ہوتا تھا اور دل کی دنیا زیر وزبر ہونے لگتی تھی۔ حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی قدس سرہ نے بھی اس میدان کو چنا اور یہ عظیم فن اختیار کیا تو اس لیے نہیں کہ وہ دور دور تک مشہور ہوجائیں اور ان کا سکہ دلوں پر قائم ہو اور نذرانوں سے جیب وزنی ہوجائے بلکہ آپ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ کی خطابت دین وسنیت کے لیے وقف تھی، کبھی بھی اس فن کو حصول زر اور دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا، آپ اپنے اس اصول پر تاحیات قائم رہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو جو جوہر خطابت اور حسن تقریر عنایت فرمایا تھا اسے آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں تو آبدیدہ ہوجاتے ہیں، دل ودماغ عش عش کرنے لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ براہ راست جن سماعتوں نے آپ کی خطابت کی لذت پائی ہے اور آپ کی تقریر کی حلاوت جن کانوں میں آج بھی رس گھول رہی ہے ان کے چند تاثرات پیش کردوں جس کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ لگاسکیں گے کہ خطابت کی اس منفرد آواز میں کتنا دم خم تھا کہ اس کی توانائی کی راہ میں کبرسنی بھی حائل نہ رہی۔

تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ نے ''زمانۂ قدیم میں عرس قاسمی کی تقریبات'' میں حضور سید العلماء کی ایک تقریر ''تفسیر سورۂ فاتحہ'' پر کتنا دلکش اور مبنی برحقیقت

تبصرہ فرمایا ہے:

''مولانا عبد السلام صاحب کے بیان کے بعد مولانا حافظ قاری حکیم سید شاہ آل مصطفیٰ میاں صاحب سلمہ نے سورۂ فاتحہ مبارکہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے اتباع شریعت مطہرہ اور صورۃً سیرۃً، ظاہر وباطن میں سچی کامل اطاعت وغلامی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام جہاں وجہانیاں سے زائد حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب رکھنے کی ضرورت واہمیت بتائی اور روشن کیا کہ جو آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا پکا فرماں بردار محبّ ومخلص غلام ہے وہ اپنے آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دشمنوں، معاندوں، تمام اگلے اور پچھلے کفار ومشرکین مرتدین ومبتدعین سے حتی الوسع قطعاً دور ونفور رہتا ہے۔ جو ایک طرف سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی محبت وغلامی کا دعویٰ کرے دوسری طرف ان کے دشمنوں، مخالفوں، معاندوں کی مدح وتعریف کے گیت گائے، ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا، رہبر ورہنما، محبوب قائد اعظم اور بڑا پرہیزگار، روح اعظم وغیرہ وغیرہ بڑے القاب وخطاب سے سراہے، ان سے گھال میل، الفت ومحبت رکھے وہ ضرور اپنے دعویِ ایمان اور غلامی ومحبت آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جھوٹا اور کھوٹا ہے۔''

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ اکابر مارہرہ نمبر، حصہ سوم، ۲۰۱۱ء ص: ۱۹۹)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ خطابت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، دلکش، بلند آواز، ساحرانہ طرز بیان، نکات ودقائق سے بھرپور تقریر ایسی کہ گھنٹوں سنتے رہیے، مگر جی نہ بھرے، بمبئ میں ایام محرم میں وعظ کی سیکڑوں مجالس منعقد ہوتیں، لیکن ہمیشہ سب سے زیادہ مجمع حضرت سید العلماء کی محفل میں ہوتا تھا، ویسے تو حضرت بہت نحیف ونازک نظر آتے تھے لیکن تقریر کے وقت ہمیشہ جوان معلوم ہوتے تھے۔ پانچ پانچ گھنٹے مسلسل وعظ فرماتے مگر ذرا بھی تکان کا نام نہ ہوتا، نہ کبھی حضرت کی آواز بیٹھتی، یکساں مسلسل تقریر فرماتے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صبح نماز فجر تک وعظ ہوتا رہتا اور لاکھوں لاکھ کا مجمع محویت کے ساتھ سنتا رہتا، ذکر شہادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔'' (مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص: ۱۹۹)

ایک دوسرے مقام پر شارح بخاری مزید فرماتے ہیں:

''تقریر وخطابت کے سلسلے میں دنیا ان کا لوہا مانتی تھی، کوئی بھی موضوع ہو، کتنا ہی خشک ہو، اس کو بلا تکلف ایسی شگفتگی کے ساتھ بیان فرماتے کہ بے پڑھے لکھے عوام پر بھی بار نہ ہوتا تھا۔''

(مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص:۱۸۴)

شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''سید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے کبھی تقریر سے پہلے تیاری نہیں کی۔ کیسا ہی موقع ہو، کیسا ہی ماحول ہو، کیسا ہی موضوع ہو، سید میاں موقع ومحل کے اعتبار سے اپنا موضوع طے کرتے اور بیان کرنے لگتے، نپے تلے الفاظ، مسحور کن پیرایہ، قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف سے حوالہ جات سید میاں کی تقریروں کی خصوصیت تھی۔'' (سیدین نمبر، ص:۵۰۳)

مفتی مظفر احمد قادری بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

''اس فرزند رسول اللہ میں بیک وقت شجاعت حیدری، سیادت حسنی، اور شہادت حسینی سب ہی چیز جمع تھی، اس مرد خدا کو دین وملت کی خدمات میں نہ دن کو چین آتا نہ رات کو آرام۔ سرکار سید العلماء سید الحکماء قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات سے کون واقف نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خطابت وبلاغت کا یہ شہ سوار جس وقت منبر پر رونق افروز ہوتا تو زمین کی خوش بختی پر آسمان کے تاروں کو بھی رشک ہوتا۔ زور بیانی پر جس وقت اتر جاتا تو فارابی وارسطو کے ماتھے پر بھی پسینہ آجاتا۔ خاموشی میں تکلم کی حلاوت، الفاظ دل نشیں، خوب صورت وبارعب چہرہ، کشادہ پیشانی، موزوں قامت، چھریرا بدن، حاضر جوابی ایسی کہ ہزاروں لاکھوں کے مجمع پر کنٹرول کرلینا ان کا ادنیٰ کام تھا، آپ کی ایک آواز پر حاضرین گوش برآواز ہوجاتے تھے۔''

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۳۱،۲۳۲)

خطیب البراہین حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین خلیفۂ حضور احسن العلماء لکھتے ہیں:

''رئیس الخطباء مقتدائے اہل سنت حضور سید العلماء کی ذات گوناگوں خوبیوں کی مالک تھی۔ آپ اعلیٰ درجے کے خطیب، بہترین نثر نگار اور خوش فکر شاعر بھی تھے۔ آپ کی خطابت کی پورے ملک میں دھوم تھی۔'' (سیدین نمبر، ص:۳۶۸)

شہزادۂ حضور صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی رقم طراز ہیں:

''حضور سید العلماء ایک بلند پایہ فکر انگیز خطیب، معاصرین علما میں بے مثال مفکر، طبیب حاذق، زاہد شب زندہ دار، نخبۃ الصوفیہ، قادر الکلام شاعر اور نقاد بھی تھے، جماعتی شیرازہ بندی کے ماہر، شکل وصورت دلوں کو موہ لینے والی، آواز میں گھن گرج، بہت خوش مزاج، مگر شخصیت سے ہیبت حق کا جلوہ نمایاں، دنیا سے بے نیاز اور اصول کے پابند تھے، جب تک آپ بمبئ میں قیام پذیر رہے کسی بد مذہب کو پر مارنے کی بھی مجال نہ ہوئی۔'' (سیدین نمبر، ص:۳۴)

حضرت علامہ بدر القادری مصباحی ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت سید العلماء سید الخطباء اور امام المقررین تھے۔ ان کے خطبوں اور تقریروں کے آہنگ پر ایک زمانے میں شہر ممبئ کی فضائیں بدلا کرتی تھیں، وہ سید برکاتیت جب حق کی للکار کے لیے گرجتا تھا تو سیاست کے ایوان میں زلزلہ آجاتا تھا۔'' (سیدین نمبر، ص:۲۶۱)

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''حضور سید العلماء کو تاریخ پر بڑا عبور حاصل تھا۔ آپ کی تقریریں بڑی پُر جوش ہوتی تھیں، کبھی کبھی آپ مقفیٰ و مسجع تقریر بھی کرتے تھے، محرم الحرام کی دس گیارہ روزہ تقریریں تو یادگار تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ شب عاشورہ کی تقریر خصوصیت کے ساتھ بہت ہی معلوماتی، اصلاحی، پر جوش اور ساتھ ہی ساتھ رقت آمیز ہوتی تھی۔ راقم نے آپ کی بمبئ کی تقریروں کی کیسٹیں سنی ہیں اور استقامت ڈائجسٹ کان پور کے شہید اعظم نمبر میں شب عاشورہ کی جو تقریر پڑھی ہے وہ ایک یادگار اور تاریخی تقریر ہے اور آج کے لفاظ مقررین اس تقریر سے کئی تقریریں تیار کر سکتے ہیں، البتہ وہ قابلیت، انداز، لب ولہجہ اور جذبۂ صادق کہاں سے لائیں گے۔'' (ص:۳۸۳)

مولانا بشیر احمد بشیر القادری لکھتے ہیں:

''(حضور سید العلماء نے) اپنے زور خطابت سے بمبئ جیسے عظیم شہر کو ایسا مسخر کر دیا کہ اپنے تو اپنے، غیروں نے بھی اعتراف کیا کہ سید العلماء کا بمبئ شہر میں وہ وقار واقتدار ہے کہ بمبئ کے سنی مسلمانوں کو جدھر چاہیں جھکا دیں، ان کے دلوں پر قبضہ تھا۔''

آگے مزید ایک تاریخی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک بار شب عاشورہ میں چھ گھنٹے ذکر شہادت بیان فرمایا، بمبئ شہر کی چہل پہل، ٹرافک، گلی کوچہ سب جام تھے، مجمع کا یہ عالم تھا کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا، شہادت اکبر پر جو بیان فرمایا کہ سارا مجمع آہ و نالے بھر رہا تھا، رقت کا یہ عالم تھا کہ سامعین کے آنسوؤں سے دامن تر تھے اور کتنے سکتہ و بے ہوشی میں اٹھائے گئے۔'' (حوالہ سابق، ص:۵۷۶)

مندرجہ بالا تأثرات اور وضاحتوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضور سید العلماء کو فن خطابت پر کامل عبور حاصل تھا۔ وہ میدان تقریر کے بادشاہ تھے، ان کے تمام کمالات و جواہر میں تقریر و خطابت کا جوہر کھل کر نمایاں ہوتا تھا، اور دلوں کو مسحور کر لیتا تھا، جذبات و کیفیات قلبی کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کرتا تھا اور اپنی فتح و نصرت کا علم بند کرتا تھا، اس میں آپ کی خداداد صلاحیتوں، روحانی امانتوں، علمی بصیرتوں، تاریخی حوالوں اور زبان و بیان، انداز تکلم اور لب و لہجے کی انفرادیت سب کو دخل تھا جو انہیں یقیناً ''سید الخطباء'' کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

وفات حسرت آیات: حضرت سید العلماء کی وفات ممبئ میں یکم جولائی ۱۹۷۴ء/۱۰/اور ۱۱/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۴ھ کی درمیانی شب ۱۱/بج کر ۴۰/منٹ بروز دوشنبہ ہوئی، وصال کے وقت حضرت سید العلماء کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ جنازہ بذریعہ طیارہ مارہرہ شریف لے جایا گیا، جہاں آپ کے صاحب زادے سید آل رسول حسنین میاں نظمی دام ظلہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں پیر و مرشد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کے عالی مرتبت شہزادے وسجادہ نشین، ممتاز وقادر الکلام شاعر، ادیب، محقق، مترجم، مصنف، مفسر قرآن، اور مشہور مرشد طریقت سید آل رسول نظمی مارہروی علیہ الرحمہ نے بعد میں سید العلماء کے مشن کو ممبئ اور ممبئ سے باہر پوری ذمہ داری اور توانائی کے ساتھ عام کیا۔ اب ذیل میں سید العلماء کے برادرِ اصغر احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی قدس سرہ کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔ ممبئ میں فروغ سنیت کے حوالے سے جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی:

گزشتہ صدی میں جن عظیم المرتبت اور خوش فکر شخصیات نے اپنی پر کشش ذات، کردار

وعمل، تصلب فی الدین، عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دینی و مذہبی خدمات اور علمی فتوحات کی بدولت ایک جہان کو متاثر کیا ہے اور قومِ مسلم کی حالت پر ان کے بے پناہ اثرات مرتب ہوئے ہیں ان میں ایک نمایاں اور ممتاز ترین نام ممدوح گرامی حضور احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ کا لیا جاسکتا ہے، جن کے متعلق محققِ برکاتیت ڈاکٹر ارشاد احمد ساحلؔ شہ سرامی رقم طراز ہیں:

''سیدی و مطلوبی احسن العلماء حضرت مولانا مفتی حافظ قاری الشاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی قدس سرہ اپنی ذات میں ایک جہانِ محاسن و کمالات تھے۔ علم وفن، زہد وورع، صبر واستقامت، اخلاق وکردار، تدبر وحلم، تنظیم وتعمیر، شفقت ومروت، اعزاز وتمکنت اور جود وسخا کون سی ایسی خوبی تھی جو آپ سے وابستہ نہ ہو۔''

(سال نامہ اہل سنت کی آواز: شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص: ۲۴۳)

خانقاہِ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ مغربی اتر پردیش کے ضلع ایٹہ میں واقع وہ عظیم وجلیل اور معزز ترین خانقاہ ہے جس نے ہر دور میں علم وفن اور خانقاہی نظام کی حاصل شخصیات پیدا کی ہیں۔ جنھوں نے وعظ وتذکیر، درس وتربیت، تصنیف وتالیف اور تزکیۂ قلوب کا مثالی کارنامہ انجام دیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے، جہاں خانقاہی نظام پورے آب وتاب اور روحانی اثرات کے ساتھ زندہ وتابندہ ہے۔ راقم نے غالباً چھ برس قبل لکھا تھا کہ:

عظمتِ رفتہ پہ جب ہے شادماں سجادگی
کیسے اب احسنؔ جہاں میں خانقاہی آئے گی

اس شعر کی استثنائی صورتوں میں خانقاہِ برکاتیہ کو پیش کیا جاسکتا ہے جو آج بھی اپنی روحانی جلوتوں کی رنگینیاں بکھیر رہی ہے۔ سیدی حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ اسی خانقاہِ عالی شان کے پروردہ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۰؍شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۳؍فروری ۱۹۲۷ء یک شنبہ کی شب مارہرہِ مطہرہ میں ہوئی۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

سید مصطفیٰ حیدر ابن سید آل عبا بشیر حیدر ابن سید حسین ذوالفقار حیدر ابن سید محمد حیدر ابن سید دلدار حیدر ابن سید مستجب حسین بلگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

قرآنِ مجید کی تعلیم کا آغاز والدۂ ماجدہ نے کرایا اور حفظ کی تکمیل حافظ عبدالرحمٰن عرف حافظ کلو صاحب مرحوم سے کی، درمیان میں حافظ سلیم الدین قریشی نے بھی پڑھایا۔ اردو فارسی کی ابتدا ممانی صاحبہ سے ہوئی۔ درسِ نظامی کا آغاز خال محترم حضور تاج العلماء سید اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ (ولادت: ۱۳۰۹ھ، وفات: ۱۳۷۵ھ) نے کرایا۔ منتہی کتابوں کی تعلیم حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی، سید العلماء سید آل مصطفیٰ سید میاں علیہ الرحمہ، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی قادری اور مفتی محمد خلیل خاں برکاتی کے ذریعہ مکمل ہوئی۔ شروع کے اساتذہ میں منشی سعید الدین برکاتی اور ماسٹر محمد سمیع خاں برکاتی کا نام آتا ہے۔ چودہ ماہ کی عمر میں آپ کے نانا جان تاجدار مسند برکاتیہ حضرت مولانا حافظ وقاری سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہ نے بیعت وخلافت سے سرفراز فرما کر اپنا سجادہ نشین قرار دیا۔ آپ کے ماموں جان حضور تاج العلماء سید شاہ محمد میاں علیہ الرحمہ نے آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی اور اپنی عنایاتِ خسروانہ سے نوازا اور آپ کو تمام سلاسلِ خانقاہِ برکاتیہ قدیم وجدید نیز جملہ اذکار ومراقبات وغیرہا کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ خانقاہ کے سارے علمی وروحانی خزانے آپ کے سپرد فرمائے اور خانقاہِ برکاتیہ کے جملہ اوقاف کا متولی بنا دیا۔

(سید محمد اشرف، یادِ حسن، مطبوعہ: دارالاشاعت برکاتی، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء ص: ۸۱، ۸۲)

آپ کا علمی وروحانی قد بہت بلند تھا۔ آپ کی دینی وعلمی خدماتِ جلیلہ آبِ زر سے لکھے جانے کی حق دار ہے۔ والد گرامی سید بشیر حیدر آل عبا زیدی قادری نے خانقاہی ودینی تعلیم سے اٹھ کر عصری تعلیم کی تحصیل پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ آپ کو ادب وتنقید سے کافی لگاؤ تھا۔ اعتقاد میں پختگی، دینی رسوخ اور دینی وتہذیبی ذوق کی نمائندگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کو فنِ لسانیات پر بھی عبور حاصل تھا اور زبان وبیان کی تمام تر خصوصیات سے آگاہ تھے۔ آپ بے حد خوب صورت ادبی ذوق کے مالک تھے۔ آپ کی کتابوں میں ''بے پر کی (مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی) خاکوں کا مجموعہ ''اپنی موج میں'' اور انشائیوں اور تاریخی ڈراموں کا مجموعہ ''میرا فرمایا ہوا'' کے ادبی نام سے طبع ہوا۔ آپ کا قلمی نام ''آوارہ'' مشہور ومعروف ادیب رشید احمد صدیقی نے دیا تھا۔ آپ نے سرکاری ملازمت کی۔ ۱۹۶۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مارہرہ مقدسہ میں ۱۹۸۶ء میں وصال فرمایا۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، سیدین نمبر، اکتوبر ۲۰۰۲ء: ص ۳۳۶)

یہ حضور احسنؔ العلماء علیہ الرحمہ کے والد ماجد کی حیات کا ایک اجمالی نقشہ تھا جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ حضور احسن العلماء ایک بلند پایہ خطیب اور بالغ نظر مناظر اہل سنت کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ کیوں نہ ہو کہ مناظر اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی کے شاگرد جو تھے۔ دین کے داعی بھی تھے اور مذہب کے مبلغ بھی۔ صاحبِ لسان بھی تھے، صاحب قلم بھی، روحانی قائد بھی تھے اور طبیب و حکیم بھی، عالم باعمل اور پابند سنت و طریقت بھی تھے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حضرت احسن العلماء علم ظاہر و باطن کے مجمع البحرین تھے، میرا ان سے ہمیشہ سے بہت خصوصی تعلق رہا، میں ان کے ساتھ خلوت میں بھی رہا، جلوت میں بھی رہا، سفر میں بھی رہا، حضر میں بھی رہا، نجی مجالس میں ان کے گھنٹوں ملفوظات سنے اور اجلاس میں تقریریں سنیں، میں نے ان کا کوئی قول و فعل شریعت کے خلاف نہیں پایا۔'' (مقالات شارح بخاری، مرتبہ: مولانا عبدالحق رضوی و ساحل شہ سرامی، مطبوعہ: گھوسی، ص: ۲۰۸)

خلیفۂ حضور احسن العلماء خطیب البراہین صوفی محمد نظام الدین برکاتی فرماتے ہیں:

''سیدی حضور احسن العلماء مارہروی قدس سرہ کی ذات بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ آپ کا پرنور چہرہ ایسا روشن و تابناک تھا جسے دیکھ کر اہلِ ایمان کو خدا یاد آ جاتا۔ سادگی ایسی کہ سیدنا ابو ذر غفاری کی یاد تازہ ہو جاتی۔ غلاموں کے لیے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کا پیکر جمیل اور دین کے دشمنوں کے لیے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مظہر اتم اور جلال فاروقی کا آئینہ دار۔ عبادت و ریاضت میں سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کا وارث حقیقی۔ غرضیکہ آپ کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے، آپ کی ذات مجمع الکمالات تھی۔'' (ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، سیدین نمبر، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص: ۳۶۸)

حضور احسن العلماء قدس سرہ انتہائی شیریں مقال اور حسن گفتار کے مالک تھے۔ تین تین تقریریں کرنے کے بعد بھی پر جوش رہا کرتے۔ آپ نے کچھ عرصے جامع مسجد اندھیری ممبئ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ سیدی ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی کی وضاحت

حقیقت بیان ہے کہ آپ نے ''۱۹۵۱ء کے رمضان مبارک میں تن تنہا ایک رات میں تراویح میں مکمل قرآنِ عظیم کی تلاوت کی۔ بمبئ کے ایک معتبر راوی نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے بمبئ میں شبِ شہادت میں لگا تار ۵؍گھنٹے چالیس منٹ خطاب فرمایا۔ ۳،۴ گھنٹے کی تقریروں کے تو بے شمار گواہ مارہرہ مطہرہ میں موجود ہیں۔ جامع مسجد برکاتی میں قبل نماز جمعہ ۵۴؍برس وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔'' (ایضاً ص ۸۳۰)

مولانا عبدالمبین نعمانی قادری تحریر فرماتے ہیں:

''حضور احسن العلماء والمشائخ علیہ الرحمۃ والرضوان زبردست عالم دین بھی تھے اور مفتی بھی، عاشقِ رسول شاعر بھی تھے اور بہترین خطیب بھی اور ایسے پیر طریقت سے جنہیں روحانیت کا معیار اور بیعت وارشاد کا وقار کہا جائے تو عین حقیقت''۔ (ایضاً ص: ۹۴۱)

حضور احسن العلماء ایک زبردست داعی اور دور اندیش رہنما تھے۔ ملتِ اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں رہتے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو غضب کا حافظہ اور بے پایاں سیاسی شعور عطا فرمایا تھا۔ چناں چہ تقسیمِ ہند کے موقع پر جنم لینے والی بے شمار تحریکوں نے جب اپنے اہداف ونظریات متعین کر لیے اور نت نئے مسائل ہندوستانی مسلمانوں پر امنڈنے لگے تو مساجد ومدارس اور خانقاہوں کے تحفظ اور جماعت کی سالمیت کو برقرار رکھنے اور غربائے اہلِ سنت کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی غرض سے خانقاہِ برکاتیہ میں ''جماعت اہل سنت'' قائم ہوئی جس کے صدر حضور تاج العلماء، ناظم اعلیٰ حضور سید العلماء اور نائب صدر حضور احسن العلماء مقرر ہوئے اور اسی جماعت کے ترجمان ونقیب کی حیثیت سے ایک جریدہ ایشو کیا گیا جس کا نام ''اہلِ سنت کی آواز'' تجویز ہوا جس کی ادارت کی ذمے داری حضور سید العلماء اور نگرانی حضور احسن العلماء کے سپرد تھی۔ بعد میں تھوڑے عرصے کے لیے آپ اس کے مدیر بھی بنے اور اس رسالے کے ذریعہ اپنی صحافتی ذمے داری نبھائی۔ جماعت اہل سنت اور اہل سنت کی آواز نے مذہبی استحکام کے لیے اور مسلمانوں کے ملی ومعاشی مسائل کے حل کے لیے بے پناہ کوششیں کیں اور عظیم الشان کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس وقت بھی اہلِ سنت کی آواز سال نامہ کی شکل میں کسی خاص موضوع پر ملک وبیرون کے مقتدر اربابِ قلم کی نگارشات سے مزین ہو کر نکلتا ہے جس کا

ہر شمارہ ایک علمی و تحقیقی دستاویز ہوتا ہے۔

حضور تاج العلماء نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خاصا دھیان دیا اور اپنی نگرانی میں تعلیم مکمل کرائی اور درس کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے دست وقلم سے سند عطا فرمائی۔ آپ نے درس وتدریس کا فریضہ بھی انجام دیا۔ معروف فکشن نگار و شاعر سید محمد اشرف مارہروی لکھتے ہیں:

’’حضور احسن العلماء کو خانقاہی کاموں سے جب جب فرصت ملتی وہ خانقاہ کے مدرسے ’’مدرسہ قاسم البرکات‘‘ میں درس وتدریس کا کام بھی انجام دیتے۔ اسی مدرسے میں ۱۹۶۲ء میں انھوں نے میرا امتحان سورۂ **قل اعوذ برب الناس** پڑھوا کر لیا تھا۔‘‘ (سید ین نمبر: ص ۱۲۷)

آپ کو عربی فارسی گرامر پر بھی بڑا عبور حاصل تھا۔ عربی و فارسی کے عالم دین ہونے کے باوجود اردو کو اس کے اصل لہجے کے ساتھ بولتے تھے۔ ساتھ ہی صاحبِ قلم بھی تھے، نثر بھی ان کے قلم رَو میں شامل تھا اور شاعری میں بھی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے تھے۔ بے شمار مضامین ومقالات مختلف موضوع پر تحریر کیے اور چند کتابیں بھی تصنیف کیں۔

آپ کے فرزند حضرت امینِ ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں رقم طراز ہیں:

’’ردِ وہابیہ میں ان کے کئی مضامین اور مختلف مستقل تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں وہ نعت، غزل، منقبت وغیرہ بھی کہتے تھے۔ سخن فہمی میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرتیات پر ہندوستان کے علما و مشائخ میں وہ منفرد تھے۔‘‘

(اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ بیاد احسن العلماء، اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۲۷)

آپ کی قلمی نگارشات میں (۱) **تشریح اھل اللہ فی تفسیر ما اھل بہ لغیر اللہ** (۲) دوائے دل (۳) ۱۳۷۳ھ کے تبلیغی دورے (۴) مدائحِ مرشد (۵) مختلف مضامین (۶) اہل سنت کی آواز کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر ساحل شہ سرامی مصباحی رقم طراز ہیں:

’’اڑسٹھ سالہ حیاتِ اقدس زندگی کی لطافتوں، سعادتوں، برکتوں اور دینی ہنگاموں سے لبریز گزری۔ نہ جانے کتنی محفلیں آپ کے دم سے رونق بار رہیں، اور نہ جانے کتنے دل آپ کی یاد سے زندگی کی حرارتیں پاتے رہے اور آج بھی آپ کی باطنی توجہات اور روحانی تجلیات کتنے ٹوٹے دلوں کا انمول سہارا ہیں۔‘‘

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مقدسہ، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص: ۲۴۳)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

''احسن العلماء کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی دونوں خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا، وہ خاندان سادات سے تھے، چہرے پر خاندانی جاہ وجلال، رعب و دبدبہ اور تمکنت پوری طرح نمایاں تھی۔ گفتگو میں شیرینی ہوتی، کہتر نوازی کا جذبہ بے حد تھا، وضع قطع اور رکھ رکھاؤ خاندانی تھا۔ بار بار ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے، جب موڈ میں ہوتے تو دیر تک باتیں کرتے رہتے۔ زمانہ طالب علمی کے حالات اور ماضی کے اہم واقعات بڑی دل چسپی سے سناتے۔ حضور احسن العلماء اپنے اکابر کی روایت کے امین اور ان کے جادۂ مستقیم پر شدت سے گامزن تھے، آپ کی ذات تمام علمائے اکابر و اصاغر کے لیے مرجع ومقتدا کی حیثیت رکھتی تھی۔ مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد جماعت اہل سنت کے دینی مرکز عقیدت تھے، کسی سنگین اختلاف کے وقت سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہوتیں۔''

(تاریخ مشائخ قادریہ، جلد دوم، مطبوعہ بزم قاسمی برکاتی، بدایوں، ۲۰۰۱ء، ص: ۴۷۸)

حضور سید العلماء اور احسن العلماء علیہما الرحمہ کی حیات وخدمات پر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ نے اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ۱۳۳۲ صفحات پر مشتمل مجلد ضخیم نمبر شائع کیا تھا جو آپ دونوں برادرانِ طریقت کے تعارف کے لیے ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔

ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے اس ضخیم وتاریخ ساز مجلّے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے برادرِ کبیر حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی قدس سرہ کی ممبئ کو بھی اپنی دینی وتبلیغی سرگرمیوں کا نقش عطا فرمایا تھا۔ اندھیری ممبئ کی مسجد میں امامت وخطابت کے علاوہ محرم الحرام کی عشرۂ مجالس میں آپ کے خطابات بڑے پرجوش ہوا کرتے تھے۔ یہاں پر آپ کے مریدین کا بھی اچھا خاصا حلقہ تھا۔ بڑے بھائی حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کی کھڑک مسجد کے حجرے میں کئی کئی روز تک آپ کا قیام رہا کرتا تھا۔ دونوں بھائیوں کے خوش گوار تعلقات اس طرح مستحکم اور مضبوط تھے کہ دنیا رشک کیا کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۷۴ء میں حضور سید العلماء کا وصال ہوا تو قلبِ مبارک پر شدید دھچکا لگا اور آپ

اپنے برادرِ معظم کی جدائی کے غم کو برداشت کرنے کی کوشش کے باوجود برداشت نہ کرسکے جس کے نتیجے میں ہارٹ اٹیک کے دورے پڑنے لگے اور یہی مرض الموت ثابت ہوا۔ ممبئ اور دلی کے بڑے ہاسپٹلوں میں ہر ممکن علاج ومعالجہ ہوا۔ آپ کے منجھلے صاحب زادے سید محمد اشرف انکم ٹیکس کمشنر اس وقت ممبئ ہی میں تھے جہاں آپ کا قیام تھا اور دونوں میاں بیوی آپ کی حتی المقدور خدمت کر رہے تھے لیکن ایسے نازک حالات میں بھی آپ کی تبلیغ وتقریر کا سلسلہ منقطع نہ ہوا تھا۔ رمضان المبارک میں کھڑک مسجد میں شب قدر میں کئی گھنٹے تک نعت، منقبت اور تقریر فرمائی جس سے دل ودماغ کافی متاثر ہوا اور بالآخر سانس کا توازن بگڑنے پر ہسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑا اور تقریباً تین مہینے تک علاج کا سلسلہ جاری رہا۔

اس وقت اہل سنت وجماعت کے کئی اکابر حیات تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند، حضرت برہان ملت، مجاہد ملت اور مولانا مشتاق احمد نظامی علیہم الرحمۃ والرضوان نے متفقہ طور پر حضور احسن العلماء سے استدعا کی کہ وہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے صدر الصدور کا منصب سنبھال لیں اور ساتھ ہی ساتھ مسجد کھڑک کی امامت وخطابت بھی قبول فرمالیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''میرے بھائی صاحب علیہ الرحمہ نے مجھے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا معمولی ممبر بھی کبھی نہیں بنایا، اب میں اس کے صدر الصدور کا منصب کیسے قبول کرسکتا ہوں۔ البتہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی جو خدمت پہلے کرتا آیا تھا اس سے اب بھی دریغ نہیں کروں گا۔ جہاں تک مسجد کھڑک کی امامت وخطابت کا تعلق ہے تو اپنے بھائی صاحب کی حیات میں بھی جب میں بمبئ میں ہوتا تھا، مصلیٰ میرے ہی سپرد ہوجاتا تھا لیکن ان کے بعد وصال یہ ذمے داری میں اس لیے قبول نہیں کرسکتا کہ میں اپنی خانقاہ کی مسجد برکاتی کا متولی امام وخطیب ہوں اور اس کے علاوہ بھی کئی مساجد کا متولی اور خدمت کا ذمے دار ہوں۔ البتہ مسجد کھڑک سے اپنا تعلق اپنی زندگی کے آخری حصے تک قائم رکھوں گا کیوں کہ اس حجرے میں مجھے اپنے بھائی صاحب علیہ الرحمہ کی روح کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔'' (سید محمد اشرف کا مقالہ، سیدین نمبر: ص۷۸۲)

بتانے والے بتاتے ہیں کہ آخری دم تک حجرۂ مسجد کھڑک سے ان کا وہی تعلق قائم رہا۔ اس دوران حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کی حیثیت ایک فیصل اور دور اندیش حکم کی ہوا کرتی تھی اور

حضور مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد آپ کی ذات جماعت اہل سنت و جماعت کی مرکزی شخصیت بن گئی تھی۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے بعد آپ کی ذات اہل سنت کے تمام طبقات کے لیے غیر متنازع فیہ مرکز تھی۔ آپ کے بعد اب کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اہل سنت کے تمام طبقات میں معتمد ہو۔'' (مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی، ص:۲۱۶)

آپ کو شارحِ کلامِ امام احمد رضا بھی کہا جاتا ہے۔ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ خامہ فرسا ہیں:

''(حضرت احسن العلماء) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عاشق زار تھے، مسلک اعلیٰ حضرت سے سر موانحراف کو برداشت نہ کر پاتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حالات وکوائف کے جزئیات پر کامل عبور تھا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے ماہر رضویات تھے۔'' (ایضاً ص:۲۱۰)

بلکہ سید محمد اشرف تو یوں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت اور ان کی دینی خدمات پر، ان کی کتابوں اور ان کتابوں میں بیان کردہ مضامین پر اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر انھیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔ دور، دور سے اسکالر آتے اور ان سے چند گھنٹے گفتگو کرتے، سیر ہو کر واپس جاتے اور اپنے مقالوں کا وزن بڑھاتے۔''

(سید محمد اشرف، یادِ حسن، مطبوعہ: دارالاشاعت برکاتی، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء ص:۲۲)

آپ نے زندگی بھر مسلکِ رضا کے فروغ کا کام کیا اور اپنے فرزندان و برادرانِ اہلِ سنت کو اسی مسلک پر گامزن رہنے کا حکم دیتے رہے۔ اندھیری میں قیام کے دوران وہاں کے وہابیوں کے ذریعہ پیش کیے گئے چند الزامات کے جواب میں آپ نے ''دوائے دل'' نامی کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ بہ قول حضور احسن العلماء قدس سرہ:

''اندھیری سے اپنا رنگ اڑتا دیکھ کر ان مریضان قلب کے سینوں میں دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنے نزدیک اس فقیر کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور اس سلسلہ میں

اپنے سارے ممکنہ ہتھیار استعمال کر ڈالے مگر اللہ ورسول کا فضل وکرم، میرے مرشدان کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نصرت واعانت کہ ہر محاذ پر منہ کی کھائی اور کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ سوالات اور فقیر حقیر کی طرف سے ان کے جوابات ہیں جنہیں دیکھ کر تو بفضلہٖ تعالیٰ ان کے رہے سہے لوہے بھی ٹھنڈے پڑ گئے، ہمتیں ٹوٹ گئیں، دل چھوٹ گئے۔''

(اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ، ۱۹۹۵ء ص: ۱۳۴)

غرض کہ تحریر، تقریر، تبلیغ اور سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی توسیع کے ذریعہ آپ نے دین وملت کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اس کے اثرات سرزمین بمبئ کے سنی مسلمانوں پر بہ خوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں بمبئ کے آخری سفر میں ہارٹ اٹیک اور دوبارہ طبیعت ہونے پر علاج کی غرض سے دہلی لایا گیا جہاں ۱۱؍ستمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴؍ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ بروز پیر ۸ بج کر ۵۵؍منٹ پر شب میں وصل الٰہی کا جام نوش فرمایا۔ خصوصی ایمبولینس کے ذریعہ مارہرہ مطہرہ لائے گئے۔ حضور نظمی میاں نے نماز جنازہ پڑھائی اور بزرگوں کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

سید محمد اشرف مارہروی نے ۲۰۰۳ء میں ''یادِ حسن'' کے نام سے ۳۵۸ صفحات میں حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کی تفصیلی سوانح مرتب کرکے شائع کی۔ جس میں سوانحی حصہ ۱۴۴ صفحات کو محیط ہے، بقیہ حصے میں ''کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا'' کے عنوان سے مناقب اور اسی عنوان سے علما و مشائخ کے تاثرات شامل ہیں۔ اخیر میں آثار احسن العلماء (تحریر، تقریر اور شاعری) کو جگہ دی گئی ہے۔ اشرف میاں کے تفصیلی مقالے میں تاریخ خاندان برکاتیہ کے ذکر کے بعد آپ کی ولادت، بچپن، تعلیم وتربیت، خلافت واجازت، تبلیغی اسفار، انداز تربیت، رشتۂ ازدواج، دینی شوکت، سیاسی بصیرت، تدبر، یاد الٰہی، دل جوئی، شیریں بیانی، عشق رسول، اخلاق وعادات، بلند ہمتی، عالی ظرفی وغیرہا خصائص کو مشاہدات اور حقائق کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

مقالے کا یہ آخری پیراگراف انتہائی پراثر اور دل کو چھو لینے والا ہے، رقم طراز ہیں:

''تصور کی آنکھ جب ان کا مشاہدہ کرتی ہے تو ان کا مسکراتا ہوا چہرہ سامنے آجاتا ہے اور کانوں میں ایک آواز سی گونجتی ہے:

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

بہ حیثیت مجموعی وہ برکت کا استعارہ تھے، خانقاہ میں قیام ہوتا تو خانقاہ میں برکت رہتی، کسی کے گھر قیام ہوتا تو اس کا گھر برکتوں سے بھر جاتا۔ وہ سراپا خیر و برکت تھے، آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی روحانی برکتیں ان کی اولاد، اعزہ، اور مریدین ومتوسلین کے ساتھ ہیں۔ آج بظاہر وہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں، اکثر ان کی ضرورت پیش آتی ہے، ہم انھیں یاد کر کے محسوس کر لیتے ہیں، وہ ہمارے پاس آ جاتے ہیں اور دیر تک رہتے ہیں۔

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

(سید محمد اشرف، یادِ حسن، مطبوعہ: دارالاشاعت برکاتی، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء ص: ۱۵۶)

مفتی محبوب علی رضوی: ان کا تذکرہ باب چہارم میں مذکور ہے۔

علامہ سید حامد اشرف کچھوچھوی: اشرف العلماء حضرت علامہ سید حامد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا تفصیلی تذکرہ کتاب کے باب ہشتم میں کیا گیا ہے۔

پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی:

آپ کی حیات وخدمات کو باب ہفتم میں سنی تبلیغی جماعت کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

سید انوار اشرف مثنیٰ میاں کچھوچھوی:

سرزمین ممبئ میں بحیثیت قائد ایک اور عظیم، تاریخی، بارُعب شخصیت دکھائی دیتی ہے جن کے ہمہ جہت کارنامے تاریخ کا حصہ ہیں۔ دنیا اسے شہیدِ راہِ مدینہ حضرت شاہ سید انوار اشرف مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ کے مبارک نام سے جانتی ہے اور انتہائی ادب واحترام سے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ کچھوچھہ مقدسہ میں آرام فرما رئیس التارکین حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ اپنے والدِ ماجد حضرت سید جلیل اشرف الاشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ سے آپ کو بیعت اور اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی ولادت یکم جولائی ۱۹۳۷ء بسکھاری شریف ضلع فیض آباد (موجودہ ضلع امبیڈکر نگر، یو پی) میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں رسم بسم اللہ ادا کی گئی اور آپ گھر کے ایک ملازم کے ساتھ بسکھاری کے ایک مکتب میں

حصول تعلیم کے لیے جانے لگے، جب مکتب کی تعلیم مکمل ہوگئی تو قریب ہی ایک مقامی مڈل اسکول میں قابل قدر اور انتہائی شفیق استاد مولانا عبدالشکور صاحب کی نگرانی میں درجہ ہشتم تک کی تعلیم پائی، بعد میں ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا، گریجویشن کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور گریجویشن کے بعد قانون کی سند حاصل کی اور محکمہ چک بندی میں رجسٹرار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ایک گورنمنٹ شپنگ کمپنی کی ملازمت بھی کی اور مختلف مراحلِ حیات سے گزرتے ہوئے کسٹم آفیسر ممبئ کے اعلیٰ عہدے پر ریٹائر ہوئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد ایک مدتِ دراز تک بمبئ ہی میں مستقل قیام فرما کر اپنے حکمت و تدبر، بصیرت افروزی و معاملہ فہمی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے ذریعے اہلِ بمبئ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ان کی مذہبی و روحانی تربیت کی، اپنے آبائی سلسلہ چشتیہ اشرفیہ کو فروغ دیا جس کے صدقے میں بے شمار مریدین ومتوسلین آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے رہے اور آپ کی ذات مرجعِ خواص وعوام بن گئی۔بمبئ کے اہلِ سنت اپنے بہت سے معاملات و مسائل کے حل کے لیے آپ کی رہ نمائی کے طالب ہوتے اور آپ بڑی کشادہ ظرفی اور فراخ دستی کے ساتھ ان کی چارہ گری فرماتے۔رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی وصدر دارالقلم دہلی ''شہیدِ راہِ مدینہ حضرت مثنیٰ میاں کی سرگرم اور بامقصد زندگی'' کے عنوان سے تحریر کیے گئے اپنے تفصیلی مضمون میں لکھتے ہیں:

''شہید راہِ مدینہ حضرت سید مثنیٰ میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی توجہات ومساعی کا دائرہ وسیع اور ہمہ جہت تھا۔آپ کی شخصیت پُرکشش اور طبیعت مرنجان مرنج تھی۔قناعت، خوش خلقی، اعلیٰ ظرفی، سیر چشمی، شفقت ومروت، مہر و محبت اور انسانیت نوازی کی بلند ترین اقدار و روایات کے آپ حامل و امین تھے اور یقیناً یہ صفات آپ کو وراثت میں ملی تھیں اور آپ اپنے خانوادۂ اشرفیہ کے قابلِ قدر ہی نہیں بلکہ گراں قدر نمونہ اور بہترین نمائندہ بھی تھے۔آپ اس خیال و فکر کے حامل تھے کہ علما و مشائخِ کرام مسجد و مدرسہ و خانقاہ تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھیں بلکہ وہ اُمتِ مسلمہ کی مذہبی و نظریاتی رہ نمائی کے ساتھ زندگی کے دیگر اُمور و معاملات اور ملکی و عالمی احوال ومسائل پر بھی نظر رکھیں اور تحفظ و دفاع کی مناسب عملی تدبیر بھی اختیار کریں، ملی و اجتماعی شعور

کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کی قیادت کریں کیوں کہ وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے نمائندے ہیں اوران کا یہ فرضِ منصبی اسی وقت صحیح معنی میں ادا ہوسکتا ہے جب وہ سوادِ اعظم کی ہمہ جہت رہ نمائی اور نمائندگی کریں۔ دوسروں کے لیے کوئی میدان چھوڑیں نہیں بلکہ بڑھ کر اپنی ہمت اور حکمتِ عملی کے ساتھ ان پر قابض ودخیل ہوجائیں۔''

(روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئ:۱۶؍ستمبر، ۲۰۰۸ء منگل، ص:۸)

شہید راہِ مدینہ علیہ الرحمہ کی اپنی پوری زندگی بالخصوص سرزمینِ بمبئ میں گزاری ہوئی حیات کے شب وروز کے معاملات سے یہ ثابت کردیا گیا کہ اگر ایک بندۂ مومن یقیں محکم، عمل پیہم اور جذبۂ صادق کے ساتھ اُمت مسلمہ کے مسائل کے حل کے لیے کوشش کرتا ہے تو رحمتِ الٰہی ضرور اس کی دست گیری فرماتی ہے اور تمام مشکلات ومصائب کا سد باب ہوجاتا ہے۔ آپ کی صفاتِ حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے خانوادۂ اشرفیہ کے معروف دانش ور اور اردو زبان کے قادر الکلام شاعر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ڈاکٹر سید امین اشرف تحریر فرماتے ہیں:

''شہید راہِ مدینہ حضرت مثنیٰ میاں کسی بھی مسلمان کی تکلیف دیکھ کر پریشان ہوجاتے، زخم پر مرہم رکھتے، آنسو پوچھتے، اسے اذیت کی آہنی سلاخوں سے بچاتے، اس کی گریہ وزاری سے تڑپ جاتے اور دامے درمے سخنے اس کی مدد فرماتے۔ فسادات کے زمانے میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر بے یار ومددگار افراد کی مدافعت ومعاونت کرتے، یتیموں محتاجوں، مسکینوں کو سینے سے لگاتے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا تقاضا بھی ہے۔''

(روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئ:۹؍اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص:۸)

جماعت اہل سنت کی متحدہ طاقت کی سلامتی وبقا کے لیے آپ کی مخلصانہ مساعی کی سراہنا کرتے ہوئے مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی رقم فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا سید انوار اشرف مثنیٰ علیہ الرحمہ انفرادی شخصیت کے مالک تھے، آپ کی حیات کا خاص پہلو تعمیر واتحاد سے عبارت ہے، نام ونمود سے دور ایک خاموشی کے ساتھ اپنی دینی جد وجہد سے ملت اسلامیہ کو استحکام بخشتے رہے۔ جماعت میں انتشار واختلاف کے سخت مخالف تھے، فروعی مسائل میں الجھ کر لڑنا بھڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اپنی الگ دنیا بسائی تھی،

آپ نہ ایسی اشرفیت کے قائل تھے جو کسی اور خانقاہ سے بغض وعناد رکھے اور نہ ایسی رضویت کو فروغ دینا چاہتے تھے جس سے کسی سنی خانقاہ کی دل آزاری ہو، آپ سنیت کے حوالے سے تمام خانقاہوں اور سلسلوں میں اتحاد کے پرسوز داعی تھے۔''

(ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئ، ۲۲ تا ۲۸/ اگست ۲۰۱۱ء ص:۱۱)

شہید راہِ مدینہ علیہ الرحمہ ملکی وبین الاقوامی مسائل پر گہری واقفیت رکھتے تھے، قوم وملت کا درد ان کے سینے میں موجزن تھا۔ عالمِ اسلام اور مسلمانانِ ہند کے خلاف جب بھی کوئی سازش سر ابھارتی یا کوئی جارحانہ رویہ اختیار کیا جاتا تو وہ بلا خوف وخطر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جاتے۔ چاہے آئین میں تبدیلی کی کوششیں ہوں یا تحفظِ دستورِ ہند کمیٹی کی تشکیل ہو، گودھرا سانحہ ہو یا شہادتِ بابری مسجد کا معاملہ اور اس کے زیر اثر رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات ہوں، خلیجی ممالک میں رونما ہونے والے بحران ہوں یا ایران وعراق کی جنگ کا قضیہ ہو۔ ان تمام معاملات ومسائل میں شہیدِ راہِ مدینہ ایک انمٹ کردار بن کر اپنی خداداد لیاقت وبصیرت کا استعمال کرتے ہیں۔

آپ نے آل انڈیا تبلیغ سیرت کے وفد کی بغداد کانفرنس (جنوری ۱۹۹۱ء) میں قیادت کی تھی اور الزوراہال فندق الرشید (بغداد) کے ایک اجلاس کے سہ نفری صدارتی پینل میں بھی شامل تھے۔ عراق میں کیمیائی اسلحے کے بہانے امریکہ کی جارحیت ہو تو بھی سرزمینِ بمبئ میں پریس کانفرنس کرتے دکھائی دیتے ہیں اور مسئلۂ فلسطین اور آزادیِ بیت المقدس کے بارے میں بار بار اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ گویا ہر طرح کے ملکی وعالمی مسائل میں گہری دل چسپی لیا کرتے تھے اور گفتار کے ساتھ کردار پر زیادہ یقین رکھنے والے تھے۔

آپ نے دینی وملی مسائل کے ساتھ تعلیمی امور پر بھی توجہات مبذول کیں اور نونہالانِ قوم وملت کو دینی وعصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں بالخصوص بمبئ کے متعدد علاقوں میں قیامِ مدارس ومکاتب پر زور دیا۔ دارالعلوم قادریہ اشرفیہ، چھوٹا سونا پور، دوٹانکی، ممبئ، دارالعلوم اشرفیہ غریب نواز ممبرا، دارالعلوم قادریہ اشرفیہ دمن گجرات، جامعہ اشرفیہ مظہرالعلوم دھانے پور گونڈہ، مدرسہ قادریہ اشرفیہ بسکھاری، دارالعلوم مخدوم سمنانی

گورکھپور، مدرسہ معینیہ اشرفیہ کوسہ ممبرا، اور حضرت مخدوم سمنانی اکیڈمی ممبئ وغیرہ مدارس اور ادارے آپ کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ/۱۱ نومبر ۲۰۰۳ء بروز منگل مکہ مکرمہ سے مدینہ جاتے ہوئے مدینہ کے قریب ایک کار حادثے میں شہید ہو گئے اور جنت البقیع میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین ہوئی۔ ایسے ہی حسین موقع و محل پر موت آنے کی منظر کشی امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے یوں کی ہے:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے

ہر سال ۱۵؍رمضان المبارک کو جامعہ قادریہ اشرفیہ چھوٹا سونا پور ممبئ/۸ میں جانشینِ شہیدِ راہِ مدینہ حضرت مولانا سید معین الدین اشرف الاشرفی الجیلانی کی سربراہی میں آپ کا عرسِ مبارک بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوتا ہے۔ حضرت معین میاں بھی اپنے والدِ ماجد کی روش پر سختی سے قائم ہیں اور آپ کی روحانی وراثت کو سنبھالے ہوئے آپ کا نام روشن کر رہے ہیں۔ وہ تمام ادارے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور دینِ متین کا سچا علم فروغ پا رہا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں جس وقت راقم الحروف جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجۂ سادسہ کا طالب علم تھا شہیدِ راہِ مدینہ پہلی اور آخری بار الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے۔ اسی روز پہلی اور آخری بار حضرت کے رخِ زیبا کی زیارت کا شرف ہم نے بھی حاصل کیا تھا۔ وہ بارعب چہرہ اور مثالی قد و قامت آج بھی نگاہوں میں بسا ہوا ہے۔

سرزمینِ بمبئ میں شہیدِ راہِ مدینہ حضرت سید مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ کی روشن خدمات کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں اور یہاں کے عوام و خواص کے دلوں میں آج بھی ان کا کام زندگی کا اعلان کر رہا ہے۔ آپ نے جماعتِ اہلِ سنت کے مسلم الثبوت قائد کا فریضہ ادا کیا تھا، جس کے لیے آپ کی قیادت تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ آپ کی شہادت پر ملک کے متعدد اخبارات و رسائل نے وقیع مضامین شائع کیے تھے۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارکپور نے اپنے جریدے میں ایک تاثراتی مضمون لکھا تھا جو جنوری ۲۰۰۴ء کے شمارے میں چھپا تھا اور یہی مضمون آپ کی کتاب ''شہرِ خموشاں کے چراغ'' مطبوعہ تنظیم ابنائے

اشرفیہ مبارکپور، ۲۰۰۹ء ص: ۳۸۷، تا ۳۹۰ پر موجود ہے۔ اور ۱۶؍ستمبر ۲۰۰۸ء بروز منگل روزنامہ اردو ٹائمز ممبئ کے صفحہ ۸ پر ایک تفصیلی مضمون مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ کی با مقصد زندگی اور روشن کارناموں پر رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی دہلی کا شائع ہوا تھا۔ رضا اکیڈمی ممبئ کے ترجمان ہفت روزہ ''مسلم ٹائمز'' نے ۲۲ تا ۲۸؍اگست ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر خصوصی گوشہ شائع کیا تھا، جو اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔ سب سے پہلا مضمون مولانا عبد المبین نعمانی کا ہے، اس میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مثنیٰ میاں علیہ الرحمہ اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے، سادگی آپ کا شعار تھا، فخر ومباہات سے دور رہتے تھے، علمائے کرام کی قدر ومنزلت فرماتے، اپنے منہ میاں مٹھو بننا پسند نہیں فرماتے۔ اپنی سیادت کی دھونس نہیں جماتے تھے، نہ اپنی سیادت کے فضائل بیان کرکے لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلکہ اپنے کردار وعمل سے دلوں کو مسخر فرماتے، آپ کی پاکیزہ زندگی کے نقوش ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔''

(ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئ، ۲۲ تا ۲۸؍اگست ۲۰۱۱ء ص: ۱)

سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی:

سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی خاندان برکات کے چشم و چراغ، حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی نور اللہ مرقدہ (ولادت: ۲۵؍رجب ۱۳۳۳ھ/ ۹؍جون ۱۹۱۵ء ۔وفات: یکم جولائی ۱۹۷۴ء/ ۱۰؍ اور ۱۱؍ جمادی الآخرہ ۱۳۹۴ھ کی درمیانی شب) کے جانشین، سرکار نور کے مسند نشین اور مارہرہ مطہرہ کی روحانی توانائیوں کا پیکر مجسم تھے۔ ظاہری وباطنی اور دینی ودنیوی علوم کا ماہر یہ مردِ حق آگاہ خاندانی نجابت وشرافت کے ساتھ کردار واخلاق کی طہارت بھی سمیٹے ہوئے تھا اور اس کی فکر وتخیل کی گہرائیوں میں ''خوش بوے سنت حسّان'' کے خوش نما جلوے رقص کر رہے تھے۔

۶؍رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۴؍اگست ۱۹۴۶ء کو آزادیِ ہند سے ایک سال پیشتر علمی، ادبی اور روحانی خطہ مارہرہ مقدسہ کے قریب مشن اسپتال، کاس گنج، ضلع ایٹہ (یوپی) میں آپ کی ولادت ہوئی، خاندانی نام ''محمد حیدر'' اور تاریخی نام ''سید فضل اللہ قادری'' (۱۳۶۵ھ)

تجویز کیا گیا اور ''سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی'' کے نام سے مشہور عالم ہوئے۔ چار سال، چار ماہ، چار دن کی عمر میں بہ دست حضور تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں علیہ الرحمہ رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ پھوپھی صاحبہ حافظہ سیدہ عائشہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا سے ناظرۂ قرآن ختم کیا اور حفظ اول کا آغاز ہوا، بعدہ درگاہ برکاتیہ کے مکتب میں داخل کر دیا گیا، فارسی کی پہلی کتاب حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ سے پڑھی، اردو کی ابتدائی تعلیم مرحوم منشی عبد الرشید خاں مارہروی سے پائی، اردو کی دوسری اور تیسری کتاب والد ماجد حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی علیہ الرحمہ کی تربیت میں رہ کر پڑھی، پنجم درجہ تک ممبئ اور پھر دوبارا انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم مارہرہ مطہرہ میں رہ کر مکمل کی۔

تفسیر قرآن اور درس حدیث (تجرید بخاری) شعبۂ اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ نئ دلی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئ دلی سے انگریزی ادب کے ساتھ گریجویشن کیا اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونی کیشن سے میڈیا آپریشنز اور نیوز رپوٹنگ کی تربیت حاصل کی، بعدہ یونین پبلک سروسز کمیشن (UPSC) کے تحت منعقد ہونے والے سول سرسز کے مشکل ترین مقابلہ جاتی امتحان میں شرکت کی اور تمغۂ کامیابی سے سرفراز ہونے کے بعد مرکزی حکومت کی وزارت اطلاعات ونشریات کے محکمۂ پریس انفارمیشن بیورو (P.I.B) سے ملازمت کا آغاز کیا اور حکومت ہند کی ڈائرکٹوریٹ آف فیلڈ پبلسٹی کے جوائنٹ ڈائرکٹر کے عہدے سے ۳۳ سالہ بے داغ ملازمت کے بعد رضا کارانہ طور پر سبک دوش ہوئے۔

دوران ملازمت نظمی مارہروی نے کسی قسم کا غیر ضروری دباؤ قبول کیا، نہ ہی کہیں گورنمنٹ کی کاسہ لیسی سے آپ کا دامن آلودہ ہوا، ان سب پر مستزاد وہ تعلیم وتربیت خاصی اہم ہے جو آپ نے والد ماجد حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی کے زیر سایہ رہ کر دینی وروحانی تربیت کی شکل میں پائی، جس کے نتیجے میں آپ علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے ماہر وغواص بن کر دنیائے علم پر نمودار ہوئے اور ان میدانوں میں اپنی حیرت انگیز تحقیقات و تصنیفات کے ذریعہ مثالی کارنامہ انجام دیا۔

آپ نے اپنی علمی وروحانی وراثت اور اخلاقی اقدار کی حفاظت وفروغ میں جان توڑ جد

وجہد کی، شعر وسخن، علم وادب، فکر وفن، تحقیق وتدقیق اور ترجمہ نگاری کے میدان میں گراں قدر کام کیے، جہاں تک زبان دانی کا معاملہ ہے تو اس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی، مراٹھی، گجراتی اور سنسکرت جیسی زبانوں پر آپ کو عالمانہ وفاضلانہ کمال حاصل تھا، اس کے علاوہ آپ نے مذاہب عالم کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا، اور تقابل ادیان پر بھی آپ کی گہری نظر رہی ہے، پروفیسر ڈاکٹر انور شیرازی (لندن) رقم طراز ہیں:

”تقریباً چونتیس کتابوں کے مصنف نے مجھ سے عالمی مذاہب کے تقابلی موازنے پر کافی تفصیل سے گفتگو کی کبھی مجھے ایسا لگا کہ میں پنڈت آل رسول سے مخاطب ہوں اور کبھی یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے فادر آل رسول بیٹھے ہوئے ہیں، نظمی اپنے ہر رنگ میں منفرد لگے۔“

(نعتیہ دیوان، بعد از خدا...، مطبوعہ: بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئ، ص: ۳۰)

آپ نے دوران ملازمت تصنیف وتالیف اور تحقیق وتراجم کی طرف بھی توجہ کی اور بھرپور انہماک کے ساتھ شعر وسخن کی زلف برہم کی مشاطگی میں بھی اپنی مہارت کا مظاہرہ فرمایا، اردو کے علاوہ فارسی، ہندی، گجراتی، اور انگریزی میں اپنا قلمی اثاثہ دنیائے سنیت کو عطا کیا، دیگر زبانوں سے اردو میں تراجم بھی کیے اور اردو سے دیگر زبانوں میں بعض اہم کتابوں کو منتقل کیا ہے اور جہان ادب کو اپنی گراں قدر ادبی وشعری نگارشات سے زینت بخشی ہے، گرچہ ناقدین ادب اور سخن وران عصر نے اس کی شایان شان اسے مقام نہ دیا اور تعصب وتنگ نظری نے اسے حاشیۂ ادب پر ڈالنے کی دانستہ کوشش کی، تاہم اس کے اندر موجود جواہر غالیہ کی چکاچوند نے کائنات سخن کی گلیوں کو سجانے سنوارنے میں کوتاہی نہ برتی، دبستان خیال میں روشنی پھیلی اور اقلیم سخن منور وتاباں ہو گیا۔ تقریباً ۳۹ مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کے علاوہ مختلف موضوعات پر ملک وبیرون ملک کے انتہائی اہم ادبی، نیم ادبی اور مذہبی جرائد واخبارات میں کئی درجن مضامین، کہانیوں، افسانوں، انشائیوں، نظموں، ادبی معموں اور غزلوں کی اشاعت، کتابوں پر تبصرے، مقدمے، پیش لفظ اور تقاریظ وغیرہا نظمی مارہروی کے علمی وادبی استناد کو اجاگر کرتے ہیں۔

علامہ ارشاد احمد ساحل شہ سرامی نے ”خانوادۂ برکات کی علمی وادبی خدمات“ پر ۱۷۵ صفحات پر مشتمل ایک انتہائی علمی، تاریخی وتحقیقی مقالہ تحریر فرمایا تھا جس میں میر عبدالواحد بلگرامی

سے لے کر موجودہ ارباب قلم سید محمد اشرف مارہروی تک برکاتی خاندان کی کل چوبیس شخصیات کا تفصیلی تعارف اوران کی علمی وادبی خدمات پر محاکماتی اور حوالہ جاتی گفتگو پیش کی تھی، یہ تحقیقی مقالہ خانقاہ برکاتیہ کے ترجمان ''اہل سنت کی آواز'' جلد ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء میں مکمل شائع ہو چکا ہے، ساحل صاحب قبلہ نے اس تفصیلی مقالے میں ممدوح گرامی سید نظمی مارہروی پر بھی دس صفحات میں خوب خوب لکھا ہے، ساتھ ہی سید نظمی مارہروی کی پندرہ تصنیفات کا اجمالی تعارف بھی بڑی سلیقہ مندی سے پیش کیا ہے۔

سید نظمی مارہروی کو بیعت وخلافت والد ماجد حضور سید العلماء علیہ الرحمہ سے حاصل تھی، مزید عم محترم حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ اور سید شاہ حبیب احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ (مسولی شریف بارہ بنکی) سے بھی اجازت وخلافت عطا ہوئی۔ سید نظمی مارہروی امام احمد رضا قادری کے پیرومرشد حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے پیرومرشد شیخ المشائخ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ اور حضور سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ کی گدی کے وارث وامین اور سجادہ نشین تھے، یہ خوبی سید نظمی مارہروی کی بڑی ممتاز اور اعلیٰ خوبی ہے جس پر نظمی کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق حاصل تھا۔ نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

میں اچھے میاں کے مکاں کا مکیں ہوں، میں ہوں شاہ نوری کی گدی کا وارث
مری پشت پر میرے مرشد کا پنجہ، وہی ہر قدم پر مرے رہ نما ہیں

سید نظمی مارہروی کی ذات کی کئی حیثیتیں متعین کی جاسکتی ہیں، آپ ایک صاحب طرز ادیب، شاعر، افسانہ نگار، کہانی کار، مصنف ومحقق ومترجم اور جلیل الشان مفسر قرآن ہیں، ساتھ ہی انتہائی مہذب، صوفی منش اور اعلیٰ صوفیانہ اقدار کے محافظ بھی۔ آپ کی اس ممتاز صفت اور خاندانی سیادت اور علمی وجاہت نے ایک ممتاز پیر طریقت کی حیثیت سے آپ کی ذات کو متعارف کرادیا، آپ کے ہزاروں مریدین ومتوسلین ملک وبیرون ملک کے مختلف شہروں میں موجود ہیں، اور کئی اہم اہم شخصیات کو آپ نے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

ایک عظیم خانقاہ کے سجادہ نشین اور ۳۳ سال تک سرکاری ملازمت کے باوجود سید نظمی

مارہروی نے تصنیف کتب اور شاعری وترجمہ کا جوگراں قدر کام کیا ہے، وہ اپنی جگہ پر ایک ریکارڈ ہی کہا جا سکتا ہے۔اس سلسلے میں سید نظمی مارہروی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضور تاج العلماء سید محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ کے بعد سب سے زیادہ تصنیفات آپ کی ہیں اور ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ کتابیں کئی زبانوں میں ہیں اور آپ کے شعری مجموعے بھی سب سے زیادہ ہیں۔خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشینان میں حضور تاج العلماء علیہ الرحمہ کثیر التصانیف بزرگ گزرے ہیں جن کی تصانیف کی تعداد ۴۲ سے متجاوز ہے اور خوشی کی بات تو یہ ہے کہ بہ قول نظمی میاں: ''میں نے حضور تاج العلماء سید شاہ محمد میاں صاحب قدس سرہ کو اچھے ہوش وحواس کی حالت میں برتا ہے۔'' (پیغام رضا، ممبئ: اپریل تا جون ۲۰۰۹ء ص: ۹۹)

تصانیف وتراجم کی کثرت کے لحاظ سے دوسرا نمبر سید نظمی مارہروی کا آتا ہے۔سید شاہ ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمہ کی تعداد تصانیف ۲۳، سید شاہ برکت اللہ قادری علیہ الرحمہ کی ۱۹، اور سید میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی ۱۵ ہے۔ان حضرات کے بعد دوسرے برکاتی مصنفین کا نام آتا ہے۔سید نظمی مارہروی کی تعلیم وتربیت میں خانقاہی اثرات بھی بڑے چوکھے نظر آتے ہیں، بہ طور خاص والد ماجد حضور سید العلماء کی تعلیم اور استاذی نے سید نظمی مارہروی کے داخلی حالات کو بے پناہ شفافیت عطا کی تھی۔خود ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مجھے ابا حضرت کی تبلیغی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔کھڑک مسجد کے چھوٹے سے حجرے میں کتنی مصروف تھی میرے ابا کی زندگی۔یہیں حضور والد ماجد نے میری خانقاہی تربیت شروع کی اور مجھے علم سینہ سے سرفراز فرمایا۔یہیں حجرۂ کھڑک میں روزانہ ابا حضرت مجھے علم تکسیر، استخراج موکل اور علم جفر کی تعلیم دیتے۔میں نے اپنے والد کو ایک بہترین استاد کے روپ میں دیکھا۔'' (حوالۂ سابق)

سید نظمی مارہروی نے جب احباب کی فرمائش پر اپنے تمام شعری مجموعوں کو یک جا کر کے ۲۰۰۸ء میں ایک مکمل نعتیہ دیوان ''بعد از خدا...'' کے نام سے ۴۸۶ صفحات پر مشتمل شائع کیا تو راقم نے اس ''کلیات'' پر ۲۸ ؍اشعار پر مشتمل ایک منظوم تبصرہ لکھا۔جو پہلی بار سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۸ء) میں چھپا اور ۲۰۱۳ء میں جب اس کا دوسرا ایڈیشن منظر

عام پر آیا تو وہی تبصرہ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی (جون ۲۰۱۳ء) میں بھی شائع ہوا۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ/ ۶ رنومبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ، بارہ بجے کے قریب ممبئی میں آپ کا وصال ہوا، جسد خاکی بذریعہ طیارہ مارہرہ مطہرہ لے جایا گیا، جہاں خانقاہ برکاتیہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے اخلاف میں سید شاہ سبطین حیدر برکاتی (سجادہ نشین)، سید شاہ صفی حیدر برکاتی اور سید شاہ ذوالفقار حیدر برکاتی موجود ہیں۔ اور حتیٰ الوسع فروغ سلسلۂ برکاتیہ اور تعلیم و ملازمت میں مشغول ہیں۔

خطیب اہل سنت مولانا عبدالقادر کھتری:

حضرت مولانا عبدالقادر کھتری برکاتی قدس سرہ ابن محمد قاسم کھتری مرحوم جماعت اہل سنت کے ایک نامور خطیب، صوفی مزاج، سلسلہ برکاتیہ کے ناشر، سرزمین ممبئی کے سرکردہ عالم اور بافیض امام تھے۔ آپ کا آبائی وطن صوبہ گجرات کا مقام ''کچھ'' ہے مگر آپ کے دادا شہر ممبئی ہی میں پیدا ہوئے اور یہ خاندان یہیں آباد ہو گیا۔ یہیں ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی، پیدائشی نام 'محمد' رکھا گیا اور عرف 'عبدالقادر کھتری' قرار پایا۔ آپ کی دینی تعلیم اور اخلاقی و روحانی تربیت میں حضور سید العلماء، احسن العلماء اور شیخ القراء مفتی سعد اللہ مکی (جو حمیدیہ مسجد کے خطیب و امام تھے جہاں مفتی اعظم ہند وغیرہ تشریف لاتے تھے۔) علیہم الرحمہ کا کافی کردار رہا ہے اور انہیں حضرات کی صحبتوں نے انہیں ایک کامیاب انسان، دین کا رہبر اور اسلام کا مبلغ بنایا تھا۔ آپ گرچہ باقاعدہ کسی مذہبی تعلیمی ادارے کے فارغ التحصیل عالم نہیں تھے، لیکن ایک تربیت یافتہ و فیض یافتہ عالم و عارف ضرور تھے، عصری اداروں میں تعلیم پائی تھی، اس لیے ۲۵ سال تک انجمن ہائی اسکول اردو، نزد ریلوے اسٹیشن، سی ایس ٹی، ممبئی میں تدریس کی ذمہ داری اور اپنی مجمع المساجد سارنگ اسٹریٹ میں دم واپسیں تک بعد نماز عشا تفسیر نعیمی اور درس قرآن و احادیث کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ ۲۷ شعبان ۱۳۸۴ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۶۵ء بروز جمعہ مبارکہ ملک پاکستان کے شہر کراچی میں آپ کا نکاح محمد بن محترم عبداللہ کھتری صاحب کی صاحب زادی محترمہ آمنہ بی بی کے ساتھ ہوا۔ اولاد و امجاد میں [۱] فرزند اکبر مولانا محمد فاروق کھتری قادری برکاتی، خلیفہ سید نظمی میاں علیہ الرحمہ [۲] فرزند اوسط قاری محمد قاسم کھتری برکاتی [۳] قاری محمد اسماعیل کھتری

[۴] زہرہ بانو، اور [۵] سارہ بانو موجود ہیں۔ دیگر مذہبی سرگرمیوں کے ساتھ آپ نے تصنیف کتب سے بھی شغف رکھا۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب میں [۱] نماز کی برکت [۲] فضائل ومسائل درودوسلام، اور [۳] طریقۂ استخارہ کا نام ملتا ہے۔ آپ کے تذکرہ نگار کتاب ''فضائل ومسائل نماز'' کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی زبان عام فہم اور شستہ ہے، قدرے عصری لب ولہجہ پایا جاتا ہے، عبارت مختصر اور پر کشش ہے، عبارت پڑھنے سے کسی طرح کی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ سلاست وروانی اور جاذبیت کی وجہ سے طبیعت باغ وبہار ہوجاتی ہے۔'' (اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ۔ ۲۱، خلفاے خاندان برکات، مارہرہ مطہرہ، نومبر ۲۰۱۴ء، ص: ۲۳۷)

مولانا عبدالقادر کھتری ممبئ میں سرکار سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر ۱۹۵۲ء میں داخل سلسلہ برکاتیہ ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی خلافتوں واجازتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

''اہل سنت کی آواز'' شمارہ ۲۱، نومبر ۲۰۱۴ء میں ہے:

''ممبئ شہر کے حضور سرکار سید العلماء علیہ الرحمہ کے مریدین وتلامذہ میں آپ کو یہ شرف حاصل رہا کہ سب سے پہلے آپ ہی حضور سرکار سید العلماء علیہ الرحمہ کے مرید اور شاگرد رشید ہوئے، اس وقت حضور والا کی عمر مبارک تقریباً ۲۰ سال کی تھی، حضور سید العلماء مارہروی علیہ الرحمہ کے چشمہ علم ومعرفت سے خوب سیراب ہوئے۔ حضرت علامہ سید العلماء علیہ الرحمہ نے آپ کو خلافت مورخہ ۷؍مئی ۱۹۷۱ء بمطابق ۱۱؍ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ شہر ممبئ ہی میں تقریباً دس ہزار لوگوں کے سامنے ایک نورانی عظیم اجلاس میں عنایت فرمائی۔''

مولانا کھتری نے اپنی پوری زندگی اسلام کی نشرواشاعت میں صرف فرمائی اور مخلوق خدا کو ان کے فیوض باطنی سے کافی فائدہ پہنچا، سرزمین ممبئ میں اسلام وسنیت کی بہاروں میں ان کا بھی حصہ ہے، جس کا تذکرہ نہ کرنا احسان فراموشی ہے۔ شہزادۂ سید العلماء سرکار نظمی مارہروی علیہ الرحمہ، اور شہزادۂ احسن العلماء حضرت سید محمد اشرف مارہروی قبلہ سے بھی ان کے گہرے تعلقات رہے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کا وصال [۱۹۹۳ء میں] ہوا تو شرف ملت نے بہ وقت

تدفین مولانا عبدالقادر کھتری کے سر مبارک پر اپنے دست مبارک سے عمامہ شریف باندھا، اور قبلہ نظمی میاں علیہ الرحمہ نے ان کی شان میں ایک شاندار منقبت تحریر فرمائی۔ حضور سرکار احسن العلماء علیہ الرحمہ نے بعد وصال آپ کے خلف اکبر مولانا الحاج محمد فاروق کھتری کے نام ایک خط اور مبلغ پانچ ہزار روپے ارسال فرمائے اور خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے تعزیت کی۔ قبلہ کھتری علیہ الرحمہ نے سلسلہ برکاتیہ کے فروغ میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔ جشن یوم رضا ۱۹۸۷ء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ کے نورانی اجلاس میں آپ نے بہ حیثیت مقرر خصوصی شرکت فرمائی تھی اور اپنے قیمتی خطاب میں امام عشق ومحبت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ اور مارہرہ مقدسہ کے مشائخ عظام کے احوال پر انتہائی اثر انگیز کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ جماعت اہل سنت کی انتہائی مقبول شخصیت تھے اور جامعہ اشرفیہ کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا مبارک حسین مصباحی اپنی تعزیتی تحریر میں رقم طراز ہیں:

''مرحوم [مولانا عبدالقادر کھتری] عروس البلاد بمبئی کے ہر دل عزیز اور مقتدر شخصیت تھے، اخلاص وللہیت، تقویٰ و پرہیز گاری میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ دین وسنیت کی بے لوث خدمت اور احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ خیر بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، حق گوئی اور بے باکی جیسے اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ انتہائی خوش خلق اور نیک طینت تھے۔''

(مبارک حسین مصباحی، شہر خموشاں کے چراغ، مطبوعہ: مبارک پور، ۲۰۰۹ء ص: ۵۶)

مولانا غلام ربانی فائق اعظمی:

حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی علیہ الرحمہ ایک عالم باعمل، ماہر علوم، ادیب، شاعر، مترجم، نکتہ داں استاذ، سنجیدہ خطیب اور مایہ ناز مصلح وواعظ تھے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی ان کا سراپا یوں کاڑھتے ہیں:

''متوسط قد وقامت، دھان پان سا بدن، نکھرا ہوا رنگ، ستواں چہرہ، پیشانی پر نور کا تڑکا، تبسم ریز پتلے لب، پرنور آنکھیں، نرم خوئی، کم گوئی عادت، سادگی وسنجیدگی کے پیکر، عالمانہ جلالت پر عبادت وپرہیز گاری کے آثار نمایاں۔ یہ تھا ان سے پہلی ملاقات کا تاثر، جو آج تک دل ودماغ میں تازہ ہے۔''

(مبارک حسین مصباحی، شہر خموشاں کے چراغ، مطبوعہ: مبارک پور، ۲۰۰۹ء ص:۱۸۱)

مولانا فائق اعظمی کے والد ماجد ایک انتہائی معروف شخصیت، تدریس کی دنیا کے بادشاہ، تلمیذ صدر الشریعہ شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کا نہ نام اہل علم سے چھپا ہے، نہ ہی ان کے علمی وتدریسی کارہائے نمایاں۔ جنھوں نے کئی دہائیوں تک تشنگان علوم کی علمی وفنی سیرابی کا فریضہ انجام دیا ہے، اجل علما میں ان کے تلامذہ کا نام آتا ہے۔ مولانا فائق اعظمی کا آبائی وطن قصبہ گھوسی ضلع مئو تھا مگر جب یکم جولائی ۱۹۳۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی اس وقت آپ کے والد ماجد مدرسہ حنفیہ امروہہ ضلع مرادآباد میں استاذ تھے، وہیں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں والد ماجد اہل وعیال کے ساتھ بودوباش اختیار کیے ہوئے تھے، اور مدرسہ حنفیہ میں پڑھاتے تھے، اسی علمی ماحول میں مولانا فائق کی نشو ونما ہوئی، یہ خاندان خود موروثی دین ودانش کا ماحول رکھتا تھا، دینی فکر وشعور ان کی گھٹی میں شامل تھا، جس کے سرور سے وہ تا زندگی مسرور رہے۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی، درس نظامی کی اکثر کتابیں والد شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ احسن المدارس، کان پور، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف، مدرسہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، اور دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد میں حصول علم کے لیے مقیم رہے اور ماہر اساتذہ سے کسب علم کرتے رہے۔ بہ عمر اٹھارہ سال ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے، اس سے قبل بھی ایک برس سے کچھ زائد عرصے تک یہاں رہ چکے تھے، یہاں آکر حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری اور دیگر اساتذہ علوم وفنون سے اکتساب فیض کیا اور اسی درس گاہ علم وفیض میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۰/شعبان ۱۳۷۵ھ میں تاج فضیلت سے نوازے گئے۔

آپ کو اپنے مشفق استاذ حضور حافظ ملت سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۷۶ء میں حافظ ملت کا وصال ہوا تو بہ زبان فارسی مولانا فائق نے ۸ بند پر مشتمل جو منقبت لکھی تھی، مولانا مبارک حسین مصباحی کے بہ قول: ''اس منقبت میں زبان وبیان کی شگفتگی، اور برجستگی کے ساتھ جس کمال فن کے ساتھ حافظ ملت کو علوم ومعارف، فضائل وکمالات اور افکار وخدمات کے موجزن سمندر کو کوزے میں سمویا ہے یہ انھیں کے فکر وقلم کا حصہ ہے۔'' (نفس مصدر

،ص:۱۸۳)اس منقبتی نظم کا مطلع اور مقطع آپ بھی ملاحظہ کرلیں:

بلبل رنگیں نوا تو غنچہ اندر چمن
بوئے تبلیغ شما را در جہاں مشک ختن
مانمی بینیم اکنوں راحتِ دل را سبیل
خستہ دل فائقؔ نہ بیند ماسوا صبر جمیل

مولانا فائق اعظمی علیہ الرحمہ نے فراغت کے بعد سے زندگی کی آخری سانس تک ایک متبحر عالم اور بافیض استاد کی حیثیت سے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ہندوستان کی مختلف تعلیم گاہوں میں تعلیم دی۔ان میں مدرسہ بحرالعلوم، بہیڑی ضلع بریلی، مدرسہ اظہارالعلوم برہان پور، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، مدرسہ اسلامیہ تائریزی،آندھراپردیش، دارالعلوم معین الاسلام تھام بھڑوچ، گجرات، ادرالعلوم اہل سنت غوثیہ،ہبلی کرناٹک، مدرسہ نورالاسلام منڈا ضلع بستی، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، مدرسہ حنفیہ غوثیہ بنارس، اور دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا ،ممبئی۔کا نام آتا ہے۔

حضرت صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا۔ حضور صدرالشریعہ سے آپ کو قلبی تعلق تھا ، وہ بھی آپ سے حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ صدرالشریعہ کی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں تھیں، جوآج بھی بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور''کلیة البنات الامجدية'' گھوسی میں صدرالمعلمات کی حیثیت سے اپنی دینی وعلمی خدمات پیش کررہی ہیں۔تقویٰ شعار ہیں اور درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتی ہیں۔مولانا غلام ربانی فائق اعظمی کو شہزادۂ امام احمد رضا مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری اوراحسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدرحسن مارہروی علیہما الرحمہ نے اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ ۱۳۹۸ھ میں والد ماجد شیخ العلماء کے وصال کے بعد جانشین کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا تھا،آپ دوبار حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے تھے،پہلی بار۱۹۹۳ء میں اور دوسری بار ۱۹۹۸ء میں ، اسی سفر میں عراق ونمرہ کے مقدس مقامات کی زیارتیں بھی کی تھیں۔آپ کوکئی زبانوں میں مہارت حاصل تھی ، اردو،عربی اور فارسی میں ان کی نگارشات ملتی

ہیں، ترجمہ نگاری میں آپ کو کافی مہارت تھی۔ راقم کی معلومات کی حد تک آپ نے چار کتابوں کا عربی سے اردو میں کامیاب ترجمہ کیا تھا، (۱) الادب المفرد (۲) لوائح جامی (۳) مجانی الادب (۴) مثنوی مولانا روم۔ اس کے علاوہ سفر نامہ حج و زیارت بھی تحریر کیا تھا، جو ابھی تک تشنہ طباعت ہے۔ اردو، فارسی کے ایک قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے بھی آپ نے اپنی شاعری کا اعلیٰ نمونہ چھوڑا ہے، آپ کا یہ ہنر چند احباب تک محدود تھا، طرحی غزلوں، نعتوں اور منقبتوں کی ایک مخصوص ڈائری کے تیرہ صفحات راقم کے مطالعے میں آئے جوان کے فرزند مولانا محمد نورانی امجدی نے بھیجے تھے۔ ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری میں ایک فطری بہاؤ کی کیفیت جا بجا موجود ہے۔ ان کی مختلف النوع شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں:

''شاعر کی حیثیت سے آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے، حمد، نعت، منقبت، غزل، قطعات ان کے کلام کی متعدد ڈائریاں ہیں، ان کی ابتدائی دور کی ایک ڈائری اس وقت میرے پیش نظر ہے، ان میں چند نعتیں ہیں، اکثر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ وہ ترقی پسند شاعر نہیں تھے، اور نہ ان کی شاعری ترقی پسند تحریک سے متاثر نظر آتی ہے۔ ان کی غزلوں میں میرؔ اور غالبؔ کی غزلوں کا انعکاس بھرپور نظر آتا ہے۔ جب درد دل میں ڈوب کر بربط عشق پر جلوہ جاناں کا ذکر چھیڑتے ہیں تو کائنات کی دل کش رنگینیاں ان کے گرد دست بستہ کھڑی نظر آتی ہیں۔ ......ان کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول کی فراوانی کے ساتھ صالح فکر و اعتقاد کی ترجمانی اتنی موثر اور واضح ہے کہ ان کی نعتوں کے سادہ سے سادہ اشعار بھی قارئین کے دلوں پر دستک دیے بغیر نہیں رہتے اور دعویٰ دلیل سے خالی نظر نہیں آتا۔''

(شہر خموشاں کے چراغ، مطبوعہ: مبارک پور، ۲۰۰۹ء ص: ۱۸۵، ۱۸۶)

قادری منزل، گھوسی میں منعقد ایک مشاعرے میں پڑھی گئی نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جو نکہت بے زباں حاصل ہوئی ہے ذات انور سے
مشام جاں کو وہ راحت کہاں ہے مشک و عنبر سے

بیابان مدینہ کا ہو نقشہ جن کی آنکھوں میں
تو رضواں سیر جنت کے لیے وہ کیوں بھلا ترسے
ہے تنہائی کا عالم اور اندھیری رات مرقد کی
مگر ہم لو لگائے ہیں تمہارے روئے انور سے
ہو دل میں حبِّ احمد، ہاتھ میں ہو ذوالفقار ان کی
صنم خانے گرا دو نعرۂ اللہ اکبر سے
کھلی اب چاندنی کہ چاند بدلی سے نکل آیا
"دو عالم ہوگئے روشن ترے روئے منور سے"
انوکھے بادشا ہو تم، انوکھا بے نوا فائق
تو کیوں محروم پھر جائے یہ سائل آپ کے در سے

ایک رباعی کا یہ بالکل انوکھا اور منفرد انداز ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

زرنگاروں سے بات کرتے ہیں
ماہ پاروں سے بات کرتے ہیں
آپ کی رہ گزر کے ہر ذرے
چاند تاروں سے بات کرتے ہیں

چند غزلیہ اشعار بھی حاضر خدمت ہیں:

غم گساروں سے مرے کوئی بھی احساں نہ ہوا
ہائے وہ اشک جو منت کش داماں نہ ہوا
آپ کی ذات گرامی پہ نہ حرف آجائے
ایک دیوانہ کبھی چاک گریباں نہ ہوا
اب تو بربادی کے آثار نظر آتے ہیں
غنچہ و گل بھی شرربار نظر آتے ہیں
پھر پکارا ہے کسی نے مجھے فائق شاید

فرصت زیست کے آثار نظر آتے ہیں

آپ کی شاعری کے اس انتخاب کے مطالعے سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فائق اعظمی کس پایے کا شاعر تھے اوران کی شعری زنبیل میں کس قدر علمی، ادبی اورفکری وفنی موتیاں موجود ہیں اوران کی چمک دمک کیسی ہے۔ علامہ فائق اعظمی علیہ الرحمہ برسوں سے ممبئ کی نامی درس گاہ دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، اور تدریس سے ان کا تعلق مسلسل جڑا ہوا تھا۔ ۱۱/اگست ۲۰۰۰ء کی شب میں دل کا دورہ پڑا مگر لڑکھڑا کے سنبھل گئے، سلسلہ علاج جاری رہا، لیکن باری تعالیٰ کی بارگاہ سے یہی مرض موت کا سبب بننے والا تھا، بالآخر ۲۸/ اگست ۲۰۰۰ء ۸/بج کر ۴۰ منٹ پر اس جہان فانی کو الوداع کہہ گئے۔ بروز پیر بعد نماز ظہر عروس البلاد ممبئ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ موسلا دھار بارش کے باوجود ہزاروں فرزندان توحید آپ کے جنازے میں شریک ہوئے، دوسرے دن بذریعہ طیارہ انھیں آبائی وطن گھوسی لایا گیا۔ وہاں بھی نو بجے شب میں نماز جنازہ پڑھی گئی اورنم آنکھوں سے سپرد خاک کیا گیا۔ ان کا یہ شعران کے ''مرد مومن'' ہونے کی گواہی دے رہا ہے:

مرد مومن ہوں بھلا موت سے ڈر جاؤں گا
نور بن کر دل ظلمت میں اتر جاؤں گا

اور یہ شعران کی سچی محبت، پاکیزہ جذبے اورخوش اعتقادی کا منہ بولتا ثبوت ہے:

ہے تنہائی کا عالم اور اندھیری رات مرقد کی
مگر ہم لو لگائے ہیں تمہارے روئے انور سے

مولانا عبدالرحیم ساحلؔ مصباحی:

ممتاز فاضل اشرفیہ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحیم ساحلؔ مصباحی علیہ الرحمہ ایک جید عالم دین، ماہر استاذ، عمدہ اخلاق کے مالک اورقابل منتظم تھے۔ ۱۰/مارچ ۱۹۵۲ء کو کچھوچھہ شریف بسکھاری کے قریب موضع ''ڈونڈو'' میں ایک دین دار گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی ۔اہل خاندان کو دینی علوم سے رغبت تھی، ان کا سلسلہ نسب دین محمد نامی ایک مرد حق سے جاملتا ہے جن کی نسل میں کئی عظیم المرتبت شخصیات آتی ہیں۔ ابتدا ہی سے مولانا عبدالرحیم ساحل ذہین

وفطین، سنجیدہ مزاج اور نیکی پسند واقع ہوئے تھے، دینی تعلیم کا آغاز بسکھاری کے ایک مدرسے میں ہوا، مکتب کی تعلیم کی تکمیل کے بعد فارسی وعربی کی درسیات سے آگاہی حاصل کی اور پورے انہماک کے ساتھ ہر کتاب کے اسباق پڑھے، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں کے جید اساتذہ بالخصوص حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری اور علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہما الرحمہ کی بارگاہ میں اکتساب علم کرتے رہے، تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تربیت سے بھی مالا مال ہوئے، مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی، کئی برس کی اقامت کے بعد ۱۰رشعبان المعظم ۱۳۸۹ھ میں سند فراغت ودستار فضیلت سے نوازے گئے۔ علوم متداولہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی زندگی کو فروغ علم اور اشاعت مذہب حق کے لیے وقف کر دیا، کردار میں نمایاں اوصاف رکھتے تھے، تواضع ان کی پہچان تھی، نرمی وصلح جوئی ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، تدریس وتقریر کے ذریعے احقاق حق اور رد بدعات کو فریضہ نبھاتے رہے اور کلمۂ حق بلند ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سنہ ۷۵ء کے آس پاس ممبئ تشریف لائے اور محبوب سبحانی کو دارالعلوم کی شکل دینے میں مصروف ہوگئے، جس کی نشاۃ ثانیہ علامہ مشتاق احمد نظامی کے ہاتھوں ہوئی تھی، تادم وصال اسی دارالعلوم میں درس وتدریس میں منہمک رہے اور طالبان علوم نبویہ کی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ وطن بھی جاتے، تبلیغی دورے بھی کرتے، دینی مجالس میں شریک ہوتے اور سنجیدہ خطاب بھی کرتے۔ آپ کی درس گاہ ایک بافیض درس گاہ مانی جاتی تھی، آپ دارالعلوم کے پرنسپل تھے اور شیخ الحدیث شہزادۂ شیخ العلماء مولانا غلام ربانی فائق تھے، کئی نامی گرامی علما کی ٹیم اس میں تدریس کا فریضہ ادا کر رہی تھی، مفتی شعبان علی نعیمی ایک زمانے تک اس میں پڑھاتے رہے، مولانا امجد رضا مصباحی اور مفتی سید شاکر سیفی آج بھی اسی ادارے سے منسلک ہیں، شیخ الحدیث مولانا امجد رضا مصباحی اور پرنسپل محبّ گرامی مولانا سید محمد اکرام الدین مصباحی بڑی تندہی اور مہارت کے ساتھ اس دارالعلوم کو تعلیمی ترقی کے اوج ثریا پر لے جانے میں کوشاں ہیں۔ ساحل ملت کا وصال ۲۷رمئی ۲۰۰۵ء کو ممبئ میں ہوا اور دارالعلوم کے صحن میں سپرد خاک ہوئے۔ ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے۔

مفتی شعبان علی نعیمی حبابی:

حضرت مولانا مفتی شعبان علی نعیمی حبابؔی علیہ الرحمہ کی انقلابی زندگی اوران کے شب وروز کی آزمائشوں، مسرتوں، حرکت وعمل کے جلوؤں اورفکر ونظر کے حیرت انگیز جہانوں کا مشاہدہ کرنے کے لیے یہ سوانحی خاکہ پڑھیں۔ یہ زندگی سبق آموز بھی ہے، فکرانگیز بھی۔

مدرسے کی سند کے مطابق آپ کی پیدائش ۲۴ نومبر ۱۹۳۹ء میں موضع محمد خان کامہوا میں ہوئی جو اترولہ بلرام پوراور ڈومریا گنج سدھارتھ نگر کے درمیان ایک مردم خیز گاؤں ہے، اب ایک قصبہ بن چکا ہے۔ آپ کا تعلق حلوائی برادری سے تھا، وہ بھی حلوائی برادری کی اعلیٰ شاخ ترکیہ حلوائی۔ حلوائی برادری کے مورث اعلیٰ حضرت علامہ شیخ عبداللطیف علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے، انہیں کے فرزند مشہور فقیہ شیخ امام عبدالعزیز شمس الائمہ حلوائی علیہ الرحمہ دنیائے فقہ واصول میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ شمس الائمہ حلوائی فقہ کی کم وبیش ہر کتاب میں کسی نہ کسی جہت سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔

آپ دو بھائی بہن تھے، ابھی ڈھائی برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ مشفقہ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ کچھ دنوں بعد بہن بھی داغ مفارقت دے گئی۔ آپ کے والد محترم صوفی رمضان علی نعیمی جو شیخ المشائخ علامہ سید چراغ علی طیش علیہ الرحمہ سے شرف ارادت رکھتے تھے، نے قبلہ حبابی کی پرورش وتربیت کے لیے ان کے ننیہال بھروٹیا بازار، بستی لاکر چھوڑا جہاں ان کی پرورش بھی ہوئی اور تعلیمی سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ والد صاحب قبلہ تلسی پور، بلرام پور چلے گئے، ننیہال میں خال محترم نے مقامی پرائمری اسکول میں نام ڈلوادیا اور پارٹ ٹائم مولوی سہراب علی دیوبندی کے مدرسہ شمس العلوم میں تعلیم ہونے لگی۔ اسکول میں درجہ سوم اور مدرسہ میں ناظرہ قرآن مجید کے ساتھ فارسی کی چند ابتدائی کتب پڑھیں۔ اس کے بعد والد اور دوسری والدہ ماجدہ کے پیہم اصرار پر ننیہال سے تلسی پور آگئے جہاں تعلیم کا دوسرا دور شروع ہوا جہاں مکتب اسلامیہ میں پرائمری کے دوسرے درجات کی تعلیم مکمل کی، تاریخ، جغرافیہ، جومیٹری، الجبرا، آرٹ، ادب وغیرہ مضامین میں کافی محنت کی اور ہر درجہ امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس کے بعد والد ماجد نے دارالعلوم عتیقیہ انوار العلوم تلسی پور کے بانی وسربراہ اعلیٰ استاذ العلماء سلطان المناظرین حضرت علامہ مفتی عتیق الرحمٰن خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پیش کردیا اور خواہش ظاہر کی کہ

میرے اس بچے کو عالم دین بنا دیں۔ انہوں نے قبول فرمالیا اور تعلیم کا آغاز کروادیا۔ اس دوران خارجی مطالعہ کی عادت پڑی، ذہین تو تھے ہی، محنتی بھی تھے، دو پاکستانی رسالے ماہ طیبہ اور ''نقاد'' کے مضامین کو پڑھنا، ان کا فارسی ترجمہ کرنا، استاد کو دکھانا یہ ہفتے کا معمول تھا، ذمہ داری بھی تھی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ فارسی تحریر و تکلم میں ماہر ہو گئے۔ اسی دوران ۱۹۵۷ء میں الٰہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان بھی فرسٹ ڈویژن سے پاس کرلیا، امتحان کی تیاری میں آپ کی محنت قابل رشک ہوا کرتی تھی، ۱۹۶۰ء میں عالم کا امتحان بھی دے کر سند حاصل کرلی، اسی برس درس نظامی کے نصاب کی تقریباً تمام ہی کتابیں مع صحاح ستہ مکمل کر چکے تھے۔

استاذ الاساتذہ سلطان المناظرین علیہ الرحمہ کی اجازت اور انہی کے خرچ سے مرادآباد جامعہ نعیمیہ میں پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے لیکن جامعہ نعیمیہ کے سربراہ و متولی علامہ سید اختصاص الدین ابن صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے قصبہ لال پور میں موجود مدرسہ عطاء العلوم میں داخلہ دلوادیا جس کے بانی و مہتمم تلمیذ صدر الافاضل علامہ مفتی سیف الحق محمد عیوض قبلہ علیہ الرحمہ تھے۔ وہاں ہدایہ آخرین، شرح مرقات، مقامات حریری، مناظرۂ رشیدیہ اور تجوید و قراءت مع مشق و ترتیل کا درس بڑی محنت سے لیا اور خوب خوب مالا مال ہوئے۔ ۱۲ ر جب ۱۳۷۸ھ میں مدرسہ کے اجلاس میں قراءت کی دستار و سند بھی حاصل کی۔ پھر تلسی پور دارالعلوم عتیقیہ انوار العلوم میں دوبارہ واپسی ہوئی اور مزید حصول علم میں منہمک ہو گئے اور تحصیل علم سے فراغت ملی مگر ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم کے سالانہ اجلاس میں دستار بندی کے لیے معتد بہ طلبہ نہ ہونے کی وجہ سے کسی کی دستار نہ ہوئی تو استاد گرامی کی اجازت اور علامہ سید اختصاص الدین نعیمی علیہ الرحمہ کی معرفت فخر ملت علامہ الحاج محمد نذیر الاکرم علیہ الرحمہ کے مدرسہ اکرم العلوم، لال مسجد مرادآباد میں بہ حیثیت صدر المدرسین تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا، وہیں نبیرانِ صدر الافاضل مولانا سید رضوان الدین نعیمی اور ڈاکٹر سید عرفان الدین نعیمی صاحبان کو بھی پڑھانے کا موقع ملا۔ ان مخدوم زادوں کو تعلیم دینے پر آپ کافی فخر کرتے تھے۔ ۸ مئی ۱۹۶۲ء کو جب آپ کے مادر علمی دارالعلوم عتیقیہ کا سالانہ جلسۂ دستار فضیلت منعقد ہوا تو علما و مشائخ کے ہاتھوں آپ نے سند و دستار فضیلت حاصل کی بلکہ سند قراءت بھی عطا ہوئی۔ اس کے بعد واپس مدرسہ اکرم العلوم مراد

آباد میں اپنی تدریسی ذمہ داریاں سنبھالنے پہنچ گئے۔ وہاں بانیِ ادارہ مفتی نذیرالاکرم نعیمی علیہ الرحمہ کی نوازشات اور کرم نوازیوں سے خوب خوب مالا مال ہوئے، ان کی معیت میں تبلیغی دورے بھی شروع ہوئے، جلسوں میں خطابات بھی ہونے لگے، ان کی نگاہ کرم نے قبلہ مفتی صاحب کو قابل افتخار بنا ڈالا۔ ۱۹۶۲ء میں پالی راجستھان کے ایک تبلیغی دورے میں آپ کی کئی گھنٹے کی تقریر اور ایک گھنٹے تک مسلسل دعاؤں کی برکت سے سات دن تک بارش ہوئی جب کہ اس دن تک اور گزشتہ سال بھی بارش بالکل نہ ہوئی۔ اس طویل اقامت نے قبلہ فخر ملت کو مضطرب کر دیا اور انہیں تار دے کر آپ کی غیر حاضری کی وجہ معلوم کرنی پڑی، دس روز بعد پالی سے مراد آباد واپسی ہوئی۔

اس کے بعد استاد مکرم سلطان المناظرین کے حکم وارشاد پر مادر علمی میں پڑھانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں آئے اور ۱۹۶۷ء تک انوار العلوم میں درس دیا، بیماری کے باعث دو سال تک تدریسی سلسلہ موقوف رہا، اس کے بعد جامعہ اہل سنت فخر العلوم بلرام پور میں ملازمت اختیار کر لی اور بڑی محنت و جاں فشانی سے تدریسی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ یہاں آپ نے ایک سال میں اٹھائیس کتابیں پڑھائیں جس میں ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ ہر قسم کی کتابیں شامل تھیں جس کا سالانہ امتحان دار العلوم احسن المدارس جدید کان پور کے بانی سربراہ اعلیٰ مفتی محبوب علی اشرفی علیہ الرحمہ نے لیا اور جو تاثراتی تحریر لکھی وہ انتہائی اہم ہے۔ ایک جگہ انہوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ اتنی ڈھیر ساری کتابیں اکیلے تنہا پڑھا لینا سخت دشوار ہے اور میرے نزدیک عزیزم مولوی شعبان علی سلمہ نے تنہا تین مدرسین کا کام خود اکیلے کیا ہے۔ واہ سبحان اللہ! یہ کڑی محنت ضرور رنگ لاتی ہیں۔ یہ واقعہ ہم جیسے بہت سارے اساتذہ و مدرسین کے لیے درس عبرت اور جائے نصیحت ہے۔ اس کے بعد دار العلوم نور الاسلام کو دار العلوم کی شکل دی، درس نظامیہ اور حفظ کا کورس شروع کرایا پھر بہ خوشی مستعفی ہو کر فخر العلوم آ گئے۔ یہ غالباً ۱۹۷۲ء کا سن تھا۔ فخر العلوم کے سرپرستوں میں سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی اور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری علیہما الرحمہ کا نام جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ دونوں حضرات تا حیات اس کے سرپرست رہے اور مفتی صاحب قبلہ گیارہ برس سے زائد عرصے تک انہیں نفوس قدسیہ کی سرپرستی میں

تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں منشی کا، ۱۹۷۷ء میں فاضل دینیات اور ۱۹۷۸ء میں کامل کا امتحان بھی پاس کرلیا تھا۔

۱۹۸۰ء میں آپ ممبئ عظمیٰ پہنچ گئے۔ ممبئ کا غیر علمی ماحول جو اکثر کو دیر سے راس آتا ہے انہیں جلد ہی راس آ گیا، علما کے نام سنا تھا، شخصیت جانی پہچانی تھی، ممبئ والے جلد ہی پہچان گئے۔ جلسوں کانفرسوں اور مدرسوں کے سالانہ پروگراموں میں بلائے جانے لگے۔ ۱۹۸۴ء میں دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا میں مسند تدریس کی پیش کش ہوئی جہاں ساحل ملت علامہ عبدالرحیم ساحل مصباحی علیہ الرحمہ اور عمدۃ المدرسین شہزادۂ شیخ العلماء مولانا غلام ربانی فائق اعظمی علیہ الرحمہ مسند تدریس ونظامت سنبھالے ہوئے تھے۔ وہاں مسلم شریف سے لے کر مشکوٰۃ وقطبی اور متوسطات کی دیگر اہم اصولی کتابیں زیر درس رہیں۔ یہاں ۱۹۸۷ء تک رہے۔ اس کے بعد باندرہ اسٹیشن مسجد کے قریب دارالعلوم حبیب الرضا قائم فرمایا اوراس کی ترقی میں ہمہ دم مشغول ہو گئے۔ یہ ادارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں قبلہ سید حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں قائم کیا گیا جہاں با قاعدہ درس نظامی، حفظ وقراءت اور دارالافتاء بھی قائم فرمایا جہاں چھ سات برس تک آپ نے اپنی علمی وانتظامی صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کیا۔ بعدہٗ سانتا کروز کی جامع مسجد میں تقریباً گیارہ بارہ سال تک خطابت وامامت کا فریضہ انجام دیا۔ اس دوران فرقہ دیابنہ وہابیہ کی جانب سے پیہم شورشوں نے آپ کی ہمت مرداں کو مزید جوان کردیا۔ انہیں مناظرے کا چیلنج دیا مگر روباہ صفت یہ بھیڑیے کبھی آپ کے مقابل آنے کی جرأت نہ کرسکے۔ یہیں دوران قیام احباب کی فرمائش پر تصنیف وتالیف کا کام بھی شروع کیا، فتویٰ نویسی تو ہر جگہ کرتے رہے تھے، ایک انتہائی اہم اور تاریخی کتاب ''دولت کبریٰ'' یہیں تصنیف فرمائی جو ۲۰۰۸ء میں ۲۸۰ صفحات میں مجلد طبع ہوئی۔ مارچ ۲۰۰۷ء سے عمر کے اخیر حصے تک محسن ملت جناب الحاج فاروق درویش صاحب کی فرمائش اور خواہش پر ان کے گھر سے متصل جامع مسجد نوری باندرہ میں صرف جمعہ کی خطابت کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ بقیہ اوقات اپنے دولت کدے پر مالونی ملاڈ ہی میں گزارتے تھے۔ شاعری، تصنیف اور ذکر واذکار میں مشغولیت تامہ رکھتے ہوئے بالآخر ۸ مارچ ۲۰۱۵ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

آپ دو بار حج بیت اللہ اور زیارت مقامات مقدسہ سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار ۱۹۸۷ء میں اور دوسرا حج ۱۹۹۶ء میں اہلیہ کے ہمراہ کیا۔ ان دونوں مبارک اسفار میں شیخ الشیوخ شہزادۂ قطب مدینہ علامہ فضل الرحمٰن علیہ الرحمہ، مولانا محمد اطہر نعیمی، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری پاکستان، فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمہ سے ملاقاتیں رہیں اور ان کی بارگاہوں میں کافی وقت گزارنے کا موقع ملا۔ بغداد شریف، کربلا، کوفہ، نجف اشرف وغیرہ مقامات پر حاضری دی اور ان بارگاہوں سے خوب خوب فیض باطنی حاصل کیا، جس نے آپ کی شخصیت و وجاہت میں روحانیت کی خوبیاں بھر دی تھیں۔ شہزادۂ صدر الافاضل حضرت علامہ سید اختصاص الدین نعیمی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر ۱۹۵۳ء میں شرف بیعت حاصل کرلیا تھا اور نبیرۂ صدر الافاضل علامہ حکیم سید محمد رضوان الدین نعیمی صاحب علیہ الرحمہ نے عرس نعیمی کے موقع پر ۲۰ فروری ۲۰۰۷ء میں آپ کو سند خلافت واجازت تفویض فرمائی تھی۔ ۱۹۵۶ء میں عقد مسنون ہوا، دس سال اہلیہ نے آپ کی رفاقت میں گزارے اور انتقال کر گئیں، ۱۹۷۰ء میں عقد ثانی کیا۔ ایک اولاد نرینہ اور سات بچیاں ہیں، سب صاحب اولاد شاد آباد ہیں۔ یہ مفتی محمد شعبان علی نعیمی حبابی علیہ الرحمہ کی حیات مستعار کی چند اہم کڑیاں تھیں۔ اب چند امتیازات بھی ملاحظہ کرلیں۔

دوران طالب علمی آپ نے معین المدرسین کی حیثیت سے بھی درس دیا۔ دار العلوم محیط الاسلام قائم کیا، حبیب الرضا قائم کیا، خطابت وتدریس کے ساتھ تحریر وقلم سے تازندگی اپنی محبت باقی رکھی، ہند و پاک کے مؤقر جرائد پاسبان الٰہ آباد، نوری کرن بریلی شریف، ماہ طیبہ اور السواد الاعظم پاکستان میں آپ کی لکھی نعتیں اور مضامین چھپتے تھے، دار العلوم عتیقیہ انوار العلوم میں طلبہ کی انجمن بزم ادب میں طلبہ کو تقریریں لکھ کر دیا کرتے تھے، شعر وسخن کا ذوق بھی کافی مرغوب رہا ہے، دوران طالب علمی ہی میں طرحی مشاعروں میں شرکت ہوتی رہی ہے۔ آپ نے خودنوشت سوانح میں تحریر فرمایا کہ کبھی کبھی علامہ محمد شفیع صاحب قبلہ اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہما الرحمہ آئندہ ہفتوں کے لیے مصرعوں پہ غزلیں لکھ کر دیا کرتے تھے۔ علامہ قمر الزماں اعظمی دام ظلہ کو آپ کا ایک شعر کافی پسند ہے جسے وہ دہرایا کرتے ہیں:

حشر ہو یا ہو لحد لطف حبابیؔ جب ہے

سامنا ہو تو نظر وقف نظر ہوجائے

۲۰۱۱ء میں آپ کا شعری کلیات ’’فردوس شفاعت‘‘ ۳۶۰ صفحات پر مشتمل مجلد منظر عام پر آچکا ہے جسے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے مرتب کیا ہے اور ایک طویل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، جس میں ان کی سراپا نگاری کا ایک نمونہ یہ بھی ہے:

’’ناٹا بوٹا قد ہے، سانولا رنگ، گھٹیلا بدن، نہ اکہرا نہ دوہرا، دونوں کے درمیان چمک والی آنکھیں جن پر چمکیلا عینک، کبھی کلاہ، کبھی دستار زیب سر ہے، گاہے پیرہن تو گاہے جبہ زیب، ایسا جامہ زیب کہ زیب تن کرے وہ، دیکھا کرے کوئی، حلوائی برادری سے تعلق ہے، زبان حلوے کی طرح شیریں ہے، مٹھاس بھری، ایسی بھری کہ بس بولا کرے وہ، سنا کرے کوئی، انداز عالمانہ، لہجہ باوقار سادہ شعار، ملنسار، دردمند، غم خوار، یہ حلیہ، حلہ ہے حضرت مفتی شعبان علی نعیمی حبابی صاحب کا۔‘‘

مفتی صاحب قبلہ کئی زبانوں کے ماہر اور ان کی ادبیات پر دسترس رکھتے تھے، شاعری کا عروضی گیان رکھتے تھے، عشق رسول کی دولت سے مالا مال تھے، محتاط قلم چلاتے تھے، ان کی نعتیں، منقبتیں، غزلیں، نظمیں اپنے اندر فن کی خوبیاں رکھتی ہیں۔

ان کے استاذ سخن پدم شری محترم بیکل اتساہی لکھتے ہیں:

’’حبابؔی صاحب کی نعتیہ شاعری کی روح میں حضور سے سچی محبت، تعظیم واحترام کی تڑپ اور لگن ہے۔ جب یہ چیز موجود ہو تو پھر جذبات واحساسات خود بہ خود اشعار کا روپ لینے لگتے ہیں۔ مولانا شعبان علی حبابؔی صاحب خود عالم دین ہیں۔ شاعری کے عروضی فن سے کما حقہ واقف ہیں اس لیے ان کی شاعری میں کسی فنی مکتبی لغزش کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ مشکل زمینوں میں بھی اشعار پانی کی طرح رواں دواں ہیں جو ان کی قادر الکلامی کی غمازی کرتا ہے۔‘‘

(تقدیم، فردوس شفاعت، ممبئ، ص ۲۲)

ان کے علاوہ آپ کی شاعری پر شجاع الدین شاہد اور استاذ الشعراء جمیل مجاہؔد نے بھی اظہار خیال کیا ہے اور آپ کے شعری کمال کی داد دی ہے، چند اشعار آپ بھی دیکھیں:

مرے حسن عقیدت پر محبت ناز کرتی ہے

در مولیٰ کی دربانی پہ قسمت ناز کرتی ہے
عروس لیلۃ الاسریٰ مکین منزل ادنیٰ
عروج عالم بالا پہ رفعت ناز کرتی ہے

....

تعریف میں جو لفظ نکلتے ہیں حبابؔی
لفظوں میں تری فکر ثنا کھیل وہی ہے
کشکول گدائی بھرے جاتے ہیں مسلسل
اس دست سخاوت پہ سخا کھیل رہی ہے

۸ مئی ۱۹۶۲ء کو مفتی صاحب قبلہ کی دستار بندی کے موقع پر حضرت بیکلؔ اتساہی نے یہ محبتوں بھرا کلام لکھا تھا اور آپ کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی:

ہو مبارک میاں شعبان فضیلت کی سند
راس آجائے تمہیں دین کی دولت کی سند
یاد کرلینا دعاؤں میں کبھی بیکلؔ کو
جس نے دے دی ہے تمہیں اپنی محبت کی سند

اخیر میں بس اتنا عرض کردینا چاہتے ہیں کہ مفتی شعبان علی نعیمی علیہ الرحمہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ یہ سچ ہے کہ ہر کسی کو موت آنی ہے مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی خبریں سن کر ہزاروں جانیں نکل جاتی ہیں۔ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۸/ مارچ ۲۰۱۵ء بروز اتوار بوقت دوپہر ۱ ربج کر ۱۵ منٹ پر شہر ممبئ میں جماعت اہل سنت کی مایۂ ناز شخصیت، بلند پایہ عالم باعمل، قادر الکلام شاعر، کامیاب مصنف، استاذ الاساتذہ حضرت مفتی محمد شعبان علی نعیمی حبابی علیہ الرحمہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موت کے آہنی پنجوں نے ان کی جسمانی ساخت کو ضرور نقصان پہنچایا۔ ''موت العالِم موت العالَم'' کا نفس الامری پیغام بھی اپنی جگہ سچ ہے مگر ان کی دینی خدمات، قائم کردہ ادارے، اکیڈمیاں، تلامذہ، تحریر کردہ کتابیں، مطبوعہ مقالات و پیغامات اور اخلاق و کردار کی مستحکم دیواروں کو کوئی گرا نہیں سکتا۔ اللہ

عز وجل غیب سے ان کے تحفظ کا سامان پیدا کرے گا، ان شاء اللہ العزیز۔ زمانے کی تاریکی میں اس اکیلی ذات نے جو شمع فروزاں کی ہے اس کی روشنیوں کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔

راقم کو سب سے بڑا قلق یہ ہے کہ ایسی عظیم وجلیل صوفی منش ذات سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکا۔ شہر ممبئ میں منعقد ہونے والے جلسوں، کانفرنسوں اور دیگر مذہبی تقریبات میں چھپنے والے پوسٹرز میں استاذ الاساتذہ مفتی شعبان علی نعیمی حبابی کا نام کہیں صدارت میں، کہیں سرپرستی میں اور کہیں آغاز درس بخاری وختم بخاری کے لیے چھپتا تھا، قبل ازیں دیوان حبابی ''فردوس شفاعت'' کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی اور بس۔ لیکن بعد وصال جب اس شخصیت کی گہرائی اور آفاقیت کا پتہ چلا، ان کی مطبوعہ دونوں کتابیں پڑھیں، شاعری کا مطالعہ کیا، ان کی خود نوشت سوانح حیات دل لگا کر پڑھی، ان کی کتابوں پر لکھی گئی تقریظات ومقدمات مطالعے میں آئے تو ایک جہانِ حیرت کا سامنا ہوا، ماہ نامہ ضیاے صابر ممبئ میں ان کے فتاویٰ بھی نظر سے گزرتے تھے مگر راقم ان کی بلند قامت ذات تک پہنچ کر بھی نہیں پہنچ سکا۔

مفتی شعبان علی نعیمی حبابی علیہ الرحمہ نے اہل ممبئ کو اپنی زندگی کے قریب چالیس برس دیے ہیں، ان طویل زمانوں میں آپ نے درس وتدریس، فتویٰ نویسی، مذاکرہ، خطابت، تصنیف، شاعری اور تبلیغ دین سے اپنا علمی وروحانی رشتہ استوار کر رکھا تھا۔ ممبئ والوں کو پڑھایا بھی، پلایا بھی، ان کی مضمحل فکروں، ذہنوں کو سدھارا بھی، ان کی پراگندگی کو نکھارا بھی، انہیں درد دل عطا کیا، انہیں زندگی جینے کا سلیقہ بخشا۔ اب جب کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے تو اہل ممبئ پر خصوصاً اور پوری جماعت اہل سنت پر عموماً ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنا، ان کی علمی شخصیت سے دنیا والوں کو متعارف کرانا، ان کے مشن کو آگے بڑھانا، ان کی غیر مطبوعہ کتابوں کو طبع کرا کے عام کرنا، اور اس عظیم محسن کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

خطیب اہل سنت مولانا منصور علی رضوی:

خطیب اہل سنت شہزادۂ محبوب ملت سنی بڑی مسجد مدن پورہ ممبئ کے خطیب وامام اور سنی جمعیۃ العلماء کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا منصور علی قادری رضوی علیہ الرحمہ شہر ممبئ کے باوقار علماے کرام کی صف میں شامل تھے۔ خطیب اہل سنت بیک وقت ایک عالم دین، مایہ

ناز خطیب، باکمال امام، ہنرمند منتظم اور کئی کتب ورسائل کے مرتب ومصنف وحاشیہ نگار تھے۔ صلح جوئی ان کا طبعی وصف تھا، اپنوں پر نرمی اور دشمنوں پر سختی ان کا شعار تھا، دینی وملی کاموں کا حوصلہ بھی رکھتے تھے اور دین کے مختلف میدانوں میں کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی کرتے تھے ۔ان کے بڑے والد شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی قادری رضوی اور والد ماجد محبوب ملت مفتی محبوب علی قادری علیہما الرحمہ نے منصور ملت کو جو ذمے داری دی تھی اور جو مشن چھوڑا تھا زندگی بھر وہ اسے آگے بڑھاتے رہے ،یہی مشن ان کی زندگی تھا اور یہی مشن چھوڑ کر وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

۵؍اگست ۱۹۴۵ء کو لکھنؤ کے مقبول گنج میں آپ کی پیدائش ہوئی ۔تعلیم کا سلسلہ مدن پورہ ممبئ میں واقع میونسپل اردو اسکول سے شروع ہوا، پانچویں تا ساتویں جماعت کی تعلیم سیفی ہائی اسکول میں حاصل کی اور پھر دینی تعلیم کی جانب انھیں موڑ دیا گیا۔ والد محترم محبوب ملت سنی بڑی مسجد مدن پورہ کے خطیب وامام تھے ،باکمال مفتی ومصنف اور عظیم الشان عالم وخطیب تھے ۔خطیب اہل سنت کا بچپن اور ابتدائی دینی تعلیم وتربیت کے لمحات انھیں کے پاس گزرے ،گویا آغاز شعور نے والد ماجد کی شکل میں دین کا خدمت گار ،ملت کا غم خوار اور علم وآگہی اور فقہ وافتا کا شہ سوار شناخت کرلیا تھا۔ والد سے بھی سیکھا ،سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں تربیت وخدمت کا وقت پایا۔ دین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف تشریف لے گئے اور کئی برس باقاعدگی کے ساتھ رہ کر تکمیل درسیات کی ،ممبئ واپسی ہوئی تو سترہ برس کی عمر میں والد ماجد کے مصلے پر کھڑے ہونے کا موقع ملا یعنی ۱۹۶۵ء میں جب محبوب ملت مفتی محبوب علی قادری علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو سنی بڑی مسجد مدن پورہ کی امامت وخطابت کے ساتھ گھریلو ذمے داریاں بھی آپ کے سر پر آ گئیں اور اخیر عمر تک آپ یہ ذمے داریاں سنبھالتے رہے، اپنی کتاب ''خوابوں کی بارات'' کے حالِ دل میں لکھتے ہیں:

''۲۰؍اکتوبر ۱۹۶۵ء میری زندگی کا ایک شدید الم ناک دن جس دن میرے والد محترم حضرت محبوب ملت، غازی اہل سنت، وصّافُ الحبیب، اسدُ السنہ، علامہ الحاج مفتی ابو الظفر محبّ الرضا محمد محبوب علی خان صاحب قبلہ قادری، برکاتی ، رضوی لکھنوی علیہ الرحمہ کا ممبئ میں وصال

ہوا، اپنی عمر کے سترہویں سال ہی میں میرے کاندھوں پر ذمے داری اور فرض شناسی کا بوجھ آگیا، میری ذمے داریوں کو وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جن کو نوعمری میں داغ یتیمی اس طرح ملا ہو کہ پورے گھر میں ان سے بڑا کوئی نہ ہو اور گزرنے والے نے اپنے بعد تمام تر ذمے داریاں ان کے سپرد کر کے آنکھیں بند کر لی ہوں"۔ (خوابوں کی بارات، طبع ممبئ، ایڈیشن ۱۹۹۷ء ص ۹)

بلکہ ۱۹۶۲ء ہی میں جب محبوب ملت پہلی بار حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تب آپ کو پہلی بار سنی بڑی مسجد میں امامت کرنے کا شرف حاصل ہوا، لیکن جب محبوب ملت کی واپسی ہوئی تو انھوں نے آپ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور ۱۹۶۵ء میں والد ماجد کے وصال کے بعد باضابطہ اسی مسجد کی امامت وخطابت کا منصب سنبھال لیا اور اخیر عمر تک یہ ذمے داری بحسن وخوبی نبھائی۔ آپ ایک شعلہ بار خطیب کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کے مالک تھے، اور انتظامی اُمور کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی اسی لیے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے سنی جمعیۃ العلماء کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ کو نامزد کیا تھا اور اس کے زیر اہتمام نکلنے والے سالانہ جلوس غوثیہ کا ۵۷ برسوں تک اہتمام فرماتے رہے، یہ بجائے خود ایک ریکارڈ ہے، جو آپ کے ایک اچھے منتظم وقائد ہونے کا روشن ثبوت ہے۔ ممبئ واطراف ممبئ میں منعقد ہونے والی بڑی کانفرنسوں، دینی محفلوں اور سالانہ جلسوں میں آپ کو خطیب کی حیثیت سے بلایا جاتا تھا، گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، اور مدھیہ پردیش کے مختلف شہروں میں بطور خاص آپ کے پروگرام ہوتے تھے، کرناٹک میں بھی آپ کی خطابت کا شہرہ تھا، یہاں مسلسل پروگرامات ہوتے تھے، اسی مناظرانہ شان خطابت کی بنیاد پر آپ کو فاتح کرناٹک بھی کہا جاتا ہے۔ شہزادۂ امام احمد رضا، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمہ سے شرف ارادت اور تمغۂ خلافت حاصل تھا۔ سوانح شیر بیشۂ سنت مصنفہ محبوب ملت صفحہ ۲۴۱ پر موجود حاشیہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی شاہ وجیہ الدین قادری رضوی ضیائی سجادہ نشین آستانہ رضویہ ضیائیہ پیلی بھیت نے بھی خلافت سے نوازا تھا۔ خطیب اہل سنت بڑی بڑی نسبتوں کے مالک تھے، آپ کے بڑے ابو خلیفہ وتلمیذ امام احمد رضا شیر بیشہ سنت اور والد محبوب ملت، دو چچا محمد عمر اور محمد عثمان اور ایک پھوپھی کو امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل ہے اور آپ کو حضور مفتی اعظم ہند سے اردات

وخلافت ملی ہے۔آپ کی علمی شخصیت کے تعارف میں خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کے یہ جملے بڑے وزنی معلوم ہوتے ہیں:

''مولانا منصور علی خان ایک علمی خانوادے کے شہزادے ہیں ،انھوں نے علم کی گود میں پرورش پائی ،مسلک اعلیٰ حضرت ان کی ریڑھ میں ہے،انھوں نے اپنے والد ماجد سے علم سینہ بھی پایا ہے اور علم سفینہ بھی پایا ہے،ان کے والد ماجد حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ شیر بیشہ اہل سنت کے بھائی خود بھی بہت بڑے عالم ،مفتی حافظ وقاری ،مدرس ،مقرر،خطیب ومصنف ،شاعر وادیب ،وقت کے شیخ طریقت بھی۔انھوں نے پڑھا بھی تھا اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے پیا بھی تھا۔چناں چہ انھوں نے اپنے بڑے صاحب زادے مولانا منصور علی خان کو پڑھایا بھی اور پلایا بھی۔اب اسے کون جانے کہ کتنا پلایا ہے یہ تو پلانے والا ہی جانتا ہے،اللہ کا فضل وکرم ہے کہ آج ملک کے شرق وغرب میں مولانا منصور کی خطابت کی دھوم ہے جہاں جاتے ہیں اعلیٰ حضرت کا مسلک لے کر جاتے ہیں ،مخالفین اہل سنت نے مقدمہ دائر کیا، پریشان کیا،لیکن سچی بات یہ ہے کہ بزرگوں کے کرم سے مولانا منصور ہر مقام پر فتح مند ومظفر ومنصور ہی رہے۔''

(سوانح شیر بیشۂ اہل سنت کے پیش لفظ سے ماخوذ ص:۸)

منصور ملت کی کتاب ''خوابوں کی بارات'' پر تحریر کردہ خطیب مشرق کے جواہر درخشندہ میں بھی مذکورہ تحریر سے ملتی جلتی حقیقتیں موجود ہیں۔اسی کتاب پر ادیب شہیر علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی کی بھی ایک تاثراتی تحریر دی گئی ہے جس میں آپ رقم طراز ہیں:

''فاضل مرتب جماعتی وتنظیمی شعور، امامت وخطابت کی ذمے داریوں کی انجام دہی اور وعظ وتقریر کی بھرپور صلاحیتوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر وانشا،شعر وسخن کا بھی بہترین ذوق رکھتے ہیں ،آپ کے بلند پایہ مضامین ملک کے معیاری اور مشہور ومعروف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔زیر نظر کتاب ''خوابوں کی بارات'' آپ کی تازہ ترین تالیف ہے جس کا انداز بیان اور اسلوب نگارش بے حد دل چسپ اور فکر انگیز ہے۔آپ نے عہد حاضر کے گندم نما جو فروشوں کے بیان کردہ عجیب وغریب خوابوں کی صحیح و سچی تعبیر ظاہر کرتے ہوئے اس قدر عام فہم اور غیر جانب دارانہ تبصرہ قلم بند کیا ہے کہ قارئین پڑھتے پڑھتے کہیں سے

کہیں پہنچ جاتے ہیں۔'' (خوابوں کی بارات، طبع ممبئ، ص:۱۹، ۲۰)

مفتی محمود احمد قادری نے اپنی کتاب '' تذکرہ علماے اہل سنت'' میں محبوب ملت مفتی محمد محبوب علی قادری رضوی علیہ الرحمہ کا تذکرہ شامل کیا ہے، جو کتاب کے صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳ پر موجود ہے، اسی تذکرے میں یہ جملے بھی ہیں:

'' آپ کے صاحب زادے قاری منصور علی خاں سلمہ منصب دینی میں آپ کے قدم بہ قدم ہیں۔ انھوں نے انداز تقریر خوب پایا ہے، سعادت ان کے چہرے بشرے سے عیاں ہے۔''

مذکورہ اقتباسات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خطیب اہل سنت کا عالمانہ مقام اور خطیبانہ شان کس قدر بلند تھی۔ ہم نے تو وہ دور ہی نہیں دیکھا ہے البتہ ممبئ کی جن محفلوں میں شرکت کی ہے اور خطیب اہل سنت کے ممتاز لب و لہجے کو سماعت کیا ہے، چاہے مینارہ مسجد میں عرس سید العلماء و احسن العلماء ہو یا جامعہ قادریہ اشرفیہ میں منعقد ہونے والا عرس شہید راہ مدینہ یا دیگر اجلاس ہوں، اکثر میں انھیں نظامت کا منصب سنبھالے ہوئے پایا اور سنا، وہی مخصوص آواز، اور منفرد لہجہ اور ایک خاص طرح کی شان ہر جگہ دکھائی دی۔ خانوادۂ رضویہ و برکاتیہ کے بزرگوں کے قصیدے ان کی زبان پر ہوتے اور محفلوں میں مسلک امام احمد رضا کا غلغلہ بلند رہتا، نعرے بھی لگتے اور تحسین و آفریں کی صدائیں بھی بلند ہوتیں۔ مستقل اور باقاعدہ ملاقات کا موقع ایک بار ملا جب راقم ۲۰۱۲ء جولائی سے ''ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ'' کے اوراق لکھ رہا تھا اور اس موضوع سے متعلق قسطیں ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی میں شائع ہو رہی تھیں تو جہاں شہر ممبئ کے دیگر بڑے علما سے رابطہ کیا وہیں ان سے بھی ملاقات کی سبیل نکال لی اور رضا اکیڈمی ممبئ کی آفس میں الحاج محمد سعید نوری کی رفاقت میں ایک گھنٹے کی ملاقات میں بہت ساری حقیقتوں سے متعلق سوالات کیے تھے اور اس مکالمے سے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں انھیں مذکورہ قسطوں میں پیش کر دیا تھا۔ یہ باتیں آزادی کے بعد شہر ممبئ کی جماعت اہل سنت کی تنظیمی و صحافتی خدمات سے متعلق تھیں، سنی جمعیۃ العلماء اور دیگر سنی تحریکوں کا تذکرہ تھا، سنی اخبارات و رسائل کا ذکر تھا، مشہور خطبا و علما کے نام تھے اور ان کی دینی و ملی خدمات کا بیان تھا، بزرگوں، پیروں اور خطیبوں کا ذکر خیر تھا، بہت کچھ تھا، یہ مکالمہ بہت معلوماتی تھا جس نے بہت سارے حقائق کی نقاب کشائی کی تھی۔ اپنی کتابیں

بھی انھیں دی تھیں اور بعد کی ملاقاتوں میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے اور حوصلہ افزا کلمات بھی کہتے تھے۔

''خوابوں کی بارات'' سے پہلے خطیب اہل سنت نے نام نہاد تبلیغی جماعت کے مکر وفریب کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مختصر کتاب ''تبلیغ یا دھوکہ'' بھی ترتیب دی تھی جس کا پہلا اڈیشن اگست ۱۹۶۹ء میں چھپا تھا اور جولائی ۱۹۷۷ء تک اس کا ساتواں اڈیشن آچکا تھا۔خوابوں کی بارات بھی ۱۹۸۰ء میں پہلی بار چھپی، ۱۹۹۷ء میں اس کا آٹھواں اڈیشن آیا اور اب تک اٹھارہ اڈیشن نکل چکا ہے۔۱۹۷۷ء میں شب معراج کے موقع پر انجمن قادریہ حیدرآباد آندھرا پردیش کی دعوت پر حیدرآباد میں پندرہ دنوں میں بائیس تقریریں کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا تھا اس کا تذکرہ خطیب اہل سنت نے بھی کیا ہے اور علامہ مشتاق احمد نظامی نے بھی اس کی تحسین کی ہے، یہ بہت بڑی کامیابی تھی جس کا سہرا خطیب اہل سنت کے سر جاتا ہے۔محبوب ملت مفتی محبوب علی قادری علیہ الرحمہ نے اپنی کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لیے خود کا طباعتی ادارہ ''کتب خانہ اہل سنت'' قائم کیا تھا جہاں سے وہ اپنی تصنیفات شائع کیا کرتے تھے،قبلہ منصور ملت نے والد ماجد کے وصال کے بعد اسی کتب خانے سے مختلف کتابیں اور پوسٹر شائع کیے۔ والد ماجد کی تصنیف کردہ سوانحی کتاب ''مشاہدہ مولانا حشمت علی'' (۱۳۸۰ھ) المعروف بہ ''سوانح شیر بیشۂ سنت'' جب تیس سال بعد ۱۹۹۰ء میں شائع کردیا تو اس میں جگہ جگہ حاشیہ آرائی کی اور ایک طویل سوانحی تحریر قبلہ والد ماجد سے متعلق تحریر کی اور ان کی مختلف تصنیفات کا تعارف پیش فرمایا۔حضرت جلیل حشمتی کان پوری نے ''خوابوں کی بارات'' پر جو منظوم تبصرہ رقم کیا تھا میری اِس تحریر کی سرخی اسی تبصرے سے ماخوذ ہے،اس منظوم تبصرے کے آخری چند اشعار نذر قارئین ہیں:

آپ ہیں اس خانوادے کے چراغ
جس سے بزمِ سنیت ہے باغ باغ
ہاں بہ فیض غازیِ اہل سنن
کھل رہے ہیں دین و سنت کے چمن
ہر گھڑی ہر آن تم منصور ہو

دشمن دیں ہر جگہ مفرور ہو
ہے جلیل حشمتی کی یہ دعا
ہر گھڑی تم پر رہے فضل خدا

خطیب اہل سنت نے ۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو منگل کی شب تین بج کر دس منٹ پر اس جہانِ فانی کو الوداع کہا اور دنیاے سنیت ایک بڑے غم سے دوچار ہوئی کہ ایک بڑی نسبتوں والا عالم دین اپنی ممتاز خوبیوں کی بارات لے کر عالم آخرت کی طرف کوچ کر گیا اور اپنے پیچھے بہت ساری یادیں، قربانیاں اور نشانیاں چھوڑ گیا جو ایک زمانے تک اسے ناقابل فراموش رکھیں گی اور اس کی زندگی کا اعلان کرتی رہیں گی۔

جانشین مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری دام ظلہ سرپرست سنی جمعیۃ العلماء نے خطیب اہل سنت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا مقصود علی قادری رضوی کو سنی جمعیۃ العلماء کا جنرل سکریٹری نامزد کر دیا ہے اس لیے ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اَسلاف کا یہ مشن پوری محنت و دیانت داری کے ساتھ آگے بڑھائیں گے۔ ● ●

باب ہفتم: عروس البلاد کی سنی تنظیمیں

آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ:

فقیہ اسلام، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے فروغ دین اور اشاعت مذہب حق کے مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات کے نقوش چھوڑے ہیں۔ آپ نے فتویٰ نویسی، تصنیف وتالیف اور تدریس وتربیت کے ساتھ زمینی سطح پر انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ قیامِ تحریک پر بھی زور دیا اور ۷ر ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک کل ہند تحریک کی بنیاد رکھی۔ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا کا وصال ہوگیا۔ آپ کی قائم کردہ تنظیم ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کئی انقلابی وہنگامی دور سے گزری، متعدد بار سیاسی وقانونی ڈھانچہ تبدیل ہوا اور ہر بار اس عزم وحوصلے کے ساتھ کہ جماعت کی سرگرمیوں کو برق رفتاری سے تیز تر کردینا ہے، اس کے ذمے داران اپنی خدمات پیش کرتے رہے۔ ۱۹۲۰ء/۱۳۳۹ء سے ۱۹۲۶ء/۱۳۴۵ھ تک جماعت رضائے مصطفیٰ نے عظیم الشان کارنامے انجام دیے جس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ (مولانا محمد شہاب الدین رضوی: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ ۱۹۹۵ء ص:۵۶)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ ادام اللہ تعالیٰ بحمدہ سبحٰنہ دینی خدمات میں نہایت سرگرم اور کارآمد جماعت ہے۔ اس نے اہل سنت کی نمایاں مذہبی خدمتیں انجام دیں۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ جماعت مذکورہ نے اس تھوڑی عمر میں وہ کام کیا ہے جو بہت زمانے میں ہونا مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور وہ اسی طرح سرگرم خدمات ملت رہے۔ آمین یارب العالمین۔'' (مصدر سابق، ص: ۴۱۵)

محدث اعظم ہند علامہ شاہ سید محمد کچھوچھوی فرماتے ہیں:

’’جماعت رضائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اسم با مسمی اور مسلمانوں کا مرکزی اجتماعی منبع ومقتدیٰ ہے، ہم پر اس کی اطاعت لازم ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ اس مقدس جماعت کو ہمارے دین کا آفتاب ہدایت زیادہ سے زیادہ فرمائے۔‘‘ (مصدر سابق، ص:۴۲۰)

جماعت کے **اغراض ومقاصد** یہ تھے:

(۱) حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تقریراً وتحریراً ہر طرح مدافعت کرنا اور ان کے افتراؤں، بہتانوں کی جن سے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو علمائے اہل سنت سے بدعقیدہ کرتے ہیں، پردہ دری کرنا۔

(۲) وہ مضامین وکتب جو سنت وجماعت اور اعدائے دین کے حملوں کی مدافعت میں ہوں ، بالخصوص حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف قدسیہ شائع کرنا۔

(۳) تمام اہل سنت خصوصاً حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں باہم اتفاق واتحاد اور محبت ووداد قائم کرنا۔

اور **شرائط داخلہ** یہ تھے:

(۱) جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا رکن وہی ہوگا جو مستقیم متصلب سنی صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) جو رکن ہوگا اسے اصلاح وسعادت، تہذیب ومتانت کی صورت بننا ہوگا۔

(۳) جو چندہ ماہانہ اپنی عالی ہمت سے مقرر فرمائے گا، وہ ماہ بہ ماہ ادا کرنا ہوگا۔

(مصدر سابق، ص:۳۹)

اس جماعت کی شاخیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھیں اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں پوری دیانت داری کے ساتھ دینی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ سرزمین بمبئ میں حضور محدث اعظم ہند، مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم میرٹھی اور شیر بیشۂ سنت علامہ حشمت علی خاں لکھنوی علیہم الرحمہ کے دورے، ان کے مسلسل خطابات اور ماحول سازی نے جماعت کو نیا رنگ وروپ دیا جس نے بمبئ کے مسلمانوں پر عمدہ اثرات قائم کیے اور جماعت کا وقار بھی بلند ہوا۔ خود حضرت شیر بیشۂ سنت کو جماعت رضائے مصطفیٰ کے اولین مفتی کا عہدہ تفویض کیا گیا تھا۔ حضور شیر بیشۂ

سنت علیہ الرحمہ نے جس وقت آپ جماعت رضائے مصطفیٰ کے مفتی کے عہدے پر فائز تھے ۔بمبئی کے وہابیہ دیوبندیہ کے سات انعامی سوالات کے جوابات پر مشتمل ایک اہم فتویٰ ''القلادة الطيبة المرصعة'' کے نام سے تحریر فرمایا اور ان کے جواب دینے پر اٹھائیس ہزار روپے انعام کا اعلان فرمایا مگر آج تک کسی کو اس کے جواب کی ہمت نہ ہوسکی۔ دوسرا فتویٰ مسمیٰ بنام تاریخی ''قهر القهار'' ہے۔

(مفتی محبوب علی خان، سوانح شیر بیشۂ سنت: کان پور۔۲۰۰۵ء ص:۵۴)

جماعت رضائے مصطفیٰ کی پورے ہندوستان میں شاخوں کے قیام کے سلسلے میں بھی حضور شیر بیشۂ سنت کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقائق تو یہ بتاتے ہیں جس کی نقاب کشائی مفتی محبوب علی خاں یوں کرتے ہیں:

''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کے مؤسسینِ اولین میں حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ رحمۃ رب العالمین عزوعلا کا نام جلی حروف میں آتا ہے''۔

(مفتی محبوب علی خان، سوانح شیر بیشۂ سنت: کان پور۔۲۰۰۵ء ص:۵۰)

بمبئی کے ساتھ ساتھ گجرات کے وہابیہ دیابنہ کے قصرِ باطل میں بھی شیر رضا نے زلزلہ برپا کیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب وہابیہ نے موزوں زمین سمجھ کر گجرات کی سرزمین پر اپنا سر ابھارا اور مختلف طریقوں سے اہل سنت کو دبانے کی کوشش کی تو گجرات کے سنیوں کی نگاہیں امام احمد رضا کے اس عظیم سالار کی طرف اٹھیں اور حضرت نے گجرات میں آنے کا وعدہ کرلیا، چنانچہ گجرات میں پے در پے کئی خطابات مختلف شہروں میں ہوئے جس میں آپ نے عقائد باطلہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ۱۹۵۰ء میں پھر دورے پر تشریف لے گئے اور قصر باطل کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یہاں شیر سنت علیہ الرحمہ کو جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخ قائم کرنے کا خیال آیا۔

اس پس منظر میں نقیب اہل سنت مولانا حاجی علی محمد دھوراجی لکھتے ہیں:

''محرم الحرام کی مجالس کے لیے ۱۹۵۲ء میں بمبئی حاضر ہوا تو امام المناظرین نے عالی جناب حاجی ابوبکر صاحب ریشم والے سے فرمایا کہ گجرات میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخ قائم ہونی چاہیے۔'' (پیغام رضا: بمبئی، ۲۰۰۹ء، ص:۲۹۷)

چنانچہ اسی سال گجرات میں جماعت کی شاخ قائم ہوگئی اور نقیب اہل سنت کو اس کی نظامت کی ذمے داری سونپی گئی، ممبر سازی کا کام بڑے زور شور سے شروع ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی پہلی کانفرنس راج پپلا میں ہوئی، شیر بیشۂ سنت نے بھی شرکت فرمائی، اس کے بعد محدث اعظم ہند اور علامہ مشتاق احمد نظامی کے دورے شروع ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی دوسری کانفرنس عیدگاہ بھڑوچ میں منعقد ہوئی۔ پھر یکے بعد دیگرے مفتی اعظم ہند، محدث اعظم ہند، مجاہد ملت، پاسبان ملت، سید العلماء اور مفتی مالوہ وغیرہم کے د ورے ہوئے اور گجرات کی سنیت کو استحکام حاصل ہوا۔ مدعائے تحریر یہ ہے کہ کل ہند تحریک جماعت رضائے مصطفیٰ نے ہندوستان کے دوسرے شہروں کے ساتھ ساتھ بمبئ میں بھی اپنے اثرات چھوڑے۔ اس کے بعد تنظیمی ڈھانچہ کمزور ہوتا چلا گیا پھر ۱۹۶۰ء/۱۳۸۰ھ میں جماعت رضائے مصطفیٰ نے دم توڑ دیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/ ۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کی سرپرستی اور برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری کے زیر اہتمام آستانۂ عالیہ سلامیہ جبل پور پر کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں دوبارہ جماعت کی تاسیس ہوئی۔

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، بمبئ، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۶، ۵۷)

جماعت رضائے مصطفیٰ کی متعدد ذیلی شاخیں تھیں جو الگ الگ ناموں سے جانی جاتی تھیں، ان میں جماعت انصار الاسلام، بریلی (اس کے بانی و سرپرست اعلیٰ حضرت اور ناظم اعلیٰ مولانا حسنین رضا بریلوی ایڈیٹر ماہ نامہ الرضا، بریلی تھے۔)، اشاعت الحق، محلّہ بانس منڈی، بریلی، جماعت ظاہرین علیٰ الحق، جبل پور ایم پی (اس کے بای و سرپرست مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری تھے۔)، جماعت اہل سنت، جام جودھپور، گجرات، دار العلوم اہل سنت و جماعت، بریلی، اور انجمن اہل سنت، مراد آباد (اس کے امیر علامہ صدر الافاضل اور ناظم مفتی محمد عمر نعیمی تھے۔) کا نام آتا ہے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے درج ذیل شعبہ جات تھے:

(۱) شعبۂ اشاعت کتب۔ (۲) شعبۂ تبلیغ و ارشاد (۳) شعبۂ صحافت (۴) شعبۂ سیاست (۵) شعبۂ دار الافتاء۔ اور ہر شعبہ متحرک و فعال تھا۔

جماعت رضائے مصطفیٰ نے اپنے دفعات، قوانین، اصول اور شعبہ جات کی روشنی میں دین متین کا ہمہ جہتی کام کیا اور تقریباً تمام شعبوں میں اپنی خدمات کا نقش چھوڑا۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی نے اپنی کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ میں جو ۴۶۴ صفحات پر مشتمل ہے جماعت کی مطبوعات کی تعداد ۲۳۲ گنائی ہے اور ان کے مصنفین ومرتبین کے اسما بھی درج کیے ہیں جن میں امام احمد رضا قادری، مفتی اعظم ہند، حجۃ الاسلام سے لے کر حضور شیر بیشۂ سنت اور مفتی محبوب علی خان تک مصنفین کی کتابیں شامل ہیں۔ اس فہرست میں ۷۴ر نمبر پر مفتی محبوب علی خان لکھنوی کی ایک کتاب ''کھرا کھری'' درج ہے، لگتا ہے کہ یہ کتاب جماعت کی بمبئ شاخ نے چھپوائی تھی۔ متحدہ ہندوستان میں جماعت رضائے مصطفیٰ ہی ایک ایسی سنی تحریک تھی جو عقائد حقہ اور مذہب اہل سنت وجماعت کی نمائندگی کر رہی تھی اور اس کے باطل فرقوں کو ہر محاذ پر کراری شکست دی ہے جس کی امتیازی خدمت شدھی تحریک کا استیصال ہے۔ حالاں کہ اس وقت جمعیۃ العلماء کا وجود عمل میں آچکا تھا لیکن تاریخ اس حوالے سے مکمل خاموش ہے کہ شدھی تحریک کے سد باب کے لیے اس نے کوئی قابل ذکر سرگرمی دکھائی ہو۔ ممبئ کی سرزمین پر جماعت رضائے مصطفیٰ نے نشریاتی، تبلیغی، سیاسی اور ملی سطح پر عمدہ کارہائے نمایاں انجام دیے اور آج بھی محدود طریقے پر اس کی خدمات کا سلسلہ جاری ہے لیکن یہ اتنا غیر منظّم اور مختصر ہے کہ تاریخ نویس کی نظر وفکر کو متاثر نہیں کر سکتی۔

انجمن تبلیغ صداقت:

سرزمین ممبئ کی نمائندہ سنی تحریکوں میں ''انجمن تبلیغ صداقت'' کا نام بڑا نمایاں اور امتیازی نشان رکھتا ہے، جس کے بانی غالباً حاجی ابوبکر ریشم والے یا ان کے برادر تھے۔ یہ حاجی ابوبکر ریشم والے وہی ہیں جن سے ۱۹۵۲ء میں شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے کہا تھا کہ گجرات میں بھی جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخ قائم ہونی چاہیے، جس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ ''انجمن تبلیغ صداقت'' کا دائرۂ عمل مذہبی اور ملی دونوں تھا، اشاعت وطباعت کے میدان میں بھی اس انجمن نے اچھے اثرات قائم کیے۔ مفتی جاورہ حضرت علامہ مفتی محمد طیب قادری دانا پوری علیہ الرحمہ جو حضور شیر بیشہ سنت کے شاگرد تھے ممبئ میں انجمن تبلیغ صداقت کے مفتی رہے۔ آخر وقت میں

جاورہ کے مفتی کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے رہے اور وہیں وصال فرمایا۔ انجمن کے زیر اہتمام ''ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ'' جاری ہوا، لیکن چند مہینوں کی اشاعت کے بعد ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر بند ہو گیا۔

بزم قادری رضوی:

حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے ''بزم قادری رضوی بمبئ'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بھی بنیاد رکھی تھی اور اس کا ناظم اپنے مرید و خلیفہ حاجی احمد عمر ڈوسا کو منتخب فرمایا تھا۔ یہ بزم حضور شیر سنت اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابیں اور رسائل شائع کرتی تھی اور بلا قیمت تقسیم کرتی تھی، حضور شیر سنت علیہ الرحمہ اپنے ایک خط محررہ، ۱۳ر فروری ۱۹۵۴ء میں حاجی احمد عمر ڈوسا کو یوں لکھتے ہیں:

''بزم قادری رضوی بمبئ کو خوب زور و شور کے ساتھ اسلام و سنیت و قادریت و رضویت کی خدمات کے لیے چلاؤ اور بزم قادری رضوی کے اراکین سے انجمن تبلیغ صداقت یا جماعت رضائے مصطفیٰ جو خدمات اسلام و سنیت لینا چاہیں ان کو خلوص و محبت کے ساتھ خدا و رسول جل جلالہ و صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کے لیے بجالاؤ۔''

(مفتی محبوب علی خان، سوانح شیر بیشۂ سنت، کان پور۔ ۲۰۰۵ء ص: ۲۷۵)

خط کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ، انجمن تبلیغ صداقت اور بزم قادری رضوی، ممبئ عظمی کی اس دور کی نمائندہ تحریکیں تھیں اور ان کا دائرۂ عمل پورے بمبئ کو محیط تھا۔ بزم قادری رضوی کا دھوبی تالاب میں آفس تھا جس نے ۱۹۵۵ء کے آس پاس شیر سنت کی دو اہم کتابیں ''نظارۂ حقائق'' اور ''انقلابی افتراؤں کے جوابات'' وغیرہما شائع کیں۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''اہل سنت میں اصحاب ثروت کی کمی نہیں ہے، لیکن بمبئ کے سیٹھ الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب کو اشاعت مذہب حق کے ساتھ جو والہانہ شیفتگی ہے وہ حد درجہ قابل تحسین و پذیرائی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اپنے مرشد طریقت آقائے نعمت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصانیف و تحریرات اور ان کے علمی و دینی کارناموں کی نشر و اشاعت کا جو جذبۂ شوق ان کے

دل میں مچلتا رہتا ہے اس کا زندہ ثبوت یہ کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔''

(پیغام رضا: ممبئ، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۰۶)

مذکورہ اقتباس سے معلوم پڑتا ہے کہ بزم قادری رضوی ممبئ کی اشاعتی سرگرمیاں رئیس القلم کی نگاہوں میں تھیں اور اس کی کسی اشاعت کے پیش لفظ میں علامہ نے درج بالا تحریر لکھی تھی اور ان کے کارناموں کی ستائش کی تھی۔ حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کی ایک اور کتاب ''شمع منور راہ نجات'' بھی بزم قادری رضوی نے شائع کی تھی۔ پند و نصیحت سے لبریز ایک دوسرے مکتوب میں بزم قادری رضوی بمبئ اور الحاج احمد عمر ڈوسا کو حضور شیر بیشۂ سنت نے یوں لکھا ہے:

''بزم قادری رضوی بمبئ کو چاہیے کہ خالص رضائے خدا اور رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل کر کے سچی نیت سے اسلام وسنیت، قادریت ورضویت کی باہمی اتفاق واتحاد کے ساتھ مخلصانہ خدمتیں بعونہ تعالیٰ وبعونہ حبیبہ صل المولیٰ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کرتے رہیں، کسی کی مخالفتوں، گالیوں کا نہ تو جواب دیں، نہ ان کی کچھ پروا کریں۔''

(مفتی محبوب علی خاں، سوانح شیر بیشۂ سنت۔ کان پور۔ ۲۰۰۵ء ص: ۲۶۴)

خط کے اس اقتباس میں جو درد وسوز اور تلقین وتربیت کا جوہر پوشیدہ ہے وہ سنجیدہ قاری پر ضرور اجاگر ہو جائے گا اور یہ پتہ چل جائے گا کہ مکتوب نگار کس قدر دور اندیش اور دین کا سچا ہم درد ہے۔ یہ خط ۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۷۳ھ کو لکھا گیا ہے۔

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، ممبئ:

اس تنظیم کے قیام کے سلسلے میں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''غازی ملت (حضرت مولانا محبوب علی خان) کے کیس کے دوران اہل سنت کے حساس افراد نے یہ دیکھا کہ ہم اہل سنت کی کوئی مضبوط تنظیم نہیں۔ ہمارے بالمقابل دیوبندیوں کی بہت مستحکم تنظیم ''جمعیۃ العلماء'' ہے۔ غازی ملت کے کیس میں جمعیۃ العلماء نے قدم قدم پر دیوبندی فتنہ گروں کی قیادت کی تھی، بمبئ کے سارے اہل سنت نے بالاتفاق یہ طے کر لیا کہ اہل سنت کو بھی اپنی ایک مضبوط اور مستحکم تنظیم قائم کر لینی چاہیے۔ چناں چہ تمام عمائد اہل سنت بشمول مفتی

اعظم ہند کے مشورے سے ''آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء'' کا قیام عمل میں آیا جس کے بالاتفاق پہلے صدر حضرت سید العلماء منتخب ہوئے اور تاحیات صدر رہے۔ حضرت سید العلماء نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ذریعے اہل سنت کی کتنی نمایاں خدمات انجام دیں، یہ ایک لمبی داستان ہے۔'' (مقالات شارح بخاری، ص:۱۹۴،۱۹۵ج ۳)

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی تاسیس ۱۹۵۸ء میں عمل میں آئی، حضور شیر بیشۂ سنت، حضور سید العلماء علیہما الرحمہ نے اس جماعت کی تاسیس میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کے قیام میں جماعت اہل سنت کے اکابر کی دعائیں اور مشورے شامل تھے، اس جماعت کے سرپرست تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی اور شہنشاہ خطابت حضور محدث اعظم ہند تھے اور صدر بالاتفاق حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کو چنا گیا تھا، پورے ہندوستان میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں قائم کی گئیں۔

ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل شہ سرامی رقم طراز ہیں:

''۱۹۵۸ء میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کے حل کرنے اور انہیں ہر موڑ پر آگے لانے کے لیے عمل میں آئی۔ حضرت سید العلماء مولانا حکیم سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں آپ کی جامعیت، کمالات اور ذاتی اعلیٰ تنظیمی خصائص کی بنا پر اس تنظیم کی صدارت کی شہ نشینی پیش کی گئی۔ آپ نے اکابرین ملت کے اصرار اور اصلاحات کے تئیں ذاتی رجحانات کے پیش نظر اسے قبول فرمایا اور تاحیات اس عظیم منصب کی ذمے داریوں کے احساس اور شاندار اصلاحی خدمات کی بنیاد پر اس کے صدر نشیں رہے۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں پورے ہندوستان میں قائم کی گئیں جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے واسطے مذہبی اور سیاسی سطح پر عظیم الشان نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس تنظیم کے مقاصد بہت واضح اور شرعی اصولوں پر مبنی تھے۔''

(سال نامہ اہل سنت کی آواز: مارہرہ مقدسہ، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۳۶)

سرزمین بمبئی میں سنی جمعیۃ العلماء کے زیر اہتمام ہونے والی ایک اہم تنظیمی کانفرنس میں وقت کے جید علما، مشائخ، پیران طریقت اور خطبا و مبلغین و مناظرین کا اجتماع دیکھ کر رئیس القلم

علامہ ارشد القادری کے الفاظ میں یہ کہنا پڑتا ہے:

''اس نعمت کبریٰ کو ہم جماعت کی خوش بختی ہی سے تعبیر کریں گے کہ صف اول کے اکابر کی اب گراں قدر توجہ ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ اہل سنت کی تنظیم (سنی جمعیۃ العلماء) کی طرف منعطف ہوگئی۔''

(ماہ نامہ جام نور: دہلی، رئیس القلم نمبر، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء، ص:۱۸۹)

ہندوستان بھر کے اکابرین اہل سنت میں حضور مفتیِ اعظم ہند، برہان ملت، سید العلماء، حافظ ملت، مجاہد ملت، سلطان المتکلمین، پاسبان ملت، محبوب العلماء، اشرف العلماء اور طوطی ہند وغیرہم کے اسما قابل ذکر ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کس معیار کی تحریک تھی اور اس کا دائرۂ کار کتنا وقیع اور پراعتماد تھا۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا میدان عمل مذہبی اور سیاسی دونوں تھا، یہ ممبئ میں اہل سنت کی واحد تنظیم تھی جس سے تقریباً سنی مساجد، مدارس اور جماعتیں وابستہ تھیں۔

اس ضمن میں حضرت علامہ بدر القادری لکھتے ہیں:

''آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء دراصل پراگندہ ذہن مسلمانان اہل سنت کی جمعیت خاطر کا ایک مرکز تھا تاکہ الیکشن اور دیگر مواقع پر مسلمانان اہل سنت اپنے مقتدر علما اور سربراہان ملت کی ہدایات کے مطابق اقدامات کریں۔'' (ماہ نامہ اشرفیہ مبارکپور: سیدین نمبر، ص:۶۶۹)

سنی جمعیۃ العلماء کا ایک کارنامہ جلوس غوثیہ کی شکل میں آج بھی اپنی سابقہ روایت کی تجدید کررہا ہے۔ سنی جمعیۃ العلماء کی برانچ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کان پور کے زیر اہتمام ۱۹۶۳ء میں حلیم مسلم کالج کے گراؤنڈ پر ایک سہ روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک کے بہترین دماغ اور اعلیٰ صلاحیتیں مجتمع تھیں، اس کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت حضور سید العلماء قدس سرہ نے فرمائی، اس میں حضور سید العلماء نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا تھا وہ متعدد بار کتابی شکل میں چھپ چکا ہے، اپنے خطبۂ صدارت کے اخیر میں اپنی قوم کو پیغام بیداری دیتے ہوئے رقم طراز ہیں، توجہ سے پڑھیں اور سنجیدگی سے ان نکات پر غور کریں:

''محترم حضرات! اب وقت سونے کا نہیں رہا، زمانہ اپنی برق رفتاری سے گزرتا جارہا ہے

اور ملک کی شاطر جماعتیں اپنی نت نئی شاطرانہ حرکتوں سے ہمارے جماعتی نظام کو منتشر کردینا چاہتی ہیں۔ اگر آپ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی پائمالی نہ ہونے پائے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ سنی جمعیۃ العلماء کی شاخوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور زیادہ سے زیادہ ممبر سازی کرکے یہ واضح کردیا جائے کہ ملک کی رائے عامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ساتھ ہے۔ (خطبۂ صدارت: اجلاس سوم، ص:۱۵)

اصلاح کی آڑ میں جب مرکزی حکومت نے مسلمانوں کے پرسنل لا میں ایسی ترمیمات کا اعلان کیا جس سے مسلمانوں کی مذہبی، شخصی آزادی شدید متاثر ہوئی۔ کانگریس کی ہم نوا جمعیۃ العلماء ہند اور ندوۃ العلماء نے ان غیر اسلامی ترمیمات کی حمایت کی۔ اہل سنت جو ہندستان کی کل آبادی میں سب سے بڑی اکثریت ہیں کو یہ ترمیمات کسی حال میں قبول نہ تھیں۔ چناں چہ ان کی نمائندہ مذہبی اور سیاسی تنظیموں میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ہند نے نہایت گونج دار اور موثر آواز میں ان غیر اسلامی ترمیمات کی مخالفت کی۔ عرس رضوی کے موقع پر ۲۶؍سفر ۱۳۸۳ھ/ ۱۸؍جولائی ۱۹۶۳ء کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی سربراہی میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ نے ان ترمیمات کے خلاف ایک قرارداد متفقہ طور منظور کی، بعد میں مفتی اعظم قدس سرہ کی سربراہی میں ہونے والے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، کان پور کے اجلاس میں ان ترمیمات کے خلاف موثر آواز اٹھائی۔

(تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، رضا اکیڈمی، ممبئ۔ ۱۹۹۵ء، ص:۳۷۶)

سنی جمعیۃ العلماء نے بہت سی مساجد جو غیروں کے قبضے میں چلی گئی تھیں ان کی واگزاری کے لیے کوششیں کیں اور اشاعتی میدان میں بھی کام کیا۔ کون کون سے رسالے اس کے زیر اہتمام شائع ہوئے ان کی تفصیلات راقم کو نہ مل سکیں البتہ چند ایک پوسٹروں کا حوالہ ضرور درج کیا جاسکتا ہے ان میں ''تبلیغی جماعت کون ہے اور کیا چاہتی ہے؟'' نمایاں ہے۔ اس وقت سنی جمعیۃ العلماء کی سرگرمی محدود ہوکر رہ گئی ہے اور حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے: ''جو مقبولیت آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کو عوام وخواص میں حاصل ہوئی، وہ آج تک کسی تنظیم کو میسر نہیں ہوئی۔ افسوس کہ حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی

عظمت قصۂ پارینہ بن گئی۔'' (مقالات شارح بخاری، جلد سوم، ص:۱۸۵)

ایک دوسرے مقام پر شارح بخاری رقم طراز ہیں:

''جب تک حضرت سید العلماء حیات ظاہری میں رہے، سنی جمعیۃ العلماء زندہ اور توانا رہی ،ان کے وصال فرماتے ہی آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء اپنے دفتر میں محدود ہو کر رہ گئی۔''

(ایضاً، ص:۱۹۵)

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود آج بھی سنی جمعیۃ العلماء وقتاً فوقتاً اپنے وجود کا زمینی احساس دلاتی رہتی ہے۔ضرورت ہے کہ اسے از سرِ نو منظّم و مرتب کیا جائے اور متحرک افراد اس کے دست و بازو بن کر اس کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو آج بھی ایوان باطل میں زلزلہ جیسی صورت حال پیدا کی جاسکتی ہے اور مذہبی و سیاسی سطح پر منصوبہ بند کارنامے انجام دیے جاسکتے ہیں۔

آل انڈیا جمعیۃ الاشرف:

آل انڈیا جمعیۃ الاشرف، حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی قائم کردہ ایک مذہبی تنظیم تھی، ہندستان کے مختلف شہروں میں اس کی شاخیں کام کر رہی تھیں، بھیونڈی اور ممبئ میں اس سے وابستہ بے شمار سنی مسلمان تھے، باقاعدہ میٹنگیں ہوتی تھی اور لائحہ عمل طے ہوتا تھا، راقم کو ان کی تفصیلات کا علم نہیں ہے۔ماہ نامہ المیزان، ممبئ کے چند شماروں میں اس جماعت کے ممبران کے نام اور ان کی ذمہ داریاں مطالعے میں آئی ہیں اور بس۔تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ میں مولانا شہاب الدین رضوی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کا انتظام و انصرام جماعت رضائے مصطفیٰ اور جماعت انصار الاسلام بریلی، جمعیت اشرفی کچھوچھہ شریف کے رضا کاروں سے نہایت سلیقے سے کیا۔'' (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ممبئ۔۱۹۹۵ء، ص:۳۷۶)

جمعیۃ الاشرف کی بنیاد گزاری ، اغراض و مقاصد اور خدمات کا کوئی مستند حوالہ اور اہم معلومات نہ ملنے کی وجہ سے راقم مزید کچھ لکھنے سے معذور رہے۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت:

سرزمین بمبئ میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کی مذہبی وسیاسی سرگرمیوں پر گفتگو کرنے سے قبل اس کے قیام کا پس منظر، مقاصد اور ممبئ میں اس کی شاخ کی تاسیس اور اس کے اولین صدر حضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن عباسی قادری علیہ الرحمہ (آمد: ۸؍محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/ ۲۱؍مارچ ۱۹۰۴ء دھام نگر، اڑیسہ- رخصت: ۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/ ۱۳؍مارچ ۱۹۸۱ء شہر بمبئ، تدفین: دھام نگر، اڑیسہ) کی حیات کے چند انقلابی گوشوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا سانحہ ایک خوں آشام اور المیاتی واقعہ کہا جائے گا جس میں مسلمانوں کی غالب ترین قوت ہجرت کے نام پر ترک وطن کر گئی اور ساڑھے تین کروڑ ہندوستان نہ چھوڑنے والے مسلمانوں پر تقسیم وطن کا الزام ڈال کر ان کی عزت وناموس اور ترقی وعروج کے بقا کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب حالات یقیناً بدل چکے تھے، متعدد مذہبی تحریکوں کا دائرۂ عمل بھی خالص مذہبی ہو کر رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات پر بھی کوئی بے باکی کے ساتھ بولنے والا نہیں رہ گیا تھا۔ جمعیۃ العلماء ہند جو کانگریس کے اشارۂ ابرو کی پابند تھی اس نے اپنی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ کی تھی، عوام تو عوام خواص بھی جائے پناہ کی تلاش میں تھے، جماعت اہل سنت کے متعدد علما ومشائخ فکری طور پر محسوس کر رہے تھے کہ ایسے رستاخیز ماحول اور روح فرسا حالات میں اہل سنت کی نمائندہ کسی تنظیم کی داغ بیل ڈال دینی چاہیے جو مسلمانوں کے اس نازک ترین صورت حال اور ان کے درمیان مسائل میں کوئی مؤثر رول ادا کر سکے۔ انہیں ایام میں فیض آباد، اتر پردیش اور اس کے اطراف وجوانب میں مسلسل دینی اجلاس چل رہے تھے۔ خلیفہ وتلمیذِ امام احمد رضا حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ رونق افروز تھے۔

۲۶؍مارچ ۱۹۴۹ء کو وہیں پر دردمند دل رکھنے والی ایک جماعت نے آپ سے بطور انٹرویو کچھ سوالات کیے۔ ان سوالات کا حاصل یہ تھا کہ ایسے مخدوش اور پریشان کن حالات میں کسی طویل تنظیم کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام دے سکے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ’’ہاں ایک نئی جماعت کی تشکیل کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں۔‘‘ جس وقت آپ نے یہ جملے ادا کیے تھے اس وقت بھی ہندوستان میں متعدد مذہبی تحریکیں موجود تھیں پھر

بھی ایک نئ تنظیم کی ضرورت کا احساس کیوں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں وہ ساری تحریکیں خالص مذہبی دائرۂ عمل تک محدود ہوکر رہ گئی تھیں۔ مسلمانوں پر ہونے والے مظالم، ان کو درپیش مسائل اور عصری تقاضوں کی ادائیگی میں یہ جماعتیں ناکام ہیں اس لیے ایک نئ جماعت کی تشکیل ضروری ہے۔ اس نشست میں آپ نے بھرپور حاضر دماغی اور طباعی کے ساتھ نئ جماعت کے قیام کا پس منظر واضح فرمادیا تھا اور وہ جماعت جن خطوط اور خاکوں پر استوار ہوگی اس لیے بھی آپ نے اشارہ دے دیا تھا اور کہا تھا کہ ''نئ جماعت کی تشکیل کے جو خطوط اور خاکے میرے ذہن میں ہیں ان میں ہندوستان بھر کے اکابر علمائے دین اور مشائخ کرام سے استصواب ضروری ہے۔ ان کی قیمتی آرا کے ساتھ ہی ان کا عملِ تعاون ضروری ہے۔''

(مولانا وارث جمال قادری، مجلّہ حج کانفرنس نمبر، تبلیغ سیرت ممبئ، جون ۲۰۰۲ء ص:۷۹)

چناں چہ یہ اہم کام آپ نے سرزمین بمبئ میں منعقد ہونے والی مجالس محرم کے وقت تک مؤخر کردیا تھا، کیوں کہ اس موقع پر یہاں تقریباً پورے ملک کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی ہے۔ اس لیے یہ تاریخی اقدام بمبئ میں زیادہ مناسب رہے گا۔ ۱۲۶۹ء میں مجالس محرم الحرام کے موقع پر بمبئ میں اکابر علمائے کرام اور مشائخ طریقت کی اس موضوع پر متعدد نشستیں ہوئیں، کافی غور وخوض اور طویل بحثوں کے بعد علمائے کرام کسی حتمی فیصلے پر اتفاق نہ کرسکے۔ اور اتفاق رائے سے یہ بات سامنے آئی کہ اگلے ہی ماہ عرس رضوی بریلی شریف میں یہ اہم مسئلہ اٹھایا جائے گا۔ چناں چہ حسب وعدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے عرس کے موقع پر بریلی شریف میں شہزادۂ حضور صدر الافاضل حضرت علامہ سید اختصاص الدین نعیمی علیہ الرحمہ کی صدارت میں ہندوستان بھر سے آئے ہوئے علما و مشائخ اور اصحاب فضل وکمال کی ایک اہم میٹنگ ہوئی اور طویل بحث ومباحثے کے بعد ۲۴؍صفر المظفر ۱۳۶۹ھ/ ۱۶؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک نئ تنظیم بنام ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا قیام عمل میں آیا۔

ہندوستان بھر سے آئے تمام علما ومشائخ اور ارباب فکر ونظر نے متفقہ طور پر حضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری عباسی علیہ الرحمہ کو ان کی غیر موجودگی میں مرکزی صدر منتخب کیا۔ اس وقت تین مرکزی سرپرستوں کا بھی انتخاب عمل میں آیا۔ حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا

نوری، محدث اعظم ہند کچھوچھوی اور ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہم الرحمہ آل انڈیا تبلیغ سیرت کے سر پرست منتخب ہوئے۔ (حوالہ سابق: ص: ۸۰)

ان کے علاوہ دوسرے عہدے داران کا انتخاب بھی ہوا اور سب کو ان کی ذمے داریاں سونپ دی گئیں۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا یہ بے حد متحرک کارواں سرکار مجاہد ملت کی قیادت میں پوری تندہی اور جوش وخروش کے ساتھ اپنے مشن میں لگ گیا اور دینی، تنظیمی اور سماجی وسیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور بہت تھوڑے عرصے میں جماعت نے کامیابیوں کا پرچم بلند کر دیا۔ مسلمانوں کا اعتماد بحال ہوا اور لوگ جوق در جوق اس کے قریب آنے لگے۔ آل انڈیا تبلیغ سیرت نے بڑے بڑے جلسوں اور اہم اہم تاریخی کانفرنس کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی اور ہندی مسلمانوں کا قابل اعتماد ستون بن کر ابھری، حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی مجاہدانہ قیادت نے اس کی رگوں میں تازہ لہو دوڑا دیا اور جماعت نے ترقی کے نقطۂ عروج کو پالیا۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں کلکتہ اور اپریل ۱۹۵۴ء میں پٹنہ کے اندر اس کی عظیم الشان کانفرنسیں ہوئیں۔ جون ۱۹۵۴ء میں ہزاری باغ (بہار) میں بھی ایک شان دار کانفرنس ہوئی، دسمبر ۱۹۵۵ میں بخشی تالاب، الہ آباد میں اسی طرح کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ جماعت نے جو اغراض ومقاصد طے کیے تھے ان میں بہت حد تک اسے کامیابیاں میسر آئیں۔ حضور مجاہد ملت کی بے پناہ جدوجہد اور حیران کن مالی قربانیوں کی بدولت ملک کے مختلف حصوں میں دینی مدارس، مکاتب، مساجد اور اسلامی سینٹرز بڑی تعداد میں قائم ہوئے، غیر آباد مسجدیں آباد ہوئیں، لائبریریاں اور اشاعتی ادارے قائم ہوئے، ان ہی کاموں کے لیے اہم اہم منصوبے تیار ہوئے اور ان کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔

مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی لکھتے ہیں:

''حضور مجاہد ملت نے جہاں قوم مسلم کے اندر مجاہدانہ عزم وحوصلہ بخشنے کے لیے ''تحریک خاکساران حق'' (۱۹۷۲ء) جیسی عظیم تنظیم عطا کی، وہیں آپ نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ان کی عاقبت سنوارنے کے لیے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' جیسی پاکیزہ تحریک بھی عنایت کی۔ اس کے اغراض ومقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کی جائے،

جن زبانوں میں اسلامیات کے ذخائر موجود ہیں ان کی بقا کی تدبیر کی جائے، مدارس اسلامیہ کی ترقی کے لیے سعیِ بلیغ کی جائے، اور تمام مدارس اسلامیہ کے مابین اتحاد واتفاق کی خوش گوار فضا قائم کی جائے، اور ان کے نصاب تعلیم میں یکسانیت رکھی جائے، مساجد، مقابر، اور قبرستانوں کے تحفظ وترقی کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں، پورے ہندوستان میں سنیت کی اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم کی جائیں۔''

(حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات، مطبوعہ: آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت، ممبئ، ۲۰۰۰ء ص: ۴۵)

جب بھی تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام کوئی کانفرنس یا کوئی جلسہ منعقد ہوتا وقت کے جید اور مستند علما ومشائخ وارباب کمال کا مقدس قافلہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ رونق افروز ہوتا۔ اسی زمانے میں خطیب مشرق علامہ مشتاق نظامی نے اپنے آقائے نعمت حضور مجاہد ملت کی رضا کے لیے آل انڈیا تبلیغ سیرت کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اور اپنی تحریر وتقریر میں اسی کے گن گاتے تھے اور ہر لمحہ اس کے دائرۂ عمل کو وسیع تر کرنے میں مصروف رہتے تھے، اسی مقصد کے لیے انہوں نے ۱۹۵۳ء میں الہ آباد سے ایک معیاری مجلّہ ''ماہ نامہ پاسبان'' جاری کیا اور اسے آل انڈیا تبلیغ سیرت کا آرگن اور ترجمان بنایا۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے تبلیغ سیرت کے لیے خون پسینہ ایک کر دیا تھا، آپ کی تقریریں انتہائی جامع اور بے باکی اور حقائق سے پُر ہوا کرتی تھیں، آپ ارباب اقتدار کے مظالم کے خلاف کھل کر بولتے تھے، جس کا خمیازہ بھی آپ کو بھگتنا پڑا اور جیل کی سلاخوں میں بند بھی کیا گیا۔ آپ کو ارباب اقتدار نے جتنا ستایا، جتنی گرفتاریاں اور جتنے مقدمات آپ پر قائم کیے گئے کم از کم ہندوستان کی جمہوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

پروفیسر مسعود احمد نقش بندی لکھتے ہیں:

''مجاہد ملت مدرس بھی تھے، مقرر بھی تھے، مناظر بھی تھے، وہ اخلاق عالیہ کا پیکر تھے۔ علم و فضل میں یگانہ، تقویٰ شعاری، پابندیِ سنت، پابندیِ نماز، مدینہ منورہ سے والہانہ محبت، احترام سادات، محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت، تمنائے بقیع ان کی خوبیاں تھیں۔ سیرت وکردار میں بے مثال، عفو ودرگزر، قناعت پسند، متواضع، غریبوں کے دست گیر وغم خوار، ملت کے

دردمند، خوردنواز، متحمل مزاج، سراپا اخلاص، پیکر تسلیم ورضا، علما کا ادب کرنے والے، استادزادوں کی تعظیم کرنے والے، حق گوئی وبے باکی میں یگانہ روزگار، **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** کی تفسیر، قیادت کی، تو اس شان سے کہ حق گوئی کے جرم میں آٹھ بار قید وبند میں رہے، مگر ذرا قدم نہ لڑکھڑائے، ذرا تزلزل نہ آیا، کہ: اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی‘‘

(سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، کولکاتا، مئی ۲۰۰۷ء ص: ۱۶)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی خامہ فرسا ہیں:

’’حضور مجاہد ملت اگرچہ بیسویں صدی کے فرد تھے، مگر ان کی نظر مستقبل پر تھی، وہ ماضی سے سبق لے کر حال کی روشنی میں مستقبل کا تانا بانا درست کرنے کا ہنر خوب جانتے تھے، اس لیے ہر دل میں ان کی قدر ومنزلت تھی اور جہان سنیت میں ان کا قد بہت بلند تھا۔‘‘

(سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، کولکاتا، مئی ۲۰۰۷ء ص: ۱۳۵)

۲۲/۲۱ رجنوری ۱۹۵۶ء کو تبلیغ سیرت کے غازی پور کے جلسے کے بعد ۲۶/۲۷ رمئی ۱۹۵۶ کو انجمن اسلامی تقریبات سلطان پور کے سالانہ اجلاس میں مجاہد ملت نے اپنے چشم کشا اور مبنی بر حقیقت خطاب میں مسلمانوں کے تئیں حکومت وقت کے جانب دارانہ رویے کی قلعی کھول کر رکھ دی تھی۔ اسی تقریر کے متن کو بنیاد بنا کر سلطان پور میں آپ پر مقدمہ دائر کیا گیا اور یہی متن خفیہ محکمہ کے حوالے کیا گیا۔ ۲۵ رمئی ۱۹۵۷ء کو سلطان پور سیشن کورٹ سے ایک سال قید با مشقت اور پانچ سو روپے جرمانے کا فیصلہ سنایا گیا۔ اسی تقریر میں ایک مقام پر آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

’’تبلیغ سیرت نام کی یہ جماعت آپ کے لیے قائم کی گئی ہے، یہ اہل سنت کی ایک جماعت ہے، غیر سنی اس کا ممبر نہیں ہوسکتا، اس جماعت کا مقصد یہ ہے کہ ہر اس شخص کی حفاظت کے لیے ہر طرح لڑے گی اور اس کی مدد کرے گی جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور ضرورت پڑے تو اس کے لیے حکومت سے بھی لڑے گی۔ ہماری عبادت کی جگہوں کی حفاظت ہونی چاہیے اور قرآن کی توہین نہ ہونے پائے، اس کے لیے یہ جماعت مسلمانوں کو منظّم کرے گی اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار کرے گی، قرآن کی توہین نہ ہونے پائے، اس کے لیے مسلمانوں کو اپنا سب کچھ

قربان کر دینا چاہیے، حکومت قرآن کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ پنڈت جواہر لال نہرو یہ دعویٰ کرنا چھوڑ دیں کہ ہم مذہب کے ٹھیکے دار ہیں اور تمام مذہبوں کو یکساں دیکھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے اور دھوکا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ مسلمانو! اگر تم لوگ اس دھوکے میں پڑ گئے تو تم لوگ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے، ہم اور کچھ نہیں چاہتے ہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا اسلام زندہ رہے، اسی لیے مسلمان اس دنیا میں آیا ہے۔"

(سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، کولکاتا مئی ۲۰۰۷ء ص: ۹۵، ۹۶)

اللہ عزوجل نے آپ کو مضبوط قوت ارادی اور عزم محکم عطا فرمایا تھا کہ کبھی بھی آپ نے اپنی مذہبی پالیسی میں لچک نہ پیدا ہونے دی۔ اگرچہ ایک وقت میں اس جماعت پر عدم مقبولیت اور زوال کا سایہ منڈلایا اور عملاً اس میں انحطاط آیا تاہم ملک کے متعدد صوبوں میں اس کا وجود برقرار رہا اور پھر اس نے دور عروج کی طرف ایک کامیاب قدم بڑھایا۔

تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری اپنے عربی شعر میں مجاہد ملت کی مجاہدانہ قیادت کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فاق المجاهدين هٰذا المجاهد
هٰذا الفتىٰ بذاكم شهد المشاهد

مولانا محمد میکائیل ضیائی اس کا منظوم ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ہر مجاہد پر یہ سبقت لے گئے، ہر اک ہے دنگ
ان کی ہمت کی شہادت دیتے ہیں میدان جنگ

آل انڈیا تبلیغ سیرت، شاخ بمبئی کا قیام:

سرزمین بمبئی میں اہل سنت و جماعت کی مرکزی تنظیم آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء اپنے قائد و سالار حضور سید العلماء علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کی قیادت و سربراہی میں کافی سرگرم تھی اور سچ پوچھیے تو بمبئی بھر کے مسلمانوں کی یہی ایک تنظیم تھی کہ اس وقت بمبئی صرف آل مصطفیٰ کی تھی، مگر حضرت کے وصال کے بعد سنی جمعیۃ العلماء اپنی سابقہ عظمت برقرار نہ رکھ سکی پھر آگے چل کر کچھ حالات بھی ایسے بنے کہ بمبئی میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کا قیام اہل

سنت کی ضرورت بن گیا اور مشہور درویش حضرت ٹوپی والے بابا کی سربراہی میں ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کے آخری عشرے میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کا قیام عمل میں آیا اور جمنا بوچر اسٹریٹ بمبئی ۳/ میں ۲۴/ ربیع النور ۱۳۹۸ھ مطابق ۴/ اپریل ۱۹۷۸ء کو اس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے اس تاریخی اجلاس میں پہلا خطاب فرمایا اور آل انڈیا تبلیغ سیرت کی خدمات اور حضور مجاہد ملت کے عظیم کارناموں کو آپ نے مفصلاً بیان فرمایا جو بعد میں اس جماعت کی خدمات کا ایک اہم دستاویز بن گیا۔

دوسرا اجلاس انجمن آفتاب رسالت کماٹی پورہ پانچویں گلی بمبئی ۸/ محمد حسین پھول والے کے تعاون سے منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا احسان علی باندوی اور خود حضور مجاہد ملت کا خطاب ہوا، اس جلسے میں تبلیغ سیرت کی پرچم کشائی بھی ہوئی اور تحریک خاکسارانِ حق کا پریڈ بھی۔ (مجلّہ حج کانفرنس نمبر، مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۲ء ص: ۸۷)

یہ وہ نقطۂ آغاز تھا جو آل انڈیا تبلیغ سیرت کی عروس البلاد میں مذہبی و ملی سرگرمیوں کا سبب بنا، حبیب منزل ڈمٹمکر روڈ بمبئی ۸/ میں اس جماعت کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا، مولانا وارث جمال قادری (جو تبلیغ سیرت شاخ بمبئی کے پہلے نائب ناظم نشر و اشاعت رہے اور بعد میں ناظم نشر و اشاعت بنے) نے بمبئی میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کے بمبئی میں قیام کو تبلیغ سیرت کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا ہے۔ بعد میں قادری صاحب کو تبلیغ سیرت کا صدر نامزد کیا گیا۔

بمبئی، بھیونڈی مضافات کے تقریباً تمام علمائے کرام، ائمۂ مساجد اور سنی تنظیموں نے تبلیغ سیرت کا والہانہ استقبال کیا اور بھرپور تعاون سے نوازا۔ ۱۹۵۲ء میں جب شدھی تحریک نے ملک کے متعدد صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لیا، خاص کر بہار اور گجرات کے اضلاع میں اس فتنے نے سر ابھارا تو تبلیغ سیرت کے نمائندوں نے پوری شدت کے ساتھ میدان عمل میں اتر کر اس آتش فشاں کو سرد کیا۔ مارچ ۱۹۵۴ء کو کلکتہ میں تبلیغ سیرت نے بڑا تاریخی اجلاس منعقد کیا جس کی صدارت شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی عبدالقدیر بدایونی نے فرمائی اور اپریل ۱۹۵۴ء میں انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں علمائے اہل سنت نے اجتماعی طور پر تبلیغ سیرت کے زیر انتظام وسیع پیمانے پر ایک ریلیف کمیٹی قائم کی اور بڑے پیمانے پر

ریلیف تقسیم کی گئی۔ ۶ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو خلیج میں امریکی مداخلت اور سعودی عرب کی ناعاقبت اندیشی کے خلاف ایک بڑا تاریخی مظاہرہ آل انڈیا تبلیغ سیرت نے بمبئی میں کیا، جس کو دنیا کے ایک سو کے قریب بڑے اخبارات نے اول صفحہ پر جگہ دی اور دنیا بھر کی نیوز ایجنسیوں نے اپنی ہر زبان کی نشریات میں عام کیا۔ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۰ء کو آل انڈیا تبلیغ سیرت نے وائی ایم سی گراؤنڈ بمبئی میں عراق کی حمایت میں ایک عظیم تاریخی کانفرنس بنام تحفظ حرمین کانفرنس منعقد کی، جس میں بیک وقت عرب وعجم نے شرکت کی، بمبئی کی مذہبی تاریخ میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ (مجلّہ حج کانفرنس نمبر، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۲ء ص: ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸)

یہ وہ چند نمایاں اور تاریخی خدمات تھیں جو ''مشتے نمونہ ازخروارے'' کے بطور بیان کی گئیں ورنہ آل انڈیا تبلیغ سیرت کی جھولی میں قوم وملت اور دین ومذہب کی بے شمار خدمتیں ہیں جو تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں اور جن کی دھمک آج بھی محسوس کی جاتی ہے۔ نشریاتی میدان میں بھی آل انڈیا تبلیغ سیرت کی تاریخی خدمت قطعاً ناقابل فراموش ہیں۔ آل انڈیا تبلیغ سیرت نے مولانا وارث جمال قادری کی سربراہی میں جہاں ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو مستان تالاب بمبئی ۸ میں عظیم الشان تاریخی القدس کانفرنس منعقد کی، وہیں اکتوبر ۲۰۰۲ء میں اپنی روایت دیرینہ کو برقرار رکھتے ہوئے وسیع پیمانے پر تاریخ ساز حج کانفرنس کا انعقاد کرچکی ہے اور دوسو صفحات پر مشتمل ضخیم حج کانفرنس نمبر بھی شائع کیا ہے جو اس وقت راقم کے پیش نگاہ ہے۔ بمبئی میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام جو کتب ورسائل اشاعت پذیر ہوئے ان میں نمایاں نام، چشم وچراغ خاندان برکات حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین نوری مارہروی علیہ الرحمہ کی کتاب ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' کا اردو ترجمہ (مترجم امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی) ہے۔ اس کے علاوہ ''تبلیغ سیرت۔ ایک تاریخ'' (مولانا وارث جمال قادری) اختلاف بین المسلمین (مولانا وارث جمال قادری) احترام سادات اور امام احمد رضا (سید صابر حسین بخاری) امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہ (وارث جمال قادری) مجلّہ حج کانفرنس (وارث جمال قادری) کے اسما قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کتب ورسائل اور ہیں جن کی تفصیل راقم کو دستیاب نہ ہوسکی۔

غرض کہ سرزمین بمبئی میں جہاں آل انڈیا تبلیغ سیرت عظیم الشان جلسوں اور کانفرنسوں کے

ذریعے مذہب وملت کی خدمت کا عظیم ریکارڈ رکھتی ہے وہیں کتب ورسائل کی اشاعت وطباعت میں بھی اس کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔لیکن اس وقت تبلیغ سیرت شاخ بمبئ کی ساری سرگرمیاں سمٹ کرایک نقطے پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہیں اوراس کا مرکزی دفتر مقفل اپنی عظمت رفتہ پر اشک باری کررہا ہے۔قصبہ دھام نگر اوراڑیسہ کے دیگر اضلاع میں اس کی کیا پوزیشن ہے راقم کو اس کا علم نہیں ہے، البتہ کلکتہ میں خلیفۂ مجاہد ملت حضرت مدثر حسین حبیبی اوران کے نامور فرزند حضرت مولانا مجاہد حسین حبیبی اس وقت بھی تبلیغ سیرت کے لیے اپنی خدمات پیش کررہے ہیں، گزشتہ چھ سالوں سے مولانا مجاہد حسین حبیبی کے زیرادارت سہ ماہی مجلّہ تبلیغ سیرت کلکتہ پابندی سے شائع ہورہا ہے، جس نے مئی ۲۰۰۷ء میں جہازی سائز میں ۵۹۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مجاہد ملت نمبر بھی اہل علم کی بارگاہ میں پیش کیا تھا۔ڈاکٹر شوکت علی صدیقی الحاج مدثر حسین حبیبی کے تذکرے میں ''صحافتی خدمات'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''حضور مجاہد ملت کے وصال کے بعد ۱۹۸۲ء میں الحبیب نمبر شائع کیا، جو بعد میں پندرہ روزہ نوائے حبیب میں تبدیل ہوا۔۱۹۸۴ء میں عید نمبر، دیار حبیب نمبر ۱۹۸۵ء میں شائع کیا، پھر ۵۰۰ صفحات پر مشتمل نوائے حبیب کا مجاہد ملت نمبر ۱۹۸۶ء میں شائع کیا، جو اردو زبان میں امریکہ، برطانیہ، مدینہ منورہ، پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے مختلف اصحاب قلم کی نگارشات کا مجموعہ ہے۔ پندرہ روزہ نوائے حبیب ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۸ء تک مسلسل جاری رہا۔ پھر ناگزیر حالات کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔اپریل ۲۰۰۴ء کو سہ ماہی تبلیغ سیرت کا اجرا کیا جو بحمدہ تعالیٰ اب تک جاری ہے۔اوراس کے کئی خاص شمارے بھی منظر عام پر آچکے ہیں، مثلاً خواجہ غریب نواز پر خصوصی شمارہ، اہل بیت اورشہدائے کربلا پر خصوصی شمارہ۔''

(سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، کولکاتا، مئی ۲۰۰۷ء ص:۴۴۹)

اس کے علاوہ دودرجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تبلیغ سیرت (کولکاتا) کے زیراہتمام چھپ کر قیمتاً اور بلاقیمت ملک وبیرون ملک عام کی گئیں، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اس کے علاوہ دوتین دینی ادارے بھی جماعت کے زیراہتمام قائم ہوئے اور بڑی تیزی کے ساتھ کامیابی کی شاہ راہ پر گامزن ہیں، اللہ عزوجل مزید عزم وحوصلہ عطا فرمائے کہ یہ کارواں منزل

مقصود سے ہمکنار ہو اور وہ ادارے مضبوط دینی قلعہ بن جائیں۔

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت:

سنی تبلیغی جماعت کی مذہبی خدمات اور مسلم معاشرے پر اس کے اثرات پر گفتگو سے قبل بانیِ جماعت کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے، اس لیے پہلے اسے پڑھ لیں۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے تلمیذ ارشد پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ سنی تبلیغی جماعت کے مؤسس ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵/ اگست ۱۹۲۹ء کو موضع سرائے غنی قصبہ پھول پور ضلع الٰہ آباد میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، متوسطات تک کتابیں مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں پڑھیں اور درس نظامیہ کی تکمیل جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد میں کی۔ ۱۹۴۷ء میں دستار فضیلت اور سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔

(ماہ نامہ ماہ نور، اشرف العلماء نمبر، دہلی۔ ۲۰۰۸ء ص:۲۰۴)

آپ کے اساتذہ میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ، شمس العلماء مفتی نظام الدین الٰہ آبادی، مفتی عبد الرب مراد آبادی ازہری، مفتی سید عبد القدوس بھدرکی، مولانا محمد عمر الٰہ آبادی اور مولانا حکیم محمد احسن بہاری کے اسما سر فہرست ہیں۔ حضور مجاہد ملت کو آپ کی تعلیم و تربیت کا اتنا شوق تھا کہ آپ کو بعد نماز تہجد بھی پڑھاتے تھے۔ دورانِ تعلیم عالم، منشی، فاضل ادب، کامل کے امتحانات میں بھی فرسٹ ڈویژن حاصل کیا، آپ نے طب کی تعلیم بھی حاصل کی، مولانا حکیم احسن بہاری سے موجز قانونچہ، شرح اسباب وغیرہ کتابیں پڑھیں اور علوم عقلیہ و شرعیہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ کی تدریسی زندگی سے متعلق مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

"مولانا مشتاق احمد نظامی ۱۹۴۶ء میں فراغت سے ایک سال پہلے ہی الہ آباد کی قدیم درس گاہ مدرسہ مصباح العلوم میں مدرس مقرر ہوئے، مولوی، عالم وغیرہ کی اعلیٰ کتابیں مولانا مشتاق احمد نظامی کے زیر درس رہیں۔ الہ آباد کی مرکزی درس گاہ جامعہ حبیبیہ میں آپ نے ایک سال کے لگ بھگ تدریسی خدمات انجام دیں، کتابوں کے اسباق زیادہ ہونے کے سبب مدرسہ میں طلبہ رہ جاتے تھے تو مولانا مشتاق احمد نظامی رضوی اپنے دولت کدے پر طلبہ کو درس دیتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لیے مدرسہ عالیہ فاروقیہ بنارس میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز رہے،

چند مہینوں کے بعد مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے اصرار پر مولانا مشتاق احمد نظامی نے مدرسہ سبحانیہ کی مسند درس وتدریس کو زینت بخشی اور تین برس سے زیادہ تدریسی خدمات انجام دیں۔''

(مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۰ء ص:۵۷۴، ۵۷۵)

اس کے بعد آپ نے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد خود قائم فرمایا۔ آپ حضرت مفتیِ اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے اور مولانا صوفی عین الہدیٰ گیاوی اور حضور مجاہد ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کے صحبت یافتہ۔ بہ قول مفتی محمود احمد قادری:

''آپ حضور مجاہد ملت سے بھی بیعت تھے۔''

(تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ: سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص: ۲۴۰)

ترک ملازمت کے بعد دعوت وتبلیغ کے مختلف میدانوں میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ نے تحریر وتقریر کا سہارا لیا اور پورے ہندوستان کے گوشے گوشے میں وعظ وتبلیغ کے لیے مدعو کیے جانے لگے۔ مفتی محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

''آپ کو درس نظامی کے جملہ علوم وفنون میں پوری بصیرت حاصل ہے، پورے ہندوستان میں آپ کی خطابت کا غلغلہ ہے۔ بڑے بڑے جلسوں کی کامیابی آپ کی شرکت پر منحصر ہوتی ہے، بفضلہ تعالیٰ خوب قبول عام پایا ہے، آپ کے اوصاف میں بزرگوں سے حسن عقیدت نمایاں وصف ہے۔'' (ایضاً ص: ۲۴۰)

مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں:

''ہندوستان کا کون سا گوشہ ہے جہاں پاسبان ملت علامہ نظامی کی تقریریں نہیں ہوئیں۔......میدان صحافت کو بھی تشنہ نہ چھوڑا۔ اس کے لیے الہ آباد سے ''پاسبان'' اور بمبئ سے ہفت روزہ ''تاج دار'' کا اجرا فرمایا۔ ساتھ ہی آپ میدانِ مناظرہ کے عظیم شہ سوار تھے۔ مناظرۂ گونڈہ، بھن گاؤں، ناگ پور، جھریا، بجرڈیہہ، بھیونڈی جن میں آپ کی شرکت رہی۔ بھیونڈی کے مناظرے میں ایک موقع پر ایسا نکتہ پیدا کیا تھا کہ حضرت مجاہد ملت نے فرمایا: ''اگر مجھے وسعت ہوتی تو تم کو روپیوں سے تول دیتا۔''

(مبارک حسین مصباحی، شہر خموشاں کے چراغ: مبارک پور، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۴)

جب حضرت مجاہد ملت نے تبلیغ سیرت قائم کی تو آپ اس کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے۔ تو اس کے لیے جو بے مثال قربانیاں پیش کیں وہ فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ جب آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ قائم ہوا تو آپ کو اس کا آرگنائزر سکریٹری چنا گیا۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ایک عرصے تک جنرل سکریٹری رہے اور ایک مدت تک صدر بھی۔ ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر کے اولین مؤسس میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

خطابت، مناظرہ، صحافت، نظامت کے ساتھ ادب اور تحریر وقلم، تصنیف و تحقیق سے آپ کو اچھا لگاؤ تھا۔ آپ کی تصانیف میں ''خون کے آنسو''، جماعت اسلامی کا شیش محل، انکشافات، ہند کے راجہ، مجرم کون ہے؟، کربلا کا مسافر، دین دار کے بے نقاب چہرے، نسیم رحمت (تین حصے)، فردوس ادب (چار حصے)، مینارۂ ہدایت، تنویر الایمان، قہر آسمانی، وہابی دیوبندی کی پہچان، تبلیغی جماعت کے ڈھول کا پول، خطبات نظامی، دیوبند کی خامہ تلاشی، اور ''دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں'' وغیرہ کا نام آتا ہے۔ مولانا شہاب الدین رضوی نے اپنی کتاب ''مفتی اعظم اور ان کے خلفا'' (ص: ۵۷۷تا۵۷۸) میں آپ کی اکیس تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے ماہ نامہ ''پاسبان'' کا اجرا کیا، کچھ دنوں تک اس کا آفس بمبئی میں رہا۔ اس کے کئی خصوصی نمبرات بھی شائع ہوئے اور کافی مشہور ہوئے۔ ماہ نامہ پاسبان الٰہ آباد کا مجدد اعظم نمبر، محدث اعظم نمبر، مناظرِ اعظمِ ہند نمبر، عقائد نمبر اور سید العلماء نمبر بھی قابل ذکر ہیں۔ ''پاسبان ملت'' اور ''خطیب مشرق'' یہ دونوں القابات آپ کے نام کی طرح شہرت یافتہ ہیں۔ ۲۹/اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ حسب وصیت دارالعلوم غریب نواز کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور بد مذہبوں کے رد وابطال میں آپ کے زریں کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے اپنی تحریر وقلم اور زبان وبیان کے ذریعے گستاخان رسول کی نقاب کشائی اور دین فروشوں کا سخت علمی اور دینی محاسبہ فرمایا۔ اپنوں کی سرد مہری پر بھی سخت نالاں تھے۔ وہ کبھی بھی دفاعی جنگ لڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اس کے لیے ہر ممکن طریقۂ کار استعمال فرماتے تھے اور کسی طرح کی رورعایت کے قائل نہ تھے۔ ذرا تحریر کا یہ

تیور ملاحظہ فرمائیں، اپنی مشہور زمانہ کتاب ''خون کے آنسو'' حصہ دوم میں رقم طراز ہیں:

''کاش! اب بھی ہماری جماعت کے بعض وہ افراد جو ردِ وہابیہ سے گریز کرتے ہیں یا تردیدی تقریر وتحریر سے چیں بہ جبیں ہوتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کرتے کہ وہ اپنی اس روش میں کس حد تک حق بہ جانب ہیں۔ ہمارے مخالف کیمپ سے ہر وقت ایٹمی دھماکے کی آواز آرہی ہے اور آپ ہمیں ترکش تک سنبھالنے کی اجازت نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ جس طرح ایک ملک میں سپاہیوں اور فوجی دستوں کا جال بچھا رہتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ ملک کے داخلی اور خارجی حملوں کی روک تھام کرے تاکہ ملک کے نظام عمل میں کوئی رخنہ واقع نہ ہوسکے۔ ایسے ہی ایک جماعت کو بھی ایسے افراد کی ضرورت پڑتی ہے جو جماعت کے داخلی یا خارجی فتنوں کی مدافعت کے لیے ہمہ وقت سینہ سپر رہیں ورنہ ایسی جماعت ہواؤں کے دوش پر ہوتی ہے نہ تو وہ داخلی فتنوں کا سدباب کرسکتی ہے اور نہ ہی خارجی حملے کی تاب لاسکتی ہے۔ اگر ملک کا تاجر طبقہ فوجیوں کے دوش بدوش نہیں کھڑا ہوتا تو کم ازکم ان کی عمدہ کارگزاریوں کی تحسین ضرور کرتا ہے ورنہ وہ ملک کا باغی قرار پاتا ہے۔ ایسے ہی جماعت کا وہ طبقہ جو مخالف گروہ سے ٹکر نہیں لیتا تو کم ازکم اسے زبان وقلم کی جنگ کرنے والوں کے خلاف زہر بھی نہیں اگلنا چاہیے ورنہ میرے خیال میں ایسے لوگ ان کھلے ہوئے دشمنوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور زہر ہلاہل ہیں۔ نہ جانے یہ مارآستین کب اور کہاں ڈس لے گا۔'' (خون کے آنسو مکمل: مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۷۸۔۲۷۹)

قارئین غور فرمائیں کہ مذکورہ اقتباس کا ایک ایک جملہ درد وسوز میں ڈوبا ہوا سراپا درس عبرت بنا ہم سے کس پیغام پر عمل کرنے کی تلقین کررہا ہے۔ خون کے آنسو حصہ اول ودوم علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کا قلمی شاہ کار ہے اور بدمذہبوں کے لیے شمشیر بے نیام۔ اس کتاب کے حصہ اول کو جب حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ملاحظہ فرمایا تو کہا: ''مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کاوش کی ہے۔ اور انتہائی مسرت وشادمانی کی حالت میں مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اس کو خون کے آنسو کہا جائے یا خوشی کے آنسو'' اس کے بعد اپنی جیب خاص سے ۲۵/روپے حصہ دوم کی اشاعت کے لیے عطا فرمایا۔ اور حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی کے بہ قول: ''مولانا (مشتاق نظامی) کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ پوری دیو

بندیت کی برہنہ تصور ایک جگہ رکھ دی ہے۔''

(خوشی کے آنسو: مرتبہ عبدالرشید ارشد نظامی، ضمیمہ، خون کے آنسو، مطبو ممبئ، ۲۰۰۸ء ص: ۳۱۴)

پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے کارناموں میں ایک نمایاں خدمت ''سنی تبلیغی جماعت'' کا نام جلی حرفوں میں آتا ہے۔ تبلیغی جماعت کی ریشہ دوانیوں اور داخلی پالیسیوں میں پھنس کر رہ گئے سادہ لوح عوام اہل سنت کو قعر مذلت سے نکالنے اور انہیں صحیح عقیدہ، صحیح دینی شعور اور شفاف طریقۂ کار دینے کی غرض سے مارچ ۱۹۶۸ء میں آپ نے اس جماعت کو قائم فرمایا اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ بھیونڈی، بمبئ، راجستھان میں ناگور، شیرانی آباد، الہ آباد وغیرہ میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔ الہ آباد کے علاوہ بھیونڈی اور ناگور اس کے خاص مراکز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

غالباً ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں پاسبان ملت علیہ الرحمہ نے راجستھان کا دورہ فرمایا۔ باسنی تشریف لائے تو وہاں سنی تبلیغی جماعت کی شاخ قائم کی۔

(تعارف سنی تبلیغی جماعت: باسنی، بنام ''مشعل راہ'' مرتبہ مفتی ولی محمد رضوی، باسنی، ص: ۸)

۱۵/ مارچ ۱۹۹۹ء کو سنی تبلیغی جماعت شیرانی آباد کا قیام عمل میں آیا۔

(تعارف سنی تبلیغی جماعت: شیرانی آباد، مرتبہ مولانا محمد حنیف خان شیرانی، ص: ۵)

سنی تبلیغی جماعت پورے راجستھان میں تقریباً مدارس و مکاتب قائم کر کے ان میں دین کی تعلیم و تدریس کا انتظام سنبھال رہی ہے۔ ان کے علاوہ مختلف مساجد میں ائمہ کا تقرر، مجالس و کانفرنس کا انعقاد، تشکیل نصاب، تعلیمی کانفرنس، تعلیم بالغاں، ہفتہ وار تبلیغی اجتماعات، تنظیم المدارس آل راجستھان کا قیام وغیرہ اس جماعت کے زریں کارنامے ہیں۔

مفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ کی سرپرستی، عنایت اور مربیانہ شفقت نے ہمیشہ اسے تازہ توانائی بخشی اور اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دیا۔

مولانا محمد اسلم رضا قادری رقم طراز ہیں:

''باسنی ناگور شریف میں بھی حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ تشریف لائے اور دین و سنیت کے فروغ اور عقائد حقہ کی اشاعت کے لیے ''سنی تبلیغی جماعت'' کا تصور دیا، تو اہل باسنی نے

حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے علامہ ظہور احمد اشرفی علیہ الرحمہ کی سربراہی میں سنی تبلیغی جماعت کا کام شروع کر دیا۔اور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ اس کے سرپرست قرار دیے گئے۔آپ نے اس کی سرپرستی قبول فرمائی،اپنی شفقتوں اور عنایتوں سے مالا مال فرمایا،علمی وفکری توانائی بخشی۔جماعت کی ۴۳ سالہ تاریخ اس سے تابندہ ہے۔''

(سال نامہ ''الاشفاق'' ناگور شریف کا خصوصی نمبر،۲۰۱۴ء ص:۴۲)

باسنی ناگور شریف میں جماعت کے سربراہ مفتی ولی محمد رضوی دام ظلہ اور شیرانی آباد کے سربراہ مولانا محمد حنیف خاں رضوی پوری تندہی اور جوش ایمانی کے ساتھ سنی تبلیغی جماعت کے فروغ واستحکام میں کوشاں ہیں۔باسنی،ناگور،شیرانی آباد،گوٹن اور بالوترہ وغیرہ میں اس کی شاخیں ہیں۔گاہے گاہے کتب ورسائل کی اشاعت بھی ہوتی ہے اور مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔تفصیل کے لیے ''مشعل راہ'' کا مطالعہ سودمند ثابت ہوگا۔

عروس البلاد ممبئ میں سنی تبلیغی جماعت کی دینی خدمات کی تفصیل جاننے کے لیے راقم نے ممبئ،راجستھان اور پٹنہ ٹیلی فونی رابطہ کیا،حد درجہ کوشش کے باوجود کوئی قابل قدر تحقیق نہ مل سکی، البتہ پٹنہ سے محبّ گرامی ڈاکٹر امجد رضا امجد نے مولانا ناصر انجم مصباحی کی ایک کتاب ''خطیب مشرق،حیات وخدمات'' (مطبوعہ دار المصنفین دار العلوم غریب نواز الہ آباد) کا نام بتایا لیکن وہ یہاں دست یاب نہ تھی،فون ہی پر کچھ تفصیلات معلوم ہوئیں کہ'' خطیب مشرق نے مارچ ۱۹۶۸ء سے مذکورہ جماعت کے کام کا آغاز کیا۔مرکزی دفتر غریب نواز الہ آباد میں قائم ہوا۔اسی کے زیر اہتمام ماہ نامہ پاسبان الہ آباد جاری ہوا،پاسبان ملت کا کہنا تھا کہ:''سنی تبلیغی جماعت اور رضا لائبریری میرا آخری مشن ہوگا'' جب ممبئ میں اس کی شاخ قائم ہوئی تو انور علی صاحب انصاری اس کے سکریٹری نامزد کیے گئے اور الحاج محمد سعید رضوی وغیرہ کی معاونت سے جماعت کا کام آگے بڑھا،ممبئ کے ساتھ بھیونڈی میں اس جماعت کی تبلیغی سرگرمیاں کافی عروج پر رہیں۔'' (مذکورہ کتاب،ص:۱۵۶)

فی الحال سرزمین ممبئ میں دار العلوم فیضان مفتی اعظم ہند کے سربراہ حضرت مولانا الحاج سید سراج اظہر رضوی سنی تبلیغی جماعت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ہفتہ واری اجتماع بھی

ہوتا ہے اور دینی مجالس کا انعقاد بھی۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر مفید اور قابل مطالعہ کتابیں، پمفلٹ اور پوسٹرس بھی تنظیم کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوتے ہیں۔ مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی کی کتاب ''حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات'' ۲۰۰۰ء میں ۶۴ صفحات پر مشتمل یہیں سے شائع کی گئی تھی۔

رضا اکیڈمی، ممبئ: عروس البلاد کی سنی تنظیموں میں دعوت اسلامی، سنی دعوت اسلامی اور رضا اکیڈمی کا نام بڑا اہم ہے۔ ان شاءاللہ عزوجل باب دہم میں سنی نشریاتی اداروں کی تفصیلات کے ضمن میں ان کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دعوت اسلامی، ممبئ: اس کی مکمل تاریخ اور اشاعتی خدمات باب دہم: ''عروس البلاد کے سنی نشریاتی ادارے'' کے ذیل میں پڑھیں۔

سنی دعوت اسلامی، ممبئ:

تبلیغ وارشاد ایک اسلامی فریضہ ہے جو اُمت مسلمہ کے ہر فرد پر عائد ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ عمل جس مشن سے وابستہ ہے وہ انبیاے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مشن ہے اور ان کی تشریف آوری کا بنیادی مقصد بھی ہے، ایک بندۂ خدا جب تک اپنے معبود برحق کی سچی معرفت حاصل نہیں کرتا اور جب تک اللہ عزوجل پر اس کا ایمان وایقان پختہ نہیں ہوتا اس پر کائنات کے پوشیدہ راز اِفشا نہیں ہوتے اور وہ دنیا جہان کی تخلیق کا مقصد سمجھ نہیں پاتا۔ انبیاے کرام نے بندگان خدا کا رشتہ اللہ عزوجل کی ذات سے جوڑا، انہیں کائنات کے سربستہ راز سمجھائے انہیں معرفت ذات بھی حاصل ہوئی اور اللہ عزوجل کی پہچان بھی ملی، جب اس کی بارگاہ ناز میں سجودِ نیاز حاصل کرنے کی لذت سے بندہ آشنا ہوا اور اس کی بلند ترین پیشانی میں سجدوں کا نور جگمگانے لگا تو اسے تخلیق کا مقصد سمجھ میں آنے لگا، جب نبوت ورسالت کا سلسلہ خاتم المرسلین سید الانبیاء حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جاکر ختم ہوگیا تو اس عظیم مشن نبوت کا بار گراں امت محمدیہ کے علماے ذوی الاحترام کے کاندھوں پر رکھا گیا اور انہیں دعوت وارشاد کی ذمہ داری سونپی گئی اس طرح صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے ادوار میں ذمہ دار علماے ربانیین نے اس میدان میں بے پناہ کوششیں کیں اور اس عظیم فریضہ کے ادائیگی سے سبک دوش

ہونے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دیا، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا، اور ہر دور میں مقتضیاتِ زمانہ کے لحاظ سے دعوت و تبلیغ کی راہیں کشادہ ہوتی رہیں گی۔ اس لیے تحریک و تنظیم اسلامی کا قیام بھی ناگزیر ہے اور یہ تحریک و تنظیم ہر عہد میں مختلف شکلوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہے جو دعوت وارشاد کے بے شمار گوشوں پر نگاہ رکھ کر اس میدان میں کام کرتی ہے اور دین کی بنیادی تعلیمات سے ایک جہان متعارف و مستفید ہوتا رہتا ہے۔

عروس البلاد ممبئ کے چند سرکردہ ارباب علم کو اس ضرورت کا شدید احساس ہوا اور انھوں نے ۵؍ستمبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر کو بے سروسامانی کے عالم میں اللہ عزوجل کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ''سنی دعوت اسلامی'' کے نام سے ایک تحریک کی داغ بیل ڈالی اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ اور باتفاق علما حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری رضوی کو اس تحریک کا قائد وامیر تسلیم کرلیا گیا، جب سے اب تک نوری صاحب کل وقتی طور پر اس تنظیم اور اس مشن کو آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف ہیں، اس تحریک کی ترقی حقیقت میں دین و مذہب کی ترقی ہے، اگر یہ تنظیم پھیل رہی ہے تو گویا دین عام ہو رہا ہے۔ بہ قول شاعر:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

بنیادی دفعات: سنی دعوت اسلامی کے لیے دستور العمل اور ایک خاص منشور بھی مرتب کیا گیا جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) اس مقدس تحریک کو اکابر اہل سنت کی اجتماعی سرپرستی حاصل رہے گی۔

(۲) فکری اور عملی سطح پر مسلک اہل سنت و جماعت (مسلک امام احمد رضا) کی ترویج واشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے۔

(۳) یہ تحریک انہیں خطوط پر کام کرے گی جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ کرام، تابعین کرام، ائمہ مجتہدین، اولیاے کرام بالخصوص سیدنا غوث اعظم اور خواجۂ ہندوستان کے علاوہ اکابرین اُمت، مشائخ طریقت بالخصوص شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، سید شاہ آل رسول مارہروی، علامہ عبدالقادر بدایونی، امام احمد رضا

قادری بریلوی، شیخ المشائخ حضور اشرفی میاں کچھوچھوی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، مناظر اسلام علامہ حشمت علی خاں لکھنوی، محدث اعظم سید محمد اشرفی کچھوچھوی، حجۃ الاسلام ومفتی اعظم عالم وحافظ ملت ومجاہد ملت وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے متعین فرمائے تھے۔

(۴) یہ تحریک کسی بھی حال میں اپنے جماعتی امتیازات اور مسلکی شناخت کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں کرے گی۔

(۵) عقائد واعمال کی اصلاح اور رد بد مذہباں اس کا اہم مقصد ہے۔

(۶) علماے اہل سنت ومشائخ طریقت کا اعزاز واکرام ہر گام ضروری ولازمی ہوگا۔

(۷) اس مقدس تحریک کی قیادت پر کسی شخص واحد کی اجارہ داری نہیں ہوگی۔

(پہلا مطبوعہ دستور العمل تحریک سنی دعوت اسلامی، ممبئ)

امیر تحریک مولانا محمد شاکر نوری ایک انٹرویو میں اس جانب اشارہ بھی فرماتے ہیں:

”تحریک کے قیام کے چند ماہ بعد رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی ممبئ تشریف لائے تھے، ان دونوں علماے کرام کی بارگاہ میں میں نے معروضہ پیش کیا کہ تحریک کے لیے آپ حضرات کوئی دستور العمل تحریر فرمادیں تاکہ ہم انھیں خطوط پر دعوت کا کام کرسکیں، تو انھوں نے درج ذیل (درج بالا) خطوط متعین کیے۔“ (روبرو، مرتبہ: مولانا خوشتر نورانی، دہلی، نومبر ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱۶)

تحریک سنی دعوت اسلامی نے جن بنیادوں پر اپنی خوب صورت عمارت کھڑی کی تھی زمانے کی رفتار سے اسے منزل بہ منزل اوپر اٹھانے کی بھرپور جدوجہد کر رہی ہے اور کافی حد تک اپنے منصوبوں کی تکمیل میں کامیاب لگ رہی ہے۔ جس طرح آج کا دور انتشار واختلاف، بد عقیدگی، مذہب بیزاری، مسلک فروشی اور سماجی وملی مسائل میں انتہائی درجہ کی پیچیدگی کے لحاظ سے بڑا بھیانک اور درد انگیز دور مانا جاتا ہے آج سے قریب بیس سال پہلے کا زمانہ کچھ زیادہ مختلف نہ تھا، اگرچہ آزاد خیالی اور بے پرواہی اپنی ابتدائی منزل میں تھی اور مسلمان اپنے مذہب ومسلک کے متعلق سے اس قدر لاابالی نہ ہوا تھا تاہم بدعقیدگی کا سیلاب بڑھتا ہی جارہا ہے تھا اور انگریز ظالم کی ناجائز اولادیں نئے دین ومذہب اور جدید ترین خودساختہ مذہبی رجحانات کے

ساتھ بد دینی اور مذہب بیزاری کا سلسلہ دراز کر رہی تھیں اور مسلمان قوم بالخصوص نوجوان نسل قرآن اور صاحب قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا تعلق مضبوط و مستحکم کرنے میں تساہلی برت رہا تھا اس لیے بھی تحریک سنی دعوت اسلامی کا قیام اس بھیانک اور خوں آشام پس منظر کے ساتھ انتہائی وقت پر ہو رہا تھا، اس نے بدعقیدگی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو پسپا کرنے کے منصوبے تیار کیے اور بے سروسامانی کے عالم میں گستاخان رسول اور باغیان اسلام کے خلاف صف آرا ہو کر مذہب اہل سنت اور سواد اعظم کو منضبط کرنے کی کامیاب کوشش کی، جو حد درجہ سراہنے کے لائق ہے۔

اغراض ومقاصد:

۱۔عقائد اہل سنت و جماعت کو دل و دماغ میں اتار کر اعمال و کردار کی اصلاح کرنا۔

۲۔اُمت مسلمہ کو قرآن مقدس اور رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب کر کے کامل اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ بیدار کرنا۔

۳۔سماج اور معاشرے میں پھیلی بے شمار مخربِ اخلاق برائیوں کا کامل سد باب اور نوجوان نسل اور نونہالان اسلام کو اسلامی تعلیمات کی طرف راغب کرنا۔

۴۔علوم شرعیہ اور علوم دنیویہ دونوں علوم کی جانب رغبت دلا کر قوم مسلم کے بچوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھانا تاکہ سوسائٹی اور مسلم معاشرے سے جہالت کا خاتمہ ہو۔

۵۔احقاق حق اور ابطال باطل باحسن طریق انجام دیتے ہوئے استقامت علی الحق اور تصلب فی الدین کا جذبہ پیدا کرنا۔

۶۔دینی مدارس، مساجد اور اسلامی طرز پر اسکول، کالج اور ہاسپٹل کا قیام۔

۷۔اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت کے لیے لائبریریوں کا قیام اور مختلف جگہوں پر درس قرآن وحدیث کا انتظام۔

۸۔مسلک امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی ترویج واشاعت کے لیے ہر ممکن اقدام۔

۹۔محققین اہل سنت اور ارباب قلم کے بیش قیمت تحریر کردہ رسائل ولٹریچر کی اشاعت

وطباعت کا انتظام اوران کی ترسیل وتبلیغ۔

۱۰۔اسلامی ماہرین کی ٹیم تیار کرنا جوکل وقتی یا جز وقتی طور پر دین وسنیت کے متعلق تصنیف وتالیف، بحث ومناظرہ،تقریر اور خطابت کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کریں۔

۱۱۔قدیم ترین مخطوطات دینیہ حاصل کر کے جدید انداز میں ان کی ترتیب وتحقیق کے بعد اشاعت وطباعت۔

۱۲۔مختلف زبانوں میں اکابر اہل سنت کی کتابوں کا ترجمہ اور تسہیل اور پھر طباعت واشاعت۔

۱۳۔جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ فروغ اسلام کی خدمت انجام دینے والے ماہر افراد کو تیار کرنا اوران کا بھر پور تعاون کرنا۔

۱۴۔اکابر اہل سنت اور جماعت اہل سنت کی مقتدر شخصیات کا اعزاز واکرام اوران کے لیے مناسب علاج ومعالجہ کا انتظام۔

۱۵۔نوجوان نسل کو تحریر وقلم کا ذوق دینے اور تصنیفی میدان میں انہیں کار آمد بنا کر ملک وبیرون کے مختلف خطوں میں بھیج کر مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے کتب ورسائل کی تصنیف وتالیف کرنا اورانہیں عام کرنا۔

۱۶۔رسائل وجرائد اور اخبار کا اِجرا اور ملک وبیرون ان کی ترسیل۔

۱۷۔قوم مسلم کے غریب ونادار بچوں کی تعلیم کا ذمہ لینا، اوران کے لیے مناسب سہولیات فراہم کرنا۔

۱۸۔تصنیف وتالیف کا کام کرنے والے ارباب قلم کو مالی تعاون فراہم کرنا تاکہ وہ پوری توجہ اور ذمے داری کے ساتھ پیش رفت جاری رکھ سکیں۔

۱۹۔علماے اہل سنت اور مدارس اہل سنت سے عوام کو مربوط رکھنا اور علم وعلما کی فضیلت سے انہیں آگاہ کرنا۔

۲۰۔سب سے اہم اور بنیادی مقصد خلوص وجذبۂ دروں کے ساتھ دین ومذہب کا فروغ واستحکام۔

۲۱۔ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے داعیان وعلماے دین کی حوصلہ افزائی اوران کے کاموں کوسراہنا۔

چند قابل ذکر شعبے:

تحریک سنی دعوت اسلامی نے آج سے تقریبا بیس سال پیشتر اپنی دینی ومذہبی خدمات کا آغاز کیا تھا۔ابتدا میں اس کا دائرہ کارشہر ممبئ تک محدود تھا پھر صوبائی سطح پر یہ سلسلہ دراز ہوا اور ملکی حدود کو پار کرتا ہوا ایشیا ویورپ کے ایک درجن سے زائد ممالک میں اپنی خدمات کی سوغات لٹا رہی ہے اور قوم مسلم اس کے فیضان سے مالا مال ہورہی ہے، مثلاً امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، افریقہ، کناڈا، دبئ، سعودی عرب، ہانک کانگ، کینیا، زامبیا، مارشیش وغیرہ ممالک میں دینی خدمات کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات موجود رہتی ہے کہ کسی اسلامی تحریک یا تنظیم کی خدمات دینیہ میں جگہ جگہ بیٹھ کر یا چھوٹی بڑی مجلسیں منعقد کر کے یا مسجدوں کے دروازوں پر باقاعدگی کے ساتھ کسی خاص کتاب کا درس دے کر لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھاتی ہیں یا دو چند روزہ قافلوں میں گاؤں، دیہاتوں کا دورہ کرایا جاتا ہے، یہ ایک محدود ذہنیت کے افراد کی سوچ ہوا کرتی ہے، وہ اس کام کو صرف زبان وبیان تک منحصر سمجھتے ہیں، لیکن تحریک سنی دعوت اسلامی نے ان محدود افکار سے بہت اوپر اٹھ کر اپنی خدمات کی توسیع کا منصوبہ بنایا اوران پر کام بھی کیا ہے، دین کے فروغ واستحکام کے مختلف شعبوں کی نشان دہی کے بعد ان کے قیام کے لیے کوشاں رہی ہے اور باقاعدہ کام کا آغاز بھی کیا ہے اور کامیاب ہوتی جارہی ہے۔اب تک قائم ہونے والے شعبہ جات کا اجمال یہ ہے:

(۱) شعبۂ دعوت وارشاد (۲) شعبۂ اجتماعات (۳) شعبۂ علوم اسلامیہ (۴) شعبۂ علوم عصریہ (۵) شعبۂ نشر واشاعت (۶) شعبۂ تصنیف وتالیف (۷) شعبۂ عمائدین (۸) شعبۂ خواتین (۹) شعبۂ اطفال (۱۰) شعبۂ تربیت مناسک حج وعمرہ (۱۱) شعبۂ علما (۱۲) شعبۂ حفاظ۔ (۱۳) شعبۂ فقہ اسلامی۔

شعبۂ دعوت وارشاد: اس شعبے کے تحت تحریک کے مبلغین وعلما عوام تک پہنچ کر ان کو دین

متین سے قریب کرنے، ان کے دلوں میں خشیت ربانی اور محبت رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا کرنے، انہیں معاصی سے دور اور اطاعت خداوندی سے قریب کرنے کے لیے پیہم جد و جہد کرتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں فرزندانِ توحید جو کل تک گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے، دین سے کوسوں دور تھے اور اطاعت الٰہی سے کسی صورت قریب ہونے کو تیار نہ تھے، آج فرائض کے پابند، سنتوں پر عمل پیرا اور مستحبات کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ اس شعبے کے تحت مسجدوں میں، سڑکوں پر اور گھروں اور بازاروں میں مختصر درس دیے جاتے ہیں اور قافلے کی شکل میں مبلغین چند لوگوں کو لے کر دوسرے شہروں کی طرف نکل جاتے ہیں، جس میں ہمہ وقت ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔

شعبۂ اجتماعات: اس شعبے کے تحت ملک اور بیرون ملک میں متعدد مقامات پر روزانہ، ہفتہ واری، ماہانہ، سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔ جن میں دور دور سے فرزندان توحید رخت سفر باندھ کر حاضر ہوتے ہیں اور توحید و رسالت کے پیغام سے آشنا ہو کر اللہ عز و جل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اپنے دلوں میں بسائے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ اس شعبے کے تحت منعقد کیا جانے والا سالانہ سنی اجتماع ممبئ کے آزاد میدان میں مسلسل تین روز تک کئی لاکھ فرزندان توحید و رسالت کو اصلاح اعمال اور عقائد کی پختگی کا گراں قدر سرمایہ تقریباً ۲۳ سال سے مسلسل پہنچا رہا ہے۔

شعبۂ علوم دینیہ: اس شعبے کے تحت ملک و بیرون ملک کم از کم ایک سو گیارہ دار العلوم بشمول انگلش میڈیم اسکول اور جامعات قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔ اس شعبے کو اپنے منصوبے میں کافی حد تک کامیابی بھی مل چکی ہے۔ سب سے پہلے مرکزی ادارہ "**جامعہ غوثیہ نجم العلوم**" کا قیام عمل میں آیا اور پھر رفتہ رفتہ شعبۂ دراسات اسلامیہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ الحمد للہ اس شعبے کے تحت اب تک تین درجن سے زائد ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ شعبۂ دراسات اسلامیہ کے تحت جاری اداروں کی شناخت "**نجم العلوم**" ہے۔ ان اداروں میں فی الحال شعبۂ حفظ، شعبۂ قرأت، شعبۂ عالمیت، شعبۂ فضیلت، شعبۂ تخصص فی الادب العربی، امامت اور مبلغ کورسیز میں تعلیم و تربیت جاری ہے، مزید شعبوں کی تعلیم کا انتظام ان شاء اللہ مستقبل قریب میں کیا جائے گا۔

شعبۂ علوم عصریہ: اس شعبے کے تحت عصری تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شعبۂ دراسات اسلامیہ کے تحت جاری اکثر اداروں میں شعبۂ دراسات عصریہ کے زیر اہتمام انگریزی وکمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ اس شعبہ کے تحت کئی انگلش میڈیم اسکول جاری ہیں، جن میں زیر تعلیم طلبہ کو شعبۂ دراسات اسلامیہ کے زیر اہتمام علوم دینیہ سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے۔ اس شعبہ کے تحت حرا انگلش اسکول مہاپولی، حرا انگلش اسکول مالیگاؤں، الحرا اسکول پریسٹن برطانیہ، الصفہ انسٹی ٹیوٹ بولٹن، برطانیہ وغیرہ ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ ملک کے مختلف صوبوں اور شہروں میں مزید اسکول قائم کرنے کی تگ ودو جاری ہے۔● ●

بابِ ہشتم: عروس البلاد کے مدارس اہل سنت

مختلف سلاطینِ ہند کے عہد میں جہاں مساجد کے قیام کا منصوبہ تیار کیا گیا وہیں عرب ممالک سے ہندوستان تشریف لانے والے گروہِ صوفیا، اولیا اور مشایخ کی تگ ودو اور اعلیٰ مشوروں سے مدارس اور خانقاہوں کی بنیاد پڑی۔ جہاں سے دین اسلام کے فکری اور انقلابی اقدام نے ہمہ جہت وتاریخ ساز مشن کا آغاز کیا۔ مدارس کے قیام سے متعلق حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی دارالقلم دہلی کی حقیقت افروز تحریر کا یہ حصہ ضرور پڑھ لیں، فرماتے ہیں:

''مدارسِ اسلامیہ کبھی تو اس طرح قائم ہوتے ہیں کہ کوئی عالم کسی مسجد یا حجرہ ومکان میں بیٹھ کر چھوٹے بڑے طلبہ کو درس دینے لگتا ہے، کبھی مسلمانوں کا کوئی منظّم طبقہ اپنے وسیع تعلیمی منصوبے کے تحت کہیں کسی آبادی میں کسی مدرسے کی بنیاد ڈال دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی محلے کے بڑے بوڑھے مقامی ضرورت کے پیش نظر مکتب ومدرسہ قائم کر کے اس میں بچوں کو تعلیم دلانے لگتے ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں کچھ مدارس تو ترقی پا جاتے ہیں اور عام طور پر یہ مدارس دائرے کے اندر محدود رہ جاتے ہیں۔ معدودے چند مدارس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بڑھتے بڑھتے اپنی ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچ جاتے ہیں۔''

(الجامعۃ الاشرفیہ: ایک جامع تعارف: مطبوعہ مبارک پور، ۲۰۰۰ء ص: ۷)

ہم نے فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ کے تذکرے میں یہ بات لکھی ہے کہ مہائم میں ایک مدرسہ تھا جس میں آپ باقاعدہ درس وتدریس کا عظیم فریضہ انجام دے رہے تھے۔ بہت بعد میں ناخدا محمد علی روگھے جو محمد حسین روگھے کے صاحب زادے تھے، انھوں نے جامع مسجد بمبئی میں ایک مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ'' کے نام سے ۱۸۳۶ء میں قائم کیا اور اس کے لیے ایک معقول رقم وقف کی۔ منشی محمد ابراہیم مقبہ نے ۱۸۳۴ء میں مقام نل بازار بمبئی (جدید قاضی محلّہ) میں ایک مدرسہ

قائم کیا تھا، جو داد امقبہ کے مدرسے کے نام سے مشہور تھا، ممبئ کے مضافاتی علاقوں میں تھانہ، کلوا اور رابوڑی کے مقامات پر بھی مدرسے قائم کیے تھے۔ ان کے علاوہ شہر میں اور بھی دو تین چھوٹے چھوٹے مدرسوں کے قیام کا انتظام کیا تھا، جہاں مسلمان بچوں کو ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان مدرسوں کے لیے انھوں نے ایک بھاری سرمایہ وقف کرایا تھا۔

سنی دار العلوم محمدیہ، ممبئ:

۱۹۴۷ء کے بعد عروس البلاد ممبئ میں باقاعدہ اگر کسی مدرسے کا نام تاریخ میں ملتا ہے تو وہ سنی دار العلوم محمدیہ ہے۔ اس دار العلوم کے قیام کا پس منظر ضرور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، جس کے لیے دو جلیل القدر شخصیتوں کا تذکرہ بڑا اہم ہے ایک سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی اور دوسرے اشرف العلماء سید حامد اشرف کچھوچھوی علیہما الرحمۃ والرضوان۔ گزشتہ سطور میں حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کے انمٹ کردار کو مختلف حوالوں سے واضح کیا جاچکا ہے۔ سر دست قیامِ مدارس کے تعلق سے ان کے تحریکی ذہن اور دینی جذبے کے تابندہ نقوش کا اظہار واعلان کیا جارہا ہے، لیکن اس سے قبل یہ تذکرہ بھی پڑھ لیں۔

حضرت اشرف العلماء سید محمد حامد اشرف علیہ الرحمہ حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ حضرت مولانا سید مصطفیٰ اشرف شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ حضور اشرف العلماء ایسے دین دار اور سادات گھرانے میں ۱۱؍ جولائی ۱۹۳۰ء/ ۱۳۴۹ھ بروز جمعہ کچھوچھہ مقدسہ میں پیدا ہوئے۔ رسمِ بسم اللہ جد مکرم حضور اشرفی میاں نے کرائی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے والدِ محترم نے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ میں داخلہ کرادیا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے داخلہ لیا اور ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں حکیم الامۃ مفتی احمد یار خاں نعیمی، حضور حافظ ملت، مولانا عبد الرؤف بلیاوی، حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی، حضرت مولانا عبد المصطفیٰ نقش بندی اور حضرت مولانا آل رسول سنبھلی علیہم الرحمہ کا نام آتا ہے۔

فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء میں تدریسی خدمات کا آغاز مدرسہ فاروقیہ حمیدیہ بنارس سے کیا۔

۱۹۵۳ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں استاد مقرر ہوئے جہاں ۱۹۶۷ء تک درس دیتے رہے۔ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۵رمئی ۱۹۶۷ء کو احبابِ اہلِ سنت کی دعوت واصرار اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم سے زکریا مسجد میں امامت وخطابت کے لیے بمبئ تشریف لائے۔ آپ اپنے برادرِ معظم سید مجتبیٰ اشرف علیہ الرحمہ (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۹۸ء) کے ہم رکابی میں بمبئ پہنچے تھے۔ سید مجتبیٰ اشرف حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی عالم گیر تحریک ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نائب صدر تھے۔ (مضمون: اشرف الاولیاء سید مجتبیٰ اشرف''، مشمولہ: اشرف العلماء نمبر، ماہ نامہ ماہ نور، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص: ۵۷)

مفتی محمود احمد قادری اپنی کتاب '' تذکرہ علمائے اہل سنت'' میں اشرف العلماء کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''شیخ المشائخ مخدوم شاہ علی حسین اشرفی میاں سرکار کچھوچھہ شریف کے فرزند اصغر قدوۃ الاصفیاء حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف مدظلہ العالی کے چھوٹے بیٹے، علوم اسلامیہ کے فاضل، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ سے تکمیل درسیات کی، دس برس تک وہیں درس دیا، تین سال ہوئے کہ بمبئ کے دارالعلوم اہل سنت کے صدر مدرس کی حیثیت سے بمبئ رونق افروز ہیں۔ والد ماجد سے بیعت واجازت حاصل ہے، اوصاف میں اپنے بزرگوں کے مظہر کامل ہیں، درس کے علاوہ اوقات طاعات وعبادات سے معمور رہتے ہیں، متواضع، خلیق، ہمدرد خلائق ہیں۔'' (تذکرہ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۸۴)

حضرت مولانا محمد وارث جمال قادری رقم طراز ہیں:

''اہلِ ممبئ پر جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ انھوں نے اپنے دستارِ علم وفضل کا ایک قیمتی ہیرا ممبئ والوں کو دے دیا۔ وہ بھی ایسے وقت میں کہ ممبئ میں حضرت سید العلماء حضرت مولانا سید آلِ مصطفیٰ قادری برکاتی علیہ الرحمہ کے فضل وکمال، عظمت وجلال، شوکت واقبال اور ان کی قبولیت کا گراف سوا نیزے پر تھا۔ درجنوں اصحابِ فضل وکمال اور جید علمائے کرام پر ان کا وجودِ مسعود بہت بھاری تھا۔ دلوں پر حکمرانی وگردن بہ طاعت نہادن پڑھا کرتا تھا، سنا کرتا تھا مگر خدا کی قسم! لاکھوں دلوں پر حکمرانی اور ان کے حضور ہزاروں خمیدہ سروں کو

دیکھا گیا۔ میری طرح ہزاروں نے دنیاے سنیت کے اس رجلِ رشید کو کھڑک کی چٹائی پر بیٹھ کر لاکھوں، کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرتے ہوئے دیکھا ہے جسے دنیا سید آل مصطفیٰ کہتی تھی، جو اپنے وجود میں بیک وقت بریلی بھی تھا، اور کچھوچھہ بھی، بدایوں بھی تھا اور مارہرہ بھی۔ برصغیر ہند میں تنہا اس کا وجود سوادِ اعظم سے عبارت تھا۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۔اس زمانے میں ایک جملہ زبان زدِ عوام تھا ''ممبئ آلِ مصطفیٰ کی''۔ان کے وجود نے ممبئ کی دینی و مذہبی اور ملی وسعتوں کو بھر دیا تھا۔''

(اشرف العلماء نمبر: ماہ نور دہلی ۲۰۰۸ء، ص:۲۹۷)

ان دونوں بزرگوں میں غایت درجہ الفت و محبت کا جذبہ قائم تھا۔ ادب و اکرام اور خبر گیری کی فضا بڑی خوش گوار تھی۔ ایک مرتبہ حضور اشرف العلماء سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت ماسٹر یار محمد اور مولانا فداء المصطفیٰ امجدی (فرزند صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) بھی موجود تھے۔ سید العلماء نے آنے والے مہمان کا استقبال کیا، مصافحہ و معانقہ کے بعد بیٹھے تو خبر و خیریت کے بعد سید العلماء علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''میاں! ممبئ ہندوستان کے تمام دارالعلوموں کی کفالت کرتا ہے مگر افسوس کہ ممبئ میں سنیوں کا کوئی دارالعلوم نہیں، آپ آگئے ہیں، اس میدان کے شہ سوار ہیں۔ اپنی ممبئ سنبھالیے، ہم چلے، جتنا ہوسکا کیا، باقی آپ کے ذمہ''۔

ماسٹر یار محمد جو اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں، لکھتے ہیں: ''یہ جملے من وعن سید العلماء علیہ الرحمہ کے ہیں، صرف تحریر میری ہے۔'' (ایضاً ص:۵۸)

ماسٹر یار محمد مزید لکھتے ہیں:

''اس وقت تو میں نے ان حضرات کی گفتگو پر دھیان نہیں دیا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ اس وقت ایک ولی نے ایک ولی کو چارج دیا تھا اور ساتھ ہی ایک اہم کام جواب تک کسی سے نہیں ہوسکا تھا یا یوں کہیے کہ یہ حضرت اشرف العلماء کے حصے کا کام تھا جواب تک ان کے لیے رکا ہوا تھا۔ امامت و خطابت کے بعد پہلی مرتبہ حضرت سید العلماء نے ہی درس و تدریس کا منصوبہ پیش فرمایا۔ خود آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے صدر ہونے کی حیثیت سے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے زیر انتظام و انصرام رفاعیہ مسجد میں سنی دارالعلوم کا افتتاح تاج دارِ اہلِ

سنت حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبارک ہاتھوں سے حضرت سید العلماء علیہ الرحمہ کی صدارت میں ہوا۔'' (ایضاً: ص ۶۳، ۶۴)

اشرف العلماء نے اس مقولے کہ ''بمبئ میں مدرسہ چلانا آسان نہیں'' کو غلط ثابت کرتے ہوئے ۱۴؍صفر المظفر ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۵؍مئی ۱۹۶۷ء کو زکریا مسجد کی امامت وخطابت کے دوران اسی سال ماہ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں رفاعیہ مسجد میں دارالعلوم محمدیہ قائم کر کے اعلیٰ پیانے پر تعلیم کا انتظام کیا جس میں اس وقت کے اکابر علما ومشائخ نے شرکت فرمائی۔

سنی دارالعلوم محمدیہ میں حضرت اشرف العلماء نے بحیثیت صدر مدرس اور شیخ التجوید مولانا قاری معین الدین دانش صاحب، نیز مولانا علی حسین صاحب خطیب وامام رفاعیہ مسجد نے بڑی مستعدی اور محنت سے کام کیا لیکن یہ دارالعلوم جورِ زمانہ کا شکار ہو کر بند ہو گیا لیکن آپ اطمینان وسکون سے بیٹھ نہ رہے بلکہ ہر لمحہ اسی سوچ میں رہتے کہ کسی طرح سنی دارالعلوم کے قیام کی راہ دوبارہ ہموار ہو اور طالبانِ علوم نبویہ کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو اور اللہ عزوجل نے آپ کے جذبۂ صادق اور دل کی آہ کو قبول فرمالیا اور غیبی طور پر باؤلا مسجد دلائل روڈ ممبئ میں دارالعلوم محمدیہ کے قیام کا انتظام ہو گیا۔ چناں چہ ۱۱؍شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۱۹۶۸ء کو باؤلا مسجد میں سید طفیل اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے مبارک ہاتھوں سے اس کا افتتاح ہوا اور انہوں نے نہایت دل گیر اور رقت آمیز دعا فرمائی۔ (حوالۂ سابق: ص: ۲۲۵)

سنی دارالعلوم محمدیہ کی نشاۃِ ثانیہ ممبئ کے اہلِ سنت کے لیے نیک فال ثابت ہوئی اور پھر قیامِ مدارس کا ایک سلسلہ چل نکلا اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

معروف قلم کار حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری لکھتے ہیں:

''الحمد للہ! ممبئ میں دارالعلوم محمدیہ کے ذریعے آپ نے جو نمایاں دینی، تبلیغی اور تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ وہ ممبئ جو پیری مریدی اور جلسہ وجلوس کا شہر تھا آج وہاں ہر جگہ علم کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔'' (ایضاً، ص: ۱۶۱)

مولانا عبدالقادر حبیبی جو اشرف العلماء پر دہلی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اپنے ایک مضمون ''اشرف العلماء کی تعمیری وتصنیفی خدمات'' میں لکھتے ہیں:

''اشرف العلماء نے ایسے حالات میں تعلیمی وسماجی شیرازہ بندی کا کام شروع کیا جب قدیم بمبئی کے دینی ادارے برطانیہ دورِحکومت میں اسکول وکالج میں تبدیل ہو چکے تھے، جو مسلمانوں کی دنیاوی واخروی کامیابی کے لیے بنائے گئے تھے، جن کو قوم کے اہلِ ثروت اور دین دار محسنوں نے جائدادیں وقف کر کے کثیر صرفہ سے امت کی دینی، تعلیمی، سماجی استحکام کے لیے قائم کیے تھے، آزادی اور مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد بھی جن قدیم مدارس کی بازیافت نہیں ہو پائی تو آپ نے ان قدیم مدارس کے بانیوں کے خوابوں کو نئی تعبیر دینے کے لیے اور مسلمانوں کو دین اور تعلیم سے جوڑنے کے لیے دارالعلوم محمدیہ کی شکل میں مدارس اور علوم دینیہ کے نصاب کی نشاۃ ثانیہ فرمائی۔'' (ماہ نامہ کنزالایمان، دہلی، اکتوبر ۲۰۱۵ء، ص:۳۴)

دارالعلوم محمدیہ نے بتدریج بڑی خاموشی کے ساتھ ممبئی کے مذہبی ودینی حلقوں پر اپنی گرفت مضبوط کی اور جماعتِ اہلِ سنت کی بے شمار ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بہم فراہم کر رہا ہے۔ دارالعلوم محمدیہ سے تحریک پاکر بہت بعد میں کچھ ادارے قائم ہوئے۔ قلابہ میں دارالعلوم حنفیہ، کرلا میں دارالعلوم محبوب سبحانی، جوگیشوری میں دارالعلوم گلشن مدینہ، ملاڈ مالونی میں دارالعلوم غریب نواز، ممبرا میں دارالعلوم اشرفیہ غریب نواز، سوناپور میں دارالعلوم قادریہ، جوگیشوری میں دارالعلوم برکاتیہ، دارالعلوم مخدومیہ، کرلا میں غوثیہ ضیاء القرآن، پھول گلی نل بازار میں دارالعلوم فیضان مفتی اعظم، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳ میں دارالعلوم غوثیہ اور ان کے علاوہ ممبئی ومضافات ممبئی کے دیگر علاقوں میں اب تو اتنے مدارس قائم ہو چکے ہیں کہ انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت اشرف العلماء علیہ الرحمہ نے ۳۸ ربرس کا لمبا عرصہ سرزمینِ ممبئی میں گزارا اور اپنی خدماتِ جلیلہ کے روشن نقوش چھوڑے۔ بالآخر ۱۸ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ رمطابق ۹ راپریل ۲۰۰۴ء بروز جمعہ ممبئی میں وصال ہوا اور ۱۱ راپریل بعد نماز ظہر کچھوچھہ مقدسہ میں تدفین عمل میں آئی۔ سنی دارالعلوم محمدیہ حضور سید العلماء اور اشرف العلماء کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں میں تادمِ وصال عقیدت ومحبت کا سلسلہ قائم رہا۔ خود حضرت اشرف العلماء فرماتے ہیں:

''دارالعلوم محمدیہ اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر اب تک حضور **سید العلماء فخر العلماء رئیس الخطباء وله يد طولىٰ في احكام الشريعة الغراء، هو منفرد**

فی ذاتہ الحدیثہ وصفاتہ العلیا مولانا الحافظ القاری الحاج ابو الحسنین السید آل مصطفی صاحب برکاتی سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ شریف صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء علیہ الرحمۃ والمغفرۃ کی بے پایاں عنایات سے برابر مستفیض ہوتا رہا۔''

(اشرف العلماء نمبر: ماہ نور دہلی ۲۰۰۸ء، ص ۴۳۰)

اور اسی طرح حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کے پاس آخری عمر میں جب کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو فرماتے: ''میں نے مرید کرنا بند کر دیا ہے، جاؤ اشرف العلماء سید حامد اشرف صاحب سے مرید ہو جاؤ۔'' (حوالہ سابق: ص ۱۸۳)

اور حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کے وصال (۱۰ر جمادی الآخرۃ ۱۳۹۴ھ/ یکم جولائی ۱۹۷۴ء بروز دوشنبہ) پر آبدیدہ ہو کر حضرت اشرف العلماء کہتے ہیں:

''آہ! یہ کسے معلوم تھا کہ وہ اپنا رختِ سفر دنیا سے کوچ کرنے کے لیے باندھ رہے ہیں اور ہمیں ''جرس فریاد می دارد کہ بندید محملہا'' کے عنوان سے اشارۃً باخبر کر رہے تھے۔ وہ آلِ مصطفیٰ جو بلا خوف لومۃ لائم حق کی باتیں علی الاعلان کہا کرتے تھے۔ وہ آل مصطفیٰ جس نے سنیت کے قیام و بقا کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ وہ آل مصطفیٰ جس نے ہمیں درسِ مبارک دیا، ہمارے لمحاتِ زندگی کو روشنی بخشی، وہ آل مصطفیٰ جن کا غضب محض اللہ کے لیے ہوا کرتا تھا، وہ آل مصطفیٰ جن کے اوقات دار العلوم محمدیہ کی ترقی اور اس کے مخالفین کی اصلاح میں گزرے۔ آہ! وہ رخصت ہو گئے، آہ! ان کی رحلت نے عالمِ سنیت کو سوگوار بنا دیا۔''

(دار العلوم محمدیہ کی کہانی اشرف العلماء کی زبانی: حوالہ سابق، ص ۴۳۰)

موجودہ وقت میں سنی دار العلوم محمدیہ، متصل مینارہ مسجد، محمد علی روڈ، ممبئ ۳، اور باؤلا مسجد، دلائل روڈ، ممبئ ۱۳، میں مجموعی طور پر ۵۰۰ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جس کے لیے ۱۲۹ اساتذہ اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ مختلف شعبہ جات میں عربی، فارسی درس نظامیہ، حفظ، قرأت، انگلش، مراٹھی، عربی، مراٹھی اور انگلش کنورزیشن اور شعبۂ کمپیوٹر کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ادارے کے پرنسپل مفسر قرآن حضرت مولانا ظہیر الدین نوری مصباحی طویل عرصے سے اس منصب پر فائز ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا توکل حسین حشمتی ہیں جب کہ دار الافتاء میں حضرت مفتی محمد نعیم

اختر مصباحی فتویٰ نویسی کرتے ہیں۔مختلف شعبے میں فارغین کی تعداد ۵۳۵۰ ہے۔ادارے میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی قائم ہے جس میں اندازاً ۴۵۰۰ کتابیں موجود ہیں، ادارے کی سورت، مور بہ، یوپی، جوگیشوری، اور وڈالا ممبئ میں شاخیں ہیں۔سنی دارالعلوم محمدیہ کے استاذ شاعراہل سنت مولانا حافظ وقاری معین الدین دانشؔ چشتی ٹونکی (سابق خطیب وامام مینارہ مسجد، ممبئ) کا شعری مجموعہ جنوری ۱۹۶۸ء میں الحاج اسماعیل احمد جانی ناظم اعلیٰ سنی جمعیۃ العلماء، ممبئ کے زیراہتمام ''نغماتِ دانش'' کے نام سے طبع ہوکر منظرعام پر آیا تھا، اس کے علاوہ یہاں سے کتاب ''صحائف اشرفی'' بھی چھپ کر عام ہوئی ہے۔

حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اور حضور اشرف العلماء نے دارالعلوم محمدیہ کے ذریعہ سرزمینِ ممبئ میں جو انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا ہے وہ جماعتِ اہلِ سنت کے لیے قابلِ فخر اور لائقِ صد تحسین ہے۔ صرف سرزمین ممبئ اور مہاراشٹر ہی نہیں بلکہ ان کی خدمات کے اثرات ملکی سطح پر دکھائی دیتے ہیں۔اسی کے ساتھ برادرِ اصغر حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے تصنیف وتالیف کا میدان ہو، بحث ومناظرہ ہو یا قیامِ مدارس کے لیے تحریک وتدریس کا مسئلہ ہو، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں ان دونوں بزرگ بھائیوں کی تگ ودو اور پیہم کوششوں کا نشان ضرور آئے گا۔

رفیقِ ملت سید شاہ نجیب حیدر قادری نوری مارہروی رقم طراز ہیں:

''آج ہندوستان کے طول وعرض میں جو مدارسِ اسلامیہ کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں ان میں سید العلماء اور احسن العلماء قدس سرہما کی مشترکہ کاوشوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملے گا۔''

(اداریہ: اہل سنت کی آواز، مارہرہ شریف، جلد ۱۸، نومبر ۲۰۱۱ء، ص: ۱۷)

خلاصۂ کلام کے طور پر اتنا لکھا جاسکتا ہے کہ سرزمینِ بمبئ میں اکابر علمائے اسلام واساطینِ اہلِ سنت کی جلوہ آرائیاں رہیں۔ یہاں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری، حضور محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت پیلی بھیتی، حضور سید العلماء واحسن العلماء مارہروی پھر حضور حافظ ملت وحضور مجاہد ملت پھر آگے چل کر انہی

کی ایک کڑی خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی اور حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی وغیرہم کی مکمل چھاپ رہی۔ ماضی قریب میں علامہ نظامی اور مجاہدِ دوراں کی خطابت کا لوہا تو اغیار نے بھی مانا۔حضور مفتی اعظم ہند کی دعا رضا اکیڈمی کی شکل میں اور حضرت غازی ملت کی صدا سنی بڑی مسجد مدن پورہ کے پلیٹ فارم سے آج بھی سنائی دیتی ہے مگر کسی ایسے ادارے کا تصور بمبئ کی سرزمین پر اگر کسی نے دیا ہے تو دنیا اسے ''سید العلماء'' کے نام سے جانتی ہے اور اس تحریک وتصور کو عملی جامہ پہنانے کا عزمِ محکم اگر اول اول کسی نے کیا ہے تو وہ اشرف العلماء کی ذات ستودہ صفات ہے جو سنی دار العلوم محمدیہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

یہ عروس البلاد میں کسی مدرسے اور سنی ادارے کا آغاز ہے اور عہد بہ عہد علمائے اہلِ سنت اور مشائخِ عظام کی تحریک ونشان دہی پر ان عزائم میں توسیع ہوتی گئی اور موجودہ ممبئ اور مضافات میں جماعتِ اہلِ سنت کی ترجمانی کرنے والے سیکڑوں ادارے اور مدارسِ اسلامیہ ومکاتب وجود میں آچکے ہیں۔ان میں جز وقتی تعلیم کا بھی نظم ہے، تعلیمِ بالغاں کے مکاتب بھی ہیں اور قیام وطعام کی سہولیات رکھنے والے عربی وفارسی کی اعلیٰ تعلیم والے مدارس بھی، جہاں اعدادیہ تا فضیلت درسِ نظامی کے علاوہ کمپیوٹر اور انگریزی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ ان کے علاوہ بعض مدارس خالص درجات حفظ وقراءت وناظرہ کے لیے مختص ہیں، ساتھ ہی ان میں ابتدائی عربی ودینیات کی تعلیم وتدریس بھی ہے جو محلے پڑوس کے بچوں کی تربیت گاہ ہیں۔ اسے ہم عروس البلاد میں سنی مدارس کے ارتقائی سفر کی ایک نامکمل داستان کا نام دے سکتے ہیں۔ خدا کرے ہمارے یہ ادارے اپنے دینی مقاصد میں کامیاب وکامراں رہیں جہاں علما کی کھیپ تیار ہو اور جہاں کی فضا '' قال اللہ وقال الرسول'' کی صداؤں سے جنت بداماں ہو۔اللہ عزوجل ان کی بنیادوں میں استحکام عطا فرمائے اور بیش از بیش فروغِ دین واشاعتِ مذہبِ حق کی خدمت لے، آمین۔مزید چند مشہور مدارس اہل سنت کا تذکرہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

دار العلوم محبوبِ سبحانی، کرلا، ممبئ ۷۰:

چند دین دار تقویٰ شعار افراد کے ہاتھوں ۱۹۴۹ء میں مسجدِ محبوب سبحانی کی تعمیر عمل میں آئی (جس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی)۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۶ء تک اسی مسجد کے ایک گوشے میں دینیات

و ناظرہ کی تعلیم ہوتی رہی ۔۱۹۷۶ء میں حضرت علامہ و مولانا عبد الرحیم نوری مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آمد ہوئی ۔آپ کی کوششوں اور شب و روز کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ ۱۹۷۷ء سے حفظ و درسِ نظامی کی تعلیم کا باضابطہ آغاز ہوا ۔اس وقت کے اراکین مندرجہ ذیل حضرات تھے ۔(۱) حضرت سید سہیل اشرف صاحب قبلہ کچھوچھوی ۔سرپرست (۲) جناب حاجی مہدی حسن ۔صدر (۳) جناب حاجی عبد اللہ ۔ نائب صدر (۴) جناب حاجی سید محمد یونس مرحوم ۔خزانچی (۵) جناب حاجی سیٹھ انعام اللہ مرحوم ۔خزانچی (۶) جناب حاجی عباس علی قادری مرحوم ۔رکن (۷) جناب حاجی محمد نظام الدین ۔رکن (۸) اور جناب ملک ریاض ۔رکن ۔

۱۹۹۵ء میں بدست حضرت علامہ مولانا سید کمیل اشرف صاحب قبلہ مصباحی کچھوچھوی و حضرت سید محمد اشرف میاں مارہروی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا ۔(واضح ہو کہ حضور احسن العلماء اپنی علالت کے سبب نہیں آسکے تھے اس لئے انہوں نے سنگِ بنیاد کے لیے ایک اینٹ دے کر صاحب زادے سید محمد اشرف برکاتی کو بھیجا تھا)

موجودہ اراکین و منتظمین میں یہ حضرات ہیں ۔عالی جناب الحاج سید سہیل اشرف صاحب قبلہ اشرفی (سرپرستِ اعلیٰ)،الحاج محمد عارف نسیم خان (صدرِ اعلیٰ)،الحاج محمد یعقوب خان (نائب صدر)،الحاج محمد کلیم اللہ (سکریٹری)،الحاج اظہار الحسن (نائب سکریٹری)،الحاج عنایت اللہ (خزانچی) جب کہ دیگر اراکین میں الحاج مہدی حسن ،الحان عتیق اللہ ،الحاج اصغر حسین طیب ،الحاج محمد ابرار عرف اجن بھائی ،الحاج امیر اللہ ،الحاج عرفان احمد ،الحاج محمد عبد الرؤف ،الحاج احمد حسن ،الحاج عنایت احمد مدنی ،الحاج اصغر علی ،الحاج کریم اللہ ،اور الحاج ظہیر احمد خان شامل ہیں ۔اور محنت و لگن کے ساتھ خدمت علم میں علما کا تعاون کر رہے ہیں ۔

اسٹاف ۳۲ ذی استعداد افراد پر مشتمل ہے ۔ان میں اہم یہ ہیں (۱) حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی ۔ پرنسپل (۲) حضرت علامہ محمد امجد علی قادری مصباحی ۔ شیخ الحدیث (۳) حضرت علامہ مفتی سید شاکر حسین سیفی مصباحی ۔مفتی ادارہ (۴) حضرت حافظ و قاری محمد افتخار احمد یار علوی ۔ناظم ۔

تعلیمی شعبے یہ ہیں :۔(۱) دینیات (۲) حفظ (۳) قراءتِ حفص و سبعہ (۴) درسِ نظامی

ازاعدادیہ تا فضیلت (۵) انگلش ازاعدادیہ تا فضیلت (۶) کمپیوٹر ازرابعہ تا فضیلت (۷) اسکول از: کے۔ جی تا ۷ کلاس برائے اطفال۔ تعدادِ طلبہ۔۳۰۰ بیرونی۔۱۵۰ مقامی۔ دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا ممبئ کی سرزمین پر اپنی الگ پہچان رکھتا ہے اور اس کے تعلیمی و تعمیری، علمی و تحریری شعبے ہنوز ترقی پذیر ہیں۔ اب تک دارالعلوم محبوب سبحانی سے ساڑھے سات سو سے زائد بچے سند فراغت لے چکے ہیں۔ سال میں ایک بار طلبہ کے مابین عربی، اردو اور انگریزی زبان میں تحریری، تقریری اور کوئز مقابلہ منعقد کرایا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والوں کو انعامات تفویض کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء سے تقریباً ہر سال ایک علمی و تحقیقی کتاب طلبہ کی جانب سے طبع کرائی جاتی ہے اور ان کی مفت اشاعت عمل میں آتی ہے۔

دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئ:

ممبئ کے مدارس اہل سنت میں دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہ ادارہ کافی قدیم بھی ہے۔ اس کے تاریخی ریکارڈ میں یہ بات کافی اہم ہے کہ ۱۹۷۴ء میں مرحوم عبدالغفور خان نے ۴۲۸ اسکوائر میٹر زمین مسجد عبدالغفور کے نام پر وقف کی اور مسجد و مدرسہ کی باقاعدہ ایک کمیٹی تشکیل دے کر چیرٹی کمیشن سے رجسٹرڈ کرایا، اسی سال مسجد کی توسیع کے ساتھ ساتھ ''ضیاء القرآن'' نام سے ایک مدرسے کا قیام عمل میں آیا اور مدرسین کا تقرر ہوا، جو قرب وجوار کے بچوں کو ناظرۂ قرآن، دینیات، اردو پرائمری کی تعلیم دیں۔ ۱۹۸۰ء میں کمیٹی میں ایک انتہائی فعال فرد (موجودہ سکریٹری) الحاج مظفر الحسن خان کو بہ حیثیت رکن شامل کیا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں ملک کے مشہور علما و مشائخ کے ہاتھوں مدرسہ ضیاء القرآن کو ''دارالعلوم ضیاء القرآن'' کی شکل دے کر حفظ و قرآت کی باضابطہ تعلیم کا نظم کیا گیا۔ معاونین کی قربانیاں رنگ لائیں اور ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم کے نام پر مرکزی عمارت کے کچھ فاصلے پر زمین خرید کر دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی، جس کا رقبہ ۲۴۰۰/اسکوائر فٹ ہے۔ ۱۹۹۱ء کے اختتام تک اسے تین منزلہ کر دیا گیا۔ تعلیمی و تعمیری ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ ۱۹۹۱ء ہی میں ادارے کا پہلا سالانہ جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، اور حفظ و قرآت کے طلبہ کو سند فراغت سے نوازا گیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ۱۹۹۶ء میں ایک دردمند اور محنت کی عادی شخصیت حافظ عبدالواحد کی شکل میں ادارے کو ملی جن کی صدارت

ونظامت میں ادارے نے حیرت انگیز ترقی کی تو ۲۰۰۲ء سے ادارے میں شعبۂ نظامیہ قائم ہوا اور ۲۰۰۷ء سے اس شعبے سے فارغ ہونے والوں کو سند بھی دی جانے لگی۔ ۲۷/اپریل ۲۰۱۱ء کو حافظ عبدالواحد کا وصال ہوگیا تو انتظامیہ نے مولانا محمد شرف الدین نظامی کو نظامت، مولانا محمد فاروق علیمی کو صدارت اور مفتی محمد زبیر برکاتی کو سرپرست کا عہدہ تفویض کیا، مفتیِ موصوف مسجد کے خطیب وامام بھی ہیں اور فی الحال شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں، ادارے کے پاس نوجوان علما، حفاظ اور قرا کی ایک ٹیم ہے جو اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال کر ادارے کی تعلیمی ترقی میں کوشاں ہے۔ یہاں عربی ادب وانشا کے ساتھ انگریزی زبان وادب، کمپیوٹر اور شعبہ پرائمری کی کئی کلاسیں چلتی ہیں، کئی زبانوں میں مختلف موضوعات پر مشتمل ایک بڑی لائبریری بھی ہے، جس میں دس ہزار کے قریب کتابیں موجود ہیں۔ بزم غوثیہ کے نام سے طلبہ کی ایک تنظیم بھی ہے جو ہر جمعرات کو تحریری وتقریری بزم اساتذہ کی نگرانی میں منعقد کرتی ہے، اسی کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً طلبہ کے اندر مضمون نگاری اور تحریر وتقریر کا ذوق بیدار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہر جماعت کے طلبہ عربی، اردو، انگریزی زبان میں ماہانہ میگزین اور جداریے تیار کرتے ہیں۔ مختلف شعبہ جات میں شعبۂ اسلامیات، شعبۂ ادب، شعبۂ حفظ، شعبۂ تجوید وقرآت، دو سالہ کمپیوٹر کورس، غوثیہ دارالافتاء سرفہرست ہیں، جس میں مجموعی طور پر دو درجن سے زائد اساتذہ اپنی خدمات پیش کررہے ہیں۔ غوثیہ دارالافتاء کا قیام ۲۰۰۲ء میں ہوا، جس میں فتویٰ نویسی کی ذمہ داری مفتی محمد زبیر برکاتی سنبھالتے ہیں، یہاں سے اب تک سینکڑوں فتاویٰ جاری کیے جاچکے ہیں۔ ادارے سے اب تک ۸۳۲ علما، حفاظ وقرا سند فراغت لے چکے ہیں۔

دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ، جوگیشوری:

جوگیشوری ویسٹ ممبئ ۱۰۲، مسجد قرطبہ سے متصل واقع دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ جماعت اہل سنت کا ایک مؤقر منفرد دینی ادارہ ہے۔ ۲۵/دسمبر ۱۹۷۵ء میں ہمدرد قوم وملت محمد علی ولد اسداللہ بیگ نے اپنی مملوکہ جگہ ۲۰×۱۰ مدرسہ ومسجد کے لیے وقف کی۔ جس میں پنج وقتہ نماز اور مکتب کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ علاقے کے سنی عوام نے دامے درمے قدمے ہر طرح کا تعاون کر کے ادارہ کو فروغ دیا۔ ۲۲/اگست ۱۹۸۷ء کو باضابطہ گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کرایا گیا۔ ۱۹۹۲ء کے

آغاز میں حفظ وقرأت اور درس نظامی کا باضابطہ آغاز ہوا، اور ۱۹۹۶ء میں شعبۂ افتا کا قیام بھی عمل میں آیا۔ فی الحال یہ ادارہ ۵ر ہزار اسکوائر فٹ کے رقبہ میں سہ منزلہ عالی شان عمارت پر قائم ہے۔ اس ادارہ میں تقریباً ۲۰۰ر بیرونی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جن کے قیام وطعام، علاج ومعالجہ کا انتظام ادارہ ہی کرتا ہے۔ اس ادارہ میں حفظ وقرأت ودرس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے۔ مقامی طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کے لیے مکتب کا بھی قائم ہے اور سترہ علما وفضلا پر مشتمل اساتذہ کی جماعت اشاعت علوم دینیہ میں مشغول ہے۔ ادارے کے ناظم اعلیٰ اور پرنسپل حضرت مولانا الحاج عبد الجبار قادری ہیں جب کہ صدر شعبۂ افتا حضرت مولانا مفتی منظور احمد یار علوی ہیں۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں یوپی، بہار، بنگال، آسام، راجستھان، گجرات، نیپال، ایم پی اور صوبۂ مہاراشٹر کے طلبہ علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے اس ادارے کا رخ کرتے ہیں۔ ۵ر سال سے اس ادارہ نے طلبہ کے مابین مسابقتی پروگرام کا آغاز کیا جس میں طلبہ نے بڑی محنت ولگن سے شرکت کی اور انعامات کے مستحق بنے۔ طلبہ کی دلچسپی اور رغبت کو دیکھتے ہوئے طلبہ کی تنظیم ''بزم فیضان اعلیٰ حضرت'' جو خالص دینی و مذہبی تنظیم ہے، نے منصوبہ بنایا کہ مضمون نگاری کے عنوان پر وہ مقالات جو سال گذشتہ مسابقتی اور مقابلہ جاتی پروگرام میں شامل رہے، ان کو کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ دوسرے طلبہ کو مقالہ نویسی اور مضمون نگاری میں رغبت اور دلچسپی پیدا ہو۔ اور ۱۰ر مارچ ۲۰۱۴ء کو ملک کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم اہل سنت فیض الرسول براؤں شریف اتر پردیش کی مقدس وادی نور میں بارہ اہم موضوعات پر منعقد ہونے والے مسابقۂ حفظ حدیث میں ادارہ کے ایک باذوق سلیم الطبع طالب علم محمد نسیم یار علوی نے جن چالیس احادیث کو مع ترجمہ وتشریح حفظ کر کے حصہ لیا وہ چالیس حدیثیں مع ترجمہ وتشریح شامل کر کے ایک کتاب تیار کی گئی، جس کا نام ''مقالات برکاتیہ'' رکھا گیا۔ اس سے قبل بھی یہاں سے ایک کتاب ''چہل حدیث مسمیٰ ارشادات رسول'' (مصنف: مولانا سلمان احمد جاہدی چشتی) جنوری ۱۹۹۵ء میں ۱۱۹ صفحات پر مشتمل طبع ہوئی تھی۔ یہ کتاب راقم کے مطالعے میں آچکی ہے۔

دارالعلوم گلشن مدینہ، جوگیشوری:

دارالعلوم گلشن مدینہ جماعت اہل سنت کا ایک موقر اور منفرد دینی و تعلیمی ادارہ ہے۔جس کی بنیاد ۱۹۷۹ء میں رکھی گئی ، اس وقت یہ ادارہ ۴۵۰۰ اسکوئر فٹ پر مشتمل تھا ، ٹاٹ کی بوری سے چہار دیواری بنائی گئی تھی ، پھر آہستہ آہستہ پترے کی دیوار بنی ۔اس ادارے کا رجسٹریشن ۱۹۸۴ء میں انجمن گلشن مدینہ وسنی مدینہ مسجد کے نام سے ہوا ۔ بنیاد کے معاً بعد ہی مکتب کی تعلیم کا آغاز ہوگیا،علاقے کے مخیّر سنی مسلمانوں نے ادارے کی ہر ممکن امداد کی اور اسے ترقی دینے میں بے پناہ قربانیاں دیں ۔اس طرح یہ ادارہ دن بہ دن عروج پاتا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس مکتب کو دارالعلوم کی شکل دی گئی ۔۱۹۹۳ء کے اواخر میں حفظ قراءت اور درس نظامی کا باضابطہ آغاز ہوا اور ۲۰۰۷ کے اواخر میں دارالعلوم گلشن مدینہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر استاذ العلماء بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں شعبہ افتا بھی قائم کیا گیا۔ فی الحال یہ ادارہ ۶۵۰۰ اسکوائر فٹ کے رقبے پر مشتمل پانچ منزلہ شاندار عمارت کی شکل میں موجود ہے۔ادارے میں تقریباً دوسو بیرونی طلبہ قیام پذیر ہیں ۔ یہاں حفظ وقراءت اور درس نظامی کے شعبے موجود ہیں،عصری تعلیم کا بھی نظم ہے، مقامی طلبہ وطالبات کے لیے مکتب بھی قائم ہے۔کل چودہ اساتذہ شعبۂ حفظ وقرأت اور درس نظامی میں تدریسی خدمات پر مامور ہیں ۔اب تک اس تعلیمی ادارے سے ۵۵۰ طلبہ سند فراغت لے چکے ہیں ۔ حضرت حافظ وقاری محمود الحسن رضوی ۱۹۸۸ء سے ادارے کے ناظم ہیں اور بڑی محنت اور انتہائی کامیابی سے ادارہ چلارہے ہیں۔مولانا چراغ علی مصباحی صدرالمدرسین ہیں اور مفتی منظر رضا مصباحی صدر شعبہ افتا ہیں۔

دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئ:

ممبئ شہر کے مدارس اسلامیہ کی بھیڑ میں دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئ ۱۵ اپنی الگ شناخت رکھتا ہے،تقریباً ۳۵ سالوں سے یہ ادارہ اپنی منفرد خصوصیات کی بناپر دینی وعلمی خدمات انجام دے رہا ہے۔اس ادارے کی بنیاد ۱۹۷۸ء میں پاسبان سنیت مفتی نسیم اشرف نے رکھی ، لیکن نامساعد حالات کے پیش نظر وہ یہاں مستقل قیام نہ کرسکے جس کی بنیاد پر ادارے کی ترقی کی راہیں مسدود نظر آنے لگیں ،مگران رکاوٹوں کے سد باب کے لیے اللہ عزوجل نے مصلح قوم

حضرت حافظ وقاری عبدالقادر رضوی کو چنا اور ان کے ذریعے سے دین وعلم کا یہ پودا اپنی توانائی محفوظ رکھتا ہوا آج اس حالت میں ہے جسے دیکھ کر دل مچلنے لگتا ہے اور روح خوش ہو جاتی ہے۔ ۸رفروری ۱۹۸۰ء میں حافظ عبدالقادر رضوی نے اس کی نشاۃ ثانیہ کی اور اس گلشن علم کی آبیاری میں لگ گئے، اور آج تک ان کی نظامت ونگرانی میں یہ ادارہ ترقی کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ فی الحال ادارے میں شعبۂ حفظ، قرأت، کمپیوٹر، انگلش، دینیات، اور درس نظامی کے ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی ہے، جس کے لیے۱۴ باصلاحیت اساتذہ اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں، دیگر ملازمین کی تعداد ۶ ہے، اور کل ۱۷۵ کے قریب بیرونی طلبہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے ہیں۔ پرنسپل کے عہدے پر حضرت مولانا قاری عین الدین رضوی فائز ہیں، اور ناظم اعلیٰ قاری عبدالقادر رضوی ہیں۔ ادارے میں فن تجوید وقرأت پر کافی دھیان دیا جاتا ہے اور بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے۔ ممبئ کے مدنپورہ علاقے میں حاجی آدم صدیق کے نام سے بڑی مسجد میں دارالعلوم حنفیہ رضویہ کی شاخ بھی انتہائی فعال ہے اور شہرت رکھتی ہے۔ اس پیرانہ سالی میں بھی ناظم اعلیٰ کی محنت کو راقم سلام پیش کرتا ہے۔ قاضی مہاراشٹر مفتی محمد اشرف رضا قادری اور مولانا قاری محمد عبدالرشید رحمانی خطیب مینارہ مسجد بھی ایک زمانے سے اس ادارے میں تعلیم دیتے رہے ہیں، غالباً اب بھی اسی سے منسلک ہیں۔ یہ ایک معیاری درس گاہ ہے۔

دارالعلوم محمدیہ نعیم الاسلام، گوونڈی:

دارالعلوم محمدیہ نعیم الاسلام، گوونڈی (ممبئ ۴۳) امام المتکلمین صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی یاد میں قائم کیا گیا، ۲۵ نومبر ۱۹۸۰ء کو مدرسے کا سنگ بنیاد رکھا گیا، یہ مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ اہل سنت وجماعت'' کے نام سے رجسٹرڈ ہے۔ اپنے آغاز کار سے ۲۰۰۰ء تقریباً بیس سال تک اس ادارے میں مقامی بچوں کے لیے ناظرۂ قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کا نظم رہا۔ اس ادارے کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اللہ عزوجل نے حضرت مولانا نور محمد نعیم القادری کو منتخب فرمایا، ماہ ذوقعدہ ۲۰۰۰ء میں موصوف کی نظامت وقیادت میں ایک تاریخی جشن افتتاح منعقد کیا گیا، جس میں مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی، لندن کا علم دین کی اہمیت وضرورت پر خصوصی خطاب ہوا، اس اجلاس کی سرپرستی استاذ العلماء حضرت مفتی شعبان علی نعیمی

حبابی نے فرمائی تھی۔ ادارے میں حفظ وقرآت کی معیاری تعلیم وتربیت کے ساتھ شوال ۱۴۳۴ھ میں درس نظامیہ اور دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں سے اب تک سینکڑوں فتاویٰ جاری کیے جاچکے ہیں۔ شوال ۱۴۳۵ء میں محمدیہ اسلامک سینٹر کھولا گیا، جہاں بچوں کو ناظرۂ قرآن صحتِ مخارج کے ساتھ کرایا جاتا ہے، ساتھ ہی دینیات اور اردو زبان کی تعلیم کا بھی انتظام ہے، ان کے علاوہ جز وقتی تعلیم بالغاں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بیرونی طلبا کے لیے ابتدائی انگلش اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی ہورہی ہے، مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات انجام دینے والے اساتذہ اور ملازمین کی تعداد ۱۵ ہے، طلبا کی مجموعی تعداد ۵۰۰ کے قریب ہے، جن میں بیرونی طلبا ۵۷ ہیں، جو مختلف صوبوں، بہار، یوپی، بنگال اور مہاراشٹر کے رہنے والے ہیں۔ جن کے قیام وطعام، معالجے اور کتابوں کی فراہمی کو انتظامیہ برداشت کرتی ہے۔ گیارہ افراد پر مشتمل انتظامیہ کمیٹی ہے، مدرسے کی دومنزلہ اپنی عمارت ہے۔ اب تک ۱۶۰ کے قریب حفاظ وقرا یہاں سے سند فراغت لے چکے ہیں۔ ناظم اعلیٰ مولانا نور محمد نعیم القادری ادارے کی ہمہ جہت ترقی کے لیے ہمہ تن کوشش کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششیں بارآور فرمائے، آمین۔

دارالعلوم اشرفیہ غریب نواز، ممبرا:

یہ شہر ممبرا کا پہلا دینی ادارہ ہے جسے شہید راہ مدینہ انوارالمشائخ حضرت الحاج سیّد شاہ انوار اشرف عرف مثنیٰ میاں علیہ الرحمۃ والرضوان (مدفون جنت البقیع) نے ۱۹۸۴ء مطابق ۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ میں قائم فرمایا تھا۔ پہاڑیوں کے دامن میں گھرا سنگلاخ زمین پر آباد اکثریت مسلم آبادی پر مشتمل شہر ممبرا، تھانہ ضلع کا وہ شہر ہے جو از قیام تا ہنوز امن وشانتی، اخوت ومحبت اور بھائی چارے کا گہوارہ رہا ہے۔ جہاں پر تمام مذاہب کے لوگوں نے مل جل کر رہنے اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گذارنے کا فن سیکھا اور دوسروں کو بھی عمل کا درس دیتے رہے ہیں۔ ممبرا کے نوآبادیات میں جہاں عصری تعلیم کے لیے متعدد اسکولیں قائم کی گئیں وہیں ممبرا کی تاریخ میں پہلا دینی تعلیمی ادارہ دارالعلوم اشرفیہ غریب نواز کا قیام ۱۹۸۴ء میں عمل میں آیا۔ ابتدا میں مختصر سی آراضی پر دین مصطفوی اور علم قرآن وحدیث سے شغف رکھنے والے ہمدرد قوم وملت حضور شہید راہ مدینہ مثنیٰ میاں نے اپنے معتمد خاص دارالعلوم ہٰذا کے موجودہ جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اسلم کے

پدر بزرگوار مرحوم یوسف خان اشرفی اور اس وقت کے دیگر مخیّر حضرات کے تعاون سے دینی تعلیم کی شمع روشن کرنے کا بیڑا اُٹھایا جس کی ابتدا ایک چھوٹے سے مدرسے سے ہوئی مگر پیر طریقت اور ہمدردان ادارہ کی کاوشوں اور خلوص نیت کی بدولت مختصر سی مدت میں ہی یہ ادارہ دار العلوم کی شکل اختیار کر گیا۔ ادارہ میں آغاز ہی سے ناظرہ قرآن کے علاوہ ایک جامع نصاب کے تحت مختلف شعبہ جات کی تعلیم ماہر علم وفن اساتذہ کی تدریسی خدمات کے دائرے میں ہوتی رہی اور ابھی بھی اُسی جامع اور وقتی ضرورتوں کے نصاب کے تحت تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ ابتدا سے ہی طلبا اور اساتذہ کی ایک معتد بہ تعداد رہی جس کے قیام وطعام اور دیگر اخراجات ادارہ پورا کرتا رہا ہے۔ ہر رواں سال سیکڑوں طلبا ادارے میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے داخل ہوتے ہیں اور اب تک ہزاروں طلبا اس دارے سے فارغ ہو کر ممبرا، مہاراشٹر کے مختلف علاقوں اور ملک کے دیگر گوشوں میں علمی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اعلیٰ تدریسی عہدوں پر فائز ہیں۔

آغاز ہی سے ادارے کی توسیع ہوتی رہی ہے پچھلے سالوں میں اس ادارے سے متصل غریب نواز مسجد کا چار منزلہ توسیعی کام ہوا اور ادارے کی آراضی کو بھی وسیع کیا جاتا رہا۔ سر دست دار لعلوم کو پورے طور پر زمیں دوز کر کے سات منزلہ پختہ تعمیر کا کام کیا گیا ہے۔ دار العلوم کے بانی شہید راہ مدینہ علیہ الرحمۃ الرضوان نے اس ادارے کی شکل میں ممبرا کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے لیے ایک تحفۂ بے بہا عطا کیا۔ تا زندگی اسے بہتر سے بہتر بنانے میں مصروفِ عمل رہے اور ۲۰۰۳ء میں حضور شہید راہ مدینہ کے وصال کے بعد اس کی سرپرستی اور سربراہی جانشین حضور شہید راہ مدینہ حضرت مولانا الحاج سیّد شاہ معین الدین اشرف الاشرفی الجیلانی سجادہ نشین آستانہ مخدوم اشرف کچھوچھہ شریف فرما رہے ہیں۔ حضور معین ملت کی سربراہی میں ادارہ دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ موجودہ وقت میں شعبہ عالمیت اور حفظ وقرأت میں تعلیم حاصل کرنے والے مقیم طلبہ کی تعداد ۸۰ ہے، اور مقامی مکتب میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد ۳۰۰ ہے، جنھیں ۱۸ ر باصلاحیت اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ ہر سال نصاب تعلیم کی تکمیل پر ایک جلسہ دستار بندی منعقد ہوتا ہے جس میں فارغین کو سند و دستار سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اب تک ادارے سے شعبۂ عالمیت میں ۳۶۵، اور حفظ وقرأت میں ۲۷۰ طلبہ فارغ ہو چکے ہیں۔

دارالعلوم اہل سنت غریب نواز، ملاڈ:

مرکزی دارالعلوم غریب نواز، اسکواٹر کالونی، ملاڈ، ایسٹ، ممبئ ۹۷ ایک قدیم تعلیمی ادارہ ہے، جسے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایک جید فاضل حضرت مولانا مفتی سلیم اختر مصباحی نے ۱۹۸۵ء میں قائم فرمایا تھا۔ جامعہ اشرفیہ سے ان کی فراغت ۱۹۶۹ء میں ہوئی، اس وقت ماشاء اللہ عمر کی ۶۵ ویں بہاریں دیکھ رہے ہیں اور انتہائی فعال اور توانا دل رکھتے ہیں۔ ان کی محنتوں اور قربانیوں کی بدولت آج یہ دارالعلوم ممبئ کی دنیا میں اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔ فی الحال ادارہ میں شعبۂ افتا، فضیلت، عالمیت، قرأت، حفظ، ناظرۂ قرآن اور ابتدائی دینیات کی تعلیم ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی ہوتی ہے۔ بچیوں کے لیے سلائی، کڑھائی اور گھڑی سازی کی تربیت کا بھی انتظام ہے، فتویٰ نویسی خود مفتی صاحب قبلہ کرتے ہیں۔ مقامی بچوں کی تعداد ۲۲۵ ہے، بیرونی طلبہ کی تعداد ۱۲۰ ہے جن کے قیام وطعام کا انتظام ادارہ کرتا ہے، اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تعداد ۱۶ ہے۔ ادارے سے اب تک ۱۵۰۰ کے قریب طلبہ مختلف شعبے میں سند فراغت لے چکے ہیں، یہ بہت بڑا امتیاز ہے اور بہت بڑی خوبی ہے جو اس ادارے کو معیار عطا کرتی ہے، یہ ادارہ ہنوز ترقی پر ہے اور شہر ممبئ میں اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ اللہ عزوجل مزید ترقیاں عطا فرمائے اور اس کے تعلیمی معیار کو اور اونچا کردے۔

قوۃ الاسلام عربک کالج، ڈونگری:

یہ ادارہ ۲۵ر حضرت عباس اسٹریٹ، پالا گلی، ڈونگری، ممبئ ۹ میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۴۲ء میں حضرت کے کے ابوبکر کے ہاتھوں رکھی گئی، جس کا اہم اور بنیادی مقصد ایک ایسی نسل کی تشکیل دینا ہے جو ملک و بیرون ملک دین اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت وتبلیغ کا اہم کام انجام دے سکے۔ ۱۹۴۲ء میں یہاں کیرلا کے طلبہ درس کے لیے آتے تھے، جیسا کہ کیرالا کا رواج ہے کہ دینی تعلیم کے حصول کی خاطر بچے مسجدوں میں آتے تھے اور باقاعدہ فقہ اور تفسیر و احادیث کی کتابوں کی تعلیم وتدریس ہوتی تھی۔ بعد میں کچھ ملباری حضرات نے ممبئ اور شمالی ہند کے لوگوں میں دینی شعور پیدا کرنے کے لیے کیرالا کی عظیم درس گاہ جامعہ دارالہدیٰ اسلامیہ سے ملحق کردیا۔ اور اب تقریباً ۱۸ر سال سے یہ مدرسہ شمالی ہند کے طلبہ کو دینی تعلیم سے آراستہ کررہا ہے

۔ جامعہ دارالہدیٰ اسلامیہ کیرالا کی ایک عظیم درس گاہ ہے، جہاں فی الحال ڈھائی ہزار طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، کیرلا میں اس کی اٹھارہ اور بیرون کیرلا پانچ شاخیں ہیں، انھیں میں سے قوۃ الاسلام عربک کالج بھی ہے۔ جامعہ میں مدت تعلیم بارہ سال ہے، ساتھ ہی دو سال کسی دینی درس گاہ یا مسجد میں خدمت بھی لازمی ہے، جس کے بغیر سند نہیں دی جاتی۔ قوۃ الاسلام میں بچے پانچ سال تعلیم پاکر کیرلا چلے جاتے ہیں، پھر وہاں سات سال کی تعلیم میں انھیں عالم، فاضل کی سند کے ساتھ B.A کی ڈگری بھی دی جاتی ہے۔ یہاں کے نصاب تعلیم کے معلوم ہوا کہ بچے چوں کہ بارہ سال کی عمر میں داخلہ لیتے ہیں اس لیے انھیں چھوٹی کتاب پڑھائی جاتی ہے پھر پانچ سال کے بعد بورڈ کا امتحان دلایا جاتا ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر کی تعلیم کی شروعات ہوتی ہے، جب بچے کیرلا چلے جاتے ہیں تو انھیں عالم، فاضل کی سند کے ساتھ انگلش میڈیم سے بی، اے کی ڈگری دلائی جاتی ہے۔ فراغت کے بعد طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ دو سال خدمت دین میں لگا رہے، اس کے بعد ہی سند دی جاتی ہے۔ یہاں پورے سال میں تین امتحانات ہوتے ہیں، جس میں طلبہ کو ایک سبجیکٹ میں ۱۵۰/ مارکس کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کے فارغین کی مجموعی تعداد ۱۵/ ہے اور قریب ابھی ۸۰/ بچے زیر تعلیم ہیں، آٹھ اساتذہ اور دو باورچی پر مشتمل اسٹاف ہے۔ یہ ادارہ ہنوز اپنے مشن کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔

دارالعلوم صابریہ شہاب ملت یتیم خانہ، ملاڈ:

پیر طریقت حضرت مولانا حافظ وقاری الحاج سید ساجد میاں صابری رام پوری دام ظلہ نے ممبئ میں مستقل قیام کر کے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء تک مالونی ملاڈ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیے۔ یہیں سے آپ متواتر حج بیت اللہ سے شرف یاب ہوئے اور دو دفعہ مقامات مقدسہ بغداد کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئے، پہلی مرتبہ آپ ۱۹۸۸ء میں تشریف لے گئے اور دوسری مرتبہ ۱۹۹۰ء میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ یہیں سے آپ نے اپنی رشد وہدایت کا سلسلہ بھی جاری کیا اور خدمت قوم اور خدمت علم دین کے جذبے کے تحت ۱۹۸۸ء میں مالونی کے کچھ اہل خیر حضرات کے تعاون سے ایک ادارہ ''دارالعلوم صابریہ شہاب ملت یتیم خانہ اینڈ میڈیکل ایڈ سینٹر'' کی بنیاد رکھی۔ اس میں ابتدائی

دینیات، اور حفظ وقرأت کی تعلیم شروع ہوئی، پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔

اس ادارہ کا پہلا عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ۱۹۹۴ء میں منعقد ہوا جس میں ۸؍حفاظ کرام کی دستار بندی عمل میں آئی۔ اس جلسہ میں اہل سنت و جماعت کی معزز و ممتاز شخصیات نے شرکت فرمائی جیسے حضور اشرف العلماء، شہید راہ مدینہ سید مثنیٰ میاں رحمہا اللہ۔ ان کے علاوہ مفتی محمود اختر امجدی و مولانا قاری محمد شاکر نوری، ممبئ کے علاوہ قرب جوار کے علما ومشائخ اور ائمہ کرام نے بطور خاص شرکت فرمائی۔ حضور پیر طریقت کی سرپرستی میں تا حال یہ سلسلہ جاری ہے، ہر سال حفاظ کرام کی دستار بندی کا عظیم الشان جشن منایا جاتا ہے۔ جامعہ صابریہ مالونی ملاڈ کی قدیم دینی درس گاہ ہے، جو کئی سالوں سے بہ حسن وخوبی تشنگان علوم دینیہ کو سرشار کر رہی ہیں۔ درجہ ناظرہ و دینیات، شعبہ حفظ وقراءت اور درس نظامی اول تا چہارم باصلاحیت اساتذہ کرام کے زیر نگرانی جاری ہے۔ ۵۰؍طلبا کے قیام وطعام، علاج ومعالج ودیگر ضروریات کا نظم ادارہ سنبھالتا ہے۔

سید ساجد میاں قبلہ کے دل میں مالونی ملاڈ، ممبئ کی جامع مسجد امامت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ خدمت قوم وملت کا جذبہ ایسا رہا کہ آج آپ کی خدمات عوام وخواص میں مثال بن کر سامنے آرہی ہیں۔ خاندانی جاہ وجلال اور بزرگان دین کے روحانی فیضان کا دریا اس قدر بہار ہے ہیں کہ آج آپ کی سرپرستی میں ممبئ، رامپور، اندور، گلبرگہ اور کلیر شریف میں کئی دینی ودنیاوی قلعے قائم ہیں جو بحسن وخوبی خدمت اسلام اور ترویج اہل سنت پر مامور ہیں۔ بچپن میں یہ جذبہ رہا کی اٹھارہ سال تک لال مسجد رامپور میں موذن اور خادم کی ذمہ داری نبھائی اور یہ جذبہ اتنا مؤثر اور بلند پایہ ثابت ہوا، اس کی تشنہ لبی اتنی بڑھی کہ ممبئ تک لے آئی اور یہاں بھی خدمت قوم وملت کے لیے لڑکیوں کا ادارہ، جامعۃ الفقیہات، لڑکوں کا ادارہ، جامعہ صابریہ، غریب مریضوں کے لیے ہاسپٹل، مطالعہ کا شوق رکھنے والوں کے لیے لائبریری فیضان صابر، پڑھنے والے قارئین کے لیے ''ماہنامہ ضیائے صابر'' جیسے دینی وعصری ادارے قوم کے حوالے کیے۔

جامعۃ الفقیہات، ملاڈ:

سرزمین مالونی مسلمانوں کی کثیر آبادی والا علاقہ ہے،لیکن یہاں پسماندہ طبقات کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ یہاں کے لوگوں کی تعلیمی ومعاشی حالت ابتر ہے۔ایسے علاقہ میں علم کا چراغ جلانا اور خدمت قوم کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا امر مشکل ترین تھا،ایسے نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ایک روشن چراغ کو سرزمین ممبئ ،خاص کر ملاڈ،مالونی میں مقرر فرمایا۔آپ نے چند مخلص ومحبّ حضرات کے ساتھ مل کر ۱۹۸۸ء میں ''الجامعہ فقیہۃ البنات ٹرسٹ'' کی بنیاد ڈالی۔آج یہ ادارہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ دینی ،ادبی ،اصلاحی اور عصری علوم وفنون کے علاوہ قوم وملت کے فلاحی واصلاحی کام بہ حسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔ یہ خواتین اسلام کی دینی ،ادبی اور عصری علوم وفنون کا گہوارہ ہے،جس میں درجۂ ابتدائیہ تا عالمہ فاضلہ تک تعلیم باصلاحیت معلم ومعلمات کے زیر نگرانی ہورہی ہے۔الحمدللہ اب تک جامعہ سے تقریبا ۳۵/ طالبات عالمہ فاضلہ کی سند لے کر قرب وجوار کے مدارس اسلامیہ میں درس وتدریس کے خدمت انجام دے رہی ہیں۔ طالبات کے لیے صبح کا ناشتہ اوردوپہر کا کھانا ادارہ کی جانب سے مہیا کیا جاتا ہے۔ضرورت مند طالبات کو کپڑا ،برقع ، یونیفارم بھی دیے جاتے ہیں۔

الحمدللہ لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لیے شہر ممبئ کے مختلف علاقوں میں جامعہ کی مستقل شاخیں قائم ہورہی ہیں،اس کی پہلی کلی جوگیشوری ایسٹ میں تقریباً ۹۰ طالبات علم دین سے سیراب ہو رہی ہیں۔دوسری کلی مالونی کے انبوز واڑی میں قائم ہوئی وہاں بھی تقریباً ۱۵۰ طالبات زیر تعلیم ہیں۔ممبئ مہاراشٹر میں کی گئی دیگر دینی وملی خدمات بھی ملاحظہ ہوں:

ڈائلیسس سینٹر: سرزمین مالونی کا واحد امدادی دواخانہ،جس میں بہتر سہولیات کے ساتھ مناسب فیس میں علاج کا اہتمام ہے۔بالخصوص ڈائلیسس کے مریضوں کے لیے بہتر سے بہتر سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ذمہ داران ادارہ نے مریضوں کی بڑھتی تعداد کو دیکھ کر مشینوں کی تعداد میں اضافہ کردیا ہے۔ابھی کل گیارہ مشینیں موجود ہیں۔

شعبہ امداد ومعاونت: الحمدللہ! ٹرسٹ کی جانب سے تقریباً ۳۰۰ طلبہ وطالبات کے اسکول وکالج کی فیس فراہم کی جاتی ہے، اس کے علاوہ مریضوں کو طبی امداد ،یتیم وبیوہ کی مدد،طلبہ

وطالبات کے یونیفارم وغیرہ ودیگر ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں۔

رحیمہ ایجوکیشن سینٹر: حکومت مہاراشٹرا کے اشتراک اور الجامعہ فقیہۃ البنات ٹرسٹ کے انتظام کے ساتھ طلبہ وطالبات کو عصری علوم وتربیت دینے کے لیے یہ ادارہ ۲۰۱۳ء میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ کی جگہ اور عمارت کا تعاون خاص علاقہ کی معروف شخصیت الحاج رمضان علی شیخ کی جانب سے ہوا۔ ویسے یہ جگہ شیخ صاحب نے حضرت کو ۱۹۸۸ء میں مدرسہ کے لیے وقف کی تھی، بعد میں طلبہ وطالبات کی بڑھتی تعداد کو دیکھتے ہوئے مزید تعمیر وتوسیع کی گئی۔

مدرسہ رحمانیہ صادقیہ، ممبئ ۹:

مدنی ویلفر آرگنائزیشن کے زیر اہتمام مدرسہ رحمانیہ صادقیہ ممبئ ۹، لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی غرض سے ۱۹۹۰ء میں قائم کیا گیا، جہاں عالمیت کا کورس کرایا جاتا ہے، قرأت اور دینیات کے شعبے بھی ہیں، ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۵ء سے اس ادارے نے اپنی کامیابی کے ۲۵ سال مکمل کر لیے ہیں، ۱۴ر فروری ۲۰۱۵ء کو اس کا سلور جبلی منایا جارہا ہے۔ ممبئ ومضافات ممبئ میں اب تک اس کی ۱۱ شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ ادارے کے بانی وصدر جناب محمد حنیف صاحب ہیں ، معلّمہ نفیسہ اور معلّمہ شمشاد پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں، کل معلمین ومعلمات کی تعداد ۴۵ ہے، ۴ خادم وخادمائیں ہیں۔ اب تک اس ادارے سے ۶۰۰۰ کے قریب طالبات فیض یاب ہوچکی ہیں۔ اور علم دین کی توسیع میں تعاون کررہی ہیں۔

دارالعلوم اصلاح المسلمین، کلیان:

دارالعلوم اصلاح المسلمین (بڈّو والی مسجد، بندر روڈ، کلیان) شہر کلیان اور مضافات کا سب سے قدیم دینی وتعلیمی ادارہ ہے۔ یہ درس گاہ ۱۷۵۵ء تا ۱۸۷۰ء بڈّو والی مسجد کے حوض کے اوپر جو عمارت بنگلے کی شکل میں موجود تھی اس میں جاری تھا۔ گردش زمانہ نے اس درس گاہ کو نگل لیا تھا، اور اس کا وجود ختم ہوگیا تھا، پھر کچھ دردمند جیالوں نے اس کی نشاۃ ثانیہ کی، اسے دوبارہ وجود بخشا۔ اس درس گاہ میں کابل کے ایک مولوی صاحب درس دیا کرتے تھے،، جن کا نام غلام علی مولوی تھا، ان کی جائے پیدائش سوات، ضلع بنور، کابل تھی۔ انھیں کی نسل سے کلیان شہر میں خانوادۂ مولوی کے افراد موجود ہیں۔ ان کے بعد حاجی ملا عبدالغفور حنفی نے اس ادارے میں

درس دینا شروع کیا جو تاحیات جاری رہا، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ناظم حسین ملا درس دینے لگے، انھوں نے کوٹ ہار مسجد اور بڈّ و والی مسجد میں امامت بھی کی تھی اور شاہی مسجد یعنی کالی مسجد میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک خطابت کے فریضہ انجام دیتے رہے، اس وقت آپ مجلس مشاورین مساجد و اوقاف کلیان کے نگراں بھی تھے۔ ان کا انتقال کلیان ہی میں ۱۵؍ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ مدرسہ اصلاح المسلمین مختلف حالات سے گزرتا ہوا بالآخر ۱۹۸۶ء میں مرحوم سلیم تانکی کے ہاتھوں ہمدرد قوم الحاج بابو چراغ الدین فرید کے سپرد ہوا، انھیں اس درس گاہ کو باقاعدہ چلانے کے لیے ۱۳۰۰ روپے بھی دیے گئے۔ بعد میں بابو فرید کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس درس گاہ کو نئے عہد کے مطابق تعلیمی و تعمیری اعتبار سے بلندی اور وسعت دی جائے اور اس کے شعبوں میں اضافہ کیا جائے، اس کے لیے ان کی نظر انتخاب معروف بزرگ مترجم و مصنف مفتی عصمت بوبیرے مصباحی شافعی (مصنف: شافعی بہشتی زیور) پر پڑی اور وہ اس کے لیے علمی تعاون دینے کو تیار ہو گئے، لہٰذا چار سال بعد بابو چراغ فرید کی جد و جہد اور باشندگان کلیان کے تعاون سے ۱۹۹۱ء میں ایک شاندار سہ منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ایک عظیم دینی و علمی مرکزی درس گاہ کی حیثیت سے اس کا افتتاح کیا گیا۔ جو تا حال بابو چراغ فرید کی سربراہی میں علم دین کی گراں قدر خدمت میں مشغول و مصروف ہے۔ فی الحال دار العلوم میں درجۂ فضیلت، حفظ، قرأت، ریاضی، اور شعبۂ تعلیم بالغاں کا بہترین نظم ہے۔ نیز دار العلوم اصلاح المسلمین للبنات بھی قائم ہے، جو مسلم بچیوں کو دینی تعلیم سے آشنا کر رہا ہے۔ ادارے میں موجودہ وقت میں ۶۰ بیرونی طلبہ قیام پذیر ہیں، جن کے قیام و طعام، علاج، اور تعلیم و تربیت کا ادارہ انتظام کرتا ہے۔ معلمین و معلمات کی کل تعداد ۱۲ ہے۔ ادارے سے تادم تحریر ۸۳ علما، ۱۰۱ حفاظ اور ۸۴ قرا سند فراغت لے چکے ہیں۔ مفتی عصمت بوبیرے آج بھی تدریس و تصنیف کتب میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ادارے کے صدر مدرس ہیں۔

دار العلوم حبیب الرضا، باندرہ:

حضرت مولانا مفتی شعبان علی نعیمی علیہ الرحمہ ۱۹۸۰ء میں ممبئ آئے، ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک دار العلوم محبوب سبحانی، کرلا میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور پہلا حج یہیں سے کیا، بعد

میں باندرہ تشریف لائے اور ۱۹۸۸ء یہ مدرسہ قائم کیا، اپنی خودنوشت سوانح (مشمولہ: دولت کبریٰ، مصنفہ مفتی شعبان علی نعیمی، مطبوعہ: سنی نوری مسجد، دارالعلوم رضائے مصطفیٰ، ممبئ۔۲۰۰۸ء، ص:۲۴۸، ۲۴۹) میں اس کے قیام کا پس منظر بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

باندرہ اسٹیشن مسجد اور سنت جماعۃ المسلمین (جدیدہ) کے جنرل سکریٹری محترم المقام خانوادہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ سید عبدالستار برکاتی زید مجدہ مفتی صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور برجستہ فرمایا کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا، میں تو دارالعلوم محبوب سبحانی (کرلا) میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں، فرمایا کہ باندرہ جیسی مردم خیز سرزمین پر اپنا کوئی دارالعلوم نہیں ہے اور میں نے کئی علما سے مشورہ کیا تو انھوں نے آپ کی جانب اشارہ کیا، لہٰذا آپ کو باندرہ آنا ہے۔ چناں چہ دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا سے مستعفی ہوکر مفتی شعبان علی نعیمی باندرہ تشریف لائے اور ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز دوشنبہ زیر سرپرستی شہزادہ سید العلماء حضرت شاہ سید آل حسنین میاں نظمی مارہروی ''حبیب الرضا'' کے نام سے اس دارالعلوم کی بنیاد ڈالی گئی، ابتدا میں صرف پانچ بچے تھے، نظمی میاں نے انھیں بچوں کو آیۃ الکرسی شریف پڑھا کر تدریس کی ابتدا فرمادی۔ اس کے بعد باقاعدہ درس نظامیہ، حفظ وقرات، ساتھ ہی دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا، عموماً متوسطات سے طلبہ کو داخل کرتے تھے، اساتذہ میں حضرت علامہ عبدالسمیع صدیقی، مفتی سعید احمد خان، حافظ وقاری شمشیر علی اور مفتی شعبان علی نعیمی کا نام آتا ہے۔ چھ سات سال کے عرصے میں سینکڑوں کی تعداد میں علما، حفاظ، قرا فارغ ہوئے اور حبیب الرضا کے ذریعے علم کی روشنی پھیلتی رہی۔ اس کے بعد جب مفتی شعبان علی نعیمی سانتا کروز کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے لیے منتخب کیے گئے تو یہ تدریسی سلسلہ بند ہوگیا۔ مدرسہ جاری رہا، مگر اس میں وہ رونق نہ رہی، حالیہ دنوں اس میں صرف ابتدائی دینیات اور عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اگر ذمہ داران توجہ دیں تو یہ ادارہ اپنا سابقہ مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔

دارالعلوم مخدومیہ، جوگیشوری:

قطب کوکن حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ سے منسوب ادارہ ''دارالعلوم مخدومیہ'' کا قیام غالباً ۱۹۹۳ء کے اوائل میں ہوا، بنیادگزاروں میں حضرت مفتی شعبان علی نعیمی حبابی، قاری

سعید اختر رضوی اور مفتی حفیظ الرحمٰن قادری مقیم حال شکاگو امریکہ کا نام سرفہرست ہے۔ آغاز میں ایک چھوٹی سی مسجد وقف شدہ زمین پر قائم کی گئی، اولاً اس کا نام مفتی شعبان علی حبابی نعیمی نے ''جامعہ مخدومیہ نعیم الاشرف'' رکھا، پھر بعد میں ''دارالعلوم مخدومیہ'' کے نام سے اس کا رجسٹریشن ہوا۔ پہلے پہل صرف حفظ وقرآت اور دینیات کی تعلیم ہوتی رہی، ۱۹۹۷ء میں درجۂ مولوی کا قیام عمل میں آیا۔ اپنے زمانۂ قیام سے ۲۰۰۳ء تک قاری سعید اختر رضوی مدرسے کے ناظم اعلیٰ رہے، ۱۹۹۷ء سے تا دم تحریر حضرت مولانا محمد ذاکر علی مصباحی صدرالمدرسین کے منصب پر کام کر رہے ہیں، جب کہ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا غلام محی الدین مصباحی ہیں۔ اس کا پہلا سالانہ جلسۂ دستار بندی ۱۹۹۴ء میں ہوا اور ۲۰۰۱ء میں دستار عالمیت کا پہلا جشن منعقد ہوا، جس کی اولین فصل بہار مولانا محمد ارشاد برکاتی اور مولانا عبدالرحیم ندیمی صاحبان کو سند و دستار عالمیت سے سرفراز کیا گیا۔ ۲۰۰۰ء سے اب تک کے فارغین طلبہ کا ریکارڈ محفوظ ہے، اس کی روشنی میں ۲۰۰۰ء سے ادارے سے درجہ حفظ وقرآت اور عالمیت میں فارغ ہونے والوں کی تعداد ۳۴۵ ہے۔ مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب مانی جاسکتی ہے۔ فی الحال مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات انجام دینے والے اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تعداد ۲۲ ہے۔ مدرسے میں ایک دارالافتاء بھی ہے جس میں فتویٰ نویسی کے فرائض حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا مصباحی انجام دیتے ہیں، آپ ادارے کے استاذ بھی ہیں اور مخدومیہ مسجد کے خطیب و امام بھی۔ انگریزی اور کمپیوٹر کے شعبے بھی فعال ہیں جس میں ایک ماہر استاذ مولانا محمد ارشاد برکاتی مصباحی اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ درجہ فضیلت کا بھی انتظام ہے لیکن ابھی صرف سادسہ تک کے طلبہ موجود ہیں۔ کئی سالوں سے بچوں کی ایک تنظیم ''انجمن فیضان رضا'' آل ممبئ تحریری وتقریری مسابقہ بھی منعقد کر رہی ہے، جس میں مدارس اہل سنت کے طلبہ حصہ لیتے ہیں اور انعامات اور حوصلوں کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ ادارہ اوشیورہ بریج، جوگیشوری میں واقع ہے اور آج بھی ایک کامیاب ادارہ مانا جاتا ہے، راقم اس کے سالانہ تقریری امتحان میں بہ حیثیت ممتحن شرکت کر چکا ہے۔

جامعۃ العرفان، گوونڈی:

حفظ وقراءت کی مشہور درس گاہ جامعۃ العرفان، گوونڈی کا سنگ بنیاد ۲۷ ربیع الاول

۱۴۱۵ھ مطابق ۵/ستمبر ۱۹۹۴ء کو علما و مشائخ کے ہاتھوں رکھا گیا۔ بانیِ ادارہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب قبلہ کی انتھک محنتوں اور باصلاحیت اساتذہ کی قربانیوں نے اس ادارے کو علمی وتعمیری ترقی کے بام عروج پہ پہنچادیا ہے۔ابتدا میں قاری شبیر احمد ضیائی صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، ۱۹۹۶ء سے قاری محمد صالحین برکاتی کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا، اس وقت سے اب تک آپ اس منصب پر کام کررہے ہیں، طلبہ پر آپ کی کڑی نگرانی اور مع تجوید حفظ قرآن مجید کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ادارے میں حفظ وقراءت، ناظرہ ودینیات کی معیاری تعلیم کی اچھا نظم ہے، چھوٹے بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اسلامک رضا سینٹر بھی قائم ہے۔ ۸۵ طلبہ قیام وطعام کی سہولت سے مستفید ہورہے ہیں، جب کہ مقامی طلبہ کی تعداد ۳۵۰ ہے، ۱۶/اساتذہ اور دو ملازمین ہیں۔اٹھارہ برسوں سے سالانہ جلسہ دستار بندی منعقد ہوتا رہاہے، جس میں حفظ وقرأت کی تکمیل پر طلبہ کو دستار وسند دی جاتی ہے۔اب تک اس ادارے سے دوسو پچاس طلبہ فارغ ہوچکے ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور ادارہ ہنوز ترقی پر ہے۔وقت کے جید علما، مشائخ اور ماہر خطبا و اساتذہ اس جامعہ کا معائنہ کرچکے ہیں اور اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں سے نوازا ہے۔

جامعہ قادریہ اشرفیہ، چھوٹا سوناپور:

پیر طریقت رہبر شریعت حضور شہید راہ مدینہ سید انوار اشرف عرف مثنی میاں علیہ الرحمہ نے ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۵ھ میں چھوٹا سوناپور مولانا شوکت علی روڈ ممبئ ۸ میں ''جامعہ قادریہ اشرفیہ'' بنیاد ڈالی اور تعلیم کا باضابطہ آغاز فرمایا۔اس وقت سے اب تک اس ادارے نے تعلیمی وتعمیری میدان میں کافی ترقیاں کی ہیں اور اس میں مزید شعبوں کا اضافہ بھی ہوا ہے۔

فی الحال جامعہ میں شعبۂ افتا، درس نظامیہ، درجہ حفظ، شعبہ مشق وتجوید، شعبہ ناظرہ۔اور عصری علوم میں شعبہ کمپیوٹر۔شعبہ انگلش۔شعبہ ادب۔شعبہ تربیت تقریر ونعت (ہفتہ واری بزم) قائم ہے اور اپنے اپنے دائرۂ کار میں مصروف عمل ہے۔جامعہ میں کل تین لائبریریاں ہیں۔(۱) نظامی لائبریری (۲) ادبی لائبریری (۳) فیضان انوار اشرف لائبریری۔نظامی لائبریری میں درس نظامیہ کی اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تمام کتابیں موجود ہیں، جو طلبا اور اساتذہ

کو مفت فراہم کی جاتی ہیں۔جس میں تقریباً بارہ سو کتابیں ہیں۔ادبی لائبریری میں تقریباً ڈھائی ہزار کتابیں ہیں جو بیشتر عربی زبان پر مشتمل ہیں، اکثر کتابیں بیرون ہند سے منگائی گئی ہیں۔جن کی طباعت بیروت، لیبیا، ترکی، سیریا، مصر میں ہوئی ہے۔جو تفسیر، ادب، تاریخ، فتاویٰ، سیرت، فن تنقید، احادیث، اصول احادیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہا علوم وفنون پر مشتمل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔فیضان انوار اشرف لائبریری طلبہ کی ہے۔اس کی دیکھ بھال طلبہ ہی کرتے ہیں۔اس میں غیر درسی اردو زبان میں تاریخ، سیرت، مسائل، ادبی، تنقیدی، تقریر، نعت ومنقبت، اور حالات حاضرہ اور جرائد ورسائل پر مشتمل تقریباً ایک ہزار کتابیں موجود ہیں، طلبہ جن کا مطالعہ کرکے افادہ واستفادہ کرتے ہیں۔

جامعہ میں دارالافتاء کے لیے۳، درس نظامیہ کے لیے۱۲، درس حفظ کے لیے۶، مشق وتجوید کے لیے۲، درس ناظرہ کے لیے۳، عصری علوم اور کمپیوٹر کے لیے۳، مطبخ کے لیے۲، نگرانی کے لیے ۳، نظامت کے لیے۱، لائبریری کے لیے۲، معاون اساتذہ اسٹاف۲، اور جاروب کشی کے لئے۴ ملازمین ہیں اور اپنے اپنے شعبے میں تندہی سے کام کررہے ہیں۔جامعہ کی چار منزلہ عمارت میں تزئین کاری اور جدید سہولیات کے ساتھ ۲۵ سی، سی، کیمرہ نصب ہے۔ایک آفس، ایک کانفرنس ہال، ایک میٹنگ ہال، ایک ملاقاتی کمرہ، دس اقامتی کمرہ، درس وتدریس کے لیے چار ہال، ایک مطبخ، ایک کھانے کا ہال، (ڈائننگ ہال) ایک مہمان خانہ موجود ہے۔جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبا کی مجموعی تعداد ۹۵۳ ہے، جن میں فارغین طلبا درجہ فضیلت ۲۸۵۔فارغین طلبا درجہ حفظ ۳۸۰۔اور فارغین طلبا درجہ قرأت ۲۸۸ ہیں۔تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی تعداد درس نظامیہ میں ۷۰، درس حفظ وقرأت میں ۸۰ اور درس ناظرہ میں ۳۵ ہے۔ادارے کی سربراہی کا فریضہ پیر طریقت، شہزادہ حضور شہید راہ مدینہ حضرت مولانا سید معین الدین اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ انجام دیتے ہیں۔ یہ ادارہ شہر ممبئ کا ایک معیاری ادارہ مانا جاتا ہے، شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر خلیفہ وتلمیذ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی بلال احمد نوری فائز ہیں اور پرنسپل مفتی عبدالستار مصباحی اپنا فرض منصبی نبھا رہے ہیں۔

جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئ۳:

تحریک سنی دعوت اسلامی، ممبئ کے زیر اہتمام ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا محمد شاکر نوری نے چند ذمہ داران کے ساتھ ''جامعہ غوثیہ'' کے نام سے غوثیہ کمپاونڈ، باندرہ ایسٹ میں ایک تعلیمی وتربیتی ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس میں درجہ حفظ اور ابتدائی دینیات کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، فروری ۱۹۹۸ء میں حضرت مولانا افتخار اللہ مصباحی کی تقرری ہوئی تو درس نظامی کا شعبہ قائم کیا گیا، بعد میں شعبۂ قرأت اور انگریزی تعلیم کا بھی انتظام ہوا، بزم فیضان رضا کے نام سے طلبہ کی ایک بزم قائم ہوئی جس کے تحت ایک لائبریری اور تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا شعبہ کھلا اور اپنے منہج پر کام کرنے لگا، تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت پر بھی خاص توجہ دی گئی، جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں ممبئ میں آئے طوفانی سیلاب سے ادارہ کافی متاثر ہوا تو وہ جگہ تبدیل کردی گئی، وقتی طور پر ملاڈ میں منتقل ہوا اور پھر ۲۰۰۶ء کے اوائل میں مستقل طور پر مرکز اسماعیل حبیب مسجد، کامبیکر اسٹریٹ، ممبئ۳ سے متصل بائیں جانب کی بلڈنگ میں آگیا، جس کے پہلے فلور پر کئی کمروں اور دو بڑے ہال پر مشتمل یہ ادارہ آج بھی قائم ہے اور اپنی تعلیمی وتربیتی معیار کی بدولت ممبئ شہر سے باہر بھی شہرت رکھتا ہے۔ شعبۂ عالمیت میں سب سے پہلے طلبہ کی فراغت کا سلسلہ ۲۰۰۱ء سے شروع ہوا، اب تک کے فارغین کی مجموعی تعداد درس نظامی میں ۶۷ اور شعبۂ حفظ وقرأت میں تیس سے زائد ہے۔ درس نظامی، حفظ وقرأت، انگریزی اور کمپیوٹر کی تدریس پر مامور اساتذہ اور ملازمین کی تعداد ۱۳ ہے۔ مولانا افتخار اللہ مصباحی پرنسپل کے عہدے پر ابتدا ہی سے اپنی خدمات پیش کررہے ہیں، الحاج محمد علاؤالدین رضوی انتظام وانصرام دیکھتے ہیں جب کہ ادارے کی سربراہی آج بھی امیر سنی دعوت اسلامی کررہے ہیں ،نصاب تعلیم اور نظام تعلیم پر ہر وقت ان کی نگاہ رہتی ہے، طلبہ کی تربیت اور ان کے دلوں میں تبلیغ دین واشاعت مذہب حق کا جذبہ بیدار کرنے میں ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ دارالعلوم غوثیہ کو بعد میں ''جامعہ غوثیہ نجم العلوم'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اساتذہ کی نگرانی میں ہفتہ میں ایک روز طلبہ کی تربیتی بزم بھی منعقد ہوتی ہے، اس کے علاوہ عربی زبان وادب میں کامل آگاہی کے لیے بھی بزم کا سلسلہ قائم ہے جس میں جامعہ سعدیہ کیرلا کے فاضل اور عربی ادب کے استاذ مولانا اسید رضا سعدی اپنی خدمت پیش کرتے ہیں۔ ہفتہ میں دو دن اردو ادب وانشا کی تربیتی

مجلس ہوتی ، جس میں مولانا مظہر حسین علیمی طلبہ کو اردو زبان وادب کے اسرار ورموز سے آگاہ کرتے ہیں اور کسی خاص موضوع پر مختصراً خطاب بھی ہوتا ہے۔ بزم فیضان رضا کے نام سے طلبہ کی اپنی الگ لائبریری بھی ہے جس میں مختلف موضوعات پر کئی زبانوں میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں، جامعہ کی درس نظامی کی کتابوں کی الگ اور خالص عربی زبان کی کئی ہزار کتابوں پر مشتمل ایک نوری لائبریری بھی ہے۔ راقم بھی اسی ادارے میں تدریس پر مامور ہے، گاہے بہ گاہے فتویٰ نویسی بھی کرتا ہے۔

مدرسہ کنیزان فاطمہ،ممبرا:

قلب شہر ممبرا میں واقع قطبِ ممبرا حضرت بابا فخر الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے سے متصل مدرسہ کنیزان فاطمہ زہرا امرت نگر ممبرا مسلمان بچیوں کی اعلیٰ تعلیم کا مرکزی سُنّی ادارہ ہے، جس کی بنیاد ۱۹۹۸ء میں شہید راہ مدینہ اشرف المشائخ ، پیر طریقت حضرت الحاج سیّد شاہ انوار اشرف عرف مثنیٰ میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے رکھی۔ چوں کہ اسلامی بچیوں کے لیے دینی اعلیٰ تعلیم کا کوئی بھی دارہ اس وقت ممبرا میں موجود نہیں تھا۔ جہاں مسلمان بچیاں از ابتدا تا بخاری شریف کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ حضور شہید راہ مدینہ نے ممبرا کی سرزمین پر پہلا دینی تعلیمی ادارہ دار العلوم اشرفیہ غریب نواز قائم فرمایا تو بچیوں کی دینی تعلیم کی سخت ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک ادارے کے قیام کے لیے درگاہ فخر الدین شاہ بابا سے متصل ایک قطعۂ آراضی ڈھونڈ نکالا اور چند مخیّر معتقدین حضرات کے تعاون سے آراضی کی خریداری اور پھر چند کمروں کی فوری تعمیر اور چند طالبات کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ کہنہ مشق ماہر اساتذہ کے زیر سایہ مدرسہ کا باضابطہ آغاز کیا گیا۔ گذشتہ ۱۲؍سالوں کے درمیان مختلف ادوار میں ادارہ کی تعمیر وتوسیع کا کام جاری رہا۔ اور معتد بہ اساتذہ اور طالبات کی تعداد کے تسلسل کی بدولت ادارہ ترقی کرتا رہا۔ ۲۰۰۳ء میں عمرہ کے لیے روانگی سے چند ایام قبل علما و مشائخ کی موجودگی میں حضور شہید راہ مدینہ نے اس ادارے کو وسیع پیمانے پر از سر نو تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ عازم مکہ ہو کر شہید راہ مدینہ ہو گئے۔ لیکن آپ کے خوابوں کی تعبیر ادارے کی چار منزلہ بلند و بالا عمارت اور اعلیٰ تعلیمی انتظام آج بھی دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ ادارہ میں از ناظرہ تا بخاری شریف کی تعلیم کا انتظام ہے جہاں

سیکڑوں مقامی بچیوں کے علاوہ ابتدا میں ۳۵/بچیوں کے قیام وطعام کا انتظام رہا۔ گذشتہ بارہ سالوں میں اس مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہی مگر پچھلے ۹/سالوں سے ہاسٹل میں تقریباً دوسو بچیوں کا تعلیمی انتظام مع قیام وطعام ہے، دیگر اخراجات بھی گاہے بگاہے وقت ضرورت ادارہ پورا کرتا ہے۔ حضور شہید راہ مدینہ کی تاحیات یہ خواہش رہی کہ شہر کے ہر گلی، محلے حتیٰ کہ ہر بلڈنگ میں بچے اور بچیوں دونوں کے لیے اعلیٰ معیاری دینی تعلیم کا انتظام ہو جہاں قوم مسلم کے نوخیز بچے اور بچیوں کی تعلیم کا آغاز قرآن وحدیث سے ہوتا کہ زندگی بھر اُن کے اندر اسلامی اور دینی تشخص کروار ہے۔ قوم کی بچیوں کو ہنرمند اور تربیت یافتہ بنانے کے لیے مدرسہ کنیزان فاطمہ زہرا کے ساتھ ساتھ اسی عمارت میں آج سے تقریباً ۹/سال پہلے ''حوا بائی گرلس ہائی اسکول'' کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے۔ جہاں اردو میڈیم سے بچیوں کے لیے عصری تعلیم کا بھی نظم ہے۔ اسکول کی ایک الگ ٹرسٹ ہے جو ہمہ وقت اسکول کو بہتر سے بہتر بنانے میں مصروف کار ہے۔

دارالعلوم انوار مدینہ، ملاڈ:

مولانا محمد شاکر نوری نے سنی محمد یہ مسجد کے خطیب وامام مولانا مقبول احمد قادری اور دیگر احباب کے تعاون سے فروری ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم انوار مدینہ، سنی محمد یہ مسجد، سنجے نگر، پٹھان واڑی، ملاڈ ایسٹ، ممبئ ۹۷ میں قائم کیا۔ جہاں دینیات، ناظرہ قرآن، حفظ، قرأت اور انگریزی کی معیاری تعلیم کا بندوبست ہے، یہ ادارہ حافظ وقاری رئیس احمد جامعی کی صدارت اور مولانا مقبول احمد قادری کی نگرانی میں تعلیمی وتربیتی اعتبار سے کامیابی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ ادارے میں مقیم رہ کر تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد ۸۰ سے متجاوز ہے، جب کہ اساتذہ اور ملازمین کی مجموعی تعداد ۹ ہے، یہاں حفظ وقرأت کی چھ درس گاہیں لگتی ہیں جس میں حفظ قرآن تجوید وقرأت کے ساتھ کرایا جاتا ہے اور تکمیل پر سند ودستار سے نوازا جاتا ہے۔ اب تک کے فارغین کی مجموعی تعداد ریکارڈ کے مطابق ۱۳۵ ہے۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے لیے ایک ماہر استاذ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ ادارے کے اخراجات کا انتظام وانصرام الحاج محمد علاؤ الدین رضوی دیکھتے ہیں۔ ممبئ شہر میں یہ ایک معیاری ادارہ مانا جاتا ہے اور یہاں کے فارغین قابل اعتماد نکلتے ہیں۔

الجامعۃ الرضویہ،کلیان:

مہاراشٹر کی سرزمین میں کلیان اپنی گونا گوں خوبیوں کی بنا پر ابتدا سے شہرت کی بلندیوں پر فائز ہے۔ یہ شہر جہاں صنعت کاروں، بندرگاہوں، کارخانوں اور کمپنیوں کے اعتبار سے مرکزی حیثیت کا حامل ہے تو وہیں بزرگان دین کی نورانی جماعت نے اس کی شہرت و برتری میں چار چاند لگا رکھا ہے۔اس شہر کو سلطان المشائخ مخدوم فقیہ علی مہائمی علیہ الرحمہ کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے تو وہیں یہ ان کے والد بزرگوار حضرت شیخ احمد بن ابراہیم علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ بھی ہے۔

پہاڑ کی بلندی پر حضرت حاجی عبدالرحمٰن عرف حاجی ملنگ علیہ الرحمہ کا آستانہ فیض گاہ عوام وخواص ہے تو حضرت نظام الدین خاموش، حضرت سرکار ولی پیر، حضرت امین شفاف علیہم الرحمۃ والرضوان کی بارگاہیں منبع انوار وعرفاں ہیں۔ انہیں بزرگان دین، اولیائے کاملین کے دم قدم سے خدا پرستوں اور دین اسلام کے وابستگان کی ایک کثیر آبادی یہاں سکونت پذیر ہے۔اس کے باوجود دو دہائی قبل یہاں فرزندان توحید کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ ودعوت کا کوئی معقول نظام نہیں تھا۔ بالآخر دو غیور جانبازوں مولانا مسعود رضا قادری اور ہمدرد قوم و ملت حضرت مولانا جہانگیر اشرف صاحبان نے ۱۹۹۹ء کے اوائل میں ''مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ'' کے نام سے اندرا نگر والدھونی میں ایک تعلیمی مرکز کی بنیاد رکھی۔

جہاں نونہالان اسلام دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ ہونے لگے، مقامی اور علاقائی طلبہ کے ساتھ ساتھ بیرونی طلبہ کا بھی کثرت سے ورود ہونے لگا۔ ادارہ کے ذمہ داروں کو تنگ مکانی کے سبب نقل مکانی کی ضرورت پیش آئی، چند علم دوستوں اور مذہب پرستوں کے ساتھ کافی جاں توڑ کوشش کے بعد کلیان ریلوے اسٹیشن سے قریب۔ بیل بازار میں ایک جگہ خریدی گئی جہاں اس وقت ''الجامعۃ الرضویہ،، کے نام سے ایک پرشکوہ عمارت قائم ہے۔ جو اپنی دینی، ملی ،تعلیمی، تربیتی، تبلیغی، تصنیفی، اشاعتی، صحافتی، ادبی اور فکری خدمات اور متنوع شعبہ جات کی وجہ سے کلیان میں مرکزی اور مہاراشٹر میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے، ابتدا سے تحقیق وافتا تک کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔

(۱) یہاں کا نصاب قدیم نافع اور جدید صالح کا حسین سنگم ہے۔(۲) طلبہ کے اندر اسلامی علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ قرآن فہمی اور عربی، فارسی، انگریزی زبان وادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔(۳) ہر طالب علم کے لیے ذاتی طور پر غیر تدریسی اوقات میں تاریخی، سیاسی، عمومی معلومات کا مطالعہ ناگزیر ہے جس کے لیے کتابیں متعین ہیں ۔(۴) ادارہ کے بے شمار فارغین بہترین قائد کی شکل میں مختلف علاقوں میں مصروف تدریس ہیں اور تبلیغ دین کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں۔(۵) حالات اور رفتار زمانہ کے لحاظ سے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں مناسب ترمیم واصلاح کے لیے دانشوروں سے رابطہ رہتا ہے، طلبہ ماہرین علم وہنر اشخاص کے لیکچر سے بھی وقتاً فوقتاً مستفید ہوتے ہیں۔(۶) حفظ کی بالحدر تعلیم کا التزام ہے اور ہر جمعرات کو شعبہ حفظ کے طلبا کے لیے اساتذہ کی نگرانی میں شبینہ کا اہتمام ہوتا ہے جس میں منتخب بچے اپنی قابلیت کے موافق چار چار پانچ پانچ پارے سناتے ہیں پھر بعد شبینہ محفل ذکر واذکار منعقد ہوتی ہیں جس کا اختتام رقت انگیز دعاؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔(۷) درمیان سال ششماہی اور سالانہ دو امتحانات تقریری اور تحریری روپ میں منعقد ہوتے ہیں جس کے لیے دیگر مدارس کے ذی صلاحیت معلمین کو بحیثیت ممتحن مدعو کیا جاتا ہے اور ان سے رابطہ کر کے تحریری امتحان کے پرچے بنوائے جاتے ہیں نیز امتحانات میں اول دوم سوم پوزیشن پر فائز ہونے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ (۸) حفظ اور درجۂ نظامیہ کے طلبہ کو املا نویسی، مقالہ نگاری، خوشخطی، تحریری تربیت دی جاتی ہے جس پر آج کل بہت ہی کم مدرسوں میں دھیان دیا جاتا ہے۔ (۹) طلبہ سفید رنگ کے کرتے، پائجامے اور کالی رامپوری ٹوپی یا سفید کپڑے کی کڑھائی والی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ ہفتہ وارانہ مشقی انجمن میں جبہ اور گلابی رنگ کا عمامہ لازمی ہے۔ جب کسی مخصوص پروگرام میں شرکت کرتے ہیں تو جبہ اور عمامہ ان کی انفرادی پہچان ہوتی ہے۔ مختلف شعبہ جات کا اجمال یہ ہے: شعبۂ افتا۔ شعبۂ فضیلت۔ شعبۂ عالمیت۔ شعبۂ حفظ۔ شعبۂ قرأت۔ شعبۂ ناظرہ۔ شعبۂ انگلش۔ شعبۂ ہندی۔ شعبۂ ریاضی۔ شعبۂ تصنیف۔ شعبۂ اشاعت۔ شعبۂ صحافت۔ شعبۂ تبلیغ۔ شعبۂ کمپیوٹر۔

اس وقت تقریباً ۲۰۰ رطلبہ زیور علم وہنر سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ ۲۰ ر باذوق، ہنرمند،

لیاقت منداور مشاق اساتذہ کرام طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لیے شب وروز مصروف عمل ہیں۔ یہ ادارہ ادیب شہیر حضرت مولانا محمد ادریس رضوی کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔ پرنسپل حضرت مولانا احمد رضا قادری ہیں، جب کہ برکاتی دارالافتاء میں صدر مفتی کی حیثیت سے حضرت مولانا مفتی حسن منظر قدیری اپنی خدمات پیش کررہے ہیں، نائب مفتی اور شیخ الحدیث مفتی محبوب رضا مصباحی ہیں۔اب تک کے فارغین کی کل تعداد شعبۂ حفظ وقرأت میں ۲۷۰ کے قریب ہے اور عالمیت میں ۸۔ہم ادارے کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔

جامعہ قادریہ کنز الایمان، اندھیری:

فاضل گرامی حضرت مولانا غلام ناصر رضا مصباحی نے ۳؍دسمبر ۱۹۹۹ء میں جامعہ قادریہ کنز الایمان کی بنیاد ڈالی، یہ ادارہ اندھیری ویسٹ میں موجود ہے۔ جہاں حفظ وقراءت، ناظرہ قرآن، دینیات، انگریزی، مراٹھی، اردو تعلیم ہوتی ہے، پرائمری کا شعبہ بھی چل رہا ہے، ادارے میں بیرونی طلبہ کی تعداد ۷۵ ہے، کل طلبہ سوا دو سو ہیں، جب کہ چھ اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔مولانا غلام ناصر مصباحی ادارے کے ناظم و مہتمم ہیں اور انتہائی محنت سے یہ درس گاہ چلا رہے ہیں۔ ہر سال شعبان میں ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے، جس میں فارغ ہونے والے بچوں کو سند ودستار سے نوازا جاتا ہے، اب تک ۶۰ کے قریب طلبہ یہاں سے فارغ ہو چکے ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی: ''اس ادارے میں حفظ وقراءت کی معیاری اور قابل اعتماد تعلیم ہوتی ہے اور امتحان انتہائی سخت ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے اس ادارے کا تعلیمی وقار اطمینان بخش ہے۔'' بانیٔ ادارہ کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ادارے میں فراغت کی سند ودستار انھیں بچوں کو دی جاتی ہے جو ایک دن کی متعدد نشستوں میں پورا قرآن مجید زبانی سنا دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے، جس کے لیے ادارے کے اساتذہ اور ذمہ داران قابل مبارک باد ہیں۔

جامعہ فیضان کنز الایمان، ممبئ ۹:

دعوت وتبلیغ کی غیر سیاسی تنظیم دعوت اسلامی نے مختلف شعبہ جات میں اپنی گراں قدر خدمات کے نقوش چھوڑے ہیں۔انھیں میں ایک اہم شعبہ درس نظامی کا بھی ہے جسے ''جامعۃ المدینہ'' کہا جاتا ہے اور ایک شعبہ حفظ وناظرہ کا بھی ہے جسے ''مدرسۃ المدینہ'' سے موسوم کیا جاتا

ہے۔ جس کے تحت پورے ہندوستان میں پندرہ سے زائد جامعات اور سو سے زائد مدارس قائم ہیں، ہندوستان میں سب سے پہلا مدرسہ ۱۰؍شوال ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۰۳ء کو جامعۃ المدینہ فیضان کنز الایمان کے نام سے مینارہ مسجد، ممبئ ۳ کے قریب میمن واڑہ میں ایک چھوٹی سی دوکان میں شروع ہوا۔ جس کے پہلے مدرس حضرت مولانا یحییٰ رضا مصباحی مقرر ہوئے، اور اس میں درجۂ اعدادیہ ۴۲ طلبہ پر مشتمل تھا، جگہ کم ہونے کی وجہ سے یہ سارے طلبہ مدرسہ کے وقت میں اپنے اپنے گھروں سے تعلیم حاصل کرنے آتے اور پھر چلے جاتے، اول بار تین طلبہ نے یہاں سے دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دوسرے سال کثیر تعداد میں طلبہ کا داخلہ ہوا اور یہ جگہ تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی تو ادارہ علی عمر اسٹریٹ میں واقع مدرسہ قادریہ چشتیہ میں منتقل ہوگیا۔ تقریباً دوسال سے کچھ زائد عرصے تک یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اس کے بعد تنگی کی وجہ سے رفاعیہ مسجد بارہ امام روڈ میں تعلیم وتدریس کا انتظام کیا گیا، اِس درمیان حبیب ہائی اسکول ڈونگری کے سامنے ایک جگہ خریدی گئی، جس میں ۲۵ طلبہ کے قیام وطعام کی گنجائش تھی، باقی طلبہ آمد ورفت کیا کرتے تھے، البتہ تعلیم رفاعیہ مسجد ہی میں ہوتی رہی۔ ۱۴۲۶ھ میں جامعۃ المدینہ فیضان کنز الایمان للبنات کا آغاز ہوا، جو ابتداً قاضی پورہ میں تھا، بعد میں اسے یہاں منتقل کیا گیا۔ لڑکیوں کی عربی وفارسی تعلیم کا یہ ادارہ آج بھی قائم ہے، اس کے سوا ممبئ کے مختلف علاقوں میں دیگر ادارے بھی چل رہے ہیں۔ شعبان ۱۴۳۰ھ میں کھڑک، ممبئ ۹ میں فیضان مدینہ کے نام سے ایک بڑی عمارت خریدی گئی جس کے دوسرے اور تیسرے منزلے کو جامعہ کے لیے مخصوص کردیا گیا۔ اسی دوران حفظ وناظرہ کی تعلیم کا آغاز ہوا، اس وقت سے اب تک یہاں ہی تعلیم درس نظامی کا سلسلہ جاری ہے۔ البتہ گزشتہ تین برسوں سے تبدیلی یہ کی گئی کہ ثالثہ کے بعد کی جماعت کو دعوت اسلامی کے ناگپور کے جامعہ میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ فی الحال ادارے میں جماعت اعدادیہ تا ثالثہ ۱۵۶ بچے، حفظ وناظرہ میں ۱۱۵، اور ناظرہ وحفظ کے مقامی جز وقتی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد ۲۵۰ ہے۔ آئندہ ان شاء اللہ ثالثہ کے بعد کی تعلیم بھی یہیں ہوگی۔ انگریزی اور قرأت بھی پڑھائی جاتی ہے، ایک عظیم الشان لائبریری بھی ہے۔ ادارے کے پرنسپل اور ناظم تعلیمات مولانا یحییٰ رضا مصباحی ہیں جب کہ ناظم جامعہ مولانا عرفان عالم

نظامی ہیں۔

جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ، میرا روڈ:

شہر میرا روڈ میں اسلام وسنیت کا نقیب اور جماعت اہل سنت کا دینی، علمی، عصری، اور فلاحی ادارہ جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ قرآن اینڈ سائنس ایجوکیشن ٹرسٹ کے زیر اہتمام عائشہ اپارٹمنٹ، نزد نیلم پارک، نیا نگر، میرا روڈ، ایسٹ، ضلع تھانے میں یکم ستمبر ۲۰۰۴ء کو قائم کیا گیا۔ بانی ادارہ حضرت مولانا قاری محمد اختر علی واجد القادری انتہائی متحرک وفعال ہیں، یہ ادارہ انھیں کی قیادت وسربراہی اور مولانا نذیر احمد رضوی کی نظامت میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنی تعلیمی وفلاحی منزلیں طے کررہا ہے۔ ادارے کا مقصد ملت کے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ قوم وملک کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا ہے، ان میں تبلیغ دین کا داعیہ بیدار کرنا، انھیں قوم مسلم کے تابناک مستقبل کے لیے راہیں ہموار کرنے والا بنانا اور دین کی خدمت کے ساتھ عہد رواں کے جدید تقاضوں کی تکمیل کا ذہن دینا بھی شامل ہے۔ فی الحال ادارے کے تحت دینی تعلیم میں درس نظامی (اعدادیہ، اولیٰ) دارالحفظ، دارالقرأت، دارالتجوید مع ناظرۃ القرآن، شعبہ دعوت وتبلیغ، تعلیم برائے بالغاں، عصری تعلیم میں انگلش اسپیکنگ کورس بنام ویل ٹاک موڈرن کلاسیس، نشر واشاعت میں قاسیٹ اسلامی کلینڈر، سال نامہ فکر ملت، مکتبہ دارالسنہ، فلاحی خدمات میں دارالخدمۃ اور اسلامیہ نکاح فنڈ جیسے اہم شعبہ جات کام کررہے ہیں۔ درس نظامی میں اعدادیہ اور اولیٰ کی تکمیل کے بعد ان بچوں کو دارالعلوم امام احمد رضا، رتنا گیری بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ درجہ ثانیہ میں داخلہ لے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ ہر سال ایک تعلیمی کانفرنس بھی منعقد ہوتی ہے جس میں ہندوستان کے جلیل الشان علما ومشائخ اور خطبا وشعرا کی شرکت ہوتی ہے۔ شعبہ دعوت کے تحت ادارے نے اب تک لاکھوں پمفلٹ، ہزاروں پوسٹرز، اور نصف درجن کتابیں وکتابچے طبع کرا کے عام کیے ہیں۔ طلبہ کے لیے قیام وطعام کی بھی سہولت ادارہ فراہم کرتا ہے۔ ادارے کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس ادارے سے جہاں بینا طلبہ کی ایک جماعت اب تک سند حفظ وقرأت لے کر فارغ ہو چکی ہے وہیں ایک نابینا طالب علم نے یہاں رہ کر حفظ قرآن کی مکمل تعلیم حاصل کی ہے۔ شہر ممبئ میں منعقد ہونے والے بین المدارس مقابلہ نعت وقرأت میں یہاں

کے طلبہ نے دو بار اول پوزیشن حاصل کی ہے۔اس وقت ادارے میں تعلیم حاصل کرنے والے بیرونی طلبہ کی تعداد ۴۳ ہے جب کہ ۱۳۳ بچے ایسے ہیں جو مقامی ہیں اور درس کے اوقات میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔مختلف شعبوں میں کل پانچ اساتذہ اپنی خدمات پیش کررہے ہیں۔پرنسپل بانی ادارہ ہی ہیں، ماشاءاللہ ادارے کا اپنا فلیٹ ہے، جس میں طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام ہے۔اب تک یہاں سے شعبہ حفظ میں ۲۶ بچے فارغ ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ ۳۰۰ بچے شعبہ پرائمری سے استفادہ کر چکے ہیں۔یہ ادارہ شہر میرا روڈ کا ایک مشہور ادارہ ہے اور تعلیمی وفلاحی ترقیاں کررہا ہے۔

دارالعلوم فیضان مفتیِ اعظم، پھول گلی، ممبئ:

دارالعلوم فیضان مفتیِ اعظم ممبئ شہر کی مشہور دینی شخصیت خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا سید سراج اظہر رضوی کا قائم کیا ہوا ادارہ ہے، جس کا قیام ۲۴ رنومبر ۲۰۰۵ء کو عمل میں آیا۔انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئ کی مطبوعہ کتاب ''فتاویٰ برکات مصطفیٰ''ص: ۲۴۴، ۲۴۵ پر اس ادارے کا تفصیلی تعارف دیا گیا ہے۔مولانا رحمت اللہ صدیقی نے بھی ایک طویل مضمون میں ادارے کی دس سالہ خدمات کا عمومی جائزہ لیا ہے، ان کا یہ مقالہ کتابی سلسلہ ''سراج رضا، ممبئ'' شمارہ جون ۲۰۱۴ء میں صفحہ ۶۷ تا ۹۰ پر شائع ہوا ہے جس میں تواریخ وسنین کی تعیین کے بغیر دس سالہ دینی وعلمی خدمات کا سرسری تجزیہ شامل ہے۔ایک جگہ موصوف لکھتے ہیں: ''حضرت سراج ملت ممبئ کی سرزمین پر مذہب ومسلک کی معتبر آواز تصور کیے جاتے ہیں، ان کی حق گوئی، بے باکی اور جرأت وہمت ضرب المثل ہے۔مرعوبیت کو ان کے نام سے پسینہ آنے لگتا ہے۔جب انھوں نے دارالعلوم فیضان مفتی اعظم کی بنیاد رکھی تو مجھ جیسے بہت سارے لوگوں کو کوئی زیادہ مسرت نہیں ہوئی، خیال یہ تھا کہ ممبئ کی سرزمین پر اہل سنت وجماعت کے دوسرے ادارے جس انداز میں چل رہے ہیں، اسی انداز اور طریقہ کی یہاں بھی پیروی ہوگی، نظام تعلیم وتربیت بھی زیادہ مختلف نہ ہوگا، لیکن انھوں نے ناقدین کے ہر خیال کو غلط ثابت کر دیا، ان کے خلوص کی آنچ اور مذہب ومسلک سے وفاداری کا بے غبار جذبہ قدم قدم پر انھیں نئ نئ بلندیوں سے آشنا کرتا رہا۔'' (سال نامہ سراج رضا، ممبئ، جون ۲۰۱۴ء ص: ۸۰)

ادارے کے اغراض ومقاصد اس طرح ہیں: (۱) قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی تعلیمات کو عام کرنا۔ (۲) ایسے اداروں کا قیام جو عصر حاضر میں پیغام رسالت ومسلک اعلیٰ حضرت کو عصری اسلوب میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ (۳) عوام کے اندر دینی روح، غیرت اسلامی، تعلیمی بیداری اور مسلک اعلیٰ حضرت میں تصلب اور اس پر فخر کرنے کی فضا کو عام کرنا۔ (۴) ایسے افراد تیار کرنا جو مروجہ زبانوں بالخصوص عربی زبان میں اپنے دعوتی وتعلیمی مشن کو اہل زبان کے سامنے تقریراً وتحریراً پیش کر سکیں اور بلا تکلف مافی الضمیر ادا کر سکیں۔ (۵) طلبا کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم دے کر معاشی میدان میں خود کفیل بنانا۔

(فتاویٰ برکات مصطفیٰ، ممبئ، ۲۰۱۳ء ص: ۲۴۵)

دارالعلوم کے مختلف قابل ذکر شعبہ جات یہ ہیں: شعبۂ عالمیت، اعدادیہ تا دورۂ حدیث، شعبۂ حفظ، شعبۂ قرأت، شعبۂ تالیف وتصنیف، شعبۂ تحریر وتقریر، شعبہ دعوت وتبلیغ، شعبۂ مناظرہ ومکالمہ، شعبۂ افتا وقضا، شعبۂ نشر واشاعت، شعبۂ کمپیوٹر، اور شعبۂ امامت وخطابت وغیرہ۔ شعبہ عربی وفارسی میں آٹھ سالہ نصاب تعلیم ہے جو مرکز اہل سنت بریلی شریف کے نصاب تعلیم کے مطابق ہے۔ اکثر شعبے اپنی جگہ فعال اور سرگرم ہیں، اساتذہ باصلاحیت اور تربیت یافتہ ہیں، طلبا ایک خاص یونیفارم استعمال کرتے ہیں۔ شعبۂ حفظ وقرأت اور عالمیت میں اب تک ۱۵۰ سے زائد طلبا سند فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ شعبۂ نشر واشاعت سے اب تک علمی، تحقیقی، تاریخی، اور اصلاحی موضوعات پر دو درجن سے زائد کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ دارالعلوم کا ایک مرکزی شعبہ رضوی نوری دارالافتاء بھی اپنی خدمات پیش کر رہا ہے، تحریر وتقریر کے مقابلہ جاتی پروگرامات بھی منعقد ہوتے ہیں اور مخدوم بہار کمپیوٹر سینٹر سے بھی طلبا استفادہ کرتے ہیں۔ ناظم اعلیٰ مولانا سید ہاشمی رضوی کافی متحرک اور کام پر دھیان دینے والے آدمی ہیں، استاد بھی ہیں، نظامت کا منصب بھی انہیں کے ذمے ہے۔ یہ ادارہ ممبئ کے نمائندہ اداروں میں سے ایک ہے، اللہ عزوجل اسے مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالعلوم علی حسن اہل سنت، ساکی ناکہ:

دارالعلوم علی حسن اہل سنت (انیس کمپاؤنڈ لنک روڈ ساکی ناکہ، ممبئ ۷۲) مسلک حق اہل

سنت و جماعت کا سچا ترجمان ہے۔ جس کی بنیاد ۱۶/ صفر ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۷/ مارچ ۲۰۰۶ء کو شہزادۂ حضور شیخ اعظم قائد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمود اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سرپرست اعلی جامع اشرف وسجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ حسنیہ کچھوچھہ مقدسہ کے دست اقدس سے رکھی گئی۔ حضور مخدوم المشائخ حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ الرضوان سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں کے مرید خاص جناب حاجی علی حسن اشرفی مرحوم کے نام سے ادارہ موسوم ہے جس کے صدر اعلیٰ ان کے بڑے صاحبزادے عالی جناب ابوالحسن خان اشرفی ہیں۔ حضرت مولانا محمد ہاشم اشرفی (بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیہ اشرف المدارس، گدیانہ کانپور) اس ادارہ کے سرپرست ہیں۔

الحمدللہ دارالعلوم علی حسن اہل سنت اپنی تعلیمی راہ پر رواں دواں ہے۔ بزرگوں کی دعاؤں سے ادارے نے قلیل مدت میں قوم وملت کے سامنے اپنا قابل فخر اور قیمتی سرمایہ پیش کیا ہے اور اب تک شعبہ حفظ، قرأت، فضیلت وافتا سے ۴۴۰ طلبہ فارغ ہو کر ملک کے مختلف مشہور مدارس میں زینت درسگاہ بن کر دین متین کی ترویج واشاعت کا کام کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ہندوستان کے مدارس اسلامیہ کی صف اول میں ادارہ نے اپنا مقام بنالیا ہے۔ ہر سال آغاز تعلیم کے وقت افتتاح بخاری شریف اور جلسۂ دستار بندی کے موقع پر ختم بخاری شریف کا نہایت ہی عظیم الشان اور روح پرور اہتمام کیا جاتا ہے جس میں مخدوم العلماء حضور شیخ اعظم تاجدار اہل سنت حضرت علامہ الحاج سید محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تاحیات طلبہ کو درس حدیث دے کر انہیں سند حدیث سے نوازتے رہے۔ اب آپ کے جانشیں حضور قائد ملت نواز رہے ہیں، اس وقت دارالعلوم میں گیارہ سو (۱۱۰۰) مقامی و بیرونی طلباء وطالبات بغیر کسی فیس کے ۳۸ باصلاحیت مخلص، باذوق معلمین ومعلمات کی نگرانی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۷/ ملازمین اپنے عہدوں پر اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھا رہے ہیں۔ ادارہ ہٰذا چار عالیشان پرشکوہ عمارتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی عمارت شعبۂ حفظ کی ہے۔ اس شعبہ میں ایک سو پچاس (۱۵۰) طلبہ تجربہ کار حفاظ کی نگرانی میں حفظ کر رہے ہیں، اس کے علاوہ اس شعبہ کے طلبا کو قرأت کے خصوصی کورس (قرأت سبعہ وعشرہ) کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ دوسری عمارت شعبۂ

نظامیہ کی ہے جس میں دوسو (۲۰۰) طلبا ابتدائیہ سے فضیلت و افتا تک کی تعلیم مفتیان کرام و علمائے عظام کی نگرانی میں حاصل کررہے ہیں۔اس کے ساتھ طلبہ کو باضابطہ انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے۔اسی عمارت میں مطبخ ،ڈائننگ ہال اور بیمار طلبہ کے لیے ایک شفاخانہ بھی ہے۔بفضلہٖ تعالیٰ طلبہ کی فیس اور علاج و معالجہ کے تمام اخراجات ادارہ ہی کے ذمہ ہیں۔اسی عمارت کے آخری منزلہ پر ایک وسیع وعریض اشرفی ہال ہے جس میں طلبہ بزم و دیگر پروگرام کرتے ہیں۔ادارہ کی تیسری عمارت شعبۂ نسواں کی ہے جس میں پانچ سو پچاس (۵۵۰) مقامی طالبات زیورعلم سے مزین و مرصع ہو رہی ہیں ۔مزید ان طالبات کو انگریزی ،کمپیوٹر ،مہندی ،ڈیزائن ،سلائی اور کڑھائی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ادارہ کی چوتھی عمارت درج ذیل انتظامات پر مشتمل ہے۔(۱) دفتر: جس میں ادارہ کی جملہ آمدنی واخراجات کا حساب اور ادارہ کے دیگر ریکارڈ ہوتے ہیں۔(۲) اساتذہ کرام کے حجرے ہیں ۔(۳) مہمان خانہ: جس میں علمائے کرام و دیگر مہمانوں کے قیام وغیرہ کا باضابطہ انتظام ہے۔(۴) کمپیوٹر کلاس ہے جس میں کمپیوٹر کا پورا کوس کرایا جاتا ہے۔(۵) ایک مکتب بنام اجمیری مدرسہ وعوامی درسگاہ ہے جس میں ۲۰۰ مقامی بچوں کی تعلیم کا انتظام ہے۔(۶) ایک عالی شان لائبریری بنام ''علی حسن لائبریری''،ہے جس میں درسی وغیر درسی مختلف علوم وفنون کی تقریباً ساڑھے سات ہزار کتابیں موجود ہیں جس میں طلبہ و اساتذہ کرام و دیگر مقامی حضرات خالی اوقات میں آکر مطالعہ کرتے ہیں ۔(۷) آخری منزلہ پر ایک وسیع وعریض قادری ہال ہے جس میں شعبۂ نسواں کی تقریبات ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ ایک چار منزلہ خوبصورت مسجد بنام ''اجمیری جامع مسجد'' کی عمارت الگ ہے۔ مسجد کی آمدنی اور اخراجات کا حساب وکتاب بھی الگ ہے۔

اچھی تعلیمی پوزیشن حاصل کرنے کے لیے ادارہ میں ہر سال طلبہ اور طالبات کے الگ الگ چار امتحانات (سہ ماہی ،ششماہی ،نوماہی ،سالانہ) ہوتے ہیں۔الحمدللہ اس ادارہ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ عام مدارس کی روایتوں سے ہٹ کر یہاں پر ماہانہ نصاب بھی متعین ہے اوراسی کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ صبح سوا سات بجے سے دوپہر ایک بجے تک اور مغرب بعد سے گیارہ بجے رات تک تعلیم کے وقت میں طلبہ نہ کہیں قرآن خوانی میں جاتے ہیں نہ

کسی دعوت میں۔روزانہ صبح وشام ہر کلاس میں طلبہ کی حاضری لی جاتی ہے ساتھ ہی شام کو بھی حاضری ہوتی ہے۔یونہی شعبۂ نسواں کی ہر کلاس میں طالبات کی حاضری پابندی سے لی جاتی ہے۔غیر حاضری کی صورت میں ان سے باز پرس کی جاتی ہےالغرض تعلیمی نقصان نہ ہواس کا بھر پور خیال رکھا جاتا ہے۔سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر اکابر علما و مشائخ کے مبارک ہاتھوں سے ہر جماعت میں اول دوم سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی انعامات دے کران کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے،اسی طرح شعبۂ نسواں میں بھی انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ناظرہ،حفظ وقرأت،درس نظامیہ،انگلش اور کمپیوٹر کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی صحت و تندرستی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں کراٹے کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔سالانہ اجلاس میں کراٹے مقابلے کا بھی پروگرام ہوتا ہے۔طلبہ کو تلاوت،نظامت،نعت خوانی،تقریر،اور مسائل بیان کرنے کی تربیت دینے کے لیے ہر جمعرات کو بعد نماز عشا ''بزم محمدی،بزم فیضان اشرف اور بزم فیضان اعلیٰ حضرت'' کے نام سے تین الگ الگ بزمیں ہوتی ہیں۔اسی طرح طالبات کی بزم ہر جمعہ کو صبح دس بجے ہوتی ہے۔۹ رجب المرجب کو عرس سرکار کلاں کے موقع پر تحریری و تقریری سوالات اور تقاریر کا طلبہ کے مابین مقابلہ ہوتا ہے۔ہر مقابلے میں اول،دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی اور تمام شرکا کو ترغیبی انعامات دیے جاتے ہیں۔نیز طلبہ کی تحریری مشق کے لیے پندرہ روزہ تین ''**صحف الجد اریہ**'' (دیواری پرچے) بنام جہان ادب،کاروان ادب اور کہکشاں نکالے جاتے ہیں۔

انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ،میرا روڈ،ممبئی:

انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ نے اپنے زمانۂ تاسیس سے ہی اپنے مقصود ومنصوبے کی تکمیل کے لیےعلوم قرآن وحدیث کی نشرواشاعت کا بیڑا اٹھایا،جس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا۔ادارے کا قیام ۲۰۰۷ء کے اوائل میں عمل میں آیا۔حضرت مولانا مفتی محمد علاؤالدین قادری رضوی اس ادارے کے بانی اور سرپرست ہیں۔بنیادی ممبران میں حضرت مولانا محمد ابراہیم آسی [مؤلف:فیضان شریعت] حافظ محمد نصیر عالم،بانیِ ادارہ کے ایک شاگرد رشید جناب محمد ضیاء المصطفیٰ الحسینی،اور ہمدرد قوم عالی جناب محمد ہارون محمد طاہر سیٹھ مدنپورہ،ممبئی شامل ہیں

۔الحمدللہ! فی الوقت کم وبیش ۱۰۰ ر متلاشیان علوم حقہ کو دینی وعصری تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے ،دینی علوم میں درجۂ ابتدا سے تحقیق وافتا اور عصری علوم میں بارہویں تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ان بچوں کا قیام وطعام ودیگر تمام سہولیات کی فراہمی ادارہ کے ذمہ ہے، جسے ادارہ بہ حسن وخوبی نبھارہا ہے۔

ادارہ کے تحت چلنے والے مختلف شعبہ جات یہ ہیں:

محکمہ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء: اس شعبہ میں باصلاحیت مفتی صاحبان شرعی مسائل کا حل تحریری وتقریری شکل میں پیش فرماتے ہیں۔

آرگنائزیشن آف سنی اسٹوڈنٹس: یہ شعبہ بھی انجمن کے زیر انتظام جاری ہے۔اس کے ذریعہ ملت کے بوڑھے افراد اور نئی نسل کو قرآن مقدس پڑھنے کی طرف راغب کیا جاتا ہے،خصوصاًملت کے وہ بچے اور بچیاں جو اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں ہفتہ میں ایک دن درس قرآن کی مجلس میں بٹھا کر قرآن کے معانی ومفاہیم،شان نزول،تشریح وتوضیح اور رموز و نکات صحیح احادیث کے ذریعہ سمجھنے کا خاص موقع فراہم کیا جاتا ہے۔جس کے لیے ادارے نے ایک قابل مفسر قرآن کا انتظام کیا ہے۔ جو ہر سنیچر کو بعد نماز عشا قرآن کی ترتیب وار تفسیر بیان کرتے ہیں اور سامعین کو دینی سوالات کرنے کی عام اجازت ہوتی ہے۔اس کے بعد عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔

تخصص فی الحدیث والتفسیر: یہ شعبہ خصوصاًمدارس اسلامیہ کے درجۂ فضیلت سے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے شروع کیا ہوا ہے۔جس میں علوم حدیث وتفسیر کے اصول وضوابط بتائے جاتے ہیں۔ نیز طلبہ کو انگلش،عربی بول چال اور کمپیوٹر ایجوکیشن کا ایک سالہ کورس کرایا جاتا ہے۔

ثنائی کمپیوٹر ایجوکیشن سینٹر: اس شعبہ کے ذریعہ ادارہ کے بڑے چھوٹے طلبہ کو کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے،جس سے طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ ہورہا ہے۔

بزم تربیت رضا: حدیث شریف میں ہے:''**الدعاء مخ العبادة**'' دعا عبادت کا مغز ہے، اسی کے پیش نظر یہ شعبہ بھی رواں دواں ہے،اس شعبہ کے ذریعہ باضابطہ ملت کے بچوں کو تقریر،بیان،وعظ ونصیحت کی باتیں،شعروشاعری،نعت مقدس،ملبوسات،حدود اسلام میں

زندگی گزارنے کے طور طریق، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے کے شرعی آداب وحسن اخلاق اور روزمرہ کی دعاؤں کی طرف راغب کیا جاتا ہے، جس کے لئے ایک با اخلاق عالم باعمل کی خدمات حاصل کی گئی ہے۔

انجمن تہذیب البنات: یہ شعبہ بھی انجمن کے زیرنگرانی جاری ہے، جہاں ملت کے غریب ویسیر بچیوں کو عالمہ اور فاضلہ تک کی تعلیم دی جاتی ہے، جس کے لئے ادارہ نے باضابطہ ذی استعداد عالماؤں کا انتظام کیا ہے، جو شب وروز لڑکیوں کی تربیت پر مستعدی سے مصروف ہیں، ادارہ کا یہ شعبہ انصاری نگر، نالاسوپارہ ایسٹ میں واقع ہے۔

شعبہ نشرواشاعت: اس شعبہ کے ذریعے مذہبی، مسلکی، مشربی اور ادبی کتابوں، نیز جرائد و رسائل کی اشاعت وترویج کا کام کیا جاتا ہے، الحمدللہ! اب تک ادارہ سے درجنوں کتابیں چھپ چکی ہیں، مزید یہ سفر جاری ہے۔

سلسلۂ نوری: الحمدللہ! ہر سال انجمن سے مہمانان رسول دینی علوم کی تکمیل کرتے ہیں، پھر انہیں ایک جلسۂ خاص وعام میں دستاروسند دی جاتی ہے، ساتھ ہی ہندوستان کے کسی نامور عالم دین یا ادیب کو ان کی دینی، ملی، اورتحریری خدمات کی بنیاد پر ملک وملت کے معتبر ومستند قائد کے ذریعہ ''ایوارڈ'' سے نوازا جاتا ہے۔ اب تک ☆ ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ مصباحی کو رضویات کے حوالے سے ''نشان امتیاز ایوارڈ'' ☆ مولانا حافظ محمد شمشاد عالم ثنائی کو ۵۲۲۳/احادیث مع اسانید حفظ کرنے پر ''شاہ عبدالحق محدث دہلوی ایوارڈ'' ☆ جناب غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں کو دینی، علمی، اصلاحی، اخلاقی اور رضویات پر ۲۵۰ سے زائد تحقیقی مضامین ومقالات قلمبند کرنے پر ''کلک رضا ایوارڈ'' ☆ حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحیؔ، گھوسی کو ان کی فقہی خدمات کی بنیاد پر ''فقیہ اہل سنت'' ☆ اور راقم الحروف (توفیق احسنؔ برکاتی) کو اشاعت مذہب حق، اسلامیات، رضویات، نعتیہ شاعری اور مفید کتابوں کی تصنیف کے اعتراف میں ''ستارۂ ادب'' جیسے ایوارڈ سے نوازا جاچکا ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

دارالعلوم حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی، ماہم:

دارالعلوم حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی، احاطہ درگاہ، ماہم شریف، ممبئ ۱۶ میں موجود ہے،

جس کے بانی مولانا ڈاکٹر قاضی محمد خلیل پٹھان قادری رحمانی ہیں۔ یہ ادارہ کب قائم کیا گیا اس کی تفصیل نہ مل سکی۔ اس میں شعبۂ حفظ و قرأت اور ناظرۂ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، ادارے میں مقیم طلبہ کی تعداد ۴۰ ہے، جن کی تعلیم و تربیت کے لیے تین اساتذہ اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ عرس فقیہ مخدوم علی مہائمی میں سالانہ جشن دستار بندی منعقد ہوتا ہے، جس میں علما و مشائخ کے ہاتھوں فارغین کو سند حفظ دی جاتی ہے۔

برکاتی اسلامک سینٹر، ممبئ:

یہ سچ ہے کہ عوام الناس میں اکثر وہ ہیں جنھیں قرآن مجید درست انداز میں تلاوت کرنا نہیں آتا اور نہ ہی اس جانب لوگوں کی توجہ ہے، حالاں کہ تلفظ کی صحیح ادائیگی کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی تو تلاوت قرآن کی لذت اور ثواب کیسے حاصل ہوگا۔ اس مقصد صالح کے پیش نظر حافظ محمد یوسف قادری نے اپنے چند احباب کی رفاقت میں نبیرہ صدرالشریعہ حضرت مفتی محمود اختر القادری قبلہ کے مشورے سے ۲۰۰۹ء میں ایک منفرد تعلیمی و تربیتی سینٹر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام ''برکاتی اسلامک سینٹر'' رکھا۔ انھوں نے اس کا ایک سلیبس بھی تیار کیا اور اس کی روشنی میں اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اس کا طریقہ کار جز وقتی سسٹم سے میل کھاتا ہے، جو ہر طرح کے بچوں کے لیے فائدے مند ہے۔ برکاتی اسلامک سینٹر کا مطبوعہ سلیبس جو راقم کو دست یاب کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ اس ادارے کے مقاصد میں عوام الناس بالخصوص علاقہ کے افراد کو دینی تعلیم سے روشناس کرانا، تجوید کی رعایت کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم اور ضروری مسائل، اخلاقیات، درس حدیث و قرآن، دعا و سنت کی معلومات، مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کا ذوق و شوق اور بنیادی عقائد کی تعلیم کہ جن کے ذریعے گمراہ و بدمذہب فرقوں سے عوام اہل سنت محفوظ رہیں اور ہر ہفتہ تربیتی مجالس کے انعقاد کے ذریعے طلبہ و طالبات کو نعت و منقبت اور تقریر کی ٹریننگ دینا وغیرہ شامل ہیں۔ ادارے نے مختصر عرصہ میں کامیابی سے اپنی تعلیمی و تربیتی منزلیں طے کی ہیں۔ تادم تحریر اس کی شہر ممبئ و مضافات میں چالیس سے زاید شاخیں قائم ہو چکی ہیں، ان میں تین ہزار سے زائد بچے زیر تعلیم ہیں جب کہ سو کے قریب حفظ و قرأت کے ماہر اساتذہ اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں، چھوٹے بچوں سے لے کر نوجوانوں،

جوانوں، مرد و عورت اس ادارے سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ تعلیم نسواں کا الگ شعبہ بھی قائم کیا گیا ہے تا کہ خواتین اسلام کو علوم دینیہ اور افکار اسلامیہ کی دالت سے مالا مال کی جا سکے، اور ان کی اخلاقی تربیت بھی ہو سکے، اس سلسلے میں ادارے کے ذمہ داران نے ممبئ میں کئی شاخیں کھولی ہیں جہاں قوم کی بچیاں اسلامی تعلیم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ بلکہ خواتین کے لیے بالخصوص درس نظامی کا چار سالہ نصاب تیار کر کے انھیں عالمہ بنانے کا ذمہ بھی اٹھایا ہے۔ مطبوعہ کتابچے میں وہ چار سالہ نصاب تعلیم موجود ہے، صرف خواتین کے لیے شہر ممبئ میں ادارے کی نو شاخیں موجود ہیں۔ کئی شفٹوں میں اساتذہ بچوں، بچیوں کو پڑھاتے ہیں، معلمات بھی ہیں جو خواتین کو تعلیم دیتی ہیں۔ ایک ایک گھنٹے کا وقت مخصوص کیا گیا ہے جس میں بچے سینٹر میں حاضر ہوتے ہیں اور استاذ انھیں تعلیم دیتا ہے۔ یہ سسٹم کافی اچھا ہے، جو استاد اور بچوں سب کے لیے مفید ہے۔ برکاتی سینٹر کی ممبئ سے باہر احمد نگر، مہاراشٹر، نظام آباد، اعظم گڑھ، شاہ گنج، جون پور میں شاخیں کام کر رہی ہیں، جو اس کی مقبولیت کا دلیل ہے۔ ● ●

باب نہم: ممبئ عظمیٰ میں سنی صحافت

ممبئ میں مسلمانوں کے قدیم مطابع:

ڈاکٹر ماجد قاضی نے اپنی پی، ایچ، ڈی کے تحقیقی مقالے ''ممبئ کے اردو اخبارات'' (۱۸۳۴ء تا ۲۰۰۵ء) میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور عتیق احمد صدیقی کی کتاب ''ہندوستانی اخبارنویسی: کمپنی کے عہد میں'' (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ) اور نادر علی خاں کی کتاب ''ہندوستانی پریس، ۱۵۵۶ء تا ۱۹۰۰ء'' (اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۹۰ء) کے حوالے سے گراں قدر معلومات فراہم کی ہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں چھپائی کی تاریخ صرف ساڑھے چارسو سال پرانی ہے، پہلا پریس پرتگیزیوں نے اکتوبر ۱۵۵۶ء میں گوا میں لگایا، اور یہاں سے فلسفہ و منطق کے بعض مقالات طبع ہوئے، ہندوستانی زبان کا پہلا پریس، ۱۵۷۸ء میں قائم ہوا، سترہویں صدی میں سورت میں گجراتی زبان کا پہلا پریس قائم ہوا، ممبئ میں سب سے پہلا پریس بھیم جی پاریکھ نے ۱۶۷۶ء میں قائم کیا، اس کے ٹھیک سو سال بعد اٹھارہویں صدی میں ممبئ میں ایک پارسی بزرگ رستم جی کیشا پاتھی نے ایک پریس قائم کیا، جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں گجراتی، کنڑ، مراٹھی، انگریزی، اردو اور پرتگالی رسم الخط کے ٹائپ موجود تھے، نادر علی خاں نے اپنی کتاب میں ممبئ کے جن قدیم مطابع کی فہرست دی ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''مطبع منشی فضل الدین کھمکر'' مسلمانوں کا اولین مطبع ہے جس کی ۱۸۴۴ء میں مطبوعہ کتاب کا نسخہ آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد اس فہرست میں مطبع احمدی (۱۸۴۶ء)، مطبع محمدی (۱۸۴۷ء)، مطبع رحمانی (۱۸۴۸ء)، مطبع قدوسی (۱۸۴۹ء)، مطبع صالحی (۱۸۵۰ء)، مطبع عمدۃ الاخبار (۱۸۵۴ء)، مطبع کشف الاخبار (۱۸۵۴ء) وغیرہ ۱۸۹۷ء تک ایسے چھتیس مطابع کے نام ہیں جو مسلمانوں

کی ملکیت رہے ہیں، اس سے ممبئ میں اس دور کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی صورت حال کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ (ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات، بزم محبان اردو کلیان ۲۰۱۰ء، ص ۳۳)

اور پروفیسر میمونہ دلوی کی تحقیق کے مطابق سب سے قدیم پریس ''کریمی پریس'' ہے، جس کی بنیاد قاضی نور محمد نے ۱۲۹۰ھ میں رکھی، بعد میں اس کی کئی شاخیں قائم ہوئیں، جن میں گلزار حسنی، مطبع الکریم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ موصوفہ نے اپنی کتاب میں اکیاون قدیم مطابع کی ایک فہرست بھی دی ہے۔ (میمونہ دلوی، بمبئی میں اردو، مکتبہ جامعہ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۳۱۵)

سید زین العابدین حسینی موسوی رفاعی کی ایک تالیف ''راتب رفاعیہ'' (۱۳۱۰ء) مطبع مخدومی واقع جزیرۂ ممبئ میں طبع ہوئی، جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی راقم الحروف کے پاس موجود ہے، جس کے سرورق پر آیت قرآنی: اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ'' درج ہے۔ ساتھ ہی دو فارسی اشعار بھی ایک دوسرے کے مقابل لکھے ہوئے ہیں۔ انھیں آپ بھی ملاحظہ کرلیں:

لطف فرما بر پریشانی حالم ایشہا
خاطر من جمع کن یا غوث اعظم دستگیر
شاہ من سلطان عالم سید احمد کبیر
پر تو مہرت بہ ذرہ می کند بدر منیر

ماہم میں آباد خطیب خاندان کا ایک پریس ''مطبع کھمکر مہائمی'' کے نام سے قائم کیا گیا، جہاں سے اردو کی متعدد کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ اسی طرح شہر بمبئی کے مشہور تنکیکر خاندان نے بھی ''ایم آئی تنکیکر کا مطبع'' کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا، اسی خاندان کے ایک اور صاحب شہاب تنکیکر نے ''مطبع شہابی'' نامی ایک پریس لگایا تھا۔

(میمونہ دلوی، بمبئی میں اردو، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۶۶، ۶۷)

اسی طرح بلاسس روڈ، بمبئی ۸ پر جہانگیر علوی پریس واقع تھا، جس نے ۱۳۴۴ھ میں شیر بیشۂ اہل سنت علامہ محمد حشمت علی قادری لکھنوی کا ایک تاریخی مناظرہ ''راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب'' (۱۳۴۴ھ) کے نام سے شائع کیا تھا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۴ء میں رفاعی مشن،

ناسک، مہاراشٹر نے طبع کرایا ہے۔ اسی مطبع سے انھیں کا ایک تاریخی مناظرہ ''فیضِ شہ دو عالم'' بھی طبع ہوا تھا۔

ممبئ کے ابتدائی اخبارات:

فردون جی مرزبان نامی ایک پارسی نے پہلا گجراتی اخبار ممبئ سے ''بمبئ سماچار'' ۱۸۲۲ء میں جاری کیا جو آج بھی جاری ہے۔ ۱۸۳۲ء میں بال شاستری جامبھیکر نے پہلا مراٹھی اخبار ''درپن'' جاری کیا۔ مہاراشٹر سے پہلا اردو ہفت روزہ ۱۸۴۷ء میں ''بمبئ ہرکارہ'' کے نام سے جاری کیا گیا، مہاراشٹر سے پہلا اردو روزنامہ ''خادم ہند'' ممبئ سے ہی جاری کیا گیا۔

(پرویز عالم، مہاراشٹر کی مختصر تاریخ، مرزا اولڈ بک ہاؤس اورنگ آباد۔ ۲۰۱۱ء، ص: ۱۳۲)

سید محمد اشرف نقوی کی کتاب 'اختر شاہنشاہی' کے مطابق ''خادم ہند کی تاریخ اجرا ۱۷/ مارچ ۱۸۸۳ء ہے، اخبار کا ذاتی مطبع تھا، محلّہ کمہارواڑہ دوسری گلی متصل دوٹانکی دکان نمبر ۷۷ سے شائع ہوتا تھا۔'' (ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات، : ۶۴، اختر شاہنشاہی۔ لکھنؤ، ۱۸۸۸ء، ص: ۱۱۴)

جب کہ پروفیسر میمونہ دلوی نے لکھا ہے کہ اختر شہنشاہی میں بمبئ کے اردو اخبارات کے جو نام دیے گئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۴۷ء میں ''محمدی'' نامی اخبار ناخدا محمد علی روگھے نے جاری کیا تھا۔ ۱۵/ فروری ۱۸۴۹ء کو اخبار ''قدوسی'' کا اجرا ہوا، جس کے مالک عبداللہ مشتاق تھے۔ ۱۸۵۰ء میں محمد صالح کی سرپرستی میں اخبار ''صالح'' جاری ہوا۔ دسمبر ۱۸۵۴ء میں ''عمدۃ الاخبار'' جاری کیا گیا۔ لیکن بمبئ کا سب سے قدیم اردو اخبار جو دست یاب ہوا ہے ''کشف الاخبار'' ہے، جو جنوری ۱۸۵۵ء میں جاری ہوا۔

(میمونہ دلوی، بمبئ میں اردو، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۲۴۷)

صحافت اور ادب:

صحافت کو ابلاغیات کا بنیادی شعبہ تسلیم کیا گیا ہے جو حد درجہ دیانت، صداقت اور تقدس کا متقاضی ہے اور جس کے لیے بے پناہ محنت و کاوش اور تازہ کاری درکار ہے، صحافتی سفر بڑی دشوار اور پر پیچ شاہراہوں سے گزر کر منزل آشنا ہوتا ہے اور استقلال و پامردی، صبر و ضبط، دور بینی و دانش وری طلب کرتا ہے، صحافتی شعبے سے منسلک حضرات ہماری اس وضاحت کے چشم دید گواہ

ہو سکتے ہیں، قوموں کے عروج وزوال کی ہزار سالہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے افکار، خیالات، احساسات، جذبات اور تہذیب وتمدن کی اشاعت وفروغ کے لیے اس اہم اور قابل قدر شعبے کا بھرپور استعمال کیا، ماہرین تیار کیے، ان کے لیے حکومتوں نے دولت وثروت کا دہانہ کھول دیا، الگ سے ان کے لیے وظائف مقرر کیے گئے اور انہوں نے پوری دل جمعی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور اپنا مقصد حاصل کرلیا، ایک صحافی قوم کی نبض ٹٹول کر ان کے دل ودماغ میں اپنی فکریں منتقل کرسکتا ہے، میدانِ سیاست ہو یا شعبۂ اقتصادیات، فروغ تعلیم ہو یا مذہبی افکار، ہر جگہ ہر مقام پر صحافت نے اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑے اور عروج وارتقا کا مقام حاصل کیا حتیٰ کہ سرمایہ کاری اور صارفیت جیسے شعبوں کو بھی صحافت نے مالا مال کیا، بہرحال صحافت ایک زمینی حقیقت کا نام ہے اگرچہ اس کے استعمال کے طریقے جدا جدا ہیں اور مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں نے دوررس نتائج بخشے ہیں، اس سے سچائی کو بھی فروغ ملا اور جھوٹ نے بھی کافی چہل پہل پیدا کی۔ اگرچہ منفی اور ضرررساں پہلو صحافتی اصول کی خلاف ورزی کے مترادف ہے لیکن باوجودے اس کا اپنا کردار نبھایا ہے یہی وجہ ہے کہ بے بنیاد پروپیگنڈوں کو بین الاقوامی سطح پر لمبے زمانے تک فروغ پانے اور باقی رہنے کا موقع مل سکا ہے ''اسلامی دہشت گردی'' کی غلط تعبیر وتشریح اس کی واضح مثال کہی جاسکتی ہے۔

صحافت نے اپنے دونوں بنیادی میدانوں (پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا) میں بے پناہ ترقیاں کی ہیں اور دنیا میں افکار کا تبادلہ ہوا، نئے نئے تجربات سے دنیا آشنا ہوئی، حقائق دریافت کیے گئے، دروغ گوئی کا سینہ چاک کیا گیا، اس وقت پوری دنیا میں یہودی قوم کیوں اپنے مذہب، تہذیب، افکار، کلچر، سرمایہ کاری کو لے کر کافی خوش حال اور متمدن وترقی یافتہ مانی جاتی ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ '' دنیا کے تمام چودہ بڑے میڈیا ادارے یہودیوں کی ملکیت ہیں اس لیے یہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق اپنے تشکیل دیے ہوئے نقوش اذہان پہ بڑی آسانی سے مرتب کررہے ہیں، اس منظّم مشنری کی بنیاد پر ہی یہود ہر لفظ اور اصطلاح کو اپنی منشا کے مطابق نئے معنی پہناتے ہیں، میڈیا کی طاقت سے مقدس اور پاکیزہ اقدار اور اصول کو غلاظت کے ڈھیروں کی طرح مسترد کیا جارہا ہے جب کہ غلاظت کے ہر ڈھیر کو پوتر اور مقدس بنایا جارہا

ہے کہ دنیا کی بہتر اور پاکیزہ سوچ حیران و پریشان ہے، اسی میڈیا کی قوت سے قومِ یہود امریکیوں کے سر چڑھ کر بول رہی ہے''۔

صحافت کی طرح ادب بھی علم کا ایک اہم شعبہ ہے اور نثری وشعری نگارشات فروغ علم، اشاعت ثقافت اور ابلاغ افکار دینی کا سبب بنتی ہیں۔ ادب متفرع الاقسام مانا جاتا ہے، ادب برائے ادب، ادب برائے زندگی، ادب کی معروف قسمیں ہیں اور ثانی الذکر کا تعلق مذہبی امور اور اصلاحِ مفاسد سے مضبوط ہے، مذہبی صحافت بھی بہت ساری حدود وشرائط کی پابند ہے۔ صحافت اور ادبی صحافت میں بھی فرق کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر ہاجرہ بانو کے یہ چند جملے اس باریک فرق کی تفہیم کو آسان بنا دیتے ہیں:

''صحافت اور ادبی صحافت کے نہایت ہی باریک فرق کو سمجھنے کے لیے اس امر پر نظر ثانی کرنی ہوگی کہ صحافی کی نظر صرف اور صرف خبر یا اطلاع پر ہوتی ہے، جب کہ ادبی صحافت میں خبر یا اطلاع سے متعلق ایک مستحکم نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے۔ ایک عام صحافی اپنی خبریں اور اطلاعات میکانیکی انداز سے پیش کرتا ہے۔ بالکل اسی شعر کے مصداق:

پانی دیکھا نہ زمیں دیکھی نہ موسم دیکھا
بے ثمر ہونے کا الزام شجر پر رکھا

جب کہ ادبی صحافی ان اطلاعات کے پس پردہ محرکات کو اپنے جذبات کے ساتھ شعوری طور پر آزادانہ پیش کر کے اپنا نمایاں نقطہ نظر قاری کے مدمقابل رکھتا ہے۔''

(تنقیدی تلازمے، مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴ء ص: ۱۸۳)

صحافت وادب دونوں میدانوں میں تعصب وتنگ نظری اور بد دیانتی کو کسی بھی جہت سے درست نہیں مانا جاتا اور بد دیانتی سے مملو صحافت وادب تاریخ صحافت وادب میں ایک طرح کی دہشت گردی اور گردن زدنی قرار دیے گئے ہیں۔

ہم نے ابتدائی سطور میں کامیاب صحافت وادب کے لیے دیانت داری اور صداقت شعاری، حق گوئی و بے باکی کو شرطِ اولین قرار دیا ہے اور اس کے برخلاف دونوں ہی شعبوں کے مرد میدانوں کو صحافتی وادبی دہشت گرد لکھ دینے میں ہمیں کوئی باک نہیں ہے۔ صحافت وادب یکجا

بھی ہوتے ہیں اور علاحدہ علاحدہ بھی لیکن کامیاب صحافت وہی ہے جو ادب سے ہم آہنگ ہو، یہی حال مذہبی صحافت کا بھی ہے کہ اس میں جہاں تقدس و پاکیزگی، امانت وصداقت شعاری لازمی عنصر ہوتے ہیں وہیں ادبی ولسانی حسن بھی درکار ہوتا ہے تب جا کر وہ اچھے نتائج کا دیباچہ بنتا ہے اور اس کا خاطر خواہ فائدہ سامنے آتا ہے۔ کسی نثری یا شعری شہ پارے کی تعریف و تحسین یا تو ان میں موجود ادبیت کی بنیاد پر کی جائے گی یا سچائیوں اور حقیقتوں کی درست ترجمانی کی بنیاد پر، گویا پسند، ناپسند کی بنیاد خالص ادبی نہیں ہوسکتی۔ اس سلسلے میں انور پاشا اپنے ایک مضمون ''ترقی پسند تنقید اور ادب کی تخلیق و تفہیم کی ادبی و غیر ادبی بنیادیں'' میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے بھی جب ایسی شاعری کی مذمت کی جس میں ایمانی اور اخلاقی صداقتوں سے انحراف ایک معمول بن چکا تھا تو ظاہر ہے اس کی بنیاد ادبی نہیں تھی، قرآن مجید کے اس تصور میں نفس شاعری کی مذمت کم اور حقیقت سے انحراف اور سچائی سے دوری کی مذمت زیادہ ہے۔ گویا قرآن مجید زندگی کے ہر عمل کی طرح اس شعبے میں بھی قول و عمل دونوں کی سچائی چاہتا ہے، اور اسی کو اصل شاعری کی پہچان بتاتا ہے۔ آں حضرت صل اللہ علیہ وسلم نے بھی جب ایک امرء القیس کو سردار شعرائے عرب قرار دے کر اسے رہ نمائے راہ جہنم قرار دیا اور دوسری طرف حضرت حسان بن ثابت کی شاعری کو پسند فرمایا، کیوں کہ اس میں خدا کی حمد اور سچائی کی پاسداری تھی، تو ظاہر ہے اس پسند، ناپسند کی بنیاد خالص ادبی نہیں تھی۔'' (معاصر اردو تنقید، مسائل وامکانات، مرتبہ پروفیسر شارب ردولوی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۶ء ص ۱۲۲، ۱۲۳)

مذکورہ امور صرف شاعری کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ نثر کی دیگر اصناف میں یہ حکم جاری ہوگا، صحافت بھی انھیں میں داخل ہے۔ اخبارات اور رسائل و جرائد کا تعلق پرنٹ میڈیا سے ہے اور صحافت کا یہ شعبہ بڑا مستند اور موٴقر مانا جاتا ہے کیوں کہ اس کی حیثیت دستاویز کی ہوتی ہے، ہندوستانی صحافت کی اپنی الگ ایک تاریخ ہے اور اس موضوع پر تحقیقی مقالات اور کتب و رسائل بھی ملک کی موقر لائبریریوں کی زینت ہیں۔

برصغیر کی مطبوعہ صحافت کا عہدِ اولین:

گزشتہ اوراق میں ہم نے ''ممبئ میں مسلمانوں کے قدیم مطابع'' اور ''ممبئ کے ابتدائی

اخبارات'' پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور صحافت، ہندوستانی صحافت، مسلم اور مذہبی صحافت بلکہ عروس البلاد میں سنی صحافت کے تاریخی تجزیے سے یکسر صرفِ نظر کیا تھا۔ آج کی اس نشست میں ہم ان امور کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ پیش کریں گے، تاکہ مقالے کا اصل موضوع بھی تشنہ نہ رہ جائے اور درج بالا ذیلی عنوان سے متعلق بھی چند حقائق کا اظہار کردیا جائے۔

اس وقت ہمارے روبرو معروف اردو اور انگریزی صحافی، مصنف و محقق گربچن داس چندن کی ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ضخیم مجلد کتاب ''اردو صحافت کا سفر'' (مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۷ء) موجود ہے جو ان کے سترہ مقالات کا مجموعہ ہے اور کئی اہم مضامین ہمارے اس موضوع سے متعلق ہیں۔ مثلاً ''برصغیر میں مطبوعہ اردو صحافت کی ابتدا'' اردو صحافت کا فراموش انقلابی دور'' پہلے پریس ایکٹ کا محرک جام جہاں نما تھا'' ہندوستان میں اردو صحافت'' وغیرہ۔ اس کتاب کا ہر مقالہ صرف ایک تحریر نہیں بلکہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہ قول عبد الباری مسعود: ''برصغیر ہند و پاک میں اس وقت اردو صحافت کی تاریخ پر دسترس رکھنے والے جو معدودے چند لوگ ہیں ان میں جی ڈی چندن کا نام سرفہرست رکھا جاسکتا ہے۔'' اس سے قبل مصنف کی صحافت پر دو اہم کتابیں ''اردو صحافت پر ایک نظر'' اور ''جام جہاں نما: اردو صحافت کی ابتدا'' علی الترتیب ۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۲ء میں چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ مذکورہ کتاب اسی سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔

ماہ نامہ جام نور کے چیف ایڈیٹر خوشتر نورانی نے اکتوبر ۲۰۱۰ء کے شمارے کا اداریہ ''مسلم اور مذہبی صحافت کا تاریخی تجزیہ'' کے عنوان سے لکھا تھا، ۹ رصفحات پر مشتمل یہ طویل مضمون مسلم اور مذہبی صحافت کی دو سو سالہ تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے اور ڈھیر سارے تاریخی حقائق کا خزانہ ہے جس میں انہوں نے مسلم صحافت کی توسیع اور ہمہ گیریت میں رکاوٹ بننے والے خارجی عناصر اور مذہبی صحافت سے عوام کی عدم دلچسپی کے داخلی عناصر پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور پھر مسلم اور مذہبی صحافت کے تاریخی ادوار کا جائزہ لیا ہے جن میں برصغیر میں ''مطبوعہ صحافت کا آغاز اور مسلمان، ''اردو صحافت کے آغاز کا مقصد اور مسلمان'' کے بیان کے بعد برصغیر میں مسلم صحافت کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کر کے تفصیلی لوازمہ درج کیا گیا ہے۔ پہلا دور ۱۸۳۳ء

سے ۱۸۵۷ء تک، دوسرا دور ۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۰ء تک، تیسرا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک اور چوتھا دور ۱۹۴۸ء سے تا حال۔ ان چاروں ادوار پر سلسلہ وار گفتگو کرنے کے بعد بالکل اخیر میں لکھتے ہیں: ''اس میں کوئی رائے نہیں کہ صحافت خواہ وہ سیاسی ہو، ملی یا مذہبی، اپنے آپ میں کشش اور اثر اندازی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے وسیع پیمانے پر ذہن سازی، فکری تعمیر و ترقی، دعوت و تبلیغ اور اصلاحات کا ناقابل تنسیخ نقش معاشرے میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ صحافت کو جبری اصول و نظام کی بجائے اس کے اپنے اصول اور تقاضوں کے تحت چلایا جائے۔''

(خوشتر نورانی، جام نور: دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۱)

ڈاکٹر میمونہ دلوی کا تحقیقی مقالہ ''بمبئی میں اردو'' ستمبر ۱۹۷۰ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے کتابی شکل میں شائع ہوا تھا جس میں موصوفہ نے ممبئی کی اردو صحافت پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے اردو صحافت کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ممبئی کے اردو اخبارات اور اردو مطابع کی فہرستیں بھی پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی کا یہ تحقیقی و تنقیدی جائزہ ۱۹۱۴ء تک محدود ہے۔ ''بمبئی میں اردو'' پر ممبئی یونیورسٹی نے ۱۹۶۱ء میں موصوفہ کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی تھی۔ اپنے موضوع پر یہ تصنیف بڑی اہم اور قابل قدر ہے۔ ہم نے اس تحقیقی مقالے کا بہ غور مطالعہ کیا ہے۔

''ممبئی کے اردو اخبارات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ: ابتدا سے ۲۰۰۵ء تک'' پر ڈاکٹر ماجد قاضی کو ۲۰۰۹ء میں ممبئی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی تھی۔ اس طویل تحقیقی مقالے کا پہلا حصہ ''ممبئی کے اردو اخبارات'' (۱۸۳۴ء تا ۲۰۰۵ء) کے نام سے اگست ۲۰۱۰ء میں بزم محبان اردو کلیان نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ماجد قاضی نے اس کتاب میں ممبئی کے اردو اخبارات کی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر ایک پر تفصیلی مواد فراہم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۸۳۴ء سے ۱۹۱۴ء تک، دوسرا دور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۴۷ء تک اور تیسرا دور ۱۹۴۸ء سے ۲۰۰۵ء تک اردو اخبارات کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ اخیر میں ممبئی کے معاصر اردو اخبارات کے نام ایک الگ باب قائم کیا گیا ہے اور اس میں ۲۰۰۵ء میں جاری ممبئی کے روزنامہ او ر ہفت روزہ اردو اخبارات کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ابتدائے کتاب میں پیش لفظ کے بعد ''نئے

صحافتی افق'' کے عنوان سے تیرہ صفحات میں صحافت کے اصول ومسائل،ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالی گئی ہےاورصحافتی زبان اورآزادیِ اظہاررائے پر گفتگو کی گئی ہے۔ڈاکٹر ماجد قاضی کا یہ طویل تحقیقی مقالہ ہمارے موضوع کے لیے کافی معاون ثابت ہوا ہے اور بہت سارے نودریافت شدہ حقائق کی تحقیق میں ہم نے اس سے مدد لی ہے۔ان تحقیقی مقالات وکتب کا تعارف ہم نے اس لیے کرایا ہے کہ ان کے اندرجھانک کرممبئ کی مسلم سنی صحافت کا نگارخانہ دیکھا جاسکتا ہےاور ہندوستانی صحافت کے بنیادی خدوخال واضح کیے جاسکتے ہیں۔

قارئین کی اطلاع کے لیے کہ برصغیر میں مطبوعہ صحافت کی ابتدا کلکتہ سے ۱۷۸۰ء میں ''کلکتہ جنرل ایڈورٹائزز'' کی اشاعت سے ہوئی۔اس ہفت روزہ انگریزی اخبار کو جیمز ہیکی نے جاری کیا تھا۔گربچن چندن اپنے مقالے ''پہلے پریس ایکٹ کا محرک جام جہاں نما تھا'' میں لکھتے ہیں:''۱۸ویں صدی کے اواخر میں اسی شہر (کلکتہ) میں ۱۷۸۰ء میں ہندوستان کے اولین مطبوعہ اخبار کا جنم ہوا۔یہ انگریزی زبان میں تھا اوراس کا نام ''ہیکیز بنگال گزٹ/کلکتہ جنرل ایڈورٹائزز'' تھا۔'' (گربچن چندن،اردوصحافت کا سفر،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی،۲۰۰۷ء،۸۰)

جب کہ ممبئ میں صحافت کا آغاز انگریزی اخبار''بامبے گزٹ'' کی اشاعت سے ہوتا ہے جس کا اجرا ۲۵/جون ۱۷۹۰ء کو ہوا،یہ ایک ہفت روزہ اخبار تھا۔دوسرا اخبار''بامبے ہیرلڈ'' ہے جو ۱۳/جولائی ۱۷۹۰ء کو جاری ہوا،تیسرا اخبار''بامبے کوریر'' ہے جو غالباً ایک سال بعد ۱۷۹۱ء میں جاری ہوا۔(ماجد قاضی،ممبئ کے اردو اخبارات:ص ۳۳،۳۴)

ہندوستانی زبانوں میں کلکتہ سے ۱۸۱۸ء میں ڈاکٹر مارش مین نے بنگالی زبان کا پہلا رسالہ ماہ نامہ''ڈگ درشن'' نکالا،کلکتہ ہی سے اپریل ۱۸۲۲ء میں ہندو مصلح راجہ رام موہن رائے نے فارسی کا پہلا ہفت روزہ ''مرأۃ الاخبار'' جاری کیا،ممبئ سے ۱۸۲۲ء میں مرزبان جی نے گجراتی زبان کا اولین اخبار ہفت روزہ ''ممبئ سماچار'' جاری کیا اور کلکتہ سے ۱۸۲۶ء میں جگل کشور شکلا کا پہلا ہفت روزہ اخبار''اودنت مارتنڈ'' جاری ہوا۔(ماہ نامہ جام نور:دہلی،اکتوبر ۲۰۱۰ء ص:۴)

۱۸۳۱ء میں ممبئ سے مزید دو گجراتی اخبارات ''ممبئ ورتمان'' اور''جام جمشید'' جاری ہوئے۔''جام جمشید'' آج تک جاری ہےاور پارسیوں کا مقبول عام گجراتی روزنامہ ہے۔۱۸۳۲ا

میں ایک انگریزی مراٹھی مشترک اخبار ''ممبئ درپن'' کے نام سے جاری ہوا تھا لیکن یہ اخبار ممبئ سے نہیں پونہ سے شائع ہوتا تھا۔ ممبئ سے شائع ہونے والے پہلے مراٹھی اخبار کا نام ''ممبئ اخبار'' ہے جو ۱۸۴۰ء میں جاری ہوا اور چند مہینوں بعد بند ہو گیا۔

ممبئ سے شائع ہونے والا پہلا فارسی ہفت روزہ اخبار ''آئینۂ سکندری'' تھا جس کا اِجرا ۲۶؍اپریل ۱۸۲۲ء کو رامیس پریس سے ہوا تھا، یہ اخبار ہر جمعرات کو فضل حق کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۸۳۳ء تک یہ خالص فارسی اخبار تھا لیکن ۱۸۳۴ء سے اس میں اردو ضمیمے کا اضافہ کیا گیا۔ (ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات، بزم محبان اردو کلیان ۲۰۱۰ء: ص ۳۴)

برصغیر کا اردو کا اولین مطبوعہ اخبار ''جام جہاں نما'' ۲۱؍مارچ ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے ایک بنگالی من چلے ہری ہروت نے جاری کیا جو ایسٹ انڈیا کمپنی میں محرر کی ایک اسامی پر فائز تھا۔ یہ اخبار ستر سال تک زندہ رہا۔ ابتدا میں اس کی طباعت ایک برٹش تجارتی کوٹھی کے ذمے تھی لیکن اپنی پیدائش کے چھ ہی سال بعد اس کا ناشر صاحبِ مطبع ہو گیا۔ (گربچن چندن: اردو صحافت کا سفر، مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۷ء ص: ۸۳)

اسی سال (۱۸۲۲ء) ممبئ سے آئینۂ سکندری ۲۶؍اپریل کو جاری ہوا۔ ۱۸۳۳ء تک یہ خالص فارسی اخبار تھا لیکن ۱۸۳۴ء سے اس میں اردو ضمیمہ بھی شامل کر لیا گیا۔ قلم کار شیخ عمران اپنے ایک مقالے ''اردو صحافت کا تاریخی پس منظر'' میں لکھتے ہیں:

''۱۸۳۴ء میں ممبئ سے ''آئینۂ سکندری'' یہ اخبار اردو میں جاری ہوا، حالانکہ فارسی زبان میں یہ اخبار ۲۶ اپریل ۱۸۲۲ء ہی سے جاری تھا۔ یہ ایک نیم سرکاری اخبار اور ممبئ کے گورنر کے ایما پر جاری ہوا تھا۔'' (ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، شمارہ۔ دسمبر ۲۰۱۲ء، ص: ۵۲)

ڈاکٹر ماجد قاضی رقم طراز ہیں:

''ان تفصیلات کے پیش نظر یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ممبئ میں اردو صحافت کا آغاز ۱۸۳۴ء میں فارسی اخبار آئینہ سکندری کے اردو ضمیمہ سے ہوتا ہے۔ جس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا:

آئینۂ سکندری جام جہاں نما ہے

ملکوں کی کیفیت ہے اور طرفہ ماجرا ہے

(ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات، بزم محبان اردو کلیان ۲۰۱۰ء ص: ۳۴)

جب کہ شہر ممبئ سے شائع ہونے والا پہلا اردو روزنامہ ''خادم ہند'' تھا جس کی تاریخ اجرا ۱۲/ مارچ ۱۸۸۳ء ہے۔ اخبار کا ذاتی مطبع تھا، یہ اخبار محلّہ کمہارواڑہ دوسری گلی متصل دوٹانکی سے شائع ہوتا تھا۔ (حوالۂ سابق: ص ۶۴)

ناخدا محمد علی روگھے نے جو محمد حسین روگھے کے صاحبزادے تھے، جامع مسجد بمبئ میں ایک مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ'' کے نام سے ۱۸۳۶ء میں قائم کیا تھا اور اس کے لیے ایک معقول رقم وقف کی تھی، انھوں نے ہی ۱۸۴۷ء میں ''محمدی'' کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا تھا۔

(بمبئ میں اردو، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۶۴، ۶۵)

ماہم میں آباد خطیب خاندان بھی مہائمکر کے نام سے مشہور تھا اور اب بھی ہے، بمبئ میں اس خاندان کا ایک پریس ''کھمکر مہائمی'' کے نام سے قائم کیا گیا، جہاں سے اردو کی متعدد کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ اسی خاندان کے ایک مشہور شاعر منشی علاؤ الدین خطیب فرحتؔ نے ایک سنجیدہ و علمی اخبار ''فرحت الاحباب'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ جس کا پہلا شمارہ ۲۱ جولائی ۱۸۷۶ء کو منظر عام پر آیا۔ (بمبئ میں اردو، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی، ستمبر ۱۹۷۰ء ص: ۶۷)

شہر بمبئ میں تنگیکر خاندان نے بھی ایک پریس ''ایم آئی تنگیکر کا مطبع'' کے نام سے قائم کیا تھا۔ انھیں ایم آئی تنگیکر نے ایک ماہوار رسالہ 'زبان' جاری کیا تھا۔ ایک اور صاحب شہاب تنگیکر نے ''مطبع شہابیؔ'' کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا۔ (ایضاً، ص: ۶۶)

ہندوستانی زبان میں مطبوعہ صحافت کی مذکورہ تفصیلات میں غور کرنے سے جو حقائق سامنے آتے ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں آزادی سے قبل کے صحافتی نقوش میں سرزمین بمبئ کے اہم ترین اخبارات وجرائد اعلیٰ ترین چمک دمک رکھتے ہیں اور ان کا صحافتی سفر اعلیٰ ترین قدروں کا حامل ہے۔ تفصیلی معلومات کے لیے ذکر کردہ مقالات و تحقیق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں قارئین کے روبرو مختلف زبانوں میں ہندوستانی بالخصوص شہر بمبئ کے اولین اخبارات کا ایک نقشہ پیش کرنا تھا اس لیے یہ اجمال درج کردیا گیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ممبئ میں سنی صحافت:

ہم نے ابتدا میں صحافت اور مذہبی صحافت پر گفتگو کی ہے اس سلسلے میں غیر منقسم ہندوستان کے چند سنی رسائل وجرائد کے اسما جو اس وقت ہمارے ذہن میں آ رہے ہیں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سراج الاخبار (جہلم)، روز افزوں (بریلی شریف)، اہل فقہ (امرتسر)، الفقیہ (امرتسر)، عین فقہ (امرتسر)، تحفۂ حنفیہ (پٹنہ)، دبدبہ سکندری (رام پور)، ماہ نامہ اہل سنت (سنبھل)، ماہ نامہ السواد الاعظم (مراد آباد)، معارف نعمانیہ (لاہور)، پاسبان (الٰہ آباد)، ہفت روزہ تاج دار (الٰہ آباد، ممبئ)، ماہ نامہ قاری (دہلی)، استقامت (کان پور)، المیزان (ممبئ)، ماہ نامہ مظہر الحق (بدایوں)، جام کوثر اور جام نور (کلکتہ)، حجاز جدید (دلی)، ماہ نامہ اشرفی (کچھوچھہ شریف)، الکوثر (سیتا مڑھی)، سہ ماہی افکار رضا (ممبئ) وغیرہ ۔ یہ رسائل جب تک جاری رہے مذہبی صحافت ترقی پذیر رہی اور مذہبی ادب بھی پروان چڑھتا رہا۔

جب کہ درج ذیل سنی رسائل اس وقت بھی اپنی کامیاب اشاعت میں مسلسل سرگرم عمل ہیں: سال نامہ اہل سنت کی آواز (مارہرہ شریف)، یادگار رضا (مالیگاؤں)، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت (بریلی شریف)، ماہ نامہ سنی دنیا (بریلی شریف)، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ)، ماہ نامہ سنی آواز (ناگپور)، ماہ نامہ کنز الایمان (دہلی)، ماہ نامہ جام نور (دہلی)، ماہ نامہ ماہ نور (دہلی)، ماہ نامہ پیام حرم (جمدا شاہی بستی)، ماہ نامہ الجامعہ (روناہی)، ماہ نامہ پیام نظامی (سنت کبیر نگر)، سہ ماہی امجدیہ (گھوسی)، سہ ماہی تبلیغ سیرت (کولکاتا)، سہ ماہی رضا بک ریویو (پٹنہ)، سہ ماہی جہان نعت (کرناٹک)، سال نامہ تجلیات رضا (بریلی)، سال نامہ پیغام رضا (ممبئ)، سال نامہ الاحسان (الٰہ آباد)، ماہ نامہ خضر راہ (الٰہ آباد)، ماہ نامہ المصباح (کشمیر)، ماہ نامہ ماہ طیبہ ہندی (راجستھان)، ماہ نامہ برکات خواجہ گجراتی (گجرات)، ماہ نامہ پیغام رسول (اندور)، ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی (ممبئ)، ماہ نامہ ضیاء صابر (ممبئ)، دو ماہی مسلک (ممبئ)، پیغام شافعی (مہاراشٹر)، مسلم خاتون (ممبئ) وغیرہ۔

اور پاکستان سے ماہ نامہ اہل سنت (گجرات) ترجمان اہل سنت (کراچی) نور الحدیث (نصیر پور) جہان رضا (لاہور) ضیائے حرم (لاہور) ماہ نامہ وسال نامہ معارف رضا (کراچی)

رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ) الحقیقۃ (بکی شریف) وغیرہ۔امریکا سے ڈاکٹر غلام زرقانی سہ ماہی آیات نکال رہے ہیں ہفت روزہ کی شکل میں مسلم ٹائمز (ممبئ)، بہارسنت (مالیگاؤں) اور ہفت روزہ انوار (مالیگاؤں) وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں بیسویں صدی کے آغاز میں اگر سنی مذہبی صحافت کی بات کی جائے تو اس عرصے میں ۱۹۴۷ء تک تقریباً ڈیڑھ سو مذہبی رسائل وجرائد کی فہرست میں چند ایسے رسائل اور مجلّات کا سراغ ملتا ہے جو اپنے اپنے حلقوں میں مسلمانوں کی دینی وشرعی رہ نمائی کا ذریعہ بنے اوران کے ذریعے اردو زبان کا فروغ بھی ہوا۔

ڈاکٹر امجد رضا امجد اپنے ایک تحقیقی مضمون ''تحفہ حنفیہ: تعارف وجائزہ'' میں رقم طراز ہیں:

''بیسویں صدی کے آتے آتے اسلام کی ترجمانی کے نام نہاد دعوے دار کئی گمراہ فرقے مثلاً وہابیت ، قادیانیت ، نیچریت اور ندویت بنام صلح کلیت وجود میں آگئے اور اہل سنت وجماعت کو ان سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ الفقیہ (امرتسر)، دبدبۂ سکندری (رام پور)، تحفۂ حنفیہ (پٹنہ)، السواد الاعظم (مرادآباد)، یادگار رضا (بریلی) اور الرضا (بریلی) وغیرہ اسی دور پر آشوب کے ایمان افروز اخبارات ورسائل ہیں جن سے اسلام کی تبلیغ ، مسلک کے تحفظ، عیسائیت کی تردید، فرقہائے ضالہ کے ابطال اور بدعات کے استیصال کا کام لیا گیا۔ ان کی ظاہری حیثیت اخبار ورسائل کی تھی لیکن اصلاً یہ وہ ایمانی مشعل تھے جو کفر والحاد کی تاریک وادیوں میں توحید ورسالت کی روشنی بکھیر رہے تھے۔''

(سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ، شمارہ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۵ء، ص:۱۶)

ان میں خلیفہ امام احمد رضا مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی کا ماہ نامہ ''تحفۂ حنفیہ پٹنہ'' (۱۹۰۸ء) اور مفتی عمر نعیمی کا ''السواد الاعظم مرادآباد'' (۱۹۱۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر قاضی عبد الوحید کے انتقال کے بعد اور مؤخر الذکر تقسیم ہند کے بعد جاری نہ رہ سکا۔ اس خصوص میں ''دبدبہ سکندری'' (رام پور) کی خدمات کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر تحریک شدھی کے انسداد کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ کی کارگزاریوں کو منظر عام پر لانے میں اس کا بڑا اہم کردار ہے۔ ساتھ ہی اردو تنقیدی سرمائے میں اضافے کا سبب بھی بنا ہے۔

مشہور محقق پروفیسر وقار احمد رضوی نے اپنی کتاب ''تاریخ نقد'' میں اردو تنقید کو آگے لے جانے والے جرائد و رسائل کی فہرست میں ساتویں نمبر پر ''دبدبۂ سکندری'' رام پور کا نام بھی شامل کیا ہے۔(پروفیسر وقار احمد رضوی، تاریخ نقد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء ص: ۳۴۰)

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ میں ماہ نامہ ''الرضا'' بریلی کا اجرا عمل میں آیا، ایڈیٹر علامہ حسنین رضا بریلوی تھے۔اس کا پہلا شمارہ ماہ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء کو منظر عام پر آیا۔اعلیٰ حضرت کے وصال کے لگ بھگ چھ سال بعد حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی کی سرپرستی میں ماہ نامہ ''یادگار رضا'' جاری ہوا۔ یہ جریدہ حضور جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے اہتمام اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے مالی تعاون سے ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۹ھ تک جاری رہا اور پھر بند ہوگیا۔مفسر اعظم علامہ محمد جیلانی میاں نے ۱۹۶۰ء میں ماہ نامہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی کا اجرا فرمایا جو اس وقت سے اب تک جاری ہے۔اس نے ۲۰۱۰ء میں اپنی مدت اشاعت کے پچاس برس یعنی نصف صدی مکمل کر لیے ہیں۔انیسویں اور بیسویں صدی کے اہم سنی مذہبی جرائد و رسائل میں ''سراج الاخبار، جہلم'' کافی اہمیت کافی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۷ء تک جاری رہا۔جس کے مالک و بانی مولانا فقیر محمد جہلمی اور مدیر مولانا کرم الدین دبیر تھے ۔اسی طرح ہفتہ وار اخبار ''اہل فقہ، امرتسر'' (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۳ء)اور ''الفقیہ'' امرتسر (۱۹۱۸ء تا ۱۹۵۲ء) بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ جواں سال محقق محترم ثاقب رضا قادری لاہوری ان تینوں اخباروں کی متعدد فائلوں سے ''ردقادیانیت اور سنی صحافت'' کے نام سے ایک سیریز ہی مدون کررہے ہیں،جس کی جلد اول ۷۳۶ صفحات پر مشتمل ۲۰۱۴ء میں مکتبہ اعلیٰ حضرت، پاکستان سے چھپ چکی ہے، دوسری جلد بھی چھپنے والی ہے اور تیسری جلد بھی ان شاء اللہ منظر عام پر آئے گی۔اس اہم تحقیقی کام کے لیے محترم مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد مسلم سنی مذہبی صحافت ایک نئے رنگ میں اپنا جلوہ دکھاتی نظر آتی ہے۔ آزادی کے بعد سے اب تک کے سنی رسائل و جرائد پر نظر ڈالی جائے تو بڑا خوش آیند نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔گزشتہ پچاس برسوں کو سنی مذہبی صحافت کا عہدِ زریں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اوپر دی گئی نامکمل فہرست سے اس حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آزادی کے بعد شہر بمبئ کی سنی صحافت میں بھی بیداری کی ایک لہر نظر آتی ہے اور یہ عہد بھی ممبئ کی سنی صحافت کا روشن عہد کہلانے کا حق دار ہے۔ اگر چہ تاریخ صحافت نے ان سنی رسائل وجرائد واخبارات کو شعوری طور پر نظر انداز کیا ہے لیکن ہم نے بھی کم غفلت اور تجاہل سے کام نہیں لیا اس لیے ہماری نوجوان نسل نہ ان کے نام سے واقف ہے اور نہ ان کی ہمہ جہت دینی خدمات کا تذکرہ کوئی کرتا ہے۔ اگر کسی تحقیقی کتاب میں ان کے تذکرے کو جگہ دی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ مصنف ومحقق پر جانب داری اور تعصب کا لیبل نہ چسپاں کیا جا سکے اور وہ اس طرز کے الزام سے بچا رہے۔ اس مضمون میں ہم اپنی دریافت شدہ تحقیق کی روشنی میں گزشتہ پچاس برسوں میں شہر بمبئ سے جاری ہونے والے سنی اخبارات وجرائد کا تفصیلی خاکہ پیش کر رہے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ہماری یہ تحقیق ہرگز حرف آخر نہیں مگر اس کے حرف اول ہونے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ سچی بات یہ ہے کہ تحقیق ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور تاریخ وتذکرے پر مبنی کسی بھی تحریر میں مزید دریافت کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

ممتاز محقق رشید حسن خان نے لکھا ہے:

’’تحقیق ایک مسلسل عمل ہے۔ نئے واقعات کا علم ہوتا رہے گا کیوں کہ ذرائعِ معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سی حقیقت کتنے پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اکثر صورتوں میں ہوتا یہ ہے کہ حجابات بالتدریج اٹھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تحقیق میں اصلیت کا تعین اس وقت تک حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ اس سے نئ معلومات کے امکانات کی نفی نہیں ہوسکتی۔.........لیکن یہ بات بھی اسی قدر وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے کہ محض آیندہ کے امکان کی بنا پر ان باتوں کو بطور واقعہ نہیں مانا جاسکتا جو اس وقت محض قیاس آرائی کا کرشمہ ہوں۔ جب بھی ایسی معلومات حاصل ہوگی جو اصولِ تحقیق کے مطابق قابلِ قبول ہو تو اسے لازماً قبول کر لیا جائے گا اور اس کے مطابق صورت حال کو تسلیم کرلیا جائے گا، خواہ وہ نئ معلومات پچھلے مسلمات کی تکذیب کرتی ہو یا ان کی مزید تصدیق کرتی ہو یا اس کی مدد سے اضافے ممکن ہوں۔ دریافت کا عمل اسی طرح جاری رہے گا اور رد وقبول کے احکام بھی اس طرح کارفرما رہیں گے۔‘‘

(رشید حسن خاں، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ۔ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۹۰ء ص ۱۳، ۱۴)

ملک کی آزادی اور تقسیمِ ہندو پاک کے بعد ملک بھر میں رونما ہونے والے خوں ریز فسادات اور نفرت کی یلغار نے پورے ملک کو تشدد کی آگ میں جھونک دیا۔ ممبئ شہر بھی ان خونی اور روح فرسا ہولناک حادثات کی لپیٹ میں تھا۔ آئے دن کے قتل وغارت گری اور فسادات سے مسلمان دل برداشتہ اور مایوسی کا شکار تھے، ان میں خاص طور پر عدمِ تحفظ کا احساس پیدا ہو چلا تھا۔ ان حالات نے مختلف شعبہ جات کو متاثر کیا تھا۔ بہ قول ڈاکٹر ماجد قاضی:

''ان حالات میں اردو صحافت کا پنپنا ایک معجزے سے کم نہ تھا'' آزادی کے بعد کے تین برسوں میں صورتِ حال کچھ تشویش ناک ضرور رہی لیکن ۱۹۵۰ء میں ہفت روزہ ''جمہوریت'' کے اجرا کے بعد دھیرے دھیرے نئے اخبارات ممبئ کے افقِ صحافت پر ابھرنے لگے۔

(ماجد قاضی: ممبئ کے اردو اخبارات، بزمِ محبانِ اردو کلیان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۱)

ایسے میں مذہبی صحافت بالخصوص سنی مذہبی صحافت نے بھی اپنے بال و پر نکالے اور ماہ نامہ ''**رضائے مصطفیٰ**'' سے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ہم عروس البلاد کی سنی تحریکوں کے احوال میں '''انجمن تبلیغ صداقت'' کے تذکرے میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس کے بانی حاجی ابوبکر ریشم والا نے انجمن کے زیرِ اہتمام ایک ماہ نامہ ''رضائے مصطفیٰ بمبئ'' کے نام سے ایشو کیا تھا لیکن اس کے چند ہی پرچے منظر عام پر آسکے اس کے بعد وہ بند ہو گیا اور دوبارہ کبھی نہ جاری ہو سکا۔ ہمیں نہ تو اس کے اجرا کی تاریخ وسن کی تحقیق ہو سکی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شمارہ ہمیں دست یاب ہو سکا ہے۔ خطیب اہل سنت حضرت مولانا منصور علی خاں نے ایک نجی ملاقات میں مذکورہ بالا تفصیل بتائی تھی اس لیے اتنے پر بس کیا گیا۔ البتہ ۱۹۵۵ء کے آس پاس ایک ہفت روزہ اخبار ''**انصاف**'' ممبئ جاری ہوا جسے مولانا سالم باز یرالہاشمی نکالتے تھے لیکن اس ہفت روزہ اخبار کے کتنے شمارے منظر عام پر آئے اور یہ کتنے برسوں تک جاری رہا، اس کی کوئی وضاحت راقم کو نہ مل سکی۔ ڈاکٹر ماجد قاضی نے اپنے تحقیقی مقالے میں آزادی کے بعد سے ۲۰۰۵ء تک کے جن ۱۴۱/اخبارات کی تفصیل دی ہے، اس فہرست میں ''انصاف'' نام کے کسی اخبار کا تذکرہ سرے سے مفقود ہے۔

۱۹۵۶ء میں ایک ہفت روزہ اخبار ''**طوفان**'' کا اجرا ہوا جس کے ایڈیٹر گرامی چشتی تھے، اجرا

کی وجہ بڑی دل چسپ ہے۔ جاوید جمال الدین اپنی کتاب ''عبدالحمید انصاری: انقلابی صحافی اورمجاہد آزادی'' (مطبوعہ انقلاب پبلی کیشنز ممبئ ۲۰۰۲ء) صفحہ ۱۶۸ میں لکھتے ہیں:

''مدن پورہ بڑی مسجد کے پیش امام مولانا محبوب خان مرحوم نے حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شان میں کلام پیش کیا لیکن کچھ متنازعہ اشعار کی وجہ سے شہر میں سخت تناؤ پیدا ہوگیا۔ انصاری صاحب (عبدالحمید انصاری) نے مولانا صاحب سے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا مگرایک گروپ انہیں امامت سے ہٹانے کے لیے بضد تھا۔ اس تنازعہ میں حاجی جیوانامی ایک شخص کا قتل ہوگیا جس کے نتیجے میں حالات بگڑ گئے اور انصاری صاحب پر ایک خاص مسلک کی طرف داری کا الزام عائد کیا جانے لگا۔''

کاش یہ صرف الزام ہوتا؟ بلکہ سچائی یہ ہے کہ انقلاب اینڈ کمپنی قدم قدم پر انگریز نواز دیوبندیوں کی معاونت کررہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ جب حضور شیر بیشۂ سنت علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ نے ۴؍محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۳؍اگست ۱۹۵۵ء سہ شنبہ کی شب ردِ وہابیہ دیابنہ پر جم کر خطاب فرمایا اور اپنے برادرِ اصغر مولانا محبوب علی خان رضوی کے توبہ نامہ کی اشاعت کا تذکرہ فرمایا تو ایوانِ دیوبندیت میں کھلبلی مچ گئی تو حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ پر ان دیوبندیوں نے ایک مشہور دیوبندی وہابی منظور الحق کے نام سے جھوٹا مقدمہ دائر کردیا۔ مجگاؤں کورٹ میں وسط محرم شریف ۲۰؍جمادی الاٰخرۃ ۱۳۷۵ھ تک پیشیاں پڑتی رہیں اور ۲۰؍جمادی الآخرہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۳؍فروری ۱۹۵۵ء بروز جمعہ کو اس مقدمے کی آخری پیشی ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل واحسان سے دیوبندیہ وہابیہ کی جانب سے وارد کیے گئے اس آخری مقدمے میں واضح کامیابی ملی اور علامہ ابوالفتح فتح منداور ظفریاب ہی رہے۔ اس موقع پر آپ نے ایک اہم رسالہ ''انقلابی افتراؤں کے جوابات'' تحریر فرمایا جو کل بھی لاجواب تھا اور آج بھی لاجواب ہے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہ کے اس تاریخی خطاب کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد مفتی محبوب علی رضوی لکھتے ہیں:

''اس نورانی حقانی بیان پر سارے دیوبندی پریوار میں کہرام مچ گیا۔ دیوبندی وہابی گھرانوں میں آگ لگ گئی۔ جمعیۃ العلمائے وہابیہ کے اوسان خطا ہوگئے اور اس کی نوزائیدہ

بیٹی انقلاب اینڈ کمپنی پر لعنتوں کی بارش ہونے لگی۔''

(مفتی محبوب علی رضوی: سوانح شیر بیشۂ سنت، مطبوعہ: کان پور، ۲۰۰۵ء، ص:۲۱۹)

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ لکھا جا سکتا ہے کہ عبد الحمید انصاری پر ایک خاص مسلک کی طرف داری کا الزام صد فیصد درست تھا۔ہفت روزہ طوفان سے متعلق ڈاکٹر ماجد قاضی لکھتے ہیں:

''اس پس منظر میں اخبارات کے شائق ایک باذوق قاری عبد الرحمٰن فیضی نے راقم کو مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے کہا: ''مدنپورہ بڑی مسجد میں دیوبندی حضرات کا ایک گروہ گھس گیا۔مولانا محبوب علی نے شور مچایا اور مصلیان مداخلت کاروں پر پل پڑے۔اس ہنگامے میں حاجی جیوا نام کا شخص مارا گیا، برسوں مقدمہ چلا، بریلویوں کے وکیل اکبر پیر بھائی تھے اور دیوبندیوں کے اقبال گودی والا۔انقلاب دیوبندیوں کا طرف دار تھا۔اس دوران دو ہفتہ وار اخبار جاری ہوئے: طوفان بریلویوں کا ترجمان تھا، اس کے مالک و مدیر گرامی چشتی تھے۔تعمیر: دیوبندیوں کا ترجمان تھا۔دونوں اخبارات مقدمے کی کارروائی شائع کرتے تھے، مقدمہ فیصل ہونے کے بعد اخبار بھی بند ہو گئے، مولانا محبوب علی کو بری کر دیا گیا۔اس مقدمے میں ملزم نمبر ایک احمد علی قربان علی تھے وہ بھی چھوٹ گئے۔اتفاق یہ ہوا کہ مولانا محبوب علی اور احمد علی نے ایک ہی روز وفات پائی۔(ماجد قاضی: ممبئ کے اردو اخبارات، بزم محبان اردو کلیان ۲۰۱۰ء، ص:۱۷۰)

مفتی محبوب علی خاں رضوی علیہ الرحمہ پر مقدمہ بازی کے اس قضیے کو ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔قارئین گزشتہ بحثیں دوبارہ پڑھ کر حقیقتِ حال جان سکتے ہیں۔سچائی وہی ہے جو ہم نے گزشتہ قسطوں میں بیان کی ہے۔

طوفان جدید: ہفت روزہ طوفان کے بند ہو جانے کے کچھ عرصے بعد گرامی چشتی نے ''طوفان جدید'' کے نام سے ڈکلیریشن داخل کیا اور ۱۹۵۹ء یا ۱۹۶۰ء میں اس نئے پرچے کا اجرا کیا۔(حوالۂ سابق، ص:۱۷۳)

غیبی گولا: ہفت روزہ ''غیبی گولا'' کو اس کے مالک و مدیر عبد الحمید بوبیرے نے غالباً ۱۹۵۶ء میں جاری کیا تھا۔ڈاکٹر ماجد رقم طراز ہیں:

''ممبئ میں اس وقت بریلوی، دیوبندی مسلکی تنازعہ عروج پر تھا۔مدنپورہ بڑی مسجد کے

بدقسمت واقعے کے پس منظر میں ہنگامی نوعیت کے کئی اخبار جاری ہوئے تھے۔ ''غیبی گولا'' ان میں سے ایک تھا، یہ اخبار بریلویوں کا ترجمان تھا۔'' (حوالۂ سابق: ص۱۷۲)

۱۹۵۹ء کے لگ بھگ معروف صحافی عبدالحمید بوبیرے ہی نے ہفت روزہ **''نئی روشنی''** کا اجرا کیا۔ (ایضاً، ص:۱۷۳)

ہفت روزہ تاج دار، ممبئ:

بنگلور سے ایک اخبار ''نشیمن'' نکلتا تھا جو شہر ممبئ سے بھی شائع ہوتا تھا۔ اس میں جماعت اہل سنت و جماعت کے خلاف دریدہ دہنی کا خوب خوب مظاہرہ ہوتا تھا۔ پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ جو الٰہ آباد یوپی سے ماہ نامہ ''پاسبان'' الٰہ آباد جاری رکھے ہوئے تھے جس کے چند خاص نمبرات نے علمی و مذہبی حلقوں میں کافی دھوم مچائی تھی۔ اس جریدے کے ذریعے اردو زبان اور مذہبی ادب خوب خوب پروان چڑھ رہا تھا۔ پاسبانِ ملت علامہ مشتاق نظامی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ عالم دین، بے نظیر خطیب، اعلیٰ درجے کے انشا پرداز اور بے باک صحافی وادیب کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکے ہیں جن کی کئی کتابیں آج بھی لاجواب ہیں۔ پورے ہندوستان میں جن کی تقریریں ہوتی تھیں اور بڑے شوق سے سنی جاتی تھیں۔ شہر ممبئ بھی ان کی فیض بخشی سے محروم نہ رہا، محرم الحرام اور دوسرے مواقع پر ممبئ میں ان کے خطابات ہوتے تھے۔ یہاں کے حالات سے وہ کافی حد تک آگاہ تھے اور مذہبی حقائق اور بد مذہب فرقوں کی ریشہ دوانیاں بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھیں۔ کئی اخبارات و جرائد اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات و مراسم پر کھل کر اظہار خیال کرتے تھے اور جا بجا تنقیدوں سے نشتر زنی کر رہے تھے۔ ہفت روزہ ''نشیمن'' اپنے ایک خاص کالم ''تھپڑا خیں'' کے ذریعے بڑی بے باکی اور درندگی کے ساتھ سنیت اور مذہبِ حق کے خلاف گستاخیوں اور بد دیانتی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کالم کی اکثر تحریروں میں جماعتِ اہل سنت کے عقائد و نظریات اور معمولات و رسومات پر کیچڑ اچھالا جاتا تھا۔ یہ اخبار اور اس کا یہ کالم وہابیہ دیابنہ کے حلقوں میں کافی مقبول و مشہور تھا اور اس کی اشاعت دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ ضرورت تھی کہ اخبار ہی ذریعے اس دریدہ دہنی اور گستاخی کا جواب دیا جائے اور اس کالم کے جھوٹوں کے سارے پول کھول کھول کر

بیان کردیے جائیں تاکہ حقائق کا پردہ چاک ہو اور دنیا کھلی آنکھوں سے سچائی کا دیدار کر سکے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے ۱۹۷۲ء میں ہفت روزہ ''تاج دار ممبئ'' کا اجرا فرمایا۔ ابتدا میں تو اس اخبار کے شمارے الٰہ آباد میں مرتب ہو کر چھپتے تھے اور شہر ممبئ سے اس کا اجرا ہوتا تھا، بعد میں شہر ممبئ ہی میں اس کی آفس سانکلی اسٹریٹ مدن پورہ ممبئ میں کھلی اور وہاں سے باقاعدہ شائع ہونے لگا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر مولانا کامل سہسرامی اور مدیر مسئول مولانا انوار احمد نظامی تھے۔ اخبار کے سلسلے میں ایک بار مولانا انوار نظامی کو جیل بھی جانا پڑا۔ لیکن جب چھوٹ کر باہر آئے تو فرمایا: ''اسی حوصلے کے ساتھ میرا اخبار جاری رہے گا۔'' (خطیب مشرق: حیات وخدمات، مطبوعہ الٰہ آباد، ص:۱۱۰)

معروف محقق وناقد ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ۲۰۰۵ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں منعقدہ یک روزہ میڈیا سیمینار کے لیے ''ہفت روزہ تاجدار، بمبئ، تعارف وجائزہ'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا تھا، اس وقت وہ تحریر راقم کے سامنے ہے، ابتدا ہی میں آپ لکھتے ہیں:

''عظیم مقرر ومصنف حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ۱۹۷۲ء میں مہاراشٹر کی راجدھانی بمبئ سے ایک ہفتہ وار اخبار ''تاجدار'' جاری ہوا تھا۔ جو اگر چہ عوام کے ذہنوں پر اپنا تاثر چھوڑ گیا، مگر کم عمر پائی اور ایک سال میں ہی اس کی حیات کا چراغ گل ہو گیا۔ بند ہونے سے پہلے بھی اس پر حکومت کی نظر ٹیڑھی تھی، اس لیے اس کے مدیر کو قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔'' (زیر تذکرہ مضمون)

ڈاکٹر صاحب کی وضاحت کے مطابق تاجدار بمبئ کے کل ۳۹ شمارے ہی نکلے، جن میں دو خاص نمبر ''غریب نواز نمبر'' اور ''قرآن نمبر'' تھے، درود وسلام نمبر کا بھی اعلان ہوا تھا مگر شاید اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ اس کا ہر شمارہ جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی کے پاس اخبار کے ۲۱ر شمارے محفوظ ہیں، جسے انھوں نے مجلد کروا کے رکھا ہوا ہے۔ اس کی مجلس ادارت میں بانی اخبار کے علاوہ تین حضرات اور تھے، مدیر اعلیٰ کامل سہ سرامی، مدیر مسئول مولانا انوار احمد نظامی اور مدیر معاون ضیا جالوی۔ شمارہ ۳۱ بابت ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۲ء سے کامل سہ سرامی کے نام کی جگہ جناب طپش صدیقی کا نام آ گیا۔ اخبار کے عام شمارے ۸ر صفحات کے ہوتے تھے مگر غریب

نواز نمبر میں ۱۲ر اور قرآن نمبر میں ۳۲ر صفحات ہیں۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے اپنے ایک مقالے (مشمولہ کنز الایمان: دہلی، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۴۳) میں ہفت روزہ ''تاج دار ممبئ'' کے ایڈیٹر کا نام مولانا اسلم بستوی مصباحی درج کیا ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ کچھ ماہ تک یہ ذمہ داری انھوں نے بھی نبھائی ہو۔ معاون مدیر ضیاے ملت حضرت ضیا جالوی علیہ الرحمہ (ولادت: ۱۹۳۳ء۔ وفات: ۲۰۰۵ء) نے اپنے صحافتی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے اردو خواں طبقے پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان کے بارے میں خطیبِ مشرق نظامی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ضیا ایک کہنہ مشق ادیب اور صحافی ہیں جو اپنے گوناگوں محاسن اور خوبیوں کے باوجود بہت ہی سادہ اور منکسر المزاج واقع ہوئے ہیں اس لیے یہ اپنے اور بیگانے دونوں ہی میں ایک بڑے ہی ملنسار، خوش فہم اور بلند پرواز صحافی کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔''

(مضمون ''ضیائے ملت اپنی تصانیف کے آئینے میں'' مشمولہ: ماہ نامہ ضیاے صابر، ممبئ: اپریل ۲۰۱۲ء، ص: ۳۸)

ضیاے ملت علیہ الرحمہ ۱۹۸۰ء میں ماہ نامہ پاسبان الہ آباد کی ادارت میں بھی شامل تھے۔

تاجدار بمبئ میں حالات حاضرہ پر اہم مواد اور خبریں ہوا کرتی تھیں، ایسی خبریں بھی ہوتی تھی جن کو کسی خاص ازم کے حامل اخبار عموماً نظر انداز کر جاتے تھے، سیاسی تبصرے بھی بڑے جاندار ہوتے تھے، دینی موضوعات پر بھی مضامین اور مراسلے شائع ہوتے تھے۔ پہلے صفحے پر اخبار کے نام کے اوپر یہ شعر درج ہوتا تھا:

خزاں کی رات ہے صبح بہار پیدا کر
نظام حق کے لیے تاجدار پیدا کر

تیسرے صفحے کے پہلے کالم میں اداریہ ہوتا تھا، جس پر مولانا حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر درج ہوتا تھا:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

صفحہ ۳ پر ''شرارے'' کے عنوان سے وہی مستقل کالم ہوا کرتا تھا جو نشیمن بنگلور کے کالم 'تھپڑا خیں' کا پوسٹ مارٹم کرتا تھا، ایک دوسرا کالم ''اندھیرے سے اجالے تک'' مولانا انوار احمد نظامی کا ہوتا تھا، جسے وقتاً فوقتاً وہ لکھا کرتے تھے، یہ ہر شمارے میں نہیں ہوتا تھا، ڈاکٹر صابر سنبھلی کے پاس دستیاب شماروں میں صرف ۴ر اگست اور ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۲ء میں ہی ہے۔ اخبار میں شعری حصہ بھی ہوتا تھا۔ ۶ر مئی ۱۹۷۲ء کو مبارک پور اشرفیہ میں ہونے والی تاریخ ساز تعلیمی کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ بھی ہفت روزہ ''تاج دار ممبئ'' نے ۱۲ر مئی ۱۹۷۲ء کے شمارے میں نمایاں طور پر شائع کی تھی جس میں حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ بہ طور خاص شریک ہوئے تھے۔ اس طرح اس اخبار نے میدانِ صحافت میں اپنے قدم مضبوط کیے تھے لیکن کئی مہینوں کی مسلسل اشاعت کے بعد ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر ''تاجدار ممبئ'' بند ہو گیا لیکن مذہبی حلقوں میں اس کی یادیں تادیر زندہ رہیں گی۔ بہ قول ڈاکٹر صابر سنبھلی:

''اس کے بند ہونے کی جو بھی وجہ رہی ہو اس وقت تو یہی شہرت تھی کہ حکومت نے بند کر دیا ،افسوس کہ پورے ایک سال کا سفر بھی طے نہیں کر پایا۔ ۵ر مئی ۱۹۷۲ء (یہ تاریخ از روئے حساب ہے) کو شروع ہوا اور ۲۳ر فروری ۱۹۷۳ء کو بند ہو گیا، خانوادہ نظامی کی یہ صحافتی خدمت قابل تعریف ہے۔''

ڈاکٹر ماجد قاضی نے اپنے تحقیقی مقالے: ''ممبئ کے اردو اخبارات'' میں اس ہفت روزہ اخبار کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ غالباً انہیں اس کی کوئی کاپی کسی لائبریری میں دست یاب نہ ہو سکی لیکن ہم بھی کچھ کم قصوروار نہیں ہیں کہ اس کی کاپیاں اپنی کسی لائبریری میں محفوظ نہ کر سکے اور یہ اہم اخبار تاریخ کی کتابوں میں اپنی موجودگی درج نہ کرا سکا۔

ماہ نامہ المیزان ،ممبئ:

ماہ نامہ ''المیزان'' آستانہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند، کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد کا دینی، علمی اور ادبی ترجمان ہے۔ جس کا Regd.no.Fd.8 ہے۔ جو محدث اعظم ہند کے بڑے صاحب زادے سید حسن مثنیٰ انور کی ادرت میں بیسویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی میں منظر عام پر آیا، اس کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا، مجلس ادارت میں جانشین محدث

اعظم ہند حضرت علامہ سید مدنی میاں اشرفی جیلانی، شیخ الحدیث مولانا محمد محبوب اشرفی، سید امین اشرف اور سید غلام سمنانی شامل تھے۔ اس جریدے کی تیسری اور چوتھی جلد کے دس شماروں کی ایک مجلد کاپی حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی چریاکوٹی کی معرفت حاصل ہوئی۔ جس میں جون ۱۹۷۳ء تا مارچ ۱۹۷۴ء کے شمارے موجود ہیں۔ سارے شمارے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہیں ،فہرست کا عنوان ''پیمانے'' ہے، اور اس میں اسلامیات، چھان بین، افکار ومسائل اور تراشے کالم کے تحت مضامین اور خبریں موجود ہیں۔ اسلامیات کے ضمن میں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن معارف القرآن قسط وار پیش کیا جاتا رہا ہے، اور مدنی میاں تفہیم الحدیث کے نام سے احادیث مبارکہ کی شرحیں لکھتے رہے ہیں۔ جون ۱۹۷۳ء کے شمارے میں چھان بین کے تحت ڈاکٹر وحید اشرف کا مضمون ایک ہندوستانی صحابی، مولانا وحید احمد مسعود کا مضمون شاہ محمد اسماعیل دہلوی شامل اشاعت ہے۔ افکار ومسائل کے کالم میں پروفیسر محمد مسعود احمد کا مقالہ'' ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک عبرت ناک باب'' دعوت مطالعہ دے رہا ہے، اور تراشے میں مصطفیٰ حسن رضوی کا مضمون ''تحدید نسل کا ایک مضر پہلو'' انتہائی چشم کشا اور نکتہ آفرین ہے۔ کسی کسی شمارے میں منظومات بھی ہوتی تھیں، جیسا کہ جولائی ۱۹۷۳ء میں صفحہ ۱۵ پر امام احمد رضا قادری کی ایک نعت پاک ''ٹکڑوں سے تو یہاں سے پلے رخ کدھر کریں'' موجود ہے، ۱۶/ پر محدث اعظم ہند کی نعت، ۱۷/ پر مدنی میاں کی ایک انقلابی نظم '' وانتم الاعلون ان کنتم مومنین '' کے عنوان سے دی گئی ہے، ۱۹/ پر ڈاکٹر جعفر رضا، شعبہ ہندی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک چار صفحاتی منقبت امام حسین موجود ہے، ۲۲ پر علامہ آسی غازی پوری کی ایک رباعی کو شامل کیا گیا ہے۔ ماہ اگست ۱۹۷۳ء کے شمارے میں ملاحظات کے عنوان سے سید حسن مثنیٰ انور کا اداریہ، اسلامیات میں معارف القرآن اور تفہیم الحدیث کے بعد حضرت قتیل داناپوری کا لکھی ہوئی نعت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں ڈاکٹر سید وحید اشرف کی منقبت اور حضور محدث اعظم ہند کے سانحہ ارتحال پر ڈاکٹر سید شمیم گوہر الہ آبادی کی طویل حزنیہ نظم شامل اشاعت ہے ، اور افکار ومسائل میں علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی کا مضمون '' کیوں اور کیسے؟'' سوال وجواب کی شکل میں موجود ہے اور سید حرمت الاکرم، ش۔م۔ عارف مارہروی اور مغموم کلکتوی

کی غزلیں درج ہیں، تراشے میں سید ہاشمی میاں کچھوچھوی کی لکھی ہوئی مناظرہ بھیونڈی کی تفصیلی روداد ''مناظرہ بھیونڈی کا آغاز وارتقا'' کے عنوان سے دی گئی ہے۔ جس کا سلسلہ اگست ۱۹۷۳ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک دراز ہے اور ماہ جنوری ۱۹۷۴ء کے تراشے میں صفحہ ۵۳ پر ''بھیونڈی کے مناظرے میں علمائے اہل سنت کی فتح مبین'' کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ بعد میں یہ جریدہ بھیونڈی اور بمبئ سے بھی شائع کیا گیا۔ ستر کی دہائی میں ممبئ کی سرزمین پر ''مجلس رضا'' کا قیام عمل میں آیا۔ تو اس مجلس کے زیر اہتمام ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں ماہ نامہ '' الـمیزان''، ممبئ نے اعلیٰ حضرت پر ایک تاریخ ساز انقلاب آفریں نمبر شائع کیا۔ یہ نمبر اپنے مقالات ومضامین کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور شائستہ تھا اور قلم کاروں میں ملک وملت کی نہایت بھاری بھرکم شخصیات تھیں اس لیے اس نمبر کو کافی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ اس نمبر کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ نمبر دوسرے سال یعنی ۱۹۷۷ء میں دوبارہ مع اضافۂ جدید ''انوار رضا'' کے نام سے لاہور سے شائع ہوا اور تیسری بار ماہ نامہ قاری دہلی نے اپریل ۱۹۸۹ء میں شائع کیا، اس کے کئی مقالات کتابی شکل میں بھی چھپے۔ اس کے مدیر حضرت مولانا سید جیلانی میاں کا اداریہ بطور خاص چرچا کا موضوع بنا اور اس نے پورے برصغیر میں دھوم مچا کر رکھ دی۔ باب رضویات میں ''الـمیزان''، ممبئ کا امام احمد رضا نمبر ایک حوالہ جاتی کتاب کا درجہ پاچکا ہے اور محققین رضویات اس کی تحریروں کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔

سنی دعوت اسلامی کے مرکزی ادارہ جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئ۔۳ کی اردو لائبریری ''بزم فیضان رضا'' میں ''الـمیـزان''، ممبئ کے امام احمد رضا نمبر کی جو کاپی موجود ہے وہ اصل پرچے کی فوٹو کاپی ہے۔ یہ خاص نمبر ۳۷۳ رصفحات پر مشتمل ہے اور شمارے کا نمبر ۷، ۸، ۹ ہے۔ مہینہ اپریل مئی جون ۱۹۷۶ء مندرج ہے اور جلد نمبر ۶ لکھا ہوا ہے۔ اس خاص شمارے کی قیمت ۲۵ ر روپے ہے جس میں اداریہ (۲۷ صفحات کو محیط ہے) اور امام احمد رضا کی حیات کا اجمالی خاکہ، شجرۂ نسب، شجرۂ بیعت اور شجرۂ بیعت بشکل درود اور چند خاص مزارات کی تصاویر کے بعد اہم اور گراں قدر ابواب مثلاً قرآن فہمی، فقہیات، روحانیات، تجدید واحیاے دین، علوم جدیدہ، تالیفات، سوانحیات، سیاسیات، تنقیدات، شعر وادب، تاثرات، ارشادات، تجلیاتِ حرمین پر

بڑے وقیع اور جامع وتحقیقی اورتنقیدی مقالات ومضامین کی شمولیت ہے جن کی تعداد ۳۷ ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی حیات اوران کی فقہی وتجدیدی کارناموں پر مشتمل ’’المیزان‘‘ ممبئ کا یہ خاص نمبر اپنے موضوع پر ایک جامع دستاویز ہے اور تاریخِ رضویات میں اسے نقش اول کا درجہ حاصل ہے۔ پروفیسر مسعود احمد نقش بندی نے اپنی کتاب ’’امام احمد رضا اور عالم اسلام‘‘ صفحہ ۵۷ پر اس نمبر کو کافی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ بہت بعد میں المیزان کے چند شمارے دہلی سے بھی نکلے، جس میں ایک یادگار محدث اعظم نمبر بھی شامل ہے۔

ہفت روزہ رفاعی ٹائمز:

’’رفاعی ٹائمز‘‘ کا اجرا غالباً ۱۹۷۹ء میں ہوا تھا، یہ ہفت روزہ اخبار بہ مشکل چھ مہینے جاری رہا۔ اخبار کے مالک و مدیر اعجاز ویلگوری تھے، ۸ صفحات کے ٹیبلائیڈ سائز کے اخبار کی قیمت ایک روپیہ تھی، اخبار ہندوستان پریس میں چھپتا تھا۔ مدیر اعجاز ویلگوری ’’شاہ ضیاء الدین رفاعی‘‘ کے معتقدین میں سے ہیں۔ شاہ صاحب کا مزار ویلگور میں واقع ہے۔ اسی عقیدت کی بنا پر اپنے ہفت روزہ کا نام ’’رفاعی ٹائمز‘‘ رکھا تھا۔ کاتب مترجم وشاعر اعجاز ویلگوری نے عثمان غنی کے تعاون سے ایک علمی وادبی رسالہ ماہ نامہ ’’غزل‘‘ بھی جاری کیا تھا۔

(ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات: بزم محبان اردو کلیان، ۲۰۱۰ء ص: ۲۰۳)

دی انڈین مسلم ٹائمز:

ہفت روزہ ’’دی انڈین مسلم ٹائمز‘‘ اہلِ سنت و جماعت کے معروف اشاعتی ادارے ’’رضا اکیڈمی ممبئ‘‘ سے شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار کا اِجرا فروری ۱۹۹۲ء میں ہوا۔ ڈاکٹر ماجد قاضی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اس اخبار کا سنِ اجرا ۱۹۹۲ء ہی لکھا ہے جب کہ خود رضا اکیڈمی سے مطبوع مولانا صادق رضا مصباحی کی مرتبہ کتاب ’’رضا اکیڈمی کل آج اور کل‘‘ میں اس ہفت روزہ اخبار کے اجرا کا سن ۱۹۹۳ء درج ہے۔ (ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب: ص: ۱۳۸)

۲۰۰۵ء کے اواخر تک یہ سیاسی و مذہبی نوعیت کا ہفت روزہ رہا۔ ۲۰۰۶ء سے اسے خالص مسلک امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے فروغ کے لیے وقف کردیا گیا۔ پہلے یہ اخبار رضا

اکیڈمی کے دفتر واقع ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئ ۳ سے شائع ہوتا تھا، اب اس کی منتقلی رضا اکیڈمی کے نئے دفتر ۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک ممبئ ۹ میں ہوچکی ہے۔ پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر عبدالکریم حسین ہیں، اخبار کے مالک عبدالغفار حسین رضوی ہیں، قیمت فی پرچہ ۳ روپے اور سالانہ ممبر شپ ۱۲۰ روپے ہے۔

ابتدا میں یہ ہفت روزہ آٹھ صفحات پر مشتمل سیاہ وسفید چھپتا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں اس کے ابتدائی شمارے چار رنگوں میں شائع ہوئے تھے۔ کچھ عرصے تک دو رنگوں میں چھپا۔ اب صرف خاص خاص نمبروں ہی میں رنگ نظر آتے ہیں۔ (ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات: ص: ۲۸۵)

مولانا صادق رضا مصباحی کی وضاحت کے مطابق: ''پہلے یہ بارہ صفحات پر مشتمل شائع ہوا کرتا تھا اور اس کے صفحات رنگین ہوتے تھے۔ ۱۲ صفحات سے کم ہوتے ہوتے آٹھ صفحات تک پہنچا۔ دو سال تک چار صفحات کا اخبار شائع ہوتا رہا لیکن اب تقریباً چھ مہینے سے پھر اسے آٹھ صفحات کا کر دیا گیا ہے۔ (رضا اکیڈمی، کل، آج اور کل: ص ۱۳۸) ہفت روزہ مسلم ٹائمز ممبئ نے اگست ۱۹۹۳ء میں امام احمد رضا بریلوی کے فکر وفن اور حیات وخدمات پر مشتمل ایک یادگار ''امام احمد رضا نمبر'' شائع کیا تھا جس کی علمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی تھی۔ اسی طرح اگست ۱۹۹۴ء اور مئی ۲۰۰۰ء میں بھی اعلیٰ حضرت نمبر کی اشاعت ہوئی۔

دی انڈین مسلم ٹائمز کی ادارت سے متعلق ڈاکٹر ماجد قاضی نے یہ تفصیل بھی دی ہے کہ اس اخبار کے پہلے مدیر مختار سید تھے۔ (مختار سید ''م۔ ناگ'' کے قلمی نام سے افسانہ نگاری کرتے ہیں، اردو ٹائمز اور راشٹریہ سہارا کے شعبہ ادارت سے وابستگی کے بعد فی الحال روزنامہ صحافت سے جڑے ہوئے ہیں اور ادبی صفحہ مرتب کرتے ہیں) ان کے بعد قومی جسارت جدید کے مدیر سید ارشاد الحسن، اردو ٹائمز کے معاون مدیر شکیل رشید اور روزنامہ ''ہندوستان'' سے وابستہ محمد اقلیم وغیرہ جز وقتی مدیر کی حیثیت سے یہ فرائض انجام دیتے رہے۔ رضا اکیڈمی کے صدر الحاج محمد سعید نوری اپنی مصروفیات کے باوجود اخبار کے مشمولات پر نظر رکھتے ہیں۔ ''دی انڈین مسلم ٹائمز'' مسلم مسائل اور عالم اسلام سے متعلق خبروں کو ترجیحاً شائع کرتا ہے۔ اخبار میں خبروں، تبصروں اور مضامین کا تناسب اچھا ہے، صفحۂ اول پر اخبار کے نام کی تختی مختصر ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک

حدیث شائع ہوتی ہے اور نام کے بلاک کے ساتھ ہی خبروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ رضا اکیڈمی کی اپیل یا جلسوں وغیرہ کی تصویریں بھی صفحۂ اول پر نظر آتی ہیں۔ صفحہ تین پر اداریہ تحریر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی بڑے اور اہم اور وقیع مضامین بھی اشاعت پذیر ہوتے ہیں اور علمی وادبی کتابوں پر تبصرے اور جائزے بھی اخبار کی زینت بنتے ہیں مثلاً فروری ۲۰۰۹ء کی ایک اشاعت میں ''ہندوستانی مسلمان کدھر جائیں؟ کیا صلح حدیبیہ کی طرح آج بھی ایسی کوئی صلح ہوسکتی ہے؟ ''آر ایس ایس: شدت پسند نظریات کا کارخانہ'' ''کرامات اولیا اور بعد از وصال استمداد'' اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت: تنقیدی مطالعہ کی روشنی میں وغیرہ۔

وقتاً فوقتاً قارئین اور قلم کاروں کے مکتوبات کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔ یہ اخبار مشتہرین اور سالانہ خریداروں کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جاتا ہے۔ کچھ دنوں تک مولانا مقبول احمد سالک مصباحی اور مولانا محمد اطہر احمد مصباحی، تین برسوں سے زائد عرصے تک مولانا صادق رضا مصباحی اور کچھ دنوں تک مولانا صابر رضا رہبر مصباحی اور محترم زبیر قادری بھی اس اخبار کو مرتب کرتے رہے۔ اخبار کے سرکولیشن انچارج محمد ناظم ہیں۔ اخبار ہر ہفتے باقاعدگی سے نکلتا ہے لیکن جہاں تک میرا ذاتی تاثر ہے کہ اس ہفت روزہ اخبار کی ترتیب واشاعت پر اگر ذرا سا بھی دھیان دیا جائے اور کسی ذمے دار صاحب قلم صحافی کو باقاعدہ شعبۂ ادارت سونپ دیا جائے تو یہ اخبار آج بھی دیگر ہفت روزہ اخبارات کے شانہ بشانہ اپنی مقبولیت کا گراف اونچا کرسکتا ہے۔ مولانا صادق رضا مصباحی نے تو یہ خوش خبری تک سنا ڈالی ہے کہ:

''بانی رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری صاحب اسی ہفتہ واری اخبار ''مسلم ٹائمز'' کے معیار کو بہتر سے بہتر کرنے کے لیے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اسے انتہائی اعلیٰ معیار کے ملکی سطح کا ہفت روزہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی پوری کوشش ہے کہ سنیت کی نمائندگی کے لیے ایک روزنامہ بھی نکالا جائے اس کے لیے وہ اپنی ہر ممکن قربانی پیش کرنے کو تیار ہیں۔

(رضا اکیڈمی، کل آج اور کل، ممبئ۔ ۲۰۱۰ء: ص: ۱۳۹)

لیکن راقم کا ذاتی خیال ہے کہ فی الحال کم از کم اس اخبار کو ہفت روزہ باقی رکھ کر مضامین اور خبروں میں تنوع لانے کی کوشش کی جائے اور اس کے حسنِ ترتیب پر توجہ مبذول کی جائے۔

ویسے جس وقت مولانا صادق رضا مصباحی اس کی ادارت سنبھالے ہوئے تھے، پرچے میں کافی نکھار آیا تھا۔ اس دوران کتابوں پر تبصرے چھپتے رہے اور تحقیقی مضامین بھی جگہ پاتے تھے اور ساتھ ہی قارئین کے خطوط بھی شامل رہتے تھے۔ ۹ر تا ۱۵ر فروری ۲۰۰۹ء کے پرچے میں راقم کی کتاب ''خانوادہ رضویہ کی شعری وادبی خدمات'' پر اور ۲ر تا ۸ر فروری ۲۰۰۹ء میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی کتاب ''بولتی تصویریں'' پر مولانا صادق رضا مصباحی کا تنقیدی تبصرہ اس دعوے کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

سہ ماہی افکار رضا، ممبئ:

محترم محمد زبیر قادری نے اپنے مخلصین کے ساتھ ۱۹۹۲ء میں ممبئ میں ''تحریک فکر رضا'' کی بنیاد رکھی۔ بہ قول ان کے: ''۱۹۹۲ء سے احقر نے تحریک فکر رضا کا آغاز کیا۔ اس وقت ممبئ کے ناگ پاڑہ علاقے کے چند احباب کے جزوی تعاون سے دینی لٹریچر کی اشاعت کا کام شروع کیا گیا۔'' (اداریہ، افکار رضا: پچاسواں شمارہ، ۲۰۰۷ء، ص:۵)

تحریک فکر رضا کی اشاعتی خدمات کی تفصیل ہم ان شاء اللہ عروس البلاد کے سنی نشریاتی اداروں کے ضمن میں پیش کریں گے۔ سردست ہمیں سہ ماہی افکار رضا کا تعارف وتذکرہ درج کرنا ہے۔

تحریک فکر رضا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے افکار ونظریات کو عام کرنے کی غرض سے وجود میں آئی تھی اور اس کو کامیاب بنانے کے لیے دینی ومذہبی لٹریچر کی اشاعت ضروری تھی اس لیے زبیر قادری نے مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی کتابوں کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ امام احمد رضا کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے انہوں نے اہل سنت کو ایک نعرہ دیا ''**آپ سنی ہیں اور امام احمد رضا کو نہیں جانتے؟ تعجب ہے!!!**'' یہ نعرہ انہوں نے اسٹیکر کی شکل میں شائع کر کے عام کیا اور آج تقریباً دو دہائی مکمل ہو چکی ہے یہ اسٹیکر چھپ کر امام احمد رضا کے نام وکام کے تعارف کی پہچان بنا ہوا ہے۔

اس کے ساتھ انہیں ایک مقبول عام اور معیاری رسالے کی سخت ضرورت تھی جو تحریک فکر رضا کا ترجمان بن کر سامنے آئے۔ محمد زبیر قادری کو افکار رضا کے اجرا کا خیال کیسے آیا؟

اس سلسلے میں علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (مدیر اعلیٰ جہان رضا، لاہور) کی یہ تحریر پیش کی جا سکتی ہے، رقم طراز ہیں:

''ایک زمانہ تھا، ممبئ سے ہمارے ایک دوست معین الدین احمد، مالک اجمیری کتب خانہ مطبوعات منگوایا کرتے تھے۔ ہم ان کتابوں میں ''جہان رضا'' کے چند شمارے رکھ دیا کرتے تھے۔ محمد زبیر قادری چلتے پھرتے ''جہان رضا'' اٹھاتے اور اول سے آخر تک پڑھتے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار کو دل کی گہرائیوں میں سمیٹتے۔ یہ مطالعہ، یہ محبت، یہ عشق انہیں کشاں کشاں بریلی کی گلیوں میں لے گیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مزار پر لے گیا، اعلیٰ حضرت کی کتابوں کے ذخیروں میں لے گیا، افکار رضا کی وادیوں میں لے گیا، پھر گلستانِ رضا کے باغوں میں لے گیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ تحریک فکر رضا ممبئ ''افکار رضا'' جاری کرے گی اور لوگوں کو آواز دے کر کہا کہ:

رضا کی زباں تمہارے لیے رضا کی فغاں تمہارے لیے

ممبئ سے ''افکار رضا'' دراصل ''جہان رضا لاہور'' کے باغوں کا ایک پھول بن کر نکلنے لگا۔'' (جہان رضا، لاہور: شمارہ ۱۵۰، دسمبر ۲۰۰۷ء ص: ۶۲، ۶۳)

محمد زبیر قادری کو جہان رضا کا انداز بے حد پسند آیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے رہ نمائی کے لیے کئی علمائے کرام اور اربابِ قلم کو خطوط لکھے۔ ایک خط انہوں نے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو بھی روانہ کیا۔ ان کا جواب محبت نامہ بڑا خوش آیند اور حوصلہ افزا چہرہ لے کر آیا اور یہی محبت نامہ زبیر قادری کے لیے فال نیک ثابت ہوا اور انہوں نے تحریک فکر رضا کے زیر اہتمام سہ ماہی ''افکار رضا'' کے اجرا کا اعلان کر دیا اور جولائی تا ستمبر ۱۹۹۵ء میں اس کا پہلا شمارہ مطلعِ صحافت پر طلوع ہو گیا اور مسلسل تیرہ سال تک باقاعدگی کے ساتھ ہر تین ماہ پر نکلتا رہا۔ اس دوران اس رسالے کے کل ۴۹ شمارے منظر عام پر آئے اور پاک و ہند کے ہزاروں علما و مشائخ اور ارباب قلم کے مطالعے کی زینت بنے۔ ملک و بیرون ملک کی اہم لائبریریوں میں پہنچے، مطالعۂ رضویات کی ایک لہر دوڑا دی۔ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء میں افکار رضا ممبئ نے اپنا پچاسواں آخری خصوصی شمارہ شائع کیا اور پھر ہندوستان میں رضویات کی نمائندگی کرنے والا اتنا اہم اور معیاری جریدہ ابدی

نیند سو گیا۔ آخری شمارے کے اداریے میں محترم زبیر قادری لکھتے ہیں:

''افکار رضا کی ابتدا کی وجہ یہ بنی کہ ہم نے دیکھا کہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو صرف زبانی حد تک ہی یاد کیا جاتا ہے۔ (الا ماشاءاللہ) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار ونظریات کے فروغ کے لیے کوئی ٹھوس مستقل کام نہیں ہو رہا ہے۔ ان کی فکر، حیات وخدمات کے بارے میں ٹھوس تحقیقی کام بہت کم ہوا۔ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کا خانوادہ، خلفا، مریدین، محبین، معتقدین، منتسبین کی تعداد کروڑوں میں ہونے کے باوجود یہاں اعلیٰ حضرت پر مستقل بنیادوں پر کوئی تحقیقی کام ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب کہ پاکستان میں ۱۹۶۵ء سے لے کر آج تک امام احمد رضا کے افکار ونظریات پر مستقل تحقیقی واشاعتی کام جاری ہے۔'' (ص:۵،۶)

اور رسالے کے بند کرنے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے لکھتے ہیں:

''پھر رضویات پر جدید علمی وتحقیقی مقالات کی عدم فراہمی اور دیگر رسائل میں بھی رضویات پر مشتمل مضامین کی اشاعت کی بنا پر افکار رضا کی اشاعت موقوف کر دی۔''

سہ ماہی افکار رضا ممبئ میں ہند وپاک، امریکہ وانگلینڈ کے جید ارباب قلم کی نگارشات شائع ہوتی تھی۔ رسالے میں اداریے کے علاوہ تحقیقی مقالات ومضامین، تبصرہ ہائے کتب، منظومات، مکتوبات اور دینی ومذہبی سرگرمیوں کی تفصیل چھپتی تھی۔ بزرگ قلم کار ڈاکٹر صابر سنبھلی مراد آبادی کا قسط وار مضمون ''ترجمۂ قرآن کنزالایمان کا لسانی جائزہ'' افکار رضا کے مختلف شماروں میں چودہ قسطوں میں شائع ہوا اور بعد میں زبیر قادری نے تحریک فکر رضا کے زیر اہتمام کتابی شکل میں مجلد شائع کیا۔ زبیر قادری کو چار پانچ بار پاکستان جانے کا بھی اتفاق پڑا ہے جس کی مکمل روداد ''روداد پاکستان اور میرے رضا کا پاکستان'' کے نام سے ۲۲ قسطوں میں لکھی اور افکار رضا کے صفحات پر انہیں جگہ دی گئی۔ سفر پاکستان کی آخری قسط انہوں نے افکار رضا کے پچاسویں خصوصی شمارے کے اخیر حصے میں شامل کی ہے۔ محترم سید صابر حسین شاہ بخاری نے سہ ماہی افکار رضا کے ۴۹ شماروں کا اشاریہ ترتیب دیا ہے جسے زبیر قادری نے پچاسویں شمارے کے صفحہ ۴۴۶ تا ۴۸۸ پر جگہ دی ہے اور یہی اشاریہ رضا اکیڈمی ممبئ کے زیر اہتمام القلم فاؤنڈیشن پٹنہ سے اشاعت پذیر سہ ماہی جریدے ''رضا بک ریویو'' کے ''رضویات کا اشاریہ نمبر'' میں بھی شامل

کیا گیا ہے جو اپنی نوعیت کا منفرد المثال اور بے حد جامع اشاریہ ہے۔افکار رضا کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی کہ اسلام آباد پاکستان سے ڈاکٹر خورشید سعیدی صاحب ہر شمارے کا تنقیدی جائزہ لیتے تھے جو اگلے شمارے میں شائع ہوتا تھا۔یہ سلسلہ کچھ مہینوں تک جاری رہا۔پھر اس کے بعد مولانا صادق رضا مصباحی المجمع الاسلامی مبارک پور سے تنقیدی مطالعہ پیش کرتے رہے جو افکار رضا بند ہونے تک جاری رہا۔اسے علمی حلقوں میں کافی سراہا گیا۔

سہ ماہی افکار رضا کے اندرونی صفحات میں سرنامے پر یہ عبارت درج ہوتی تھی ''امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار'' ۔یہ جریدہ پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق محمد عمر کے زیر انتظام پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس ۱۸ اشنکر بلڈنگ، ناگ پاڑہ ممبئ ۸ سے چھپ کر دفتر ۱۶۷ ڈِم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ ممبئ ۸ سے جاری ہوتا رہا۔حیرت کی بات تو یہ کہ ۴۹ شمارے بلا قیمت تقسیم ہوئے ،صرف آخری خصوصی شمارے کی قیمت ۱۵۰ روپے درج کی گئی ورنہ اور شماروں پر کوئی قیمت درج ہی نہیں ہوتی تھی۔افکار رضا کا پچاسواں خصوصی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء کو منظر عام پر آیا۔اس خاص شمارے کے لیے انتخابِ مضامین، ترتیب، تدوین اور حسنِ صوری ومعنوی کی تفویض میں مولانا صادق رضا مصباحی محترم زبیر قادری کے قدم قدم پر معاون ونگراں رہے۔ ہر باب کی ابتدا میں انہوں نے ہی ایک صفحے کا تعارف نامہ بھی تحریر کیا جس سے اس باب میں شامل مضامین اور ان کے قلم کاروں کا تعارف بھی ہوگیا۔۴۹۶ صفحات پر مشتمل اس ضخیم نمبر کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔اداریہ محمد زبیر قادری کی نوک قلم سے تحریر کیا گیا ہے جب کہ پیش نامہ مولانا صادق رضا مصباحی نے لکھا ہے۔ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے: باب اول: تاثرات، باب دوم: حیات، باب سوم: خدمات، باب چہارم :فکریات، باب پنجم :اسلوبیات، باب ششم : شعریات، باب ہفتم: اثرات اور باب ہشتم منظومات پر مشتمل ہے۔اس کے بعد افکار رضا کا دھنک رنگ اشاریہ اور میرے رضا کا پاکستان کی آخری قسط شامل کی گئی ہے۔مقالات ومضامین کی تعداد ۲۹ ہے۔راقم الحروف نے بھی پہلی بار امام احمد رضا پر ایک مضمون بعنوان ''امام احمد رضا اور دعوت وتبلیغ'' لکھ کر افکار رضا کی بزم اخیر میں حاضری دی تھی اور اپنا نام شہیدوں کی فہرست میں لکھوالیا تھا۔افکار رضا کے بند ہونے کا ہمیں قلق ہے لیکن کیا جائے ، یہ ہماری جماعت کا المیہ

ہے کہ جس طرح ہم ہر مسئلہ چٹکیوں میں حل کرنے کا حوصلہ رکھنے کی بات کرتے ہیں اور وہ لاینحل چھوٹ جاتا ہے اسی طرح بڑے بڑے روح فرسا حادثات کا ہمارے ذہن وضمیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم اتنا مضبوط اور توانا دل رکھتے ہیں کہ ایک افکار رضا نہیں سیکڑوں افکار رضا کا غم سہہ سکتے ہیں اور ہمارے ماتھے پر شکن نمودار نہیں ہوتی۔ کاش! ہم اپنے آپ کو بدل پاتے؟

سہ ماہی افکار رضا بند ضرور ہو گیا لیکن اس کے پچاسوں شمارے ایک لمبے زمانے تک اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہیں گے۔ فکر رضا کی خوشبوؤں سے علمی وفکری گلیاں مشک بار رہیں گے اور محققین رضویات اس خوانِ علم سے خوشہ چینی کرتے رہیں گے اور افکار رضا رضویات کا ایک مستند حوالہ بنا رہے گا۔

سال نامہ ''یادگار رضا'' ممبئ:

رضا اکیڈمی ممبئ کا دوسرا اہم ترجمان سال نامہ ''یادگار رضا ممبئ'' ہے۔ یہ سال نامہ مولانا شہاب الدین رضوی کے ایما اور تحریک پر شروع کیا گیا تھا جس کا پہلا شمارہ ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس کے پہلے مدیر اعلیٰ مولانا شہاب الدین رضوی تھے جو کئی سالوں تک اسے مرتب کرتے رہے۔ ۲۰۰۳ء سے محبّ محترم غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگ) یادگار رضا کے مدیر ومرتب ہیں۔ مفتی محمد عیسیٰ رضوی کی وضاحت کے مطابق ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۵ء تک یادگار رضا ممبئ کے کل ۲۲ شمارے منظر عام پر آئے اور فکر رضا کی اشاعت میں یادگار کام کیا۔ دنیائے رضویات بشمول ہندو پاک میں اسے خاطر خواہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ رضا بک ریویو (پٹنہ) کے رضویات کے اشاریہ نمبر میں ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والے یادگار رضا کے سات شماروں کا اشاریہ خود غلام مصطفیٰ رضوی کی ترتیب کے ساتھ موجود ہے جسے مذکورہ نمبر کے صفحہ ۲۸۴ تا ۲۹۰ میں جگہ دی ہے۔ مولانا صادق رضا مصباحی نے اپنی مرتبہ کتاب ''رضا اکیڈمی، کل، آج اور کل'' کے پانچویں باب ''رضا اکیڈمی: صحافتی آفاق'' میں سال نامہ یادگار رضا کا تذکرہ درج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''یادگار رضا نے فکرِ رضا کی اشاعت کے خاکے میں بڑی تن دہی اور غیر معمولی مساعی کے ساتھ رنگ آمیزی کی ہے۔ (مذکورہ کتاب: ص: ۱۳۸)

مولانا محمد توفیق نعیمی (المجمع الاسلامی، بریلی شریف) نے اپنے تفصیلی مضمون ''اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا پر کتابیں'' (مشمولہ رضا بک ریویو پٹنہ کے رضویات کا اشاریہ نمبر: جنوری، فروری، مارچ، ۲۰۱۲ء ص ۸۰) میں یادگار رضا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: '' غالباً ۱۹۹۴ء سے رضا اکیڈمی نے عرس رضوی کے موقع پر سال نامہ یادگار رضا شائع کرنا شروع کیا اور اب تک مسلسل جاری ہے۔ (مذکورہ جریدہ: ص: ۱۰۴)

یادگار رضا ممبئ کے کئی شماروں کا راقم الحروف نے بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور فکر رضا کی بھینی بھینی خوشبوؤں کی لطافت محسوس کی ہے۔ ہندو پاک کے مؤقر اربابِ قلم کی قیمتی تحریروں سے سجا سجایا ہوا ہر شمارہ اپنی جگہ ایک یادگار دستاویز ہوتا ہے اور مطالعے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس وقت میرے روبرو ۲۰۱۱ء کا شمارہ موجود ہے جو کتابی سائز کے دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کے مشمولات پر اجمالی نگاہ ڈالتے ہیں۔ مدیر جریدہ غلام مصطفیٰ رضوی نے '' فکر رضا، حمایت دین اور صحافت'' کے عنوان سے بڑا اچھا اداریہ لکھا ہے۔ اس کے بعد انتہائی وقیع اور جدت آمیز کالمز کی کہکشاں سجادی ہے۔ دعوت فکر، ادبیات، نظریات، ضیاے حرم، پیش رفت، منظومات، تحقیقات، آئینۂ صداقت، ضیاے نوری، ضیاے شرف، تعارف و تجزیہ، اجالوں کے سفیر، آئینۂ خدمات، منزل بہ منزل اور یاد رفتگاں۔

مذکورہ کالموں پر اچٹتی نگاہ ڈالنے ہی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شمارہ کس قدر قیمتی اور بے حد متنوع ہے جس کے تحت اداریہ کے علاوہ سولہ اہم تحقیقی و تجزیاتی مضامین اور تنقیدی مقالات کو جگہ دی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ اس چھوٹے سے کوزے میں سمویا گیا ہے۔ سال نامہ یادگار رضا ممبئ ہر سال عرس رضوی کے موقع پر رضا اکیڈمی، ۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئ ۹ سے شائع ہوتا ہے۔ مدیر و مرتب غلام مصطفیٰ رضوی تن تنہا ہر شمارہ مرتب کرتے ہیں۔ یہ رسالہ ہندو پاک کے مشہور ارباب قلم، اہم اہم لائبریریوں اور قابل قدر علما و محققین تک پہنچتا ہے اور ان کے تاثرات بھی بشکل مکتوبات شائع ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے یادگار رضا کی فکر رضا کی اشاعت میں گراں قدر خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو، سید آل رسول نظمی میاں مارہروی، سید امین میاں مارہروی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی وغیرہم کے اسما

پیش کیے جاسکتے ہیں جب کہ پاکستان سے یادگار رضا کی سراہنا کرنے والوں میں حکیم موسیٰ امرتسری، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، علامہ اقبال احمد فاروقی، علامہ سید وجاہت رسول قادری، مولانا منشا تابش قصوری اور شیخ محمد عارف ضیائی وغیرہم کے نام قابل تذکرہ ہیں۔ ان حضرات کی حوصلہ افزائیوں نے یادگار رضا کو کافی رنگ وروغن فراہم کیا۔ ۲۰۱۲ء میں کسی وجہ سے یادگار رضا نہ شائع ہوسکا اور ابھی حال ہی میں عرس رضوی کے موقع پر اس کا شمارہ منظر عام پر آیا ہے۔ جس کے لیے رضا اکیڈمی ممبئ اور مدیر غلام مصطفیٰ رضوی خصوصی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

یادگار رضا سے متعلق ایک آخری بات قارئین ذہن نشین رکھیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے وصال (۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ) کے لگ بھگ چھ سال بعد حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ماہ نامہ یادگار رضا جاری ہوا تھا جو حضور جیلانی میاں کے اہتمام، مولانا ابرار حسن تلہری کی ادارت اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے مالی تعاون سے ۱۳۴۹ھ تک جاری رہا اور پھر بند ہوگیا۔ مفسر اعظم علامہ محمد جیلانی میاں علیہ الرحمہ نے ۱۹۶۰ء میں ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا اجرا فرمایا۔ یہ جریدہ اپنی پچاسویں سال گرہ منا کر اب تک جاری ہے اور رضا اکیڈمی ممبئ نے ۱۹۹۴ء میں ماہ نامہ یادگار رضا بریلی کی نشاۃِ ثانیہ سال نامہ کی شکل میں کی اور حجۃ الاسلام کی یہ یادگار آج بھی ہمارے درمیان چل پھر رہی ہے اور اپنی موجودگی کا بھرپور احساس دلا رہی ہے۔ فکر رضا بھی عام ہو رہی ہے اور فیضانِ رضا بھی جلوہ ریز ہے۔

پیغام رضا، ممبئ:

معروف قلم کار مولانا رحمت اللہ صدیقی نے رضا دار المطالعہ کے نام سے ۱۹۹۵ء میں ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۹۶ء میں عرس امام احمد رضا کے موقع پر ''پیغام رضا ممبئ'' کا ''امام احمد رضا نمبر'' شائع کیا، جو مضامین کے حسن انتخاب، کتابت اور طباعت ہر لحاظ سے خوب تر ہے۔ پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر سے قبل ماہ نامہ ''پاسبان'' الٰہ آباد کا امام احمد رضا نمبر (اپریل ۱۹۶۲ء) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کا اعلیٰ حضرت نمبر (جون ۱۹۶۲ء) ماہ نامہ نوری کرن، بریلی شریف کا امام احمد رضا نمبر (۱۹۶۳ء) ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ کا امام احمد رضا نمبر

(۱۹۶۴ء) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی کا مجدد اعظم نمبر (۱۹۶۶ء) ترجمان اہل سنت، کراچی کا اعلیٰ حضرت نمبر (مارچ ۱۹۷۰ء) عرفات، لاہور کا اعلیٰ حضرت نمبر (اپریل ۱۹۷۰ء) فیض رضا، لائل پور کا اعلیٰ حضرت نمبر (۱۹۷۰ء) ماہ نامہ المیزان ممبئ کا امام احمد رضا نمبر (۱۹۷۶ء) روز نامہ ''سعادت'' لاہور کا حضرت مولانا احمد رضا خان نمبر (۱۹۷۵ء) پندرہ روزہ الحسن پشاور کا رضا نمبر (۱۹۷۵ء) ماہ نامہ حجاز جدید دہلی کا امام اہل سنت نمبر (۱۹۸۹ء) وغیرہا نمبرات شائع ہو چکے ہیں۔ پیغام رضا ممبئ نے فکر رضا کے اس عظیم سلسلے کی توسیع کرتے ہوئے مذکورہ نمبر شائع کیا اور نئے مضامین لکھوا کر اس میں شامل کیے۔ پیغام رضا ممبئ کے اس افتتاحی شمارے کے متعلق مزید کچھ نہ کہہ کر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم قادری سابق پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد، دہلی کے تاثرات علی الترتیب ملاحظہ کر لیں۔

ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم لکھتے ہیں:

''پیغام رضا کا زیر گفتگو افتتاحی شمارہ مجموعی طور پر دور حاضر میں امام احمد رضا کی نظر وفکر اور ان کی دینی وملی خدمات سے قارئین کو علمی انداز سے متعارف کرانے کے سلسلے کی اہم کڑی ہے اور مضبوط کڑی ہے۔ (پیغام رضا، ممبئ: مفتی اعظم نمبر، مارچ ۱۹۹۷ء ص:۳۵۱)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی رقم طراز ہیں:

''پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس رسالے کا خصوصی شمارہ اس لیے قابل توجہ ہے کہ ہندوستان میں سنی صحافت کے حوالے سے جتنے نمبر اہتمام سے شائع ہوئے ہیں، یہ ان میں سے ایک ہے۔ (حوالۂ سابق: ص:۳۵۸)

متذکرہ بالا تاثرات سے پیغام رضا کے مذکورہ نمبر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی نے امام احمد رضا نمبر کے معاً بعد امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور خدمات جلیلہ پر ایک ضخیم مفتی اعظم نمبر ۱۹۹۷ء میں شائع کیا جسے علمی دنیا میں کافی شہرت ومقبولیت ملی۔ اس تاریخی نمبر میں اداریے کے علاوہ حضور مفتی اعظم ہند کی ذات وخدمات اور فکر وفن پر مشتمل مختلف

موضوعات پر ۲۷ مضامین ومقالات شامل کیے گئے اور اخیر میں پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر پر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا تحریر کردہ تعارف وتبصرہ درج کیا گیا۔قلم کاروں میں ہندوستان کے جیدار باب علم وافتااور باکمال شعرا وادبا ومحققین کے اسما اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ پیغام رضا کا یہ خاص شمارہ بھی اپنے موضوع پر ایک بھرپور شمارہ ہے۔

مولانا محمد عیسیٰ رضوی مصباحی ام دونوں خاص نمبرات کی اشاعت پر مدیر موصوف کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے اس راہ (قلمی جہاد) میں آنے ولی تمام تر مشکلات کو انتہائی عزم وحوصلے اور پیہم صبر وشکر کے ساتھ گلے لگاتے ہوئے پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر اور مفتی اعظم نمبر شائع کر کے ایک تقلیدی کارنامہ انجام دیا ہے۔''

(پیغام رضا، ممبئ، امام احمد رضا نمبر جلد دوم، ۱۹۹۸ء، ص:۵۱۲)

پیغام رضا ممبئ کے تمام شمارے رضا دارالمطالعہ پوکھریرہ، سیتامڑھی بہار کے زیر اہتمام شائع ہوئے تھے۔مولانا رحمت اللہ صدیقی نے پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر کی دوسری جلد ۱۹۹۸ء میں شائع کی اور بے حد اہم اور وقیع مضامین ومقالات کا انتخاب کیا۔یہ نمبر ۵۲۸ صفحات کو محیط مجلد چھپ کر منظر عام پر آیا۔اس میں خود مولانا رحمت اللہ صدیقی نے امام احمد رضا کی دوسری جلد کی ترتیب واشاعت کی وجوہات بیان کی ہیں۔لکھتے ہیں:

''قارئین کرام! پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر کی یہ دوسری جلد ہے۔اس میں ہندو پاک کے مشاہیر کہنہ مشق اہل قلم کے تحقیقی، معلوماتی اور فکر انگیز مقالات وتاثرات شامل ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت کے نت نئے گوشے پہلی بار آپ کے سامنے آئیں گے جس سے آپ کے دماغ ہی نہیں بلکہ روح بھی وجد وکیف کے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔''(ص:۲۵)

آگے انہوں نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ ۱۹۹۶ء میں جو امام احمد رضا نمبر ہم نے شائع کیا تھا اس میں عام قارئین کا بہت کم خیال رکھا گیا تھا لیکن یہ نمبر جو آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے، اس میں عام قارئین کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اس میں ہر صالح ذوق کی تسکین کا

سامان موجود ہے اور رضویات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ نمبر یقیناً دستاویز کا کام دے گا۔ مولانا کی اس بات سے راقم بھی اتفاق رکھتا ہے۔ پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر واقعی رضویات کا ایک بنیادی حوالہ بننے کا مستحق ہے اور کوئی بھی محقق اسے نظر انداز کر کے اپنی تحقیق کو مسلم الثبوت نہیں بنا سکتا۔ اسی نمبر میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی کا ترتیب دیا ہوا دائرہ معارف امام احمد رضا بھی شامل کیا گیا ہے جو پندرہ ضخیم جلدوں کا اجمالی خاکہ ہے۔ بہ قول پروفیسر مسعود احمد:

''آج ہماری ہمتیں اتنی پست ہیں کہ پندرہ مجلدات پر مشتمل امام احمد رضا کا سوانحی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنا دشوار نظر آرہا ہے لیکن امام احمد رضا کی ہمت بلند کو مرحبا کہیے کہ انہوں نے صرف فتاویٰ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں مرتب کر ڈالیں اور ان کے حوصلے کو حبذا کہیے کہ پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر ہزار سے زیادہ کتب ورسائل لکھ ڈالے۔'' (حوالۂ سابق،ص:۲۲۲)

صرف یہ دائرہ معارف امام احمد رضا ہی ۴۴ صفحات کو محیط ہے اور یہ قرض اب بھی ہمارے اوپر واجب الادا ہے۔ مذکورہ نمبر میں مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے مولانا رحمت اللہ صدیقی، مدیر سید اولادرسول قدسی مصباحی اور معاون مدیر میں ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کا نام درج ہے۔

ابتدا میں پیغام رضا سال نامے کی حیثیت سے چھپتا رہا۔ بعد کے سالوں میں اسے سہ ماہی کیا گیا لیکن شاید ہی پابندی کے ساتھ کوئی شمارہ تین ماہ پر منظر عام پر آیا ہو۔ کبھی پورے سال میں صرف ایک ہی شمارہ نکلا اور کبھی دو کا بھی دیدار ہوا۔ گزشتہ ۲۰۱۱ء اور ۲۰۱۲ء میں کوئی بھی شمارہ نہیں نکلا۔ اس کی وجوہات بحق مدیر اعلیٰ محفوظ ہیں۔ پیغام رضا کے کالمز کی صراحت بھی کر دیں تو بہتر ہے، تو سنیے: اداریہ، پیغامات، رضویات، شخصیات، تعاقبات، مکتوبات، منظومات، تنقیدات، مذکورہ کالمز کے ناموں کا تنوع قابل تذکرہ ہے۔ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء کا شمارہ جو ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں دو کالموں کا اور اضافہ ہے: ''اعترافات اور ادبیات''۔ پیغام رضا نے مارچ ۲۰۰۷ء میں مسلک اعلیٰ حضرت پر ایک خصوصی شمارہ ۳۹۲ صفحات کو محیط مجلد شائع کیا۔ جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء کا شمارہ فکر وتدبیر نمبر کی صورت میں ۳۷۵ صفحات میں چھپا۔ پھر یہی خصوصی شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۹ء میں دوسرا ایڈیشن مع اضافہ شائع ہوا جس میں حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ پر خصوصی گوشہ بھی شامل اشاعت تھا جس کے کل صفحات ۴۰۸ تھے۔ یہ شمارہ کافی دیدہ

زیب اور خوب صورت چھپا اور کئی مضامین اول فرصت میں مطالعے کا تقاضا کرتے ہیں۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی نے پیغام رضا اور رضا دار المطالعہ کے پلیٹ فارم سے بے شمار علمی وادبی کتابیں شائع کر کے عام کی ہیں جو انتہائی قابل قدر اقدام اور لائق ستائش کام ہے۔ ان کتابوں میں مشائخ چشت اور امام احمد رضا (رحمت اللہ صدیقی) مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں؟ (سید نظمی میاں اور مفتی مطیع الرحمٰن رضوی) واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا (مناقب کا مجموعہ) (مرتب: رحمت اللہ صدیقی) خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا (مولانا مختار اشرف اشرفی) امتیاز اہل سنت (رحمت اللہ صدیقی) جن میں آخر الذکر تینوں کتابیں علی الترتیب ۲۰۰ اور ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان کے علاوہ اشعار امام احمد رضا کی تشریح وتوضیح پر مشتمل مولانا عبدالستار ہمدانی کی دو ضخیم جلدوں میں مرتب کردہ کتاب ''عرفان رضا'' پانچ پانچ سو صفحات کی ضخامت لیے ہوئے ۱۹۹۷ء میں شائع کی جسے مذہبی حلقوں میں کافی سراہنا ملی۔ مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی کی ادبی شخصیت اور شاعری کو محیط ایک اہم کتاب قدسی: شخص اور شاعر (مرتب: رحمت اللہ صدیقی) ۲۰۰۸ء میں چھپی۔ ان کے علاوہ قدسی مصباحی کی نعتیہ شاعری، غزلیہ شاعری اور نظموں کے کئی مجموعے یہاں سے طبع ہوئے۔ ''لب ولہجہ'' (نعتیہ مجموعہ، سن اشاعت ۲۰۰۰ء) رفتہ رفتہ (غزلیہ مجموعہ، ۲۰۰۳ء) لوح محفوظ (نعتیہ مجموعہ، ۲۰۰۵ء) لحہ لحہ (نظموں کا مجموعہ ۲۰۱۰ء) تروتازہ (غزلیہ دیوان، ۲۰۱۰ء) خدا، نہ خدا سے جدا (نعتیہ دیوان، ۲۰۱۰ء) وغیرہ کتابیں پیغام رضا ممبئ کے زیر اہتمام رضا دار المطالعہ سے شائع ہوئیں اور ملک وبیرون ملک جنہیں کافی پڑھا گیا اور انہیں نقد ونظر کے ایوان میں بٹھایا گیا۔ یہ طرز عمل خود ان کتابوں کی وقعت ومقبولیت کی دلیل بن جاتا ہے۔ اخیر میں ہم مولانا رحمت اللہ صدیقی سے ضرور یہ شکایت کرنے میں حق بہ جانب ہیں کہ سال نامہ پیغام رضا ممبئ کے ابتدائی سالوں میں جو خاص نمبرات اس کے بطن سے نکلے اور جو باب رضویات میں ایک مستند حوالہ بن گئے، کیا اب اسی قدر جامع اور متنوع رنگ خاص شمارے ترتیب نہیں دیے جاسکتے؟ ہم معروضی انداز میں سنجیدہ اسلوب کا سہارا لے کر حقیقت کی نقاب کشائی کو اپنا شیوہ بنالیں تو آج بھی ہم فاتح زمانہ بن سکتے ہیں۔

قومی جسارت جدید: ہفت روزہ ''قومی جسارت جدید'' جو عام طور پر ''جسارت'' کے نام

سے معروف ہے، فرینڈز گروپ آپ پبلی کیشن کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے مدیر سید ارشاد الحسن ہیں۔ ٹیبلائیڈ سائز پر چھپنے والا اس اخبار کا اجرا اکتوبر ۲۰۰۳ء میں ہوا۔ پہلے یہ اخبار روزنامہ ہندوستان کے مطبع ہندوستان پرنٹنگ پریس میں طبع ہوتا تھا اور دفتری پتہ ۲۶ دھرم شی اسٹریٹ، نذر علی خان بلڈنگ دوکان نمبر ۷، ممبئ ۳ تھا لیکن فی الحال یہ اخبار شاہد پرنٹنگ پریس، گالا نمبر ۶۹، سیکنڈ فلور میونسپل انڈسٹریل اسٹیٹ، پی بی مارگ، ممبئ ۸ سے طبع ہوکر ۲۹۷ اسحاق منزل، دوکان نمبر ۶ ۴ گراؤنڈ فلور، ایس وی پی روڈ، ممبئ ۳ سے شائع ہوتا ہے۔ اخبار کے سن اِجرا کے متعلق ڈاکٹر ماجد قاضی کی تحقیق اکتوبر ۲۰۰۳ء ہے جب کہ ۲۷ جنوری تا ۲ فروری ۲۰۱۳ء کے پرچے میں جلد نمبر ۷ اور شمارہ نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سن اجرا ۲۰۰۷ء ہے۔ اخبار میں موجود رجسٹریشن نمبر کے ساتھ بھی ۲۰۰۷ء درج ہے۔ ہفتہ وار عام شمارہ بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ قیمت فی پرچہ تین روپے ہے۔ خصوصی شمارے میں سولہ صفحات ہوتے ہیں جس کے کوَر پیج آرٹ پیپر پر چار رنگوں میں پرنٹ ہوتے ہیں اور قیمت فی پرچہ پانچ روپے ہوتی ہے۔ قومی جسارت جدید اپنے محدود وسائل کے باوجود بڑی باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ماجد قاضی لکھتے ہیں: ''اخبار کی کوئی سیاسی یا نظریاتی وابستگی نہیں ہے۔ یہ ایک کھلا منچ ہے، ملی مسائل کی ترجمانی اخبار کی ترجیحات میں شامل ہے۔ قومی جسارت جدید کا زیادہ تر اخباری مواد ملک کے اہم اردو اخبارات کا مرہون منت ہے۔''

آگے ایک جگہ رقم طراز ہیں: ''قومی جسارت جدید، بریلوی مکتب فکر کا ترجمان ہے۔ اخبار کی پالیسی بہت صحت مند ہے۔ دوسرے مکاتب فکر پر چوٹیں کرنا یا اختلافی مسائل کو ہوا دینا، اس اخبار کا شیوہ نہیں لیکن خصوصی فیچر اور انٹرویو کے لیے ایک ہی مکتب فکر کے مفکرین وقائدین کو ترجیحاً منتخب کیا جاتا ہے۔ (ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات: بزم محبان اردو کلیان، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۹۰، ۲۹۱)

اخبار کے مدیر سید ارشاد الحسن اخبار کو بہتر سے بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ یہ اخبار اب بھی جاری ہے اور اپنے ہم عصر اردو اخبارات کے درمیان ایک نمائندہ ہفت روزہ کی حیثیت سے اپنا ممتاز مقام بنانے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔

ہفت روزہ ''سیرت'':

۲۰۰۴ء سے جاری ہفت روزہ ''سیرت'' کے چیف ایڈیٹر، پبلشر اور مالک معین الدین شیخ اجمیری ہیں۔ اخبار ٹاپ پرنٹرس یونٹ نمبر ۳۳۱، پرگتی انڈسٹریل، ۳۱۶ این ایم جوشی مارگ، دلائل روڈ، لوور پریل ممبئ ۱۱۔ سے طبع ہوکر مولانا شوکت علی روڈ، امپریل بلڈنگ، دوٹانکی، ممبئ ۸ سے شائع ہوتا ہے۔ جس کے کل صفحات ٹیبلائیڈ سائز کے بارہ ہوتے ہیں اور قیمت فی پرچہ پانچ روپے ہے۔ ہر ہفتہ باقاعدگی سے چھپتا ہے۔ اس اخبار کا پہلا اور آخری صفحہ خبروں کے لیے وقف ہے، بقیہ دس صفحات مستقل عنوانات کے تحت آتے ہیں۔ کبھی کبھی ان میں چند تفصیلی خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ صفحہ ۲ پر اداریہ ہوتا ہے، صفحہ ۳ پر کبھی مضامین اور کبھی خبریں رہتی ہیں، صفحہ چھ اور سات اردو زبان و ادب کے لیے وقف ہوتا ہے جسے فرحان حنیف وارثی مرتب کرتے ہیں جس میں ادبی کتابوں پر تبصرے، غزلیں، افسانے اور ادبی تفصیلات شامل رہتی ہیں۔ کبھی صفحہ تین اور کبھی سات پر مذہبی عنوان پر ہر ہفتہ نوجوان عالم مولانا منصور عالم قادری ایک مضمون تحریر کرتے ہیں اور دیگر صفحات میں کھیل، سائنس، ادب، تعلیم، جغرافیہ اور فلمی دنیا سے متعلق مضامین اور خبریں پیش کی جاتی ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۱ پر مستقل طور پر بوہرہ داعی کے ظلم واستبداد کے خلاف اصلاحی تحریک کی جدوجہد کے نام سے قسط وار مضمون پورے ایک صفحے پر لکھا جارہا ہے۔ ۳ تا ۹ جنوری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں اس مضمون کی ۱۷۹ ویں قسط شامل کی گئی ہے جس کی ذیلی سرخی کچھ اس طرح ہے، ''بوہرہ داعی کے جرائم کا سلسلے وار کچا چٹھا'' لیکن تعجب ہے کہ مضمون نگار کا نام صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے۔ غالباً اس ادارے کی جانب سے شائع کیا جارہا ہے۔ اخبار کے مدیر معین الدین شیخ اجمیری نے ۲۰۰۴ء میں اس اخبار کو جاری کیا اور آل انڈیا تبلیغ سیرت سے وابستگی کے سبب اس کا نام سیرت تجویز کیا۔ اخبار میں بیک وقت مذہبی، سیاسی اور معاشرتی خبروں کو جگہ دی جاتی ہے اور مستقل مضامین بھی انہیں پر لکھوائے جاتے ہیں البتہ ایک انکشاف ڈاکٹر ماجد قاضی کے قلم سے بھی ملاحظہ کرلیں، لکھتے ہیں: ''معین الدین شیخ اجمیری مختلف تنازعات میں گھرے رہتے ہیں، وہ خود قلم کے دھنی نہیں ہیں، اپنی تحقیقات دوسروں سے لکھواتے ہیں اور اپنی حق گوئی و بے باکی کی داد چاہتے ہیں۔''

آگے ایک جگہ مزید رقم طراز ہیں:

'ہفت روزہ سیرت اپنی دل چسپیوں اور نیرنگیوں کی بنیاد پر ایک اچھا رسالہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس کے مالک و مدیر معین الدین شیخ اجمیری نے افراد اور اداروں کی کردار کشی کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس نے خود اخبار کے کردار کو مشکوک بنادیا ہے۔''

(ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات: بزم محبان اردو کلیان ۲۰۱۰ء ص:۲۹۱، ۲۹۴)

یہ سچ ہے کہ سنجیدہ اسلوب بیان اور معروضی طرز تحریر میں جو مقناطیسیت ہوتی ہے جذباتی اور غیر شائستہ تحریریں اس خصوصیت سے یکسر خالی ہوتی ہیں بلکہ ان کی اثر انگیزی ترقی معکوس کا شکار رہتی ہے۔

انٹرنیشنل دربان اعلیٰ حضرت، ممبئ:

پندرہ روزہ ''دربان اعلیٰ حضرت''، ممبئ کو جنوری ۲۰۰۲ء میں ینگ رضا اکیڈمی ممبئ کے قومی صدر سید صوفی ازہری نے سرزمین ممبئ سے جاری کیا، جو ینگ رضا اکیڈمی ممبئ کے دفتر روم نمبر ۱۳، فرسٹ فلور، جی ایم ٹی بلڈنگ، مورلینڈ روڈ، ممبئ ۸ سے شائع ہوتا تھا۔ اخباری سائز کے چار صفحے پر اخبار چھپتا تھا۔ اس وقت ہمارے روبرو اس اخبار کی ایک کاپی موجود ہے جو ۲۰۰۸ء کا چھٹا ایڈیشن ہے یعنی ۱۵ مارچ ۲۰۰۸ء کا شمارہ۔ غالباً بریلی شریف میں عرس رضوی کے فوراً بعد اس کی اشاعت ہوئی ہے کیوں کہ اخبار کے پہلے صفحے پر جلی حروف میں یہ سرخی لگائی گئی ہے:

''سرزمین بریلی شریف پر ''انٹرنیشنل دربان اعلیٰ حضرت'' نے دنیائے صحافت میں انتہائی کامیابی کے ساتھ عالمی صحافتی دھماکہ وتہلکہ مچایا'' اور تفصیلی خبر میں دربان اعلیٰ حضرت ممبئ کے خصوصی ایڈیشن کی عرس اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں رسم رونمائی کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے جس میں یہ بھی لکھا گیا ہے:

''اعلیٰ حضرت کے وصال فرمانے کے بعد تو کروڑوں علمائے اہل سنت ومفتیان کرام پیدا ہوئے، لاکھوں کتابیں شائع کی گئیں، لاکھوں انجمنیں قائم کی گئیں، لاکھوں مدارس اسلامی وجود میں آئے، کئی تحریکیں جنم لیں، کئی ارب پتی وکھرب پتی آئے اور گزر گئے، کئی رسائل پیدا ہوئے اور ڈوب گئے مگر کسی نے اعلیٰ حضرت کی وصیت کے مطابق مذہبی اخبار نکالنے کی سعادت (حاصل) کی ہے؟ یقیناً یہ جگہ خالی تھی جو دربان اعلیٰ حضرت نے پُر کی ہے۔ اس کی ممبئ والے کیا

قدر جانے (جانیں) ورنہ اس کو (کا) کئی دن پہلے یہاں پر تعارف کراتے۔‘‘

متذکرہ بالا اقتباس میں جو مبالغہ آمیزی ’’کروڑوں اور لاکھوں‘‘ کی تکرار سے عیاں ہے، قارئین اس کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم نے یہ چند جملے اس لیے درج کر دیے ہیں کہ اس سے اخبار کے اجرا کا پس منظر سمجھ میں آتا ہے۔ صفحہ ۲ پر اداریہ سید صوفی ازہری نے تحریر کیا ہے جو اخبار کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ اس ادارتی تحریر میں انہوں نے اخبار کے اجرا کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

’’سوادِ اعظم کو اس وقت ایسے اخبار کی ضرورت ہے جو انہیں اس قابل بنا سکے کہ وہ اسلام دشمنوں کی ہر مذموم کوشش کا جواب دے سکیں۔ دربان اعلیٰ حضرت جو دنیائے صحافت (میں) اعلیٰ حضرت کے نام مبارک پر پانچ سال سے شائع ہونے والا واحد اور تنہا اخبار ہے (جو اس ضرورت کی تکمیل کر رہا ہے)۔

ادارتی صفحے کے تین چوتھائی حصے پر ’’مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ ولادت‘‘ کے عنوان سے سید العابدین سید شاہ اولادِ رسول احمد مارہروی قدس سرہ کا لکھا ہوا تحقیقی مقالہ شامل کیا گیا ہے اور مقالے کے بقیہ حصے صفحہ تین پر شائع ہوئے ہیں۔ صفحہ تین ہی پر ’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معجزات دیے گئے جو آپ کے سوا کسی پیغمبر کو نہیں دیے گئے‘‘ کے عنوان سے حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تحریر دی گئی ہے اور بقیہ صفحات پر خبریں اور اشتہارات ہیں۔ اخبار کا چوتھا صفحہ مکمل انگریزی زبان میں ہے جو اخبار کے اول صفحے کی تفصیلی خبر کا انگریزی ترجمہ ہے۔ غالباً ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ انگریزی داں طبقہ بھی اخبار سے استفادہ کر سکے۔ اس آخری صفحے کے بقیہ حصے پر بھی اشتہارات اپنی جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس دو ورقی اخبار کی قیمت ایک روپے ہے۔ فی الحال اخبار کی اشاعت موقوف ہے البتہ اخبار کے نام کے ساتھ انٹرنیشنل کا لاحقہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ڈاکٹر ماجد قاضی نے اپنے تحقیقی مقالے ’’ممبئ کے اردو اخبارات‘‘ میں مذکورہ اخبار کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ راقم نے بھی اس پندرہ روزہ اخبار کا ذکرِ خیر صرف اس کے ایک شمارے کی روشنی میں مکمل کیا ہے۔

ماہ نامہ ’’سیارگان‘‘ ممبئ:

مخزن علم وفن ماہ نامہ ''سیارگان'' ممبئ کو ۲۰۰۵ء میں اس کے مالک وایڈیٹر محترم محمد اقبال عثمان میمن نے جاری کیا۔ یہ جریدہ دفتر ماہ نامہ ''سیارگان'' ملکانی اسٹیٹ، بان ڈونگری اشوک نگر، کاندیولی (ایسٹ ممبئ ۱۰۱) سے شائع ہوتا ہے جس کے سرورق پر جلی حرفوں میں ''مخزن علم وفن، ماہ نامہ سیارگان ممبئ'' لکھا ہوتا ہے۔ جنوری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں سرورق پر یہ عبارت بھی درج ہے: ''علم تفسیر، فقہ، اخبار، تکسیر، تواریخ، رمل، جفر، طب اور قصوں کے موضوعات پر مشتمل نایاب ذخیرہ'' اس عبارت سے سیارگان ممبئ کے موضوعات کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل یہ جریدہ اپنے موضوع پر ہندوستانی سطح پر ایک کامیاب اور منفرد المثال رسالہ مانا جاتا ہے اور ہندوستان بھر میں اس کے قارئین کا ایک وسیع حلقہ ہے جو اس کے ہر شمارے کو ہاتھوں ہاتھ لینے کا منتظر رہتا ہے۔ سیارگان کے ایڈیٹر محمد اقبال عثمان میمن بذات خود ایک کامیاب اور ماہر منجم و جفار ہیں جو اس رسالے کی ادارت بھی فرماتے ہیں اور ستارہ اسلامی تقویم بھی مرتب کر کے شائع کرتے ہیں۔ فہرست مضامین پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جریدے میں حیرت انگیز تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ تعارف ستارہ اسلامی تقویم، تفسیر خزائن العرفان، فرمان رسول، نایاب عملیات، علم الجفر کا کرشمہ، اولیاے کرام کے فضائل، مسائل شرعیہ، اطبا کے حیرت انگیز کارنامے، روحانی عمل کے اوقات، سیارگان جنتری اور ان کے علاوہ بھی بہت کچھ اس رسالے کی زینت ہے۔ نیز ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا کاملان پورنیہ پر مشتمل قسط وار مضمون رسالے کی معنویت میں اضافہ کر رہا ہے۔ ساتھ ہی صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ، خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی حیات وکارنامے پر مشتمل مضمون حاصل شمارہ کہا جا سکتا ہے۔

فی شمارہ بیس روپے اور زر سالانہ دوسو روپے جریدے کی قیمت ہے جو ماہ بماہ اپنی کامیابی کے ساتھ قارئین کے پتے پر ارسال کیا جاتا ہے اور ممبئ اور دیگر شہروں کے مشہور بک اسٹالوں پر بھی قیمتاً ملتا ہے۔ رسالے کے نائب ایڈیٹر مولانا محمد ابراہیم آسی ہیں جو یقیناً رسالے کی ترتیب و تذہیب میں اپنا علمی و قلمی تعاون دیتے ہوں گے۔ اخیر میں اس رسالے سے متعلق اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ماہ نامہ سیارگان ممبئ واقعی مخزن علم وفن ہے۔ رسالے کی کتابت اور حسن ترتیب

وطباعت پر ذرا سی توجہ بڑھادی جائے تو اس رسالے کے جاہ وجمال میں چار چاند لگ سکتا ہے۔

ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئ:

جماعت اہل سنت کی عالم گیر نمائندہ سنی تحریک ''سنی دعوت اسلامی''، ممبئ کے سربراہ حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی (خلیفۂ حضور سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی) نے اپنی دینی وجماعتی خدمات کی توسیع اور صحافتی میدان میں اپنی تحریکی سرگرمیوں کے تعارف وتشہیر کی غرض سے جنوری ۲۰۰۵ء میں سہ ماہی جریدہ ''سنی دعوت اسلامی''، ممبئ جاری کیا۔ چیف ایڈیٹر کے منصب پر حضرت مولانا مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی کو نامزد کیا گیا جب کہ نائب مدیر کی حیثیت سے مولانا مظہر حسین علیمی نے اپنی قلمی وفکری خدمات پیش کیں۔ یہ رسالہ ٹاپ پرنٹرس ممبئ سے طبع ہوکر آفس سنی دعوت اسلامی سید عاشق شاہ بخاری مسجد فرسٹ فلور ۱۲۸ شیدا مارگ چارنل ڈونگری ممبئ ۹ سے شائع ہوتا رہا۔ ہر تین ماہ پر باقاعدگی سے چھپ کر قارئین کے وسیع حلقے تک پہنچا اور سرزمین ممبئ سے جماعت اہل سنت کی بساط صحافت میں کامیاب نمائندگی کی۔ جس وقت یہ جریدہ ایشو کیا گیا عروس البلاد ممبئ میں سہ ماہی افکار رضا کو چھوڑ کر کوئی بھی سنی جریدہ ماہ نامہ یا سہ ماہی جاری نہ تھا۔ اس لحاظ سے اس جریدے کو ممبئ عظمیٰ کی سنی صحافت میں بھرپور نمائندگی ملی جس کے متنوع کالمز اور اس کے تحت تحریر کیے گئے مضامین ومقالات، کتابوں پر تعارف وتبصرے، فتاویٰ، دینی وملی سرگرمیاں، انعامی مقابلے اور بھی دیگر حصے کافی مقبول ہوئے۔ یہ جریدہ پورے چھ سال یعنی جنوری ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۱۰ء تک ذہن وفکر پر اپنی کامیاب اشاعت کے نقوش مرتسم کرتا رہا۔ اس دوران اس کے کل ۲۴؍شمارے منظر عام پر آئے اور چند ایک شماروں کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہوا اور انگریزی داں طبقے میں اس نے اپنی موجودگی درج کرائی۔ فی شمارہ قیمت بیس روپے اور زرسالانہ ستر روپے تھے اور صفحات کی مجموعی تعداد ۷۲ تھی۔ جنوری ۲۰۱۱ء سے سنی دعوت اسلامی ممبئ کو ماہانہ کردیا گیا اور راقم الحروف کو ادارت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جب سے اب تک ہر ماہ پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔ اس وقت قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے اور زرسالانہ ۱۸۰ ہے۔ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئ کو جدید رنگ وروپ بھی بخشا گیا ہے اور دھنک رنگ کالمز بھی مختص کیے گئے ہیں۔ ذرا ایک نظر ان متنوع کالموں پر ڈال لیں تو بہتر ہے:

ملاحظہ ہو: (۱) پیغام ۔ جس میں بانی جریدہ مولانا محمد شاکر نوری ہر ماہ ایک صفحے کا خاص پیغام تحریر کرتے ہیں جو موقع ومحل کی مناسبت سے انتہائی قابل مطالعہ ہوتا ہے۔ چند سطروں میں انتہائی آسان اور شائستہ اسلوب کی حامل تحریر ایک مخلص داعی اور سچے دینی خدمت گار کے قلب پریشاں کا نوحہ اور درد و سوز ہوتی ہے۔ (ادار یہ ۔ جس میں تین یا زائد صفحات پر مشتمل ادارتی تحریر شامل اشاعت رہتی ہے۔ (۳) نور مبین (۴) انوار سیرت (۵) استفسارات (۶) تذکیر و تذکیہ (۷) داعیان اسلام (۸) رضویات (۹) روزن (۱۰) دعوت عام (۱۱) عظیم مائیں (۱۲) بزم اطفال (۱۳) سخن فہمی (۱۴) پیش رفت (۱۵) دعوت نامے (۱۶) منظومات (۱۷) انعامی مقابلہ (جنوری ۲۰۱۳ء سے انعامی مقابلے کا یہ کالم بند کر دیا گیا ہے)

مذکورہ کالموں پر اچٹتی نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جریدہ کس معیار کا ہے؟ اور اس میں کیا کچھ موجود ہوتا ہے؟ مبالغہ آرائی اور کذب بیانی سے بچتے ہوئے مجموعی طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئ دینی، علمی، سائنسی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، ادبی، تاریخی، تنقیدی و تجزیاتی بلکہ دعوتی و تبلیغی موضوعات پر مبنی تحریروں کا ایسا نگار خانہ ہے جس میں قاری اپنی ذات اور کائنات کا ہر رنگ دیکھ سکتا ہے، جو فنون لطیفہ اور نسوانی جمالیات سے بھی آراستہ ہے اور اخلاقی قدروں کے تحفظ کے ساتھ اردو زبان و ادب کی بھی بیش قدر خدمات جلیلہ پیش کر رہا ہے۔ بہ طور خاص باب رضویات میں اس رسالے کی اپنی الگ پہچان ہے ۔جنوری ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۱۰ء تک اس میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے فکر و فن اور تعلیمات و نظریات پر تیس (۳۰) مضامین و مقالات شائع کیے، جنوری ۲۰۱۱ء سے تا دم تحریر (اپریل ۲۰۱۴ء) اس رسالے میں رضویات کے موضوع پر ہند و پاک کے مقتدر اہل قلم کے کل چالیس (۴۰) مقالات اشاعت پذیر ہوئے ۔ نائب مدیر مولانا مظہر حسین علیمی، مدیر اعزازی مولانا صادق رضا مصباحی، مینجنگ ایڈیٹر مولانا نجیب اللہ نوری اور کمپوزر مولانا ارشاد شیخ نجمی کے حد درجہ علمی و قلمی، اشاعتی و ترسیلی تعاون نے اس جریدے کو ایسی منزل پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ پیچھے پلٹ کر دیکھنے میں خود اس کا اپنا وجود کافی بونا اور بے حیثیت نظر آتا ہے۔ رسالے کے صوری و معنوی حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ بانی جریدہ خود اس کے مشمولات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ یہ رسالہ

ٹائٹل کور کے علاوہ ۵۶ صفحات پر چھپتا ہے اور ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں اور شہروں کے علاوہ بیرون ملک کے علمی و مذہبی حلقوں تک بذریعہ ڈاک ارسال ہوتا ہے۔ ہندوستان کی چند انتہائی مشہور لائبریریوں، یونیورسٹیوں کے پروفیسروں، خانقاہوں کے ذمے داران، قابل قدر علما و مشائخ اور جید ارباب قلم کو اعزازی کاپیاں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ اپنی اولین اشاعت سے ہی یہ تحریک سنی دعوت اسلامی کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے، جس سے ملک و بیرون ملک کے سیکڑوں قارئین ہر ماہ استفادہ کرتے ہیں۔ راقم نے اس ماہ نامے کے ایک برس مکمل ہونے پر دسمبر ۲۰۱۱ء میں ''دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں'' کے عنوان سے چار صفحاتی اداریہ تحریر کیا تھا، جس میں رسالے کے بنیادی مقاصد اور پالیسیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ اس تحریر کا صرف ایک اقتباس حاضر خدمت ہے، ملاحظہ کریں:

''ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ ایک سنجیدہ مذہبی و دعوتی مجلّہ ہے اور افکار امام احمد رضا کی کامیاب ترجمانی کرتا ہے، جو عقائد اسلامی کا زبردست محافظ اور تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنیادی علم بردار ہے، فروغ مذہب حق سے سرمو انحراف اس کے بنیادی منشور کے لیے زہر قاتل ہے، عوام الناس کی اصلاح، بدعات و خرافات کا قلع قمع، غیر مذہبی افکار کی روک تھام، عقائد مشرکانہ و خیالات باطلہ کی تردید اور سچے اسلامی نظریات کی تبلیغ و تنفیذ اس کے مقاصد میں شامل ہے، امت مسلمہ کو حق اور باطل کی صحیح شناخت دینا اور دونوں کے مابین خط امتیاز کھینچنا ہم سب کی مذہبی اور صحافتی ذمہ داری ہے، اس کے لیے لفظ ''متانت و دیانت'' کی معنوی حیثیت جان کر یہ سطریں تحریر کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔

سنی دعوت اسلامی ممبئ دعوت و تبلیغ مذہب کی ایک بین الاقوامی تحریک ہے جس کا دائرہ کار کئی ملکوں تک وسیع ہے۔ اشاعتی میدان میں بھی اس نے اپنی زریں خدمات کے نقوش ثبت کیے ہیں اور تحقیق و تصنیف کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی مذہبی صحافت میں ایک سنگ میل کہا جا سکتا ہے اور کسی بھی قیمت پر اپنے مذہبی تصلب اور مسلکی شناخت کے حوالے کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا، یہ آج بھی فکر رضا کا زبردست آرگن ہے اور رہے گا جس میں فکر رضا سے متصادم کوئی تحریر شائع نہیں کی جاتی، یہ ایک زمینی سچائی ہے جسے بلا چوں و چرا تسلیم کر لینا

چاہیے۔'' (توفیق احسنؔ برکاتی، ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ، شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء ص:۶)

مفتی اعظم میگزین، ممبئ:

علامہ فضل حق اکیڈمی، پلاٹ ۲۱ گیٹ نمبر ۷، مالونی ملاڈ (مغرب) ممبئ ۹۵ کے زیر اہتمام سہ ماہی مفتی اعظم میگزین ممبئ کا پہلا شمارہ جون، جولائی، اگست ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آیا۔ اس وقت ہمارے روبرو اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۶ء کا شمارہ موجود ہے جس کے مدیر اعلیٰ عبدالحکیم نوری مصباحی (ایم اے)، مدیر کرار چشتی اور مدیر اعزازی محمد احمد مصباحی غازی پوری ہیں۔ یہ میگزین کتابی سائز کے اسی صفحات کو محیط ہے اور اس میں اشاعت پذیر تمام مضامین ومقالات بشمول اداریہ مدیر اعلیٰ مولانا مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی کی نوک قلم کا صدقہ ہیں۔ صفحہ دو پر جھلکیاں کے عنوان سے ان مضامین کی ایک فہرست دی گئی ہے اور نیچے میگزین کے مدیر کرار چشتی کے نام سے ایک اعتذار درج ہے جسے پڑھ کر نام نہاد اسکالر وحیدالدین خان کا رسالہ ''الرسالہ'' یاد آجاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں اس طرز کا کوئی اعتذار تحریر نہیں ہوتا۔ صرف مضامین کے عنوانات درج ہوتے ہیں، وہ اعتذار آپ بھی پڑھ لیں:

''قلم کار وشعرا حضرات اپنی نگارشات ہرگز روانہ نہ فرمائیں''۔ (کرار چشتی)

غالباً اس اعتذار کی دہشت ہی کی وجہ سے میگزین کی اشاعت چند شماروں سے آگے نہ بڑھ سکی، کیوں کہ یہ یک سطری تحریر ان قلم کاروں کے لیے سوہان روح ثابت ہوتی ہوگی جو ہر نوزائیدہ رسالے میں اپنی قلمی نگارشات چھپوانے کے متمنی ہوتے ہیں۔ ویسے درج بالا یک سطری افسانچے کا عنوان ''اعتذار'' ذرا کھٹکتا ہے۔ میری سمجھ سے ''انتباہ'' عنوان زیادہ مناسب رہتا کیوں کہ اس سے زود نویس قلم کاروں کے موئے قلم میں مرض تشنج لاحق ہونے کا خطرہ زیادہ رہتا اور مدیر کا مقصد بہت جلد پورا ہوجاتا۔ ایک ذرا دلچسپی کی بات اور پڑھتے چلیں کہ جن رسالوں یا اخبارات میں بطور انتباہ یہ لکھا ہوتا ہے: ''مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ)

''اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں۔'' (ماہ نامہ اردو دنیا، دہلی)

زیرِ تذکرہ میگزین میں ایسے کسی انتباہ یا معذرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں اس کے جملہ حقوق بحق مدیرِ اعلیٰ محفوظ ہیں۔اب ذرا اس کے مشمولات پر بھی نگاہ ڈال لیں تو مناسب ہے:

اداریہ، نعت شریف، تفسیر بالماثور (ایک تحقیقی جائزہ)، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور علم حدیث، باب الافتاء، روحانی اسباق، شرافت ورذالت، طب وصحت، سیدنا خواجہ غریب نواز اور تبلیغ اسلام، ہمارے مہمانوں کی عزت ہونی چاہیے، عملیات، چار چار، مدارس عربیہ میں عصری تعلیم (ایک تجزیاتی مطالعہ)، کیا دیوبندی وہابی موحد ہیں؟ حضور سیدنا سراحوضی (ایک مختصر تعارف)، مسجع مقفیٰ دعاؤں کا شرعی حکم، بدمذہبوں کے چودہ سوالوں کا تحقیقی جواب۔

متذکرہ بالا عنوانات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مدیرِ اعلیٰ بیک وقت صحافی، شاعر، عالم، مفتی، حکیم، روحانی عملیات کے ماہر، تذکرہ نویس، عصری حالات کے تجزیہ نگار اور طبی وروحانی معالج بھی ہیں۔ فقہ وتفسیر میں بھی درک ہے اور تحقیقی شعور بھی پختہ ہے۔ ساتھ ہی طب وحکمت سے بھی وابستگی ہے بلکہ وہ جسمانی وروحانی امراض کا باقاعدہ علاج بھی کرتے ہیں جیسا کہ ص ۲۶ پر موجود ایک اشتہار سے پتہ چلتا ہے۔ اور ایک مضمون میں بھی انہوں نے عصر حاضر کے علما ومشائخ کو اس بات کا مشورہ دیا ہے، لکھتے ہیں:

''دور حاضر میں ایشیا، یورپ سمیت پوری دنیا میں جڑی بوٹیوں کے ذریعہ علاج کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے لہٰذا علامہ فضل رسول بدایونی، صدر الشریعہ اور مشائخ کرام مارہرہ مطہرہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فلسفہ کے ساتھ طب وحکمت سے بھی علما کو آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔'' (ص:۵۶)

یہ بڑا صائب مشورہ ہے جس پر ہمیں توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ میگزین پر کوئی قیمت درج نہیں ہے۔

ماہ نامہ ''ضیائے صابر'' ممبئ:

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ سید ساجد علی میاں چشتی صابری نے اشاعت مذہب حق اور فروغ سلسلۂ صابریہ کی غرض سے ملاڈ مالونی ممبئ کی سرزمین سے دسمبر ۲۰۰۷ء میں ماہ نامہ ''ضیائے صابر'' کا اِجرا فرمایا۔ چیف ایڈیٹر مولانا مقبول احمد سالک مصباحی اور ایڈیٹر مولانا محمد

آفتاب عالم مصباحی کو نامزد کیا گیا جب کہ مینیجنگ ایڈیٹر کی حیثیت سے محترم محمد شاہد عرشی صابری نے اپنی ذمے داری سنبھالی۔ اس جریدے کا پہلا شمارہ دسمبر ۲۰۰۷ء کو ۴۵ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آیا۔ یہ ماہ نامہ دفتر ضیائے صابر، الجامعہ فقیہۃ البنات، عقب انجمن جامع مسجد، گیٹ نمبر ۷، مالونی ملاڈ (ایسٹ) ممبئ ۹۵ سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے اور زرِ سالانہ ۱۸۰ روپے ہے۔ بزم ضیاے صابر میں ہندو بیرون ہند کے مقتدر ارباب قلم کی نگارشات جلوہ افروز رہتی ہیں۔ اداریہ چیف ایڈیٹر کے خامۂ برق رفتار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تجلیات قرآن کے کالم میں خود بانیِ ادارہ کی تحریر ہوتی ہے۔ مسائل شرعیہ مفتی محمد شعبان علی نعیمی حبابی کی فقہی مہارت کا آئینہ ہوتے ہیں، جس میں مفتی صاحب کے فتاویٰ شامل رہتے ہیں۔ گلدستۂ حدیث مفتی محمد انوارالحق وارثی مصباحی کے قلم کی واضح ترجمانی کا ثبوت ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ مختلف دینی، علمی، طبی، تاریخی، دعوتی وادبی موضوعات پر مختلف قلم کاروں کے مضامین ومقالات ہوتے ہیں، حمد ونعت ومنقبت بھی رسالے کی زینت بنتے ہیں، قارئین کے خطوط اور دینی ومذہبی سرگرمیوں کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔

ابتدائی شمارے میں محمد شاہد عرشی نے ''اپنی بات'' کے عنوان سے تین صفحات میں رسالے کے اجرا کا پس منظر بیان کیا ہے اور پھر مولانا مقبول احمد سالک مصباحی کا بہت جلد بازی میں لکھا ہوا اداریہ بعنوان ''چل مرے خامہ بسم اللہ'' موجود ہے جس میں انہوں نے جماعت اہل سنت کی موجودہ اشاعتی کارکردگی اور صحافتی کردار پر بحث کی ہے اور عصر جدید میں ابلاغ وترسیل کے مختلف ذرائع کو اپنے اظہار کے حصار میں باندھنے کی کوشش کی ہے۔ ماہ نامہ ضیائے صابر ممبئ اکیسویں صدی عیسوی کی ممبئ میں ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئ کے بعد جاری ہونے والا پہلا جریدہ ہے۔ ماہ نامہ سیارگان ممبئ بھی اسی صف میں شامل ہے۔ یہ تینوں ماہ نامے سرزمین ممبئ میں جماعت اہل سنت کی صحافتی نمائندگی کررہے ہیں۔ ابتدا سے اب تک مسلسل نکل رہے ہیں، البتہ ضیائے صابر ممبئ نے ایک برس کا وقفہ برداشت کیا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک پابندی کے ساتھ ہر ماہ چھپتا ہے۔ ابتدا میں اس کا اداریہ مولانا مقبول احمد سالک مصباحی تحریر کرتے تھے لیکن چند ماہ بیرون ملک قیام کی وجہ سے یہ ادارتی ذمہ داری محترم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ادا

کرتے رہے لیکن اس وقت سالک مصباحی ہی اداریہ لکھ رہے ہیں۔ رسالے کے صفحات ۵۶ ہیں۔ البتہ ادارت، کتابت اور طباعت واشاعت اب بھی مزید توجہ کے طلب گار ہیں تا کہ رسالے کا معیار اونچا ہو اور قارئین کے لیے اس کی ہر اشاعت سراپا انتظار بن جائے۔ محترم شاہد عرشی اور مولانا مقبول احمد سالک مصباحی کے اندر یہ صلاحیت اور کمال ہے کہ اگر وہ اس رسالے کے لیے دیا جانے والا اپنا قیمتی وقت ذرا سا بڑھا دیں تو اس کی وقعت و مقبولیت کا گراف اور اونچا سکتا ہے۔

سہ ماہی ''لطافت'' کلیان:

غوث الوریٰ اکیڈمی کلیان جو اپنے زمانۂ قیام (۱۹۹۴ء) سے مختلف مصنفین اہل سنت کی تحریر کردہ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کرتی رہی ہے، جس کے تحت مکتبہ نوری کا قیام ہوا۔ یہ مکتبہ دینی کتابوں کی ترسیل کرتا ہے، اس کی آمدنی سے اکیڈمی کے کام ہوتے ہیں۔ غوث الوریٰ اکیڈمی کے روح رواں اور بانی مولانا مسعود رضا قادری نے اکیڈمی کے زیر اہتمام ۱۹۹۹ء میں ایک سہ ماہی جریدہ شائع کرنے کا ارادہ کیا اور سہ ماہی ''لطافت'' کے نام سے اسے جاری بھی کر دیا۔ یہ جریدہ مولانا محمد ادریس رضوی کی ادارت میں شائع ہوا جس کا پہلا اور آخری شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آ سکا اور پھر ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر اس کی اشاعت موقوف ہوگئی۔ ۵۶ صفحات پر مشتمل یہ خاص شمارہ خواجہ غریب نواز نمبر کی شکل میں شائع ہوا تھا۔

ماہ نامہ ''المختار'' کلیان:

سہ ماہی لطافت کلیان کے بند ہوجانے کے بعد بھی اکیڈمی کی جانب سے کئی کتابوں کی طباعت واشاعت ہوئی۔ ان کے علاوہ خاص عنوانات پر پمفلٹ اور اشتہارات شائع ہوتے رہے۔ ۲۰۰۹ء میں اکیڈمی کے شرکا نے دوبارہ ایک ماہ نامہ نکالنے کا پروگرام بنایا اور اس کے لیے مجدد اعظم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے تاریخی اسم مبارک ''المختار'' کا انتخاب ہوا۔ ۲۰۰۹ء میں مولانا محمد ادریس رضوی کی ادارت میں اخبار کی شکل میں چار ورقی ماہ نامہ ''المختار'' جاری ہوا جس کے صرف تین شمارے منظر عام پر آئے۔ اس کے بعد ماہ نامہ کو سہ ماہی کر دیا گیا۔ اس وقت سے آج تک المختار سہ ماہی میگزین کی شکل میں مستقل طور پر نکل رہا ہے۔ ۶۴ صفحات کے اس

رسالے کی قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے اور زر سالانہ ۱۵۰ روپے ہے۔ بانی جریدہ مولانا محمد مسعود رضا قادری، مدیر محترم مولانا محمد ادریس رضوی اور نائب مدیر مولانا احمد رضا قادری مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا یہ رسالہ اپنے متعینہ معیار اور مقبولیت میں روز افزوں پختہ کار ثابت ہو اور قارئین کا حلقہ وسیع تر ہو سکے اور ارباب قلم کے لیے بھی پرکشش اور معیاری بن جائے۔ جس کے لیے انتخاب مضامین، ترتیب، تصحیح اور ایڈیٹنگ میں بہتری لانے کی سخت ضرورت ہے اور اس کے ظاہری حسن پر بھی دھیان دینا لازمی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس جریدے نے امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت اور دینی و علمی خدمات پر مشتمل ایک ضخیم نمبر شائع کیا ہے، جو نمبرات کی دنیا میں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، مقتدر اہل قلم کے قیمتی مضامین ومقالات کا یہ مجموعہ ماہ نامہ ''المختار'' کا تاریخی کارنامہ کہا جائے گا۔ ۶۱۸ صفحے کے اس عظیم شمارے کو بیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے باب میں مشائخ کرام کے تاثرات شامل کیے گئے ہیں، دوسرے باب میں علما و دانش وران کے تاثرات وخیالات ہیں اور تیسرے اور چوتھے ابواب میں مشائخ واساتذہ کے تذکرے اور امام علم وفن کی سیرت اور سوانح پر مضامین ہیں۔ بعد کے ابواب میں آپ کے علوم وفنون، مذہبی، ادبی اور سماجی خدمات پر ایسے مضامین ہیں جو پڑھنے والوں کو غور وفکر کا درس دیتے ہیں۔ یہ نمبر کتابی سائز میں اعلیٰ کاغذ پر شائع کیا گیا ہے، جس کی قیمت ۵۰۰ روپے ہے۔

ماہ نامہ ''صدر الافاضل جدید''، ممبئ:

خلیفۂ امام احمد رضا صدر الافاضل علامہ سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی بلند قدر ذات سے منسوب خانوادۂ نعیمیہ کے ایک قدر دان مبارک حسین نعیمی (ایم۔اے) نے ستمبر ۱۹۹۵ء میں ماہ نامہ صدر الافاضل کے نام سے ایک رسالے کا رجسٹریشن کرایا اور دسمبر ۱۹۹۵ء میں اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ اس کے کل پانچ شمارے شائع ہوئے اور اس مختصر عرصے میں اس جریدے نے قارئین کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی اور اس کے ظاہری وباطنی رنگ وحسن میں بھی نمایاں تبدیلی آئی جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں نمایاں اضافہ ہوا لیکن مدیر محترم مبارک حسین نعیمی کی ایک مدرسے کی ملازمت سے سبک دوشی، رسالے کے دفتر کی دوسری جگہ منتقلی اور

وسائل کی کمی کی وجہ سے بالآخر پانچ شماروں کی اشاعت کے بعد یہ رسالہ بند ہوگیا۔ مارچ ۲۰۱۰ء میں اس نے دوبارہ اپنی زندگی کا اعلان کردیا اور ۴۰ صفحات کو محیط ماہ نامہ صدرالافاضل جدید کا تازہ شمارہ نکلا جس میں چیف ایڈیٹر مبارک حسین نعیمی، ایڈیٹر صابر رہبر مصباحی اور مشیر اعلیٰ مولانا نور محمد نعیم القادری کی مشترکہ کاوشوں کو کافی دخل رہا۔ یہ شمارہ دفتر ماہ نامہ صدرالافاضل جدید ۱۹۶ کملارامن نگر بیگن واڑی، گوونڈی، ممبئ ۴۳ سے شائع ہوا اور انتہائی متنوع کالمز کے تحت وقیع مضامین ومقالات شامل رسالہ رہے۔ اداریہ، فکر امروز، عالم اسلام، ایوان اسلام، ماہ رواں، بساط عالم، عہد نو، فکر وآگہی، ایوان تاریخ، آئینہ وطن، ایوان ادب، تذکرہ اسلام، جہان نسواں، صدائے بازگشت، یاد ماضی، منظومات، خیر وخبر۔ مذکورہ سترہ کالموں کے تحت مضامین زینت جریدہ رہے۔ اداریہ میں چیف ایڈیٹر مبارک حسین نعیمی نے اپنی ممبئ آمد،، درس وتدریس، ملازمت، علامہ صدرالافاضل اور علامہ فضل حق خیرآبادی پر کام کرنے کا ذہن اور تحریک، فروغ تعلیم کی جدوجہد اور رسالے کے اجرا کا پس منظر، اس کا اجرا، طباعت واشاعت پھر پانچ شماروں کے بعد اشاعت کی موقوفی اور چودہ سالوں بعد اس کی نشاۃ ثانیہ اور دیگر امور پر کھل کر اظہار خیال کیا ہے جسے ہم ان کی حق بیانی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ مارچ ۲۰۱۰ء کا یہ شمارہ بھی بہت جلد بازی میں نکالا گیا ہے، اس کے بعد دو تین شمارے اور شائع ہوئے اور پھر اس رسالے کو موت کا انجکشن دے دیا گیا۔ اس کی وجوہات سے راقم ناواقف ہے، ہاں اس کی ایک بڑی خاص وجہ یہ ہوسکتی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کردیا ہے کہ ہم انتہائی جلد بازی میں کوئی منصوبہ تیار کرتے ہیں اور پھر انجام سے بے خبر ہوکر وسائل کی پروا نہ کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، نہ اس کے لیے ضروری اسباب کی فراہمی کا دھیان رہتا ہے اور نہ اس میدان کے ماہرین کے مشورے اور تجاویز کے محتاج رہتے ہیں۔ بالکل ناعاقبت اندیشی میں اٹھایا گیا ہمارا یہ قدم ہمیں شرمندگی اور ناکامی کا تلخ گھونٹ پینے پر مجبور کردیتا ہے۔ حوصلوں اور جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر حوصلہ وجذبہ عمل پیہم کا تقاضا کرتا ہے جبھی فاتح عالم بننے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ ہمیں حوصلوں کو پست کرنے کی بجائے کسی بھی میدان میں کامیابی کے لیے ہر ممکن وسائل اور ہر ممکن سعی مسلسل کرنی چاہیے۔ ان شاء اللہ عزوجل ہمارے

منصوبے زمین پر اترتے نظر آئیں گے اور دنیا کھلی آنکھوں سے ہماری اس کامیابی کا مشاہدہ کرے گی۔

سہ ماہی ''مسلک''، ممبئی:

سہ ماہی افکار رضا ممبئی کے سابق مدیر محترم محمد زبیر قادری نے افکار رضا کا پچاسواں آخری خصوصی شمارہ (امام احمد رضا نمبر) نکالنے کے بعد اعلان کیا تھا کہ وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہیں بلکہ عن قریب وہ کسی دوسرے قلمی محاذ پر معرکہ آرائی کا قصد کر رہے ہیں۔اس دوسرے محاذ پر قدم جمانے کی ابتدا انہوں نے سہ ماہی مسلک ممبئی کے نام سے کی۔ جماعت اہل سنت کے عقائد ونظریات کی واضح ترجمانی کرتا یہ رسالہ ۲۰۱۰ء میں جاری ہوا جس کا پہلا شمارہ جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۱۰ء کو منظر عام پر آیا جس کے سرورق پر واضح لفظوں میں موجود یہ عبارت ''اہل حق کا ترجمان'' اس کے مذہبی و دینی ہونے کا پتہ دے رہی ہے۔اس کے خاص اہداف میں غیر مقلدین زمانہ کی مسلسل ریشہ دوانیوں اور فتنہ پروری کا سد باب شامل ہے، جس کے مشمولات اس حقیقت کا واضح اشاریہ ہیں کہ بالکل تحقیقی اور مدلل انداز میں تقلید کے منکرین اور فرق ضالین کا رد وابطال کیا جائے اور دشمن کے اسلحے سے خود ان پر شب خون مارا جائے۔اس کے چند شماروں کا راقم نے مطالعہ کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مدیر موصوف کی محنت یقیناً اپنا رنگ دکھائے گی اور دنیا حقیقت قبول کرنے پر مجبور ہوگی۔اس جریدے کے اب تک کل آٹھ شمارے منظر عام پر آئے ہیں جس کا ساتواں شمارہ کتابی سائز میں ۹۶ صفحات کو محیط اس وقت راقم کے پیش نگاہ ہے، جو جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء کا شمارہ ہے۔ مدیر اعلیٰ محمد زبیر قادری، نائب مدیر انجینئر فضل اللہ چشتی اور مدیر کی حیثیت سے غلام مصطفیٰ رضوی کا نام درج ہے۔ قیمت فی شمارہ ۲۵ روپے اور زر سالانہ ۱۰۰ روپے متعین کیا گیا ہے۔یہ جریدہ الرضا پبلی کیشنز ۳۷سی، میمن واڑہ روڈ نزد بسم اللہ ہوٹل ممبئی ۳ سے طبع ہوکر اجمیری بک ڈپو، ۵۲۱، ۲۵۳،۳ مولانا آزاد روڈ، دوکان نمبر ۸، زینب ٹاور، ناگ پاڑہ، ممبئی ۸ سے شائع ہوتا ہے۔ متذکرہ بالا شمارے میں اداریہ بعنوان ''وہابیت وغیر مقلدین، فکری مماثلت اور متشدد افکار'' محترم غلام مصطفیٰ رضوی کے قلم کا نتیجہ ہے۔دیگر مضامین میں ''ندا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)'' ''استقامت: کامیابیوں کا جوہر حقیقی''،''

مقتدی فاتحہ کیوں پڑھے؟''عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، منکرین میلاد کے بارہ اعتراضات کے جوابات، گیارہویں شریف اور سلف صالحین، سیدنا غوث اعظم کی دنیا وآخرت میں حاجت روائی، شبلی نعمانی کے متعلق کچھ حقائق، غیر مقلدین سے چند سوالات، دیوبندی خود بدلتے نہیں کتابوں کو بدل دیتے ہیں، وسائل بخشش: ایک تعارف، اپریل فول: پس منظر کیا ہے؟، ابحاث ضروری، انجینئر فضل اللہ چشتی کے تبلیغی دورے اور ہندوستان میں شائع ہونے والے سنی جرائد'' شامل بزم مسلک ہیں اور اس کے حسن معنوی میں اضافے کا باعث ہیں۔ مذکورہ عنوانات پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سہ ماہی مسلک ممبئ کس معیار ومنہاج کا جریدہ ہے اور اس کی زنبیل میں کس قدر بیش قیمت گل ولالہ موجود ہیں جو اکتساب واستفادے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ یہ نگارشات برصغیر ہندوپاک کے جید ارباب قلم کی کڑی محنتوں اور تحقیقی اسلوب بیان کا ثمرہ ہیں اور پڑھنے اور پڑھ کر بہت کچھ محفوظ کر لینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سہ ماہی مسلک ممبئ نے افکار رضا ممبئ کے بند ہونے کے احساس کو مکمل طور پر نہ سہی جزئی طور پر ضرور کم کیا ہے اور جس کے لیے زبیر قادری اور ان کے رفقاے کار خصوصی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کتابی سائز میں چھپنے والا یہ جریدہ اپنے اعلیٰ معیار کا بین ثبوت ہے۔ ہر خاص وعام کے لیے جس کا مطالعہ ازحد ضروری ہے۔ ۲۰۱۰ء میں دوشمارے، ۲۰۱۱ء میں کل چار شمارے اور ۲۰۱۲ء میں دوشمارے منظر عام پر آئے۔

تحفظ اسلام نمبر:

دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئ کے زیر اہتمام مولانا منظر وسیم مصباحی نے ۲۰۰۳ء میں ایک سال نامہ جاری کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا پہلا خصوصی شمارہ ''تحفظ اسلام نمبر'' کی شکل میں ۴۱۶ صفحات پر مشتمل شائع کیا۔ یہ مجموعہ مضامین مختلف ارباب قلم اور دانش وران ملت کی قلمی نگارشات کا گنجینہ ہے۔ کتاب کل چھ ابواب میں ترتیب دی گئی ہے، جو اس طرح ہیں: باب اول: آئینۂ اسلام۔ باب دوم: آئینۂ عالم۔ باب سوم: آئینۂ وطن۔ باب چہارم: آئینۂ تعلیم۔ باب پنجم: آئینۂ معاشرہ۔ باب ششم: آئینۂ نظم۔

آئینوں کی یہ کہکشاں بڑے سلیقے اور کامل مہارت سے سجائی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی

مشاق اور خوش فکر مصور نے رنگارنگ کرنوں کا نگارخانہ اپنے برش سے تیار کیا ہو اور اس میں حسن ودلکشی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہو۔ آئینہ اسلام کے تحت قدآور سلف وخلف ارباب قلم کے تیرہ بیش قیمت مقالات ومضامین شامل کیے گئے ہیں۔ آئینہ عالم میں دس، آئینہ وطن میں تیرہ، آئینہ تعلیم میں چھ، آئینہ معاشرہ میں نَو، اور منظومات کے تحت کل بارہ شعرا کے شعری فکر پاروں کو جگہ دی گئی ہے۔ ابتدا میں ''احوال واقعی'' خود مرتب کتاب نے تحریر کیا ہے، اس کے بعد حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین رضوی (علیہ الرحمہ)، شہزادۂ حافظ ملت قبلہ عزیز ملت اور مفتی محمد نظام الدین رضوی کے پیغامات ہیں، جن میں اصلاح عمل اور درستی عقائد کے لعل درخشاں موجود ہیں اور فکر وتدبر پر مہمیز کرتے ہیں۔ پھر مولانا منظر وسیم مصباحی نے ''ہلال اسلام صلیب وترشول کی زد پر'' کو موضوع بنا کر بارہ صفحے میں اداریہ رقم کیا ہے، جو انتہائی فکر انگیز اور درد وسوز سے مملو ہے۔ ملک ہندوستان میں رونما ہونے والے مختلف واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بڑے درد بھرے انداز میں لکھتے ہیں:

''وطن عزیز کا اکثریتی طبقہ آج مسلمانوں کے وجود کو پل بھر کے لیے بھی ملک میں برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے، اور ہم ہیں کہ آپس میں لڑنے، ذاتی رنجش نکالنے اور مقدمہ بازی سے فرصت نہیں۔ نفس پرستی اور خود پسندی جیسے مہلک عناصر ہمارے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں، ان پرفتن حالات اور پرآشوب ماحول میں ملک کے مسلمانوں اور ان کے دفاعی نظام کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔'' (تحفظ اسلام نمبر، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئ، ۲۰۰۳ء ص: ۲۱)

اداریے کے آخری پیراگراف میں انتہائی سبق آموز جملے تحریر کرتے ہیں: ''ہوش کے ناخن لیجیے، سوچنے کا وقت نہیں، صرف عمل کرنے کا وقت ہے، ہمارے سامنے صرف دو راہیں ہیں، یا تو ہم سر اٹھا کر میدان عمل میں اتر آئیں، اور اپنی اصلاح کر کے باطل سے ٹکرانے کا عزم محکم کرلیں یا پھر باطل کے سامنے سر جھکا لیں اور ان کے اشاروں پر زندگی گزاریں۔ لیکن یاد رکھیے، دوسری صورت میں ہمیں میر صادق کی طرح چند روزہ سکون میسر آجائے گا، مگر پھر فوراً جو ذلت وحقارت ہمارے حصے میں آئے گی آئندہ نسلیں ہماری مثال دیا کریں گی اور اپنی بربادی کا سہرا ہمارے سر ڈالیں گی۔'' (ایضاً ص: ۲۲)

مقالہ نگاروں میں چند بڑے اور ذمہ دار ناموں کی شمولیت نے اس نمبر کو انتہائی وقیع اور باعظمت بنا دیا ہے۔ مثلاً تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی، صدرالافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، خیرالاذکیاء علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ بدرالقادری مصباحی، رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی، مفتی محمد نظام الدین رضوی اور مولانا عبدالمبین نعمانی وغیرہم۔ سب سے اخیر میں علامہ یٰسین اختر مصباحی کا انتہائی قیمتی اور فکر انگیز تاثر شامل کیا گیا ہے، جس کے چند جملے آپ بھی ملاحظہ کرلیں، لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں بزرگ علما کے ساتھ نوجوان علما کی بھی بڑی ذمہ داریاں ہیں، مستقبل کی رزم گاہ حق و باطل میں نوجوان علما کو ہی اپنی زبان و قلم، اپنے علم و فضل اور اپنے اخلاق و کردار کے جوہر دکھانے ہیں۔ امت مسلمہ کی توقعات انھیں سے وابستہ ہیں، وہی اس کی آرزوں اور تمناؤں کا مرکز ہیں، انہیں ہی اپنی خستہ و درماندہ زبوں حال قوم کی قیادت کرنی ہے، اور انہیں ہی اپنی قوت بازو سے پنجۂ باطل کو مروڑ کر حق کی نصرت و حمایت کا عظیم کارنامہ انجام دینا ہے۔ قوم کے یہ جسور و غیور نوجون علماے کرام میدان عمل کی طرف قدم آگے بڑھائیں تو ان شاء اللہ تائید غیبی ان کا استقبال کرے گی اور اسلام و سنیت کا رخ روشن کچھ اور تابناک ہو کر صفحۂ گیتی پر جلوہ فگن اور ضوبار ہونے لگے گا۔'' (ایضاً ص:۴۱۶)

سال نامہ ''فکر ملت'' میرا روڈ:

سال نامہ ''فکر ملت'' جواں سال عالم دین حافظ محمد اختر علی واجد القادری کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، اس رسالے کا تخیل ۲۰۰۴ء کا ہے، مگر اسے زمین پر اترنے میں آٹھ برس کا عرصہ لگ گیا، اگر چہ 'دیر آید درست آید' کے مصداق اس کتابی سلسلے کا آغاز کافی حوصلہ افزا اور دوررس اثرات کا حامل ہے۔ اس وقت راقم کے پیش نظر اس کا پہلا شمارہ ہے، جسے مدیر محترم محمد اختر علی قاجد القادری اور مدیر اعزازی محمد صابر رضا رہبر مصباحی نے کافی محنت سے مرتب کیا ہے، یہ جریدہ ظاہری حسن کے ساتھ باطنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ ۳۰۴ صفحات کو محیط یہ شمارہ قرآن اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ، میرا روڈ، (ضلع تھانے) نے اپریل ۲۰۱۲ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، جس کا اجرا ۱۵ر

اپریل ۲۰۱۲ء کو میرا روڈ میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ہوا تھا۔ پورا رسالہ سات ابواب میں منقسم ہے۔ ان کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے: باب اول: زمزمہ۔ باب دوم: میخانہ جاوید۔ باب سوم: فکر ونظر۔ باب چہارم: تحقیق وتنقید۔ باب پنجم: حرف حرف خوشبو۔ باب ششم: شخص وعکس۔ باب ہفتم: رنگ تصویر کائنات۔

مذکورہ ساتوں ابواب میں شائع شدہ مقالات ومضامین کی تعداد ۳۲ ہے، ابتدا میں مدیر محترم نے تین صفحے میں اداریہ تحریر کیا ہے اور میڈیا کی طاقت کو ابھارتے ہوئے صحافتی میدان میں اس رسالے کے ذریعے اپنے ورود کو فال نیک قرار دیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''میری دلی تمنا تھی کہ ٹرسٹ کا اپنا ایک رسالہ ہو جس کے ذریعے تحریری طور پر دین وسنیت کی خدمات انجام دی جائیں اور لوگوں کو اسلام کے متنوع علمی وفکری نظریات سے روشناس کرایا جاسکے۔ خدا کے فضل سے آج یہ خواہش بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور ہم سال نامہ کی شکل میں ''فکر ملت'' کا اجرا کرنے میں کامیاب ہورہے ہیں۔'' (ص:٦)

اس کے بعد باب اول ''زمزمہ'' میں پانچ شعرا محمد صابر رضا رہبر، پدم شری بیکل اتساہی، پروفیسر اکرم رضا، ڈاکٹر واحد نظیر اور منصور فریدی کی لکھی ہوئی حمد، نعت اور منقبت کو جگہ دی گئی ہے، اور پھر ترتیب وار بقیہ چھ ابواب کے تحت قیمتی مضامین کی کہکشاں سجائی گئی ہے، عمدہ اور ضروری موضوعات پر کچھ مطبوعہ، کچھ غیر مطبوعہ مضامین دعوت مطالعہ پیش کرتے ہیں، انتخاب بھی نپا تلا ہے، جامعیت کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے، البتہ اگر پروف بھی توجہ سے پڑھ لیا جاتا تو قاری الجھنوں سے اپنا دامن بچا کر آگے بڑھتا رہتا، خیر جو بھی ہے بہتر ہے۔ ہم آئندہ اس سے بہتر کی توقع رکھتے ہیں، اب دیکھنا ہے کہ ہمارا یہ انتظار کب ختم ہوتا ہے اور یہ سال نامہ پھر کب منظر عام پر آتا ہے؟

سال نامہ ''اہل سنت'' میرا روڈ:

افکار اہل سنت اکیڈمی اور انجمن ثنائیہ دار الیتمیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ کے روح رواں اور بانی حضرت مولانا مفتی محمد علاؤ الدین قادری رضوی نے اپنے چند متحرک اور حساس رفقا کے ساتھ اکیڈمی کے زیر اہتمام ''سال نامہ اہل سنت ممبئ'' جاری کیا جسے کتابی سلسلے کا نام دیا گیا ہے۔ اس

کا اولین شمارہ کتابی سائز میں ۲۸۵ صفحات پر مشتمل ۲۰۱۲ء مطابق ۱۴۳۳ھ کو منظر عام پر آیا۔ چیف ایڈیٹر مفتی محمد علاؤ الدین قادری اور ایڈیٹر محمد عتیق الرحمٰن رضوی کو نامزد کیا گیا۔ ان دونوں حضرات کی مشترکہ کاوشوں کا اظہار یہ بن کر یہ سال نامہ افق صحافت پر طلوع ہوا اور پہلے شمارے سے ہی نہیں، بلکہ اشاعت سے قبل ہی اس نے ملک و بیرون ملک کے مقتدر اور معروف ارباب قلم، علما و مشائخ اور شعرا و ادبا کی خصوصی توجہات اپنی جانب مبذول کرالی جو اس کے خوش آیندہ اور تابناک مستقبل کی ضمانت بن گیا۔ یہ جریدہ افکار اہل سنت اکیڈمی، پوجا نگر، میرا روڈ ممبئ، ضلع تھانہ ۴۰۱۱۰۷ کے پتے سے شائع ہوا، جس کے سرورق پر جلی حروف میں ''افکار اہل سنت اکیڈمی میرا روڈ کا علمی، دینی اور ملی ترجمان'' لکھا ہوا ہے جسے درج ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے: ''اداریہ، پیغامات، دعوت عمل، دعوت فکر، آئینہ ایام، اقتصادیات، پیام روح، زینت چمن، احکام و مسائل، سفیران حق، نگار ادب، تحقیقات، منظومات، رضویات، خیر آبادیات''۔ اداریہ مدیر محمد عتیق الرحمٰن رضوی نے ''اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر سید طلحہ رضوی برق نے سال نامہ اہل سنت ممبئ کی اشاعت کی مناسبت سے منظوم قطعۂ تاریخ تحریر کیا ہے جس کا عددی مجموعہ ۱۴۳۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ اتنے اہم کتابی سلسلے کے اجرا پر ذمہ داران ادارہ کو مبارک باد اور پذیرائی کے خطوط ارسال کرنے والوں میں مفتی ثناء المصطفیٰ ثناء القادری، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، الحاج محمد سعید نوری، ڈاکٹر امجد رضا امجد، صابر رضا رہبر مصباحی، مولانا رحمت اللہ صدیقی اور محترم غلام مصطفیٰ رضوی کے تاثرات شامل اشاعت کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد انتہائی اہم اور ضروری موضوعات پر ملک و بیرون ملک کے جید قلم کاروں کے ۲۶ علمی و تحقیقی، ادبی و تاریخی مقالات و مضامین کو جگہ دی گئی ہے اور منظومات کے تحت سات معروف شعرا کا کلام زینت بزم اہل سنت ہے۔ رسالے کی کتابت، طباعت اور اشاعت میں نفاست و جدت کا جوہر نمایاں ہے۔ صحافتی میدان میں اس کتابی سلسلے کا بھرپور خیر مقدم کیا گیا کیوں کہ اس کے موضوعات علمی، ادبی، تاریخی، تحقیقی، مذہبی، شرعی، لسانیاتی، تنقیدی، تجزیاتی اور صحافتی رموز کے آئینہ دار ہیں۔ انتہائی وقیع اور بیش قیمت مقالات سے سجا ہوا یہ گلشن ہم سے بھرپور توجہ کا مطالبہ کرتا ہے البتہ ڈاکٹر امجد رضا امجد (پٹنہ) کا دیا ہوا مشورہ ہم بھی دہرا کر

رخصت ہوتے ہیں:

''رسالہ کا نام عمدہ ہے، چوں کہ رسالہ سال نامہ ہے اس لیے اگر اُسے یک موضوعی رکھیں تو بہتر ہوگا۔ اس طرح رسالے کے لیے ایک نئے موضوع پر بہت سارا مواد اکٹھا ہو جائے گا۔''

اتنے اہم رسالے کی اشاعت پر پوری ادارتی ٹیم خصوصی مبارک باد کی حق دار ہے۔ امید ہے کہ ذمے داران ادارہ اس جریدے کے نقش ثانی وثالث وغیرہ کو مزید وقیع، پرکشش اور معیاری بنانے کی کوشش کریں گے اور اس میں غیر مطبوعہ مقالات ومضامین کو ہی جگہ دیں گے تاکہ اس کے استناد واعتبار کا گراف مزید اونچا اور پائیدار رہے۔

سال نامہ ''جہان ادب''، ممبئ:

دارالعلوم علی حسن اہل سنت، سا کی نا کہ، ممبئ ۷۲ کی طلبہ یونین ''تنظیم طلبہ اہل سنت'' کی طرف سے جون ۲۰۱۲ء میں سال نامہ ''جہان ادب'' کے نام سے ایک جریدہ اشاعت پذیر ہوا جو جہان ادب اور کاروان ادب کے عنوان سے دو مختلف گوشوں پر محیط ہے۔ اس میں دارالعلوم علی حسن اہل سنت کے طلبہ اور دیگر قلم کاروں کے مختصر اور طویل مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ جہان ادب کے لیے ۱۵۳ صفحات مختص کیے گئے ہیں جب کہ کاروان ادب کے صفحات کی تعداد ۱۵۴ ہے۔ اس طرح یہ مجلّہ مجموعی طور پر ۳۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیدہ زیب سرورق، عمدہ کتابت اور خوب صورت طباعت سے مزین یہ کتابی سلسلہ طلبۂ مدرسہ ہٰذا کی جانب سے ایک تاریخی کاوش کہی جائے گی۔ جہان ادب کے مدیر اعلیٰ محترم محمد انور رضا نوری اور کاروان ادب کے مدیر محترم عزیز اللہ محبوبی ہیں۔ یہ دونوں جامعہ علی حسن کے طالب علم ہیں۔ جامعہ ہٰذا میں قلمی وتحریری سرگرمیاں پیدا کرنے کا سہرا جامعہ کے مؤقر استاد محبّ گرامی حضرت مولانا نور القمر ابن رقم مصباحی کے سر جاتا ہے جو خود ایک باصلاحیت استاد اور علمی کمال والے فرد ہیں۔ تحریر وقلم سے ان کی دل چسپی دوران طالب علمی سے ہی رہی ہے۔ سرزمین ممبئ میں کسی بھی مدرسے کے طلبہ کی جانب سے پیش کیا جانے والا یہ اولین کتابی سلسلہ ہے جس کی حد درجہ پذیرائی ہونی چاہیے۔ اس میں خود طلبہ نے مضامین لکھ کر اور دوسروں سے لکھوا کر شائع کرائے ہیں۔ دراصل طلبہ کے یہ مضامین جہان ادب اور کاروان ادب نامی دو پندرہ روزہ اور ماہانہ جداریوں میں چھپ چکے

ہیں، جن مضامین کے عنوانات کا انتخاب، ان کی تصحیح وغیرہ کا کام ان طلبہ کے اساتذۂ کرام نے کیا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا نور القمر مصباحی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اس مجموعۂ مقالات میں ان تمام مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے اور کچھ مقالات دوسرے قلم کاروں کے شامل مجموعہ ہیں۔ بہر حال یہ ایک اچھی پیش رفت ہے جس کے لیے دار العلوم علی حسن اہل سنت کے اساتذہ اور طلبہ خصوصی پذیرائی کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ بھی یہ کتابی سلسلہ یوں ہی شائع ہو کر طلبۂ مدارس کی حوصلہ افزائی کا سبب بنتا رہے گا۔

سال نامہ ''سراج رضا''، ممبئ:

زیر تذکرہ جریدہ دار العلوم فیضان مفتی اعظم کا علمی و فکری ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب ہے، اس کا پہلا شمارہ سہ ماہی کے روپ میں جلوہ گر ہوا تھا، لیکن اب اسے سال نامہ کر دیا گیا ہے، یہ رسالہ انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئ ۳ کے زیر اہتمام طبع ہوتا ہے۔ جلد اول، شمارہ اول ملک العلماء علیہ الرحمہ کے ۵۲ ویں عرس شریف کے موقع پر اپریل تا جون ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا ہے۔ مدیر اعلیٰ مولانا سید محمد منہاج رضا ہاشمی رضوی نے اپنے رفقا کے ساتھ بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، یہ شمارہ ۶۴ صفحات کو محیط ہے۔ قیمت ۲۵ روپے ہے۔ فہرست کو ''بزم سراج'' کا عنوان دیا گیا ہے، آغاز باب میں امام احمد رضا قادری اور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کی لکھی ایک حمد اور ایک نعت کو جگہ دی گئی ہے، اس کے بعد صدائے منبر کے عنوان سے بانی جریدہ سراج ملت دام ظلہ کا تحریر کردہ ابتدائیہ اور مدیر موصوف کی لکھی ہوئی ادارتی تحریر موجود ہے اور پھر ''گوشۂ خاص اور گوشۂ عام'' کے تحت مضامین و مقالات کو مرتب کیا گیا ہے۔ گوشۂ خاص میں ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رضوی علیہ الرحمہ کی حیات اور علمی و دینی خدمات پر مقالات ہیں، صفحہ ۷ پر امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی کا ایک مختصر اور جامع تاثر نقل کیا گیا ہے، دیگر مقالہ نگاروں میں علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مفتی رضوان احمد، مولانا کوثر امام قادری اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی شامل ہیں۔ گوشۂ عام میں ملک العلماء علیہ الرحمہ پر سات اور دوسرے عنوانات پر دو مضامین ہیں مگر یہ مدارس ممبئ کے ان طلبہ نے تحریر کیے ہیں جو دار العلوم فیضان مفتی اعظم کے تحت منعقدہ تحریری مسابقے میں شریک ہوئے تھے، یہ ایک اچھی روش ہے جو اس

رسالے میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔ اس کے بعد متفرقات کا حصہ ہے، جس میں خطبہ استقبالیہ (سید محمد ہاشمی رضوی)، جہان ملک العلماء: ایک ضخیم مطالعہ (وصیل خان) اور دینی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اس طرح یہ جریدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بالکل آخری صفحے میں مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کی لکھی ہوئی ایک مناجات درج کی گئی ہے۔ سراج رضا، ممبئ کا دوسرا شمارہ ٹھیک ایک سال بعد جون ۲۰۱۴ء میں ۱۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہوا ہے، جسے کتابی سلسلہ کا نام دیا گیا ہے، کور پیج ہی پر چند عنوانات کو سجا دیا گیا ہے، ان میں 'اختلاف کے بگڑتے چہرے' (سید سراج اظہر رضوی)، 'تحفظ شریعت اور عصر حاضر کا چیلنج' (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری)، 'حسام الحرمین کے سو سال' (ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی)، اور 'دارالعلوم فیضان مفتی اعظم کی دس سالہ خدمات کا عمومی جائزہ' (مولانا رحمت اللہ صدیقی) شامل ہیں۔ قابل ذکر کالمز یہ ہیں: گزارشات، قرآنیات، نبویات، دینیات، شخصیات، رضویات، تعاقبات، خدمات، اعترافات، تنقیدات، اور نشریات۔ ''اپنی بات'' میں ادارتی تحریر ہے اور مضامین کی کل تعداد اٹھارہ ہے۔ یہ شمارہ بھی محنت اور مہارت سے مرتب کیا گیا ہے، جس کے لیے پوری ادارتی ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔

ماہ نامہ ''ڈِوائن پاتھ'' (انگریزی):

انگریزی جریدہ ''DIVINE PATH MONTHLY'' (ڈوائن پاتھ) فروری ۱۹۹۴ء میں جاری ہوا۔ ایڈیٹر محمود اخلاص اور پبلشر عرفان اخلاص ہیں۔ یہ رسالہ اخلاص پبلشنگ ہاؤس، 28,B، یوپی نگر، ڈاکٹر امبیڈکر روڈ، کھار، ممبئ ۵۲ سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت فی شمارہ ۳۵ روپے اور زر سالانہ ۴۰۰ روپے ہے۔ خوب صورت سرورق، عمدہ دینی مضامین و تراجم اور دیدہ زیب اشتہارات سے مزین یہ رسالہ ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ مسلسل انیس برسوں سے شائع ہونے والا یہ انگریزی رسالہ اپنی نوعیت کا منفرد المثال رسالہ ہے۔ اس وقت ہمارے روبرو ستمبر ۲۰۱۲ء کا شمارہ موجود ہے۔ ابتدائی سولہ صفحات ملٹی کلر میں مختلف اشتہارات پر محیط ہیں اور صفحہ سترہ پر مشمولات کی فہرست دی گئی ہے جس کے سرنامے پر قرآنی آیت: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ درج ہے۔ اس رسالے میں شامل مضامین کے موضوعات میں وحدانیت و رسالت، فضائل سور قرآن نماز، روزہ کے احکام، درود شریف کی

فضیلت، ادارتی تحریر، اچھے اخلاق، احادیث کریمہ کے تراجم، قرآن کوئز، کامیاب تجربات، عالمی خبریں، حج وعمرہ کے طریقے اور مسنون دعائیں، اسلامی ماحول میں بچوں کی تربیت وتہذیب، مدینہ منورہ کی حاضری، مقبول ومسنون دعاؤں کا عربی متن، انگریزی تلفظ اور انگریزی ترجمہ نیز قربانی کی دعائیں وغیرہ بے شمار اہم ترین معلومات کا خزانہ سمیٹ دیا گیا ہے۔ قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ مختلف کمپنیوں اور تجارتی ایجنسیوں کے اشتہارات کو بھی اسلامک رنگ دے کر آیت واحادیث کی ترجمانی سے سجایا گیا ہے اور ان کے حوالے بھی درج کیے گئے ہیں۔ بہر حال یہ انگریزی ماہ نامہ اپنے دامن میں بے شمار گل بوٹے سمیٹے انگریزی داں طبقے کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔ سرزمین ہند میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا جریدہ ہے جو جماعت اہل سنت کی نمائندگی کرتا ہے۔ شاید ہی انگریزی زبان میں اس طرز کا کوئی جریدہ ماہ نامہ کی شکل میں اتنے برسوں سے بلاناغہ مسلسل شائع ہوتا ہو اور اشاعت مذہب حق میں مصروف ہو۔ ایڈیٹر محمود اخلاص بڑی تندہی اور کمال دیانت داری سے اس رسالے کو مرتب کر رہے ہیں۔ یہ جریدہ قوم مسلم کی بہت بڑی ضرورت کو پوری کر رہا ہے۔ ہر ماہ پابندی کے ساتھ قارئین کے پتے پر پہنچتا ہے۔ ضرورت ہے کہ انگریزی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات باقاعدہ اس کی ممبرشپ قبول کریں اور اس کی ہر اشاعت کا بہ غور مطالعہ کریں۔

پندرہ روزہ ''میمن ٹائمز''، ممبئ: (ہندی، انگریزی):

ہندی اور انگریزی دو زبانوں کا مشترکہ پندرہ روزہ اخبار ''میمن ٹائمز'' گزشتہ برس جون ۲۰۱۲ء میں جاری کیا گیا جس کا پہلا پرچہ آٹھ صفحات پر مشتمل ۱۶ جون تا ۳۰ جون ۲۰۱۲ء کو منظر عام پر آیا۔ پہلا شمارہ معمولی درجے کے کاغذ پر یک رنگی چھپا لیکن دوسرے شمارے ہی سے اس اخبار نے اپنا رنگ ڈھنگ اور کلر بدل دیا۔ دوسرا پرچہ ملٹی کلر میں شائع کیا گیا اور کاغذ بھی اعلیٰ کوالیٹی کا استعمال کیا گیا جس کی رسم اجرا اسلام جمخانہ میں جناب ناصر پھلارا اور یوسف ابراہانی کے ہاتھوں ادا کی گئی جس کی تفصیلی رپورٹ ۱۶ جولائی تا ۳۱ جولائی ۲۰۱۲ء کے تیسرے شمارے میں چھاپی گئی۔ تقریب رسم اجرا میں ناصر پھلارا نے اخبار کے پہلے ایڈیشن کے مضامین اور کوالیٹی کی تعریف کرتے ہوئے ایک دعائیہ جملہ کہا کہ: یہ اخبار ٹائمز آف انڈیا کے برابر تعداد اور معیار کا

نکلے۔اخبار کے مالک و مدیر جناب عبدالرشید ہینگ والا بڑی مستعدی کے ساتھ صحافتی طرز پر یہ اخبار نکال رہے ہیں۔اخبار بھارت پریس، فارس روڈ ممبئ ۸ سے طبع ہوکر دفتر میمن ٹائمز فیضان مدینہ ۵۰/ٹن ٹن پورہ اسٹریٹ، دوکان نمبر ۲۰، ۲۱/کھڑک، ممبئ ۹ سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت فی شمارہ ۵ روپے اور زرسالانہ ۱۵۰ روپے ہے۔تیسرے شمارے سے اس میں انگریزی ضمیمہ بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ یکم تا ۱۵ فروری ۲۰۱۳ء کے سولہویں شمارے میں نصف سے زائد صفحات انگریزی زبان پر مشتمل ہیں۔اخبار میں آل انڈیا میمن جماعت فیڈریشن کی کارگزاریوں پر محیط خبریں اور دیگر سماجی وسیاسی، مذہبی وملی خبروں کا خلاصہ اور دینی موضوعات پر مضامین اس اخبار کا خاصہ ہیں۔اخبار کے مدیر محترم عبدالرشید ہینگ والا نے ایک ملاقات میں بتایا کہ یہ اخبار قارئین کے پتے پر بذریعہ ڈاک ارسال کیا جاتا ہے۔

ہفت روزہ ''احمد مختار'' ممبرا:

اردو زبان میں ہفت روزہ ''احمد مختار'' ممبرا تھانے سے محمد احمد خان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔اس اخبار کا اجرا ڈھائی سال پیشتر ہوا تھا اور اس کے ۳۸ شمارے منظر عام پر آئے تھے۔ درمیان میں وقفۂ اشاعت کے بعد ۲۷/جنوری ۲۰۱۳ء سے دوبارہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ مالک، پرنٹر وپبلشر وایڈیٹر محمد احمد خاں اس اخبار کو اوم پرنٹرس A-112 امر گیان انڈسٹریل پریماسیس، نزد الیس ٹی ورک شاپ، کھوپٹ، تھانے، مغرب سے چھپوا کر 404/A فاطمہ منزل، امرت نگر، ممبرا سے شائع کرتے ہیں۔اخباری سائز کے آٹھ صفحات پر یہ اخبار شائع ہوتا ہے۔اس وقت ہمارے پاس ۲۷ جنوری تا ۲ فروری ۲۰۱۳ء کا شمارہ موجود ہے جس کے ابتدائی صفحے پر اوپری حصے میں جلی حروف میں 'ہفت روزہ احمد مختار اردو' اردو اور انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے۔عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر شائع شدہ اس اخبار کا پہلا صفحہ سرکار کی آمد مرحبا اور تمام عالم اسلام کو عید میلاد النبی مبارک ہو، کی سرخیوں سے سجا ہوا ہے اور بائیں حصے پر مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے تحریر کردہ قصیدۂ نوریہ کے چھ اشعار درج کیے گئے ہیں اور بقیہ نصف صفحے میں دو اشتہارات دیے گئے ہیں۔صفحہ دو پر ادارتی تحریر ایک فلیپ کی شکل میں موجود ہے اور بقیہ صفحے میں حضرت مولانا سید عبدالجلیل رضوی کا ایک مضمون ''نبی محترم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی

نورانیت کا بیان'' شامل کیا گیا ہے۔ صفحہ تین کے نصف حصے پر محترم ایاز اکبر کا ایک مضمون ''۱۲ ربیع الاول: وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' کے عنوان سے موجود ہے۔ صفحہ چار کے نصف حصے پر اسی مضمون کا بقیہ تحریر ہے اور نصف حصے میں اشتہارات ہیں۔ صفحہ پانچ کے نصف حصے پر حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کے افادات پر مشتمل ایک مضمون بعنوان ''رحمت خدا بوسیلۂ اولیا'' موجود ہے اور بقیہ پر اشتہار ہے۔ صفحہ سات اور چھ کے نصف حصے پر ابونصر فاروقی کا ایک مضمون ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی قائد'' شامل اشاعت ہے اور بقیہ حصوں پر اشتہارات ہیں اور اخیر صفحے پر جلوس عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحات پر مبنی سید معین الدین اشرف دام ظلہ کی ایک پریس ریلیز کو خبر کی شکل دی گئی اور نصف حصہ اشتہارات کی نذر ہے۔ گویا ہفت روزہ احمد مختار کے کل کے نصف پر مضامین اور خبریں ہیں اور بقیہ نصف کو اشتہارات کے لیے خاص کیا گیا ہے۔ یہ غالباً اس اخبار کی مالی پوزیشن کے استحکام کے لیے کیا گیا ہے تاکہ اس کی اشاعت کو آئندہ دنوں یقینی بنایا جاسکے۔ یہ اخبار ابھی نیا نیا شائع ہو رہا ہے اس لیے اس میں مزید بہتری اور نکھار لانے کی ضرورت ہے جن میں ملکی اور عالمی خبروں کو بھی جگہ ملنی چاہیے اور دینی وسیاسی موضوعات پر مضامین اور مشہور کالم نگاروں کی تحریریں بھی شائع ہوں تو اس کے معیار میں اضافہ ممکن ہے۔ اخبار کی قیمت فی پرچہ دو روپے بہت مناسب ہے۔

سہ ماہی ''ڈوائن وِژن'' ممبئ:

سہ ماہی ڈوائن وژن (DIVINE VISION) ممبئ کا پہلا شمارہ فروری ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا۔ اس انگریزی جریدے کے چیف ایڈیٹر محترم ڈاکٹر فیضان عزیزی نے بڑی مہارت اور سلیقہ مندی سے اسے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ رسالے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل یہ جریدہ انتہائی دیدہ زیب، خوبصورت سرورق اور اعلیٰ نفیس کاغذ پر چھپا ہے اور مطالعے پر آمادہ کرتا ہے۔ پرنٹر، پبلشر اور مالک ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی نے علوی آفسیٹ، پرگتی انڈسٹری اسٹیٹ، ممبئ ۱۱ سے طبع کرا کے 4A/01 بامبے ٹیکسی مین کالونی، کرلا (ویسٹ) ممبئ ۷۰ سے شائع کیا ہے۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی نے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر امن وانصاف اور علم بردار انسانیت کو موضوع بنا کر ساڑھے سات صفحات میں اداریہ تحریر کیا ہے۔ اس

کے بعد حضرت علامہ قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ کا مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان شامل کیا گیا ہے۔ دیگر قلم کاروں میں ڈاکٹر محمد بنایوں، جارج برناڈ شا، مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ، مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ، محمد الخضر، حضرت مولانا صوفی محمد ناصر حسین برکاتی، شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ، ڈاکٹر مجتبیٰ موساوی، مقصود آفتاب، سید حسنین میاں نظمی مارہروی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن، کتھائی چن، ڈاکٹر محمد لئیق علی خان کے اسما قابل تذکرہ ہیں۔ مذہبی، تاریخی، تمدنی، سماجی اور اقتصادی موضوعات پر عمدہ مضامین سے سجا ہوا یہ جریدہ اپنی اولین اشاعت ہی میں کامیاب اور متنوع دکھائی دے رہا ہے۔ رسالے کے اخیر حصے میں عالمی خبروں اور مکتوبات کو جگہ دی گئی ہے۔ قیمت فی شمارہ ۴۰ روپے اور زر سالانہ ۱۶۰ روپے متعین کیا گیا ہے۔ انگریزی داں طبقے کے لیے ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی کی یہ تاریخی پیش کش انتہائی مفید اور لائق مبارک باد ہے۔ اللہ عزوجل ان کے حوصلوں میں توانائی عطا فرمائے، آمین۔ ● ●

باب دہم: عروس البلاد کے سنی نشریاتی ادارے

آزادیِ ہند کی خوشی اور تقسیم ہند کے غم کی کش مکش اور ملک بھر میں پھوٹ پڑنے والے خوں ریز فسادات کی دہشت نے ہندوستانی مسلمانوں کو خود انہیں کے ملک میں قدم قدم پر اجنبیت کا احساس دلا دیا تھا۔فرنگی انگریزوں کی ستم رانی کے بعد مسلمان زعفرانی طاقتوں کے شکنجے میں پھنسا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایسے نازک حالات میں اپنے حواس پر قابو پانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ہندی مسلمان اپنے تعلیمی اداروں، مساجد، مقابر اور وقفی املاک کے حوالے سے کافی فکر مند تھا۔مختلف چھاپہ خانے اپنے بند ہو جانے پر اشک بار تھے اور اشاعتی اداروں کی سالمیت پر زہریلی تلوار لٹک رہی تھی۔سرزمین بمبئ ان ہولناک حادثات سے سب سے زیادہ متاثر تھی۔صحافت دوبارہ اپنے قدم جمانے کی تگ ودو کر رہی تھی اور نشریاتی اداروں کی رونق دوبارہ بحال ہونے کی متمنی تھی۔جماعت اہل سنت سے متعلقہ افراد کو دو محاذوں پر انتہائی حساس اور چوکنا رہنا تھا، ایک طرف کھلم کھلا زعفرانی قوتوں اور فرقہ واریت کے ٹھیکے داروں سے مقابلہ تھا تو دوسری جانب مسلمان نما غدارانِ اسلام کی مسلسل ریشہ دوانیاں پریشانی کا باعث بن رہی تھیں۔ یہ دور سرزمین بمبئ میں مسلمانوں اور علماے اہل سنت کے لیے بڑا بھیانک دور تھا۔انگریزوں کی زائیدہ جماعت وہابیہ دیابنہ اپنی پیہم جد وجہد کے ذریعہ سنی مساجد پر قانونی اور ظالمانہ قبضے کا ماحول سازگار کر رہی تھی اور بھولے بھالے مسلمانوں کو اسلامی افکار ونظریات سے برگشتہ کرنے کی ناپاک کوشش میں لگی ہوئی تھی۔حکمراں جماعت سے سیاسی سازباز اور اپنے مفاد کے لیے ان سے اتحاد و وِداد انگریز نوازوں کے لیے مستحسن کے درجے میں تھا۔ایسے میں سرزمین بمبئ میں خطابات اور تبلیغی دوروں کی غرض سے آنے والے علماے اہل سنت اور مشائخ طریقت کو ٹھنڈے دل سے سوچنے پر مجبور ہونا تھا کہ ان ناگفتہ بہ حالات اور شکستہ خوردہ ہمتوں پر قابو پانے کی کیا

سبیل ہوسکتی ہے؟ اللہ عزوجل کا فضل ہوا کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محبوب علی خاں رضوی کو سنی بڑی مسجد مدن پورہ میں امامت و خطابت کے لیے ممبئ بلایا۔ پروردۂ تاج العلماء حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی کی تشریف آوری، اشرف العلماء حضرت سید حامد اشرف کچھوچھوی کا آنا ممبئ والوں کے زخم خوردہ دلوں کو تسلی اور حوصلہ بخشنے کے لیے تریاق ثابت ہوا۔ ان حضرات کے علاوہ دیگر خطبائے اسلام اور علما و مشائخ کی بے پناہ کاوشوں اور دینی و ملی خدمات نے بمبئ کی سنیت کو توانا اور مستحکم بنادیا جس کی تفصیل ہم گزشتہ قسطوں میں پیش کر چکے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سرزمین بمبئ کے احوال، بمبئ کی سنی تحریکات، سنی تعلیمی اداروں اور سنی صحافت کی نامکمل تاریخ ہمارے تذکرے کا حصہ بن چکی ہے۔ اب ہمیں اپنے اصل موضوع عروس البلاد کے سنی نشریاتی اداروں پر گفتگو کرنی ہے، جس میں ہم اپنی دریافت شدہ معلومات قارئین تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سلطانی پریس:

بیسل پور، پیلی بھیت، اتر پردیش سے تعلق رکھنے والے سید محمد سلطان حسین مرحوم نے آزادیِ ہند سے قبل ہی سرزمین بمبئ میں سلطانی پریس قائم کیا تھا۔ بمبئ کے علاوہ ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کراچی، لاہور (پاکستان) میں اس پریس کی شاخیں قائم ہوئیں اور بمبئ میں بھنڈی بازار، گرانٹ روڈ اور جے جے سگنل کے پاس اس کی شاخوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ سید محمد سلطان حسین مرحوم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے متعدد رسائل طبع کرا کے شائع کیے اور ملک بھر میں انہیں عام کیا۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کراچی منتقل ہوگئے اور وہیں ۱۹۶۰ء میں انتقال ہوا۔ اسی مطبع سے شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی قادری لکھنوی کی کتاب ''احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ'' اور ''الجوابات السنیہ'' شائع ہوئی تھی۔ مشہور ترقی پسند افسانہ انقلابی نوجوان شاعر اشعؔر ملیح آبادی کی ادارت میں بھساول سے ''ساحل'' نامی جریدہ جاری ہوا تھا، جس کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا تھا، یہ رسالہ بمبئ کے سلطانی پریس سے طبع ہوا تھا۔ ساحک کی ادارت میں اشعؔر ملیح آبادی کے ساتھ کمال احمد صدیقی، حامد رشید اور جعفر پرویز کے نام دیے گئے تھے۔ البتہ اشعؔر کا افسانوی مجموعہ ''دکھتے شانے'' ساحل پبلشنگ بھساول سے

۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔

ناز بک ڈپو:

یہ ادارہ ۱۹۴۳ء میں عبداللہ حاجی علی محمد مرحوم نے قائم کیا۔ ابتدا میں یہ صرف دینی و علمی کتابوں کی خرید و فروخت کرتا رہا۔ آج سے ۲۵ سال قبل اس ادارے سے باقاعدہ کتب و رسائل اشاعت کا آغاز ہوا جس کی اولین اشاعت ''گلدستۂ درود شریف'' تھی۔ اس کے بعد چھوٹی بڑی متعدد کتابیں اس ادارے کے زیر اہتمام طبع ہو کر شائع ہوئیں جن میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کی مایۂ ناز تصنیف سیرت المصطفیٰ کا ہندی روپ، حج و زیارت (ہندی)، حج و عمرہ (علامہ عالم فقری) انتخاب نعت کے چھوٹے چھوٹے تقریباً ساٹھ مجموعے (اردو، ہندی) اور اوراد و وظائف پر مشتمل پچاس سے زائد کتابیں۔ ان میں نمایاں نام ''مجموعہ وظائف قادری رضوی (مجلد اردو، ہندی) خزینۃ الوظائف (۲۱۶ صفحات) جامع الوظائف (۶۰۶ صفحات مجلد) ان کے علاوہ ترجمۂ قرآن کنز الایمان اس ادارے سے قریب بیس سال قبل شائع ہوا۔ قرآن مجید معری گیارہ برسوں سے مسلسل اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ ہندی زبان میں مولانا شمیم احمد نوری کی تالیف ''شادی کا تحفہ'' بھی اس ادارے کی مطبوعات کی فہرست میں شامل ہے۔ اس طرح اس ادارے نے سلسلہ وار مختلف موضوعات پر پاکٹ سائز کتابیں طبع کرائیں اور قیمتاً ان کی ترسیل و اشاعت کا کام انجام دیا۔ ناز بک ڈپو، محمد علی روڈ پر واقع محمد علی بلڈنگ، دوکان نمبر ۱، ممبئ ۳ پر واقع ہے اور اپنی اشاعتی خدمات کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور ہے۔ یہ ادارہ ایک لمبے عرصے سے مؤذن الاوقات بھی چھاپتا ہے اور مساجد میں نماز کے اوقات، جماعت کے اوقات کے تعین کا ایک فریم شدہ ٹائم ٹیبل بھی اس کے پروڈکٹ میں شامل ہے۔ بانی ادارہ عبداللہ حاجی علی محمد مرحوم کا ۲۰۱۲ء میں انتقال ہوا۔ اب اس ادارے کا مالکانہ حق ان کے تین صاحب زادوں محمد عارف، محمد عرفان اور محمد آصف کو حاصل ہے۔ وہ تجارتی نقطۂ نظر سے چلنے والے اس اہم ادارے کے دست و بازو بن کر ایک کامیاب بزنس بھی کر رہے ہیں اور دین حق کی خدمت بھی۔ اللہ عز و جل ان کے جذبات سلامت رکھے۔

کتب خانۂ اہل سنت:

غالباً ۱۹۴۷ء کے اخیر یا ۱۹۴۸ء کے آغاز میں جب احباب اہل سنت کی دعوت اور حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کے حکم سے محبوب ملت حضرت مولانا محبوب علی خان رضوی نے ریاست پٹیالہ کے مفتی اعظم کے عہدے سے سبک دوش ہوکر سنی بڑی مسجد مدن پور ممبئ کی امامت وخطابت کا منصب سنبھالا تو اس کے کچھ عرصے بعد ہی محبوب ملت علیہ الرحمہ نے کتب خانہ اہل سنت قائم فرمایا۔ بہ قول شہزادۂ محبوب ملت مولانا مقصود علی مصباحی: ''جب بھی کسی فتنے نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی اور اہل سنت کے عقیدے کی حفاظت کی خاطر مفید اور کارآمد مذہبی کتابیں شائع ہوتی رہیں۔'' (خوابوں کی بارات: مطبوعہ کتب خانہ اہل سنت بمبئ، ۲۰۰۹ء، ص ۱۸)

محبوب ملت علیہ الرحمہ نے بمبئ تشریف آوری سے قبل مفتیِ ریاست پٹیالہ کے عظیم عہدے پر فائز رہ کر سینکڑوں فتاویٰ قرآن وحدیث کے مستند حوالوں کی روشنی میں صادر فرمائے، ان کا مجموعہ تو تقسیم ہند کے ہنگاموں کی نذر ہوگیا لیکن داخلی فتنوں سے ان کی باخبری کا نتیجہ تھا کہ فرقہ روافض کے رد میں ایک قلمی کاوش ''دلائل خلافت راشدہ'' لکھ کر شائع فرمائی۔ اس کے علاوہ مرزائیوں، قادیانیوں نے فتنہ پروری کا مظاہرہ کیا تو ''**الصوارم المحمدیة علی کفرة المرزائیة الدیوبندیة**'' کے ذریعے قادیانیوں کا سر قلم کر دیا۔ ممبئ آنے کے بعد حالات کچھ اس قدر پیچیدہ اور گمراہ کن نظر آئے کہ ان کا قلم مسلسل سیف ذوالفقار بن کر ہر طرح کے فتنوں اور گمراہیوں کے سدباب اور احقاق حق کے لیے چلتا رہا اور محبوب ملت کے قلم سے تقریباً ۲۷ کتابیں حیطۂ تحریر میں آئیں اور اکثر کتابیں کتب خانۂ اہل سنت سے طبع ہوکر شائع ہوئیں اور محبوب ملت نے بلا قیمت ان کی ترسیل کا انتظام کیا تھا۔ تاریخ اعیان وہابیہ (۱۳۷۴ھ) تواریخ مجددین حزب وہابیہ (۱۳۷۶ھ) مودودی صاحب کا الٹا مذہب (۱۳۷۶ھ) ابن عبدالوہاب کی کہانی (۱۳۷۸ھ) الیاسی پارٹی کون ہے؟ (۱۳۸۰ھ) مشاہدۂ مولانا حشمت علی (۱۳۸۰ھ) تکفیری افسانے کے تجزیے (۱۳۸۴ھ) دیوبندی ترجموں کا آپریشن، برق خداوندی رد بے دینی وہابی دیوبندی، اولیاے کرام کی نذر ونیاز، دعاے ثانی کا ثبوت، اسلامی قانون تجارت، نجوم شہابیہ برتذویر اصحاب وہابیہ وغیرہا کتابیں اس کتب خانے کے زیر اہتمام طبع ہوئیں۔ مولانا منصور علی خان رضوی لکھتے ہیں:

''ہر باطل پرست کے لیے ان کا قلم تیر ونشتر بنا ہوا تھا جس کی کسک اور تڑپ آج بھی فرقہ ہائے باطلہ محسوس کر رہے ہیں۔'' (پیش لفظ: سوانح شیر بیشۂ سنت، مطبوعہ کان پور ۲۰۰۵ء ص۲۴)

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رقم طراز ہیں:

''محبوب ملت شیخ طریقت مفتی بمبئ عالم باعمل حضرت مولانا الحاج محمد محبوب علی خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے کتنے قلمی شاہ کار چھوڑے ہیں کہ آج کے طلبہ اگر اسے یاد کر لیں تو میدان مناظرہ کے شہ سوار بن جائیں۔ ایسی نادر ونایاب کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ اگر ان کتابوں سے کتب خانہ خالی ہے تو وہ مکمل کتب خانہ نہ سمجھا جائے گا۔'' (حوالۂ سابق: ص۸)

لکھنا پڑھنا ہی محبوب ملت علیہ الرحمہ کا مشغلہ رہا اور کمال کی بات یہ ہے کہ وہ کتابیں بھی تصنیف فرماتے تھے اور کتب خانہ اہل سنت سے انہیں شائع بھی کرتے تھے اور بلا قیمت تقسیم کرتے تھے۔ ۲۴ جمادی الاٰخرہ ۱۳۸۵ھ/۲۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز چہار شنبہ محبوب ملت کا وصال ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں مولانا منصور علی خان رضوی کی اولین تصنیف ''تبلیغ یا دھوکہ'' اسی مکتبے سے چھپی۔ اس کتاب کو اس قدر مقبولیت اور شہرت ملی کہ جولائی ۱۹۷۷ء میں اس کا ساتواں ایڈیشن منظر عام پر آیا اور اس وقت تک تیرہ ہزار کی تعداد اشاعت ہوگئی تھی۔ انہیں کی دوسری ہنگامہ خیز تالیف ''خوابوں کی بارات'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا اور اس کا نواں ایڈیشن اسی کتب خانے کے زیر اہتمام ۲۰۰۹ء میں طبع ہوا۔ اس سے قبل درج ذیل کتب واشتہارات بھی شائع ہوئے۔

اولیاے کرام کی نذر و نیاز (چار ایڈیشن) سل **الحسام علی الظلام** (تین ایڈیشن) نور کی تفسیر (تین ایڈیشن) فضائل مدینۃ الرسول (دو ایڈیشن) کھرا کھری کا مباحثہ (چھ ایڈیشن) فضائل شب براءت (پانچ ایڈیشن) فضائل رمضان (دو ایڈیشن) دعاے ثانی کا ثبوت (دو ایڈیشن)۔ ان کے علاوہ درج ذیل پوسٹرس بھی شائع ہوئے:

علماے اہل سنت کا متفقہ فتوی (چار مرتبہ) ترجمۂ قرآن کے پردے میں کفری تعلیم (ایک بار) مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے کیوں الگ رہنا چاہیے (دو مرتبہ)

(خوابوں کی بارات، مطبوعہ ممبئ: ص۱۲،۱۳)

شہزادۂ محبوب ملت حضرت مولانا منصور علی خان رضوی نے قبلہ محبوب ملت علیہ الرحمہ کی متذکرہ بالا کتابوں کا اجمالی تذکرہ وتبصرہ محبوب ملت کے برادر اکبر کی حیات وخدمات پر مشتمل خود ان کی کتاب ''سوانح شیر بیشۂ سنت'' کے پیش لفظ میں کیا ہے۔ محبوب ملت کی اس کتاب کا تاریخی نام ''مشاہدۂ مولانا حشمت علی'' (۱۳۸۰ء) ہے، جو مکمل ۳۰ برس کے بعد ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی، جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا اور تیسری بار اس کی اشاعت عسکری اکیڈمی جامعہ اہل سنت حشمت الرضا کرنیل گنج کان پور کے زیر اہتمام مارچ ۲۰۰۵ء میں ہوئی جو اس وقت راقم کے پیش نگاہ ہے۔ بہرحال احقاق حق اور ابطال باطل پر مبنی دینی وتحقیقی کتابوں کی طباعت واشاعت کے لیے کتب خانۂ اہل سنت کا تاریخی کردار ایک انمٹ کردار ہے جسے کسی طور پر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ادارہ آج بھی قائم ہے لیکن اس کے زیر انتظام کتابوں کی اشاعت کا کام کمزور ہے۔

نیو سلور بک ایجنسی:

سلطانی پریس کے بانی ومالک سید سلطان حسین کے صاحب زادے سید محمد مرحوم نے ۱۹۵۰ء میں بمبئ میں نیو سلور بک ایجنسی کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی کتابیں بھی طبع کرا کے شائع کیں اور دینی ومذہبی کتب ورسائل کی مارکیٹنگ بھی کی۔ یہ ادارہ بھی بڑے کتب خانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ محمد علی روڈ پر واقع محمد علی بلڈنگ ممبئ ۳ پر مذکورہ کتب خانے کے ایک بڑی سی دوکان ہے۔ ہندوستان بھر میں جس کی مطبوعات کی مانگ ہے اور جہاں سے شائع طغرے اور مؤذن الاوقات کی ملک بھر میں دھوم ہے۔ اس کی مطبوعات میں آسان نماز مکمل (مرتب بانی ادارہ) کا نام اولیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب آسان اردو زبان میں ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کے اب تک پچاس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جنت کا نغمہ اور دیگر نعتیہ گلدستوں کی تعداد ۱۸ سے متجاوز ہے۔ ماہ نامہ فیض الرسول براؤں شریف کے ایڈیٹر مولانا محمد نسیم بستوی کی تالیف ''ماں باپ کے حقوق'' اور ''میاں بیوی کے حقوق'' (دونوں کے صفحات ۸۰ ہیں) کے بے شمار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ تعویذات وعملیات پر مشتمل مولانا محمد اقبال نوری کی ترتیب شدہ کتاب شمع شبستان رضا اس ادارے سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی جس

کی متعدد بار اشاعت ہوچکی ہے۔مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا تصنیف کردہ فقہی انسائیکلو پیڈیا فتاویٰ رضویہ (بارہ مجلدات) جب رضا اکیڈمی ممبئ سے ۱۹۹۴ء میں طبع ہوا تو ہندوستان اور بیرون ہند میں اس کی اشاعت وترسیل نیوسلور بک ایجنسی کے ذریعے عمل میں آئی۔اس طرح اس ادارے کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا اور آج یہ ایک بڑا نشریاتی وطباعتی وتجارتی ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔بانیِ ادارہ سید محمد حسین کا انتقال ۲۰۰۰ء میں ممبئ میں ہوا۔ان کے فرزند سید بدر حسین ۱۹۷۷ء سے اس ادارے سے منسلک ہیں اور والد صاحب کے انتقال کے بعد اس کی پوری ذمے داری انہیں کے کاندھے پر ہے اور حق ملکیت بھی انہیں کو حاصل ہے۔یہ ساری معلومات سید بدر حسین ہی نے راقم کو فراہم کی ہیں جس کے لیے راقم ان کا ممنون ہے۔

مکتبۂ غوثیہ:

معروف قلم کار حضرت مولانا وارث جمال قادری کے والد ماجد الحاج محمد منیف قادری نے ۱۹۷۲ء میں مکتبۂ غوثیہ کی بنیاد رکھی،جس کا اصل دفتر دوٹانکی ممبئ ۸ پر واقع تھا۔اس ادارے میں وقت کے جلیل القدر علماومشائخ کی مسلسل آمد رہا کرتی تھی جن میں حضور مجاہد ملت اور پاسبان ملت علیہما الرحمہ کا نام نمایاں ہے۔۱۹۷۸ء میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کی ممبئ شاخ کے قیام میں الحاج محمد منیف قادری کی تحریک ومشورہ بھی شامل تھا۔سرزمین بمبئ کے مختلف علاقوں میں ہونے والے سنی اجلاس اور تاریخی کانفرسوں کے انعقاد میں بھی یہ ادارہ اپنی بیش بہا قربانیاں دیتا رہا ہے اور جہاں سے بڑی اہم اور مفید کتابوں کی طباعت بھی ہوتی رہی ہے۔چند مطبوعات کے نام ہم درج کرتے ہیں: ''محمود غزنوی تاریخ کے آئینے میں'' (مولانا وارث جمال قادری) 'اسلام اور شادی' (وارث جمال قادری) 'خصائص مصطفیٰ' (مولانا محمد احمد قادری) 'بہار شباب' (مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی) 'تفسیر نعیمی' چار جلدیں (مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی) ''انوار کنزالایمان'' (مولانا وارث جمال قادری)۔ان کے علاوہ بھی چند کتابیں اس ادارے سے طبع ہوئیں لیکن راقم کو ان کی تفصیل دست یاب نہ ہوسکی۔

مخدوم علی مہائمی میموریل:

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی عالم اور مفسر قرآن حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ

الرحمہ کی مشہور زمانہ درگاہ ماہم شریف کے معاملات کی نگرانی کی غرض سے قانونی طور پر ۱۰ جولائی ۱۸۹۰ء میں ''پیر مخدوم صاحب چیریٹیبل ٹرسٹ'' کا قیام عمل میں آیا۔ آزادیِ ہند کے بعد ۱۷ ر اپریل ۱۹۵۲ء میں یہ ٹرسٹ دوبارہ رجسٹرڈ کیا گیا اور چھ سال پیشتر غالباً ۲۰۰۷ء میں اس کے فعال ٹرسٹیوں ایڈوکیٹ عبدالصمد خطیب (چیئرمین) اور جناب سہیل کھنڈوانی کی دل چسپیوں اور کوششوں سے ''حضرت مخدوم علی مہائمی میموریل اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور لائبریری'' کا قیام عمل میں آیا جس کے ڈائرکٹر پروفیسر عبدالستار دلوی ہیں جن کی کوششوں اور تحریک سے ۱۹۷۶ء میں مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی کی مرتبہ کتاب ''مخدوم علی مہائمی: حیات، آثار وافکار'' منظر عام پر آئی تھی۔ مذکورہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں زیر تذکرہ میموریل ٹرسٹ ماہم شریف نے ۲۳۷ صفحات پر مشتمل شائع کیا تھا اور اس کتاب سے قبل مخدوم علی مہائمی میموریل سے پروفیسر عبدالستار دلوی کی مرتبہ کتاب ''حضرت مخدوم علی مہائمی: تین تحقیقی مقالات'' ۲۰۰۷ء میں ۹۴ صفحات پر مشتمل شائع کی گئی تھی۔ مخدوم علی مہائمی میموریل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے تحت ایک سال کے عرصے میں لگ بھگ چھ ہزار کتابوں پر مشتمل اسلامیات پر مبنی ایک کتب خانہ بن چکا ہے۔ یہ ۲۰۰۷ء کی بات ہے، اب اس میں مزید ہو چکا ہوگا۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے مقاصد میں فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ کی تصانیف پر تحقیقی کام کروانا، ان کی سوانح اور فکریات پر مشتمل مقالات کی طباعت واشاعت اور جدید تحقیق، ترجمہ اور ترتیب کے ساتھ فقیہ مہائمی کی دست یاب شدہ کتابوں کی اشاعت شامل ہے تا کہ اس عظیم شخصیت اور ہندوستان کے اولین مفسر قرآن کے علمی کارناموں سے دنیا کو آگاہی مل سکے اور اہل علم ان گراں بہا خزانوں سے استفادہ کر سکیں اور اپنی علمی و قلمی تشنگی بجھا سکیں۔

رضا اکیڈمی، ممبئ:

رضا اکیڈمی ممبئ کی دینی و تعلیمی، سماجی ورفاہی اور طباعتی ونشریاتی خدمات پر خامہ فرسائی سے پیشتر خود رضا اکیڈمی سے شائع شدہ کتاب ''رضا اکیڈمی، کل، آج اور کل'' کا تذکرہ بے حد ضروری ہے کیوں کہ یہ کتاب اس عظیم الشان سنی ادارے کی ہمہ جہت دینی خدمات کا بنیادی حوالہ ہے اور ہمارے تذکرے کا اہم ماخذ بھی، اس کتاب کو مولانا صادق رضا مصباحی نے اس

وقت ترتیب وتذہیب کا لباس عطا کیا ہے جب وہ رضا اکیڈمی کے ہفت روزہ اخبار ''مسلم ٹائمز'' کی مجلس ادارت سے وابستہ تھے، کتاب کے کل صفحات ۲۹۶ ہیں، جسے رضا اکیڈمی شاخ نائیگاؤں بازار، ناندیڑ (مہاراشٹر) نے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا ہے، اس اہم کتاب کو فاضل مرتب نے چودہ ابواب میں تقسیم کیا ہے لیکن ابتدائی تیرہ ابواب کے تحت مواد کی فراہمی ہے جب کہ چودہواں باب: رضا اکیڈمی: اشاعتی زاویوں کی جھلک'' شامل کتاب ہے ہی نہیں، تیرہ ابواب کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

پہلا باب: رضا اکیڈمی: مشاہر کے حقیقت رنگ اظہاریے، دوسرا باب: بانی رضا اکیڈمی: قلم کے روبرو، تیسرا باب: رضا اکیڈمی: پس منظر، چوتھا باب: اشاعتی روزن، پانچواں باب: رضا اکیڈمی: صحافتی آفاق، چھٹا باب: رضا اکیڈمی: جادۂ رضویات کا سفر، ساتواں باب: رضا اکیڈمی، رفاہی وفلاحی خدمات کے دریچے سے، آٹھواں باب: رضا اکیڈمی: دینی ومذہبی خدمات کا ایوان، نواں باب: رضا اکیڈمی، گرد پس کارواں، دسواں باب: رضا اکیڈمی: خدمات کا عمومی جائزہ، گیارہواں باب: رضا اکیڈمی، اہل علم کی مبارک بادیاں، بارہواں باب: رضا اکیڈمی: کل آج اور کل، تیرہواں باب: رضا اکیڈمی: مذہبی وملی امور کا تحفظ۔

مندرجہ بالا متنوع رنگ ابواب کو ذیلی سرخیوں سے سجایا گیا ہے اور فاضل مرتب کے منفرد شگفتہ اسلوب بیان اور انداز تحریر نے اس تذکرے کو انتہائی جامع اور منفرد المثال بنا دیا ہے، یہ کتاب اس لحاظ سے بھی انتہائی اہم اور قابل قدر ہے کہ رضا اکیڈمی جیسے عظیم ترین اشاعتی ادارے کی خدمات پر مشتمل یہ اولین کتاب ہے، جس میں بڑے سلیقے سے مواد کو یکجا کیا گیا ہے اور رضا اکیڈمی کی خدمات کو مختلف رنگ میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کے لیے مرتب موصوف مبارک باد اور پذیرائی کے حق دار ہیں۔

خلیفہ مفتی اعظم ہند جناب محمد ناصر رضوی کی تحریک اور اِیما پر الحاج محمد سعید نوری نے اپنے چند رفقا کے ساتھ رضا اکیڈمی کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی، جس کی اولین اشاعت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی معرکہ آرا کتاب ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' کی شکل میں ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آئی اور یہی رضا اکیڈمی کا سن قیام بھی ہے،

اس اہم کتاب کی تعداد اشاعت ۲۵؍ ہزار تھی اور اس کا ہدیہ ’’دعائے صحت وبقائے ظل عنایت برائے حضور مفتی اعظم‘‘ رکھا گیا تھا اور قارئین میں مفت تقسیم کی گئی تھی، راقم رضا اکیڈمی ممبئ کی اس اولین اشاعت کی زیارت سے شاد کام ہو چکا ہے۔

’’تمہید ایمان‘‘ کی اشاعت رضا اکیڈمی ممبئ کے لیے کامیابی کا مہرہ ثابت ہوئی اور پھر اس اشاعتی ادارے نے کتب ورسائل کی طباعت واشاعت کے معاملے میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، بلکہ کامیابیاں خود اس کا پیچھا کرنے لگیں اور اس کی عظمت وشہرت کا سکہ برصغیر ہندو پاک کی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا دیارِ غیر میں بھی بجنے لگا اور رضا اکیڈمی کی مطبوعات دنیا بھر میں ارسال ہونے لگیں۔

رضا اکیڈمی کی آفس کے لیے پہلے پہل الحاج محمد سعید نوری کی دوکان (۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ، ممبئ۳) کو استعمال کیا گیا، ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۴ء تک رضا اکیڈمی کا کام اسی دوکان سے کیا گیا، پھر اس کے بعد ۴۷؍ میمن واڑہ روڈ، ممبئ۳ پر باقاعدہ آفس کے لیے جناب عمر بھائی سوریا کا مکان ایک لاکھ اسی ہزار میں خریدا گیا، اور اس جگہ رضا اکیڈمی کا نیا دفتر قائم ہوا، جس کا افتتاح کشمیر والے بابا حضرت سید نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا، کچھ سالوں بعد جب رضا اکیڈمی کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا تو یہ جگہ بھی اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی، اس لیے پارسی گلی نظام اسٹریٹ میں ایک کمرہ دو لاکھ پانچ ہزار روپے میں آفس کے لیے خریدا گیا جس کے افتتاح کے لیے تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ تشریف لائے تھے اور اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازا تھا، پھر کچھ سالوں بعد ۲۶؍ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئ۳، میں دو لاکھ چالیس ہزار روپے میں اس ادارے کی آفس کے لیے جگہ خریدی گئی لیکن یہ جگہ بھی رضا اکیڈمی کی اشاعتی، فلاحی، رفاہی، مذہبی، صحافتی، سماجی اور مسلکی خدمات کی ہمہ جہتی اور وسعت کے لحاظ سے ناکافی ثابت ہوئی، اب الحاج محمد سعید نوری ایک مستقبل جگہ کی تلاش میں لگ گئے، بالآخر ۲۰۰۶ء میں ایک مستقل نیا آفس خریدا گیا جو ۵۲؍ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، کھڑک، ممبئ۹ پر واقع ہے، رضا اکیڈمی جیسے عظیم الشان اشاعتی و مذہبی ادارے کے لیے یہ جگہ کافی مناسب ہے، دو منزلہ اس آفس کے نیچے حصے میں ایک شاپ ہے جسے کرایے پر دیا گیا ہے،

فرسٹ فلور پر کافی جگہ ہے جس میں ایک کشادہ ہال، ایک ایئر کنڈیشن آفس، ایک لائبریری ہے جس میں کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے، کانفرنس ہال اور آفس کے درمیان ریسپشن (استقبالیہ) ہے، جہاں کمپیوٹر کا کیبن ہے، اور اسی کے بازو میں مکتبۂ رضا ہے جہاں رضا اکیڈمی سے طبع شدہ کتابیں اور دوسرے مکتبوں کی مطبوعات قیمتاً دستیاب ہیں۔

تادم تحریر رضا اکیڈمی کی مطبوعات سات سو کے قریب پہنچ چکی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۸ء تک رضا اکیڈمی کی خدمات کا باقاعدہ ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا، ۱۹۹۹ء کے بعد تمام خدمات کا تفصیلی ریکارڈ محفوظ ہے، رضا اکیڈمی کے بانی اور سکریٹری جنرل محترم الحاج محمد سعید نوری نے اپریل ۲۰۰۲ء میں ماہ نامہ جام نور دہلی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں اپنے ادارے کے بنیادی مقاصد پر روشنی ڈالی ہے، ان کے یہ قول: ''۱۹۷۸ء میں رضا اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا اور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور علمائے اہل سنت کی تصانیف کو شائع کرنا اس کے اغراض و مقاصد میں شامل تھا، اس کے بعد اور کام بڑھتا گیا تو یہ ہوا کہ مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کے لیے جو بھی طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں کیے جائیں، چاہے وہ مدارس کا قیام ہو، لائبریریوں کا قیام ہو یا سماجی طور پر بھی کوئی خدمت کرنی ہو یعنی ہر محاذ پر سنیت کا فروغ اس کا اصل مقصد ہے۔'' (ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ، اپریل ۲۰۰۲ء)

رضا اکیڈمی ممبئ جو مشن لے کر چلی تھی اس میں اسے خاطر خواہ کامیابی میسر آئی، اور دن بہ دن اس کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، باد سموم کے ہزاروں تھپیڑوں کے زہر آلود جراثیم کو برداشت کرتا ہوا قریب ۳۵/سالوں قبل لگایا گیا یہ ننھا پودا مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے روحانی فیض اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دعاؤں اور کرم خصوصی کی توانائی سے سیراب ہو کر آج ایک تناور درخت بن چکا ہے جس کی خدمات جلیلہ کی شہرت اب ملک گیر نہیں عالم گیر ہو چکی ہے، فاضل قلم کار و مصنف حضرت مولانا عبد المبین نعمانی قادری کی وضاحتوں کو مستعار لے کر رضا اکیڈمی کے اہم کاموں کو یوں سمیٹا جا سکتا ہے:

(۱) متعدد اکابر و مشائخ کے ناموں سے کانفرنسوں کا انعقاد جن میں مفتی اعظم کانفرنس سر فہرست ہے۔

(۲) مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تعلق سے احتجاجات۔

(۳) مسلک اہل سنت و جماعت کے فروغ اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے وسیع پیمانے پر دینی کتابوں کی اشاعت اور تقسیم یا نہایت ارزاں داموں پر انہیں سیل کرنا۔

(۴) مدارس کا قیام اور دیگر مدارس اہل سنت کا تعاون۔

(۵) درس نظامی اور دیگر درسیات سے متعلق کتابوں کو شائع کر کے مدارس اہل سنت کو عطیہ کرنا جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، نحو وصرف اور ادب سبھی فنون کی کتابیں شامل ہیں۔

(۶) مقدمات کے تصفیے میں غریب وضرورت مند مسلمانوں بالخصوص دینی اداروں اور مساجد کے ذمے داروں کا تعاون اور ان کو مفید مشوروں سے نوازنا۔

(۷) نمایاں دینی کارناموں کے حامل علمائے اہل سنت کو مختلف انداز سے ایوارڈ دینا اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کرنا۔

(۸) مصنفین کے مسودات کو طباعت واشاعت سے ہم کنار کرنا۔

(۹) فرقہ وارانہ فسادات میں ریلیف فنڈ قائم کر کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا۔

(۱۰) جملہ موجود تصانیف اعلیٰ حضرت بالخصوص فتاویٰ رضویہ کی مکمل بارہ جلدیں پھر ترجمہ کی تیس جلدیں شائع کر کے کم قیمت پر شائقین کو فراہم کرنا۔

(۱۱) سنی رضوی کیلنڈر کی اشاعت جس میں اشعار اعلیٰ حضرت کے انداز سے ڈیزائن کا اہتمام ہوتا ہے اور بہت ہی دینی معلومات، سنی اداروں کا تعارف، سنی علما اور اہم شخصیات کے پتے اور فون نمبر بھی ہوتے ہیں۔

(۱۲) متعدد بار اہتمام سے ''کنز الایمان'' کی اشاعت جس میں ہندی اور انگریزی ایڈیشن بھی شامل ہے۔

(۱۳) وصال مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے بعد سے ہر سال بانی رضا اکیڈمی الحاج محمد سعید نوری کا اپنے رفقا کے ساتھ عرس نوری میں بریلی شریف حاضری دینا۔

(۱۴) ہر جمعرات کو محفل نوری کا اہتمام کرنا جس میں نعت خوانی، شجرہ خوانی، فاتحہ اور علما کے بیانات کا بھی (حسب موقع) انتظام کرنا۔

ہندوستان اور بیرون ہند کے علمائے اہل سنت رضا اکیڈمی کے ان کارناموں سے متاثر نظر آتے ہیں اور اعتراف حقیقت میں بھی تامل نہیں کرتے جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔''

(مولانا صادق رضا مصباحی، رضا اکیڈمی کل، آج اور کل، ممبئ۔۲۰۱۰ء، ص:۱۴، ۱۵)

رضا اکیڈمی ممبئ کے تعلق سے ایک مرتبہ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک اداریے میں لکھا تھا:

''رضا اکیڈمی مستقبل میں امام اہل سنت کے مشن کو لے کر سورج کی طرح چمکے گی۔''

(حوالہ سابق، ص:۲۹۲)

رضا اکیڈمی ممبئ نے ۱۹۸۰ء میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' کو پانچ ہزار کی تعداد میں طبع کرایا جس کی طباعت میں تقریباً تین لاکھ کی لاگت آئی اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بہ طور قرض بھی روپوں کی وصولی کی گئی تھی اور بعد میں ان کا قرض انہیں واپس کردیا گیا تھا، ۱۹۸۰ء میں طبع شدہ کنز الایمان کا ایک نسخہ بریلی شریف میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی نذر کیا گیا اور آپ نے بہت دعاؤں سے نوازا تھا، ۱۹۸۵ء سے سنی رضوی کیلنڈر جاری کیا گیا جو الحمد للہ اس وقت سے آج تک مسلسل کافی تعداد میں اعلیٰ پیمانے پر شائع ہورہا ہے۔ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے ماہ نامہ ''پاسبان'' الٰہ آباد، جنوری فروری ۱۹۸۴ء میں رضا اکیڈمی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ اہل سنت کا ایک اشاعتی ادارہ ہے جو بہت ہی قلیل مدت میں اپنی آفاقی شہرت کی بنیاد پر ملک اور بیرون ملک علما اور مہمانوں کی قیام گاہ اور ضیافت گاہ بن چکا ہے۔ بہت ہی فیاض، روشن خیال اور وسیع النظر حضرات کے ہاتھوں اس کی قیادت ہے۔ جن کے خون کی بوند بوند میں وفاداریِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا جذبہ موجزن ہے۔ مذہب اہل سنت کی ترویج واشاعت اور مسلک رضویت کی تائید وحمایت اس ادارے کا بنیادی نصب العین ہے۔''

(حوالۂ سابق، ص:۱۰)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ (محررہ یکم جولائی ۱۹۹۹ء) رقم طراز ہیں:

''رضا اکیڈمی ممبئ اہل سنت کا سب سے فعال اور مفید ادارہ ہے جس نے بہت بڑے بڑے عظیم الشان اہم نمایاں کام انجام دیے ہیں۔ مثلاً جشن صد سالہ مفتی اعظم ہند، پانچ ممتاز علمائے اہل سنت میں سے صاحبان تصنیف کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' نیز مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی اور دیگر علمائے اہل سنت کی سینکڑوں تصانیف کی اشاعت وغیرہ وغیرہ۔''

(حوالۂ سابق، ص:۷)

رضا اکیڈمی ممبئ کے کاموں کی سراہنا کرنے اور اس کے کار پردازوں کی حوصلہ افزائی کرنے والوں میں درج بالا دو ناموں کے علاوہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (لاہور)، علامہ کوکب نورانی (کراچی) مولانا محمد حسن علی رضوی (پاکستان) مولانا بدر القادری مصباحی (ہالینڈ) مولانا منشا تابش قصوری (لاہور) مفتی سید شاہد علی رضوی (رام پور) مولانا عبدالمبین نعمانی (مبارک پور) مفتی آل مصطفیٰ مصباحی (گھوسی) ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل شہ سرامی (علی گڑھ) مولانا محمد ملک الظفر سہ سرامی (بہار) پدم شری بیکل اتساہی (بلرام پور) ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی (گھوسی) مولانا بہاء المصطفیٰ قادری (بریلی شریف) ڈاکٹر مفتی محمد مکرم نقش بندی (دہلی) مولانا محمد سبحان رضا سبحانی میاں (بریلی شریف) مولانا سید تنویر ہاشمی (کرناٹک) مفتی ولی محمد رضوی (راجستھان) مفتی اختر حسین علیمی (بستی) مولانا محمد شاکر نوری (ممبئ) مولانا محمد توصیف رضا خاں (بریلی شریف) ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی (بریلی شریف) مفتی شیر محمد خاں رضوی (جودھپور) مولانا محمد شمیم اشرف ازہری (ماریشش) اور مولانا قاری عبد الرشید رحمانی (ممبئ) کے اسما نمایاں ہیں اور جن کے تاثرات متذکرہ بالا کتاب میں درج ہیں۔ مذکورہ شخصیات کے علاوہ دیگر بے شمار ارباب قلم، صاحبان فکر و دانش، ذمہ دارانِ مدارس و مساجد اور خانقاہ کے سجادہ نشینان ہیں جو رضا اکیڈمی کی خدمات کی خاموش پذیرائی کرتے ہیں اور قلبی طور پر اس سے کافی قریب ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رضا اکیڈمی واقعی ایک زمینی حقیقت کا نام ہے، یہ مختصر سا تذکرہ اس کی ہمہ جہت کارگزاریوں کا متحمل نہیں ہوسکتا، قارئین بھرپور تشفی اور تسلی کے لیے ''رضا اکیڈمی کل، آج اور کل'' کا دقت نظر سے مطالعہ کرلیں ان شاء اللہ عزوجل قلبی طمانیت حاصل ہوگی۔

اپریل ۲۰۰۲ء تک اس ادارے سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد دوسو کے قریب ہوچکی تھی، ۲۰۰۹ء میں یہ تعداد بڑھ کر تقریبا ساڑھے چھ سو ہوگئی تھی اور ۲۰۱۲ء کے اختتام تک سات سو تک کا ہندسہ چھو لینے کی تمنائی ہے فالحمدللہ علی ذٰلک، رضا اکیڈمی کی مطبوعات کل بھی مقبول تھیں، آج بھی ان کی مقبولیت میں ہوش ربا اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے اور ترقی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کی شہرت وپذیرائی کا گراف مزید اونچا ہوگا۔ طباعتی واشاعتی میدان میں کتب ورسائل کی اشاعت اور مجلّاتی واخباری صحافت کے توسط سے رضا اکیڈمی کی تاریخ ساز خدمات کے نقوش وقت کے نقشے پر منور وتاباں ہیں، جس کی چکا چوند میں مزید اضافہ ممکن ہے اور جس کے مظاہر مستقبل قریب میں دنیا کی نگاہوں کے روبرو جگمگاتے دکھائی دیں گے۔ آگے کی سطور میں ہم رضا اکیڈمی کی ممتاز ترین مطبوعات کو اپنے تذکرے کا حصہ بنائیں گے، (ان شاء اللہ عزوجل)

۱۹۸۵ء میں اس ادارے سے فتاویٰ رضویہ جلد اول کے اس نسخے کو شائع کیا گیا جس کو بریلی شریف سے صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے پہلی بار شائع فرمایا تھا، ۱۹۸۹ء میں کنزالایمان کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا جس کی رسم اجرا حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر (لندن) کے ہاتھوں ادا کی گئی۔ ۱۹۹۱ء میں بخاری شریف مکمل شائع ہوئی جسے بلا قیمت تقسیم کیا گیا اور ملک کے مختلف مدارس اور لائبریریوں کو عطیہ کیا گیا، ۱۹۹۴ء میں فتاویٰ رضویہ کی مکمل بارہ جلدیں اور ''جلد الممتار'' کی دوسری جلد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ۷۵ ویں سالانہ عرس کے موقع پر شائع کی گئی، ۱۹۹۶ء میں فتاویٰ رضویہ مترجم کی آٹھ جلدیں شائع کی گئیں، اس کے بعد مسلسل درسی اور غیر درسی کتب ورسائل کی اشاعت ہوتی رہی۔

دینی وعلمی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور فروخت کے لیے رضا اکیڈمی نے یہ طریقہ نکالا کہ کم داموں میں انہیں فروخت کیا جائے، یہ سلسلہ اس ادارے نے ۲۰۰۵ء سے عرس رضوی کے موقع پر شروع کیا اور اس میں اسے بے حد کامیابی ملی، فتاویٰ رضویہ شریف کی پہلے بارہ جلدیں شائع کیں اور اسے صرف تین ہزار روپے میں قارئین کو دیا گیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسائل جو فتاویٰ رضویہ میں موجود تھے ان کو الگ الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ علمائے

اہل سنت کی پچاس مستند کتب کا سیٹ صرف ۱۲۵۰/روپے میں ہدیہ کیا گیا، فی کتاب قیمت ۲۵/ روپے رکھی گئی تھی، جب کہ ایک ایک کتاب کی قیمت ۱۰۰/روپے یا اس سے زائد ہوتی ہے، ان کتابوں کے ٹائٹل کی پشت پر یہ وضاحت درج کی گئی ہے: ’یہ کتاب بطور تجارت فروخت کے لیے نہیں ہے‘‘ ۱۴۱۸ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تقریباً ۱۰۰/رسائل شائع کیے گئے پھر یہ ملک کی مختلف لائبریریوں اور مدارس اسلامیہ کو بھی روانہ کیے گئے۔

۲۰۰۵ء میں رضا اکیڈمی نے مختلف موضوعات پر ۴۷/کتابیں شائع کیں، ۲۰۰۶ء میں رمضان شریف میں ۳۲/درسی کتابیں اور عرس نوری میں ۵۰/کتابوں کا سیٹ ۲۵، ۲۵ روپے میں اور کنزالایمان شریف ۷۵ روپے میں ہدیہ کیا گیا، ۲۰۰۷ء میں اعلیٰ حضرت کی سو کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی اور ۱۷/اپریل ۲۰۰۷ء کو ہندی کنزالایمان کا اجرا ہوا، ۲۰۰۸ء میں مختلف اوقات میں ۱۶/کتابوں کی اشاعت ہوئی جس میں راقم کی کتاب ’’خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات‘‘ بھی شامل تھی، ۲۰۰۹ء میں مختلف موضوعات پر دس کتابیں شامل کی گئیں۔

۱۴۲۸ھ کے سال عرس رضوی میں فتاویٰ رضویہ مترجم تیس مجلدات کو صرف تین ہزار روپے اور تفسیر روح البیان کی دس ضخیم جلدوں کو صرف پندرہ سو روپے میں ہدیہ کیا گیا۔ ۱۴۲۹ھ میں عرس رضوی کے موقع پر مولانا محمد حنیف خاں رضوی کی مرتبہ کتاب جامع الاحادیث (جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور امام احمد رضا خاں کی فن حدیث میں مہارت وحذاقت اور علوم حدیث پر ان کی غیر معمولی گرفت کا منہ بولتا ثبوت ہے) رضا اکیڈمی نے شائع کی، جس کی اصل قیمت ۴۵۰۰ روپے ہے، عرس رضوی میں صرف ۱۲۰۰/روپے میں فروخت کی گئی۔

۱۴۳۰ھ میں اعلیٰ حضرت کے ’’کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن‘‘ کو سو سال مکمل ہو گئے، اس مناسبت سے رضا اکیڈمی نے جو اہداف متعین کیے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ کنزلایمان شریف کو کم قیمت میں ہدیہ کیا جائے، چناں چہ عرس رضوی میں کنزالایمان کو صرف ۵۰/روپے میں ہدیہ کیا گیا۔ رضا اکیڈمی کے اس اقدام اور منصوبے کی ملک بھر میں پذیرائی ہوئی ہے اور عرس رضوی شریف میں لگایا جانے والا رضا اکیڈمی کا بک اسٹال انتہائی مصروف اور بے حد چرچے کا سبب بنا رہا کرتا ہے، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور فیضان رضا ونوری رضا اکیڈمی کا بنیادی سہارا ہے اور ان

کے تجلیات کی چادر ہمہ وقت اس کے سروں پر تنی رہتی ہے۔

رضا اکیڈمی کی زریں خدمات کا ایک تابناک رخ یہ بھی ہے کہ اس نے ۱۹۹۲ء سے ہندوستان کے ممتاز اہل قلم اور محققین رضویات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ''امام احمد رضا ایوارڈ'' اور نقد رقوم پیش کر کے حوصلہ افزائی کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' برائے ۱۹۹۲ء اور پچیس ہزار روپے نقد دیا گیا۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' برائے ۱۹۹۳ء اور پچیس ہزار روپے نقد دیا گیا۔ بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' برائے ۱۹۹۴ء اور پچیس ہزار روپے نقد دیا گیا۔ مفتی اعظم مہاراشٹر مفتی غلام محمد خاں رضوی ناگ پوری علیہ الرحمہ کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' برائے ۱۹۹۵ء اور پچیس ہزار روپے نقد دیا گیا، فقیہ ملت مفتی محمد جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' برائے ۱۹۹۶ء اور پچیس ہزار روپے نقد پیش کیا گیا۔ جولائی ۱۹۹۹ء میں رضا اکیڈمی کی جانب سے ممبئ میں منعقدہ ایک سمینار بعنوان ''امام احمد رضا کی قلمی خدمات'' میں محقق رضویات حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' اور گیارہ ہزار روپے نقد پیش کیا گیا۔ یہ سلسلہ کئی سالوں سے تعطل کا شکار ہے، اس کی وجوہات سے راقم کو آشنائی نہیں ہے۔

۷ رفروری ۱۹۹۸ء کو رضا اکیڈمی کی جانب سے حج ہاؤس ممبئ میں منعقدہ ایک عظیم الشان ''جشن رضا'' میں امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کے دیدہ زیب اور خوش نما ایڈیشن کا اجرا عمل میں آیا، اجرا کی رسم ممتاز فکشن نگار اور نعت گو شاعر شہزادۂ حضور احسن العلماء شرف ملت حضرت سید محمد اشرف برکاتی مارہروی کے مقدس ہاتھوں انجام پذیر ہوئی اور اسی مبارک و مسعود موقع پر رضا اکیڈمی کی طرف سے شائع شدہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے ڈیڑھ سو رسائل مبارکہ کا بھی اجرا ہوا جنہیں خاص اسی تقریب کی مناسبت سے شائع کیا گیا تھا۔

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اور ہمہ جہت دینی خدمات کے حوالے سے کوئی مبسوط سوانحی تحریر نہیں لکھی جا سکی تھی۔ ۲۰۰۷ء میں عرس رضوی کے موقع پر رضا اکیڈمی ممبئ نے ''جہان

مفتی اعظم“ کے نام سے بارہ سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مجلد کتاب شائع کی جو بلاشبہہ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی فکری وفنی، شخصی وعلمی پہلوؤں پر بڑے اچھے ڈھنگ سے روشنی ڈالتی ہے، مولانا مقبول احمد مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی اور مولانا عبد المبین نعمانی نے مشترکہ طور پر اسے بڑی دیدہ ریزی اور دقت نظری سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب بھی رضا اکیڈمی کی مطبوعات میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ”جہان مفتی اعظم ہند“ کے علاوہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات، افکار وتعلیمات پر مبنی کئی کتابیں رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔ جن میں ”حضور مفتی اعظم“ (از: جانشین محدث اعظم) شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم (از: پروفیسر محمد مسعود احمد نقش بندی) مفتی اعظم اور ان کے خلفا (از: مولانا شہاب الدین رضوی) تجلیات مفتی اعظم (از: مولانا قمر الحسن بستوی) مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں (از: مفتی شریف الحق امجدی) انوار مفتی اعظم (از: طلبۂ اشرفیہ) مفتی اعظم کے ماہ وسال (از: مولانا شہاب الدین رضوی) حضور مفتی اعظم کے سیاسی افکار (از: مولانا شہاب الدین رضوی) مفتی اعظم مدبر اعظم (از: مولانا سلطان رضا نوری) وغیرہا مطبوعات نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔

۲۰۱۰ء میں اس ادارے کی جانب سے مختلف علمائے اہل سنت کی کل ۶۱ر تصنیفات کی اشاعت ہوئی اور عرس رضوی بریلی شریف میں ۲۵ر کتابوں کا سیٹ ۱۲۵۰ر روپے میں ہدیہ کیا گیا۔ ۲۰۱۱ء میں کل ۲۴ر کتابیں چھپیں جن میں ”نور العرفان“ انگریزی ترجمہ قرآن بھی شامل ہے اور اُس سال عرس رضوی کے موقع پر صحاح ستہ مترجم کا سیٹ ۱۸۷۵ر روپے میں فروخت کیا گیا۔ ۲۰۱۲ء میں ۳۲ر کتابوں کا سیٹ ۲۵۰ر روپے میں دیا گیا اور ۲۰۱۳ء میں عرس رضوی (منعقدہ ۸ر جنوری ۲۰۱۳ء/ ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ) کے حسین موقع پر ۲۸ر کتابوں کا سیٹ گیارہ سو روپے میں ہدیہ کیا گیا، جس میں اکثر استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی کتابیں اور شعری مجموعے شامل ہیں، ساتھ ہی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان والا تبار میں لکھا گیا امام احمد رضا قادری قدس سرہ کا فارسی قصیدہ ”اکسیر اعظم (۱۳۰۲ھ)، اس کی فارسی شرح ”مجیر معظم“ (۱۳۰۳ھ) اور دونوں کا اردو ترجمہ اور تقدیم وتعارف پر مشتمل کتاب ”تاب معظم“ (۱۴۳۳ھ) (از: علامہ محمد احمد مصباحی) ۲۰۸ر صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوئی، اور سال

نامہ ''یادگار رضا'' (۲۰۱۳ء) بھی اپنی جدت بھر ترتیب واشاعت کے ساتھ زینت مطالعہ بنا۔ اوران کے علاوہ تفسیر نعیمی کی اٹھارہ جلدیں اکیس سوروپے میں اور کتاب '' **الفقہ علی المذاھب الاربعة**'' کی پانچ جلدوں کا سیٹ ۷۵۰/روپے میں ہدیہ کیا گیا۔فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں ۱۷۰۰/روپے میں دی گئیں جب کہ ان کی اصل قیمت ۵۰۰۰ روپے ہے۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے نام پر قائم یہ ادارہ برصغیر ہندوپاک میں اشاعت رضویات کے لیے بھی کافی شہرت ومقبولیت رکھتا ہے جس نے اب تک پونے دوسو کے قریب صرف امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تصنیف کردہ کتب ورسائل کو اردو اور انگریزی زبان میں طباعت واشاعت کا زیور بخشا ہے، رضویات پر لکھی گئی کتابیں ان کے علاوہ ہیں، تادم تحریر (مارچ ۲۰۱۳ء) رضا اکیڈمی ممبئ نے مختلف موضوعات پر کئی زبانوں میں ۶۰۷ سے زائد کتب ورسائل اور تراجم شائع کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے اور ہندو بیرون ان کتابوں کی ترسیل کی ہے۔اس خصوص میں پورے ہندوستان میں کوئی دوسرا سنی اشاعتی ادارہ رضا اکیڈمی کے پہلو میں کھڑا ہوتا نظر نہیں آتا، اللہ عزوجل اس ادارے کے تمام ذمہ داران بالخصوص الحاج محمد سعید نوری صاحب کو مزید توانائی اور حوصلہ عطا فرمائے اوراس کی تمام تر خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اوراس میں مزید وسعت بخشے، آمین!

(نوٹ: رضا اکیڈمی ممبئ کی اشاعتی خدمات پر ہم نے اجمالاً روشنی ڈالی ہے، مکمل تفصیل ''رضا اکیڈمی: کل، آج اور کل'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

انجمن برکات رضا، پھول گلی، ممبئ:

انجمن برکات رضا پھول گلی، نل بازار، ممبئ کا قیام بیسویں صدی کے ساتویں دہے میں ہوا، خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند سراج ملت دام ظلہ نے مختلف دینی وملی مقاصد کے تحت اس ادارے کی بنیاد رکھی، اوراسے فعال وسرگرم بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے لگے، ۳۵ برس سے زائد عرصہ بیت گیا، اب بھی یہ ادارہ اپنی زندگی کا ثبوت پورے جاہ وجلال کے ساتھ دے رہا ہے اوراپنی دینی خدمات کی سوغات لٹا رہا ہے، یہ ادارہ طباعت کتب کے علاوہ مختلف دینی، سماجی، تعلیمی ورفاہی امور کی تکمیل میں لگا ہوا ہے اور کامیابیاں اس کا استقبال کر رہی ہیں، اس ممتاز

ادارے کے اغراض ومقاصد ذیل میں ملاحظہ کریں:

۱۔تحفظ ناموس رسالت

۲۔تشہیر مسلک امام احمد رضا

۳۔غریب ونادار مسلمانوں کی امداد

۴۔قوم وملت پر ناگہانی حادثات کی صورت میں ریلیف کا انتظام

۵۔غریب مسلمان لڑکوں اورلڑکیوں کی شادی بیاہ میں معاونت

۶۔وقت کی ضرورت کے مدنظر مفیداور کارآمد کتابوں کی اشاعت

۷۔جلسہ،جلوس، دینی محافل اوراعراس بزرگاں کاانعقاد

۸۔مہاراشٹر ودیگر صوبہ جات میں دشمنان دین کے سدباب کی غرض سے دورۂ تبلیغ وارشاد

۹۔دینی مدارس ومکاتب کا قیام

۱۰۔مساجد کی تعمیر اورائمہ مساجد کی تنخواہوں کا انصرام

۱۱۔نوجوانان اہل سنت میں دینی بیداری پیدا کرنا

۱۲۔قوم مسلم کے نادار غریب بچوں کی تعلیم کا انتظام

۱۳۔مسلم نوجوانوں کی تعلیمی رہ نمائی۔

(جہان ملک العلماء، مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی ،مطبوعہ انجمن برکات رضا ، ممبئی،۲۰۰۹ء،ص:۱۱۱۸)

ان کے علاوہ دیگر مفاد عامہ اور مذہبی مقاصد کے پیش نظر تقریباً ۳۵؍سال قبل سے آج تک یہ ادارہ اپنی خدمات کا تسلسل قائم رکھے ہوئے ہے جو قابل تذکرہ بھی ہیں اور قابل ستائش بھی۔یہ تذکرہ چوں کہ نشریاتی خدمات کو مرکز بنا کر مرتب کیا جارہا ہے اس لیے ہماری گفتگو کا مرکزی نکتہ انجمن برکات رضا کی طباعتی واشاعتی خدمات ہوں گی اور دوسرے امور اجمالاً بیان کا حصہ بن سکتے ہیں۔

انجمن برکات رضا نے مسلسل کتابوں کی ترتیب، طباعت واشاعت کا کار عظیم انجام دیا ہے، اور چند تاریخی مطبوعات آج بھی منفرد المثال بنی ہوئی ہیں۔اس ادارے کی ایک اہم اور

تاریخی مطبوعہ کتاب ''فتاویٰ ممبئ'' کا تفصیلی تعارف وتذکرہ ہمارے قلم کے حصار میں قید ہو چکا ہے، اس ادارے نے قاضیِ مہاراشٹر مفتی محمد اشرف رضا قادری کی مرتب کردہ کتاب ''فتاویٰ برکات مصطفیٰ'' اپنے اہتمام سے فروری ۲۰۰۵ء میں شائع کی تھی، اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۲۶۴ صفحات پر مشتمل مجلد مئی ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کے علاوہ سب سے نمایاں اور ممتاز ترین کام ''جہان ملک العلماء'' کی ترتیب اور طباعت واشاعت تاریخی نوعیت کا ہے اور برسوں تک جس کے تذکرے ہوتے رہیں گے، یہ کتاب خلیفۂ امام احمد رضا حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری رضوی علیہ الرحمہ کی حیات اور خدمات وآثار کی ایک مستند دستاویز ہے، جسے فاضل قلم کار و محقق محترم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی نے انتہائی دقت نظری اور فن کارانہ مہارت سے ترتیب وتہذیب کا لبادہ پہنایا ہے اور اپنے علم وفن کا اچھا خاصا فیصد خرچ کیا ہے جس کی وجہ سے یہ تذکرہ بے حد وقیع، انتہائی جامع اور مستند تاریخی حوالہ کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس اہم اور سوانحی کتاب کو ''جہان ملک العلماء'' کے نام سے انجمن برکات رضا نے ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں ۱۱۹۲ صفحات پر مشتمل شائع کیا، کاغذ اعلیٰ درجے کا استعمال کیا گیا ہے اور مضبوط جلد لگائی گئی ہے، مختلف علما ومشائخ اور جید ارباب قلم کے تاثرات وقیمتی پیغامات کے علاوہ یہ کتاب ۲۱/ابواب کو محیط ہے، جس کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے: (۱) پیغامات وتاثرات (۲) ملک العلماء کے مورث اعلیٰ (۳) حیات وحالات (۴) سیرت، شخصیت، مثالی کردار (۵) فضائل وکمالات (۶) ولایت وکرامت (۷) امام احمد رضا اور ملک العلماء (۸) ملک العلماء: جامع کمالات شخصیت (۹) تدریسی خدمات (۱۰) تعارف تصانیف (۱۱) فقہیات (۱۲) درسیات (۱۳) فضائل ونصائح (۱۴) سفیر رضویات (۱۵) روداد مناظرہ (۱۶) ادبیات (۱۷) سیاسیات (۱۸) احباب ومعاصرین (۱۹) تلامذہ (۲۰) مختار الدین احمد آرزو (۲۱) عکس نوادرات

درج بالا ۲۱/ابواب کو کل ۱۱۷/گراں قدر اور قیمتی مقالات ومضامین کی کہکشاں سے سجایا گیا ہے، اور اخیر میں امام احمد رضا کا عکس تحریر، مفتی اعظم ہند، محدث اعظم ہند، محدث سورتی اور ملک العلماء علیہم الرحمہ کی تحریروں کے عکوس دیے گئے ہیں اور عکس دھوپ گھڑی بھی شامل کتاب ہے۔ اور بھی بہت کچھ ہے۔

مذکورہ ابواب پر اچٹتی نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ وقیع کتاب کس قدر متنوع اور اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ راقم کا بھی ایک مضمون ''ملک العلماء کی عہد ساز شخصیت'' شامل مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت وضرورت کے تحت صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ آئندہ زمانوں میں جب بھی کسی محقق اور قلم کار کو ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمہ پر قلم اٹھانا ہوگا وہ اس مجموعے سے صرف نظر نہیں کرسکتا، گویا یہ کتاب حضور ملک العلماء کی حیات وخدمات کا بنیادی حوالہ ہے جس کے لیے فاضل مرتب اور جملہ ارباب قلم، بالخصوص انجمن برکات رضا کے ذمہ داران ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں، ضرورت ہے کہ اتنی اہم اور تاریخی کتاب ملک وبیرون کی تمام اہم اور مشہور لائبریریوں میں پہنچائی جائے تاکہ ریسرچ اسکالر اس سے اپنی علمی تشنگی بجھاسکیں اور یہ کتاب ان کی تحقیق وریسرچ کا حوالہ بن سکے۔

انجمن برکات رضا نے اور بھی کئی مفید کتابیں طبع کراکے مفت اور قیمتاً تقسیم کی ہیں لیکن زیر تذکرہ کتاب ہی اس اہم ادارے کی شناخت بننے کے لیے کافی ہے۔ مزید چند مطبوعات اس طرح ہیں: خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (امام احمد رضا قادری)، پڑوسیوں کی دعوت اور فقیروں کی غمخواری (امام احمد رضا قادری)، جامع الرضوی (علامہ سید ظفر الدین رضوی)، تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (علامہ سید ظفر الدین رضوی)، بہار شریعت حصہ اول، انگلش (علامہ امجد علی اعظمی)، ارکان اسلام، بہار شریعت کے پانچ حصے (علامہ امجد علی اعظمی)، حیات ملک العلماء (ڈاکٹر مختار الدین آرزو)، حیات ظفر (مفتی عزیز حسن بھاگل پوری)، حالات امام بخاری (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، سیدنا امام بخاری کے حالات اور صحیح بخاری شریف کے برکات (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، مقامات مفتی اعظم (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، سراج الاذکار (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، فتاویٰ عرفانی بر سماع مزامیر لایعنی (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، فتاویٰ نورانی ٹی وی اسٹار نعت خوانوں کی نعت خوانی (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، شگفتہ پھول (مفتی محبوب رضا روشن القادری)، حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات (مولانا سید اولاد رسول قدسی)، مسلک اعلیٰ حضرت (ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی)، قادیانی فرقہ کیا ہے؟ (علامہ ارشد القادری)، بریلوی دور حاضر میں اہل سنت کی پہچان (علامہ

ارشدالقادری)،سراج بخشش (مولانا سید محمد ہاشمی رضوی)،تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت (مولانا سید محمد ہاشمی رضوی)،قہرالدیان علیٰ منہاج الشیطان (مولانا ابو مصطفیٰ عاقب القادری)،خطرے کی گھنٹی (مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی)،امتیاز اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت (مولانا رحمت اللہ صدیقی)،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی روشنی میں (علامہ مشتاق احمد نظامی)،انوار القرآن (علامہ سید تراب الحق قادری)،دعوت وتبلیغ (علامہ سید تراب الحق قادری)،طیبہ رشک جناں (سید آل رسول نظمی مارہروی)،معراج رسول (ڈاکٹر رضوان شیخ)،عقائد علماے دیوبند (حضور حافظ ملت)، رویت ہلال کا شرعی حکم (سید سراج اظہر رضوی)، عطاے قدسی فی تفسیر واعمال آیۃ الکرسی (علامہ سید محمود رضوی)،مناقب سید الشہد اءامیر حمزہ (سید جعفر بن حسن برزنجی)،قصیدۂ نعمانیہ (امام اعظم ابوحنیفہ)،اورتاریخ ملک (مولانا عبدالحکیم خواجہ پوری) وغیرہ۔جس میں آخر الذکر کتاب صوبۂ بہار کے ملک خاندان کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے، یہ کتاب ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے ۵۳ویں سالانہ عرس کے موقع پر ۲۰۱۴ء میں مجلد ۱۸۶ صفحات میں شائع کی گئی ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ادارہ مستقبل میں بھی اس جیسی تاریخی کتابیں منظر عام پر لائے گا اوراس کی دینی خدمات مزید مستحکم ہوں گی۔

بزم فیضان رضا، کرلا:

ممبئ عظمیٰ میں واقع جماعت اہل سنت کا مشہور ومقبول ادارہ دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا کسی تعارف وتذکرہ کا محتاج نہیں ہے،قریب تیس سال قبل جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایک فاضل حضرت علامہ محمد عبدالرحیم ساحل مصباحی علیہ الرحمہ (متوفی: ۲۷؍مئی ۲۰۰۵ء) نے اس تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالی تھی اور تعلیم وتدریس کا آغاز کیا تھا، آج تقریباً تیس برس بعد اس عظیم ادارے نے اپنے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں جو بہتری اور ترقی کا معیار دکھایا ہے اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس دارالعلوم کا علمی اور تعلیمی منہاج مزید شفاف اور پائیدار ہوجائے گا، یہاں کے اساتذہ اور طلباے کرام میں علم کا شوق پایا جاتا ہے، مطالعہ، مذاکرہ اور تحقیق وتجسس کا ذوق بھی دیکھنے کو ملتا ہے، درس نظامی اعدادیہ تا فضیلت، درجۂ

حفظ وقرأت اور کمپیوٹر وانگریزی کی تعلیم وتدریس کا باقاعدہ نظم ہے، طلبہ کے قیام وطعام کا اچھا انتظام کیا گیا ہے، ساتھ ہی انہیں مطالعہ کا بھر پور موقع فراہم کرنے کی غرض سے عمدہ ماحول میں ذخیرۂ کتب بھی مہیا کرایا گیا ہے، جس کا نتیجہ بچوں میں تحریر وقلم سے دل چسپی کی شکل میں سامنے آیا ہے اور یہ ذوق روز افزوں ہے، دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا کے انہیں حوصلہ منداور باذوق طلبہ نے بانی ادارہ قبلہ ساحل ملت علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی ۱۹۸۳ء میں ''بزم فیضان رضا'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی، جس کا مقصد اگر ایک جانب مطبوعہ درسی وغیر درسی کتب ورسائل وجرائد کی حصول یابی تھا تو دوسری غرض یہ بھی تھی کہ طلبہ کے اس ادارے سے جماعت اہل سنت کے عقائد ومعمولات پر مشتمل آسان اسلوب وانداز میں لکھی گئی اہم اہم کتابوں کی طباعت واشاعت بھی کی جائے گی اور عوام وخواص میں انہیں بلا قیمت تقسیم کیا جائے گا۔

اگست ۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ میں بزم فیضان رضا کی جانب سے پہلی کتاب ''**اظہار الحق الجلی**'' طبع کرا کے شائع کی گئی اور اس کی مفت تقسیم عمل میں آئی، اب اس کے بعد تو طلبہ کے ذوق ووجدان میں یہ کام گھر کر گیا اور اہم اور قیمتی ومعیاری کتب کی طباعت واشاعت کا یہ سلسلہ چل نکلا جو اب تک قائم ہے اور ان شاء اللہ عزوجل تادیر قائم ودائم رہے گا، ان میں دارالعلوم کے موقر اساتذہ کی محنتیں اور حوصلہ افزائیاں بھی کافی دخیل ہیں کہ وہ مسلسل اپنے طلبہ کے ذوق وشوق کو مہمیز دیتے رہتے ہیں اور کتابیں چھپ کر منظر عام پر آتی رہتی ہیں، ان کتابوں کی رسم اجرا کے لیے طلبہ ہی کی جانب سے ایک اہم پروگرام منعقد ہوتا ہے اور قابل قدر علما ومشائخ کے ہاتھوں ان کی رونمائی ہوتی ہے، بزم فیضان رضا نے اب تک درج ذیل کتابیں شائع کی ہیں: **اظہار الحق الجلی** (۱۹۸۶ء)، اندھیرے سے اجالے تک (۱۹۸۹ء)، اکرام امام احمد رضا (۱۹۹۵ء)، قیامت (۱۹۹۲ء)، سید المرسلین (۱۹۹۷ء)، مدار نجات (۱۹۹۸ء)، دس عقیدے (۲۰۰۱ء)، دین حسن (۲۰۰۶ء)، بولتی تصویریں (۲۰۰۹ء)، عظمت نماز (۲۰۱۰ء)، ادلہ ایمانیہ شرح قصیدہ نعمانیہ (۲۰۱۲ء)۔ ان کے علاوہ مطبوعات کے نام یہ ہیں: رضا کوئز بک، جشن بہاراں، الحجۃ الفائحہ، گستاخ رسول کا انجام، فاضل بریلوی اور امور بدعت، کتاب التراویح، مسائل سبعہ، برکات الامداد، میلاد مصطفیٰ۔

یہ بیس کتابوں کی وہ فہرست ہے جو بزم فیضان رضا کے زیر اہتمام شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں۔ خود طلبہ کے اندر بھی تحریر وقلم کا شوق پروان چڑھ رہا ہے، ادھر کئی برسوں سے باقاعدہ ''پیغام ساحل ملت'' کے نام سے اردو جداریہ اور ''المصباح'' کے نام سے عربی جداریہ خود طلبۂ دارالعلوم مرتب کر کے منظر عام پر لاتے ہیں اور سرزمین ممبئ میں منعقد ہونے والے مضمون نویسی اور تقریر کے مقابلوں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ دارالعلوم محبوب سبحانی کے عربی ادب کے استاد مولانا محمد نصیر الدین قادری اردو اور عربی زبان میں تحریر وتصنیف کا شغف رکھتے ہیں، موصوف کی ایک تصنیف ''التعبیر ات الجدیدة'' کے نام سے ۸۲ صفحات کو محیط ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی جب کہ علما ومشائخ اہل سنت کے تعارف وتذکرے پر مبنی ایک عربی تصنیف ''اعلام النبلاء'' کے نام سے ۱۷۶ صفحات پر مشتمل مجلد ۲۰۰۷ء میں چھپی تھی۔ دارالعلوم کے موجودہ صدر المدرسین حضرت مولانا سید محمد اکرام الحق مصباحی بھی تحریر وقلم کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، تدریس کے ساتھ تصنیف، شاعری اور مقالہ نگاری سے دل چسپی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور زمانہ قصیدۂ نعمانیہ کی اردو شرح ''ادلہ ایمانیہ شرح قصیدہ نعمانیہ'' کے نام سے آپ نے تحریر کی، جسے بزم فیضان رضا نے ۲۰۱۲ء میں ۱۹۵ صفحات پر مشتمل مجلد شائع کی تھی۔ اسی طرح علامہ سید احمد بن زینی دحلان کی عربی کتاب ''الدرر السنیة فی الرد علیٰ الوھابیة'' کا اردو ترجمہ 'تابناک موتی' کے نام سے ۱۴۲ صفحات پر مشتمل فروری ۲۰۱۵ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ انھیں کی ایک اور کتاب ''نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ونورانیت کے جلوے'' (صفحات: ۴۸) ۲۰۱۴ء میں چھپی۔ سید صاحب قبلہ مختلف موضوعات پر مضامین ومقالات بھی لکھتے ہیں جو مذہبی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے ہیں، علاوہ ازیں تقدیسی شاعری ''نعت ومنقبت نگاری'' میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔

ادارۂ شرعیہ، مہاراشٹر:

خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی حیات، اور ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات بالخصوص عروس البلاد ممبئ میں آپ کی تنظیمی اور صحافتی جدوجہد پر ہم گزشتہ اقساط میں خامہ فرسائی کر چکے ہیں، سنی تبلیغی جماعت اور ہفت روزہ تاج دار بمبئ کی خدمات جلیلہ

کو قطعاً فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

صوبہ مہاراشٹر کے سب سے اہم اور ممتاز ترین شہر بمبئ میں باقاعدہ ایک دارالقضا اور دارالافتاء کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی کیوں کہ سن ۱۹۷۴ء میں فاتح ممبئ حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی قدس سرہ کے وصال کے بعد یہاں کے حالات کافی ناگفتہ بہ دکھائی دے رہے تھے، بدمذہب فرقے میدان خالی پا کر اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہے تھے، حکومت سے رجسٹرڈ بدمذہب قاضیوں کی من مانیاں زوروں پر تھیں اور یہاں کا سنی مسلمان کچھ تو ناواقفی میں اور کچھ مجبوری میں ان سے اپنے مقدمات فیصل کرنے کا محتاج تھا اور یہ زر کے غلام نکاح، طلاق وخلع کے مسائل میں لوگوں کا پسندیدہ فیصلہ کر کے خوب خوب دولت کما رہے تھے اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ مختلف مسائل شرعیہ میں یہاں کے سنی مسلمانوں کو ممکنہ رہنمائی کے لیے باقاعدہ دارالافتاء نہ ہونے کی بنیاد پر ممبئ کے باہر کے دارالافتاؤں سے رجوع ہونا پڑتا تھا، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور کچھ ممبئ کے اور کچھ باہر کے جید علما اور مفتیان کرام کو اعتماد میں لے کر باقاعدہ ۱۹۸۴ء میں ایک دارالافتاء اور دارالقضا کی بنیاد رکھی، شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اپنے قلم سے پہلا فتویٰ لکھ کر ادارۂ شرعیہ کے دارالافتاء سے جاری فرمایا اور پھر اس کے بعد یہاں سے فتاویٰ اور فیصلے جاری ہونا شروع ہو گئے۔

۱۹۸۶ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایک جید فاضل حضرت مولانا مفتی محمد اشرف رضا قادری مصباحی کا ممبئ میں ورود ہوا تو آپ کے علمی کمال اور فتویٰ نویسی میں مہارت کو دیکھ کر ادارۂ شرعیہ کی ذمہ داری آپ کے سر ڈال دی گئی، اس وقت سے تا حال یہاں کے قاضی اور مفتی کی حیثیت سے آپ اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں، امامت وخطابت اور تدریس وتصنیف کے ساتھ فتویٰ نویسی اور مقدمات کے فیصلے میں اپنی لیاقت کے جوہر لٹا رہے ہیں، مسائل دینیہ کے حل اور خلع وطلاق کے سلسلے میں ممبئ کا سنی مسلمان آپ سے رجوع کرتا ہے اور اپنی الجھنوں کا ازالہ کرتا ہے۔

''ادارہ شرعیہ'' نے افتا اور قضا کے ساتھ کتابوں کی طباعت وترسیل کا تاریخی کام بھی کیا

ہے، اور بے حد اہم اور قیمتی مقالات کی طباعت واشاعت کرکے اپنی نشریاتی خدمات کو استحکام بخشا ہے، جس کے لیے مفتی محمد اشرف رضا مصباحی دام ظلہ کی حد درجہ کاوشیں اور توجہات انتہائی قابل قدر ہیں، اس لیے ان کی سراہنا اور شایان شان تعارف وتذکرہ ہم پر لازم وضروری تھا۔ادارۂ شرعیہ نے ۱۹۸۸ء میں ''مخزن الاعمال'' جیسی اہم اور قیمتی کتاب کی طباعت واشاعت سے اپنے نشریاتی کام کا آغاز کیا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں کتابیں شائع ہوئیں، اس ادارے کی مطبوعات کی اجمالی فہرست پر آپ بھی نگاہ ڈال کر ان کے موضوعات کی اہمیت وتنوع پر غور کریں: معراج مصطفیٰ (عربی سے اردو ترجمہ) انوار درود وسلام، اسلامی مہینوں کے فضائل ومسائل (چھ ایڈیشن، ایک ممبئ سے، چار پاکستان اور ایک اجمیر شریف راجستھان سے شائع ہوا) مناقب غوث الوریٰ، مناقب خواجہ غریب نواز، ذکر حضور مفتی اعظم ہند، ترانۂ حشمتی، عمل بے نظیر، درود مستغاث، تعارف علمائے دیوبند (علامہ محمد شفیع اوکاڑوی)، مقالۂ نورانی (علامہ بدرالدین رضوی)، عقائد حقہ اہل سنت وجماعت (علامہ حشمت علی خان علیہ الرحمہ)، اور فضائل اہل بیت وسوانح بارہ امام (مصنف: علامہ عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ، مرتب: مفتی اشرف رضا قادری) یہ کتاب ۲۰۰۸ء میں ۱۸۸ر صفحات پر مشتمل خوب صورت سرورق پر مجلد شائع ہوئی ہے، ان کے علاوہ امام اہل سنت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تصنیفات بھی ادارۂ شرعیہ سے چھپیں، جن میں ''امتیاز اہل سنت'' دیدار الٰہی، عظمت غوث اعظم، فتاویٰ کرامات غوثیہ، اور احکام وہابیت قابل تذکرہ ہیں۔

اور سب سے اہم اور محفوظ رکھنے والی بات یہ ہے کہ ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر سے مفتی محمد اشرف رضا قادری صاحب قبلہ کے قلم زرنگار سے اب تک جتنی تعداد میں فتاویٰ جاری کیے گئے، ان تمام فتاویٰ کو چھ جلدوں میں مرتب کر دیا گیا ہے، جو''اشرف الفتاویٰ'' کے نام سے عن قریب شائع ہونے والا ہے۔ چھ جلدوں میں مرتب ہونے والے ان مجموعہ ہائے فتاویٰ کی ہر جلد تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے، جس میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری میاں، مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی اور دیگر اکابر علما ومشائخ کے گراں قدر تاثرات اور تصدیقات شامل ہیں، ان حضرات کی تصدیق وتحسین نے

''اشرف الفتاویٰ'' کو ایک امتیازی شان بخش دیا ہے، ادارۂ شرعیہ اس مجموعہ فتاویٰ کو بڑے اہتمام سے شائع کرانے کا ادارہ کر رہا ہے۔

بزم قاسمی برکاتی، ممبئی:

بزم قاسمی برکاتی، ممبئی نے بھی کئی کتابیں شائع کی تھیں لیکن راقم کو ان کی کوئی تفصیل دست یاب نہ ہوسکی اس لیے ہم کسی بھی تعارف وتذکرے سے اپنا قلم روکتے ہیں، مواد کی فراہمی کی صورت میں اہم معلومات پیش کردی جائیں گی۔

بزم برکات آل مصطفیٰ ممبئی:

غالباً ۱۹۸۴ء یا ۱۹۸۵ء میں حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی علیہ الرحمہ اور شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دام ظلہ کی سرپرستی میں '' بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئی'' کا قیام عمل میں آیا اور پہلی بار گیارہواں سالانہ عرس سید العلماء بزم برکات آل مصطفیٰ کے زیر اہتمام ممبئی میں منعقد ہوا۔ یہ حکومت مہاراشٹر سے رجسٹرڈ ایک اشاعتی ادارہ ہے، جس نے اس وقت سے اب تک انتہائی اہم مطبوعات پیش کی ہیں، ادارے کی سرپرستی قبلہ حضور نظمی میاں دام ظلہ النورانی فرماتے ہیں، حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کے قائم کردہ اس ادارے کے اس وقت کے صدر سید ارشاد حسین قادری اور جنرل سکریٹری محترم ابراہیم گل زار برکاتی تھے، سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی کا تیسرا نعتیہ دیوان ''عرفان مصطفیٰ'' کے نام سے ایک سو سات صفحات پر مشتمل بزم برکات آل مصطفیٰ کے زیر اہتمام شائع ہوا اور ''نوازش مصطفیٰ'' (چوتھا نعتیہ دیوان) ۲۳۶ صفحات کو محیط ۱۴۱۸ھ میں طبع ہوا، حضور نظمی میاں دام ظلہ کی قلم سے نکلی ہوئی قرآن حکیم کی انگریزی تفسیر کی جلد اول نظم الٰہی کے نام سے بزم برکات آل مصطفیٰ سے شائع ہوئی، بزم برکات آل مصطفیٰ نے اپنی پہلی اشاعت میں نظمی مارہروی کے نعتیہ مجموعے نعت شان مصطفیٰ کو شائع کیا تھا اور اس کے بعد طباعت واشاعت کا ایک سلسلہ چل نکلا اور بہت ساری قیمتی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر مقبول انام ہوئیں، بزم برکات آل مصطفیٰ کی دیگر مطبوعات درج ذیل ہیں ان کے نام سے ان کے موضوعات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ملاحظہ ہو:

اسرار خاندان مصطفیٰ، مصطفیٰ سے آل مصطفیٰ تک، مدائح مصطفیٰ، تنویر مصطفیٰ، کلام الرحمٰن (ہندی ترجمہ قرآن) قرآنی نماز بمقابلہ مائیکروفونی نماز، کیا آپ جانتے ہیں؟ فضل ربی، ذبح عظیم، بعداز خدا (نظمی مارہروی کے تمام نعتیہ مجموعوں کا مجموعہ) نئی روشنی (حضور سید العلماء) مدینے میں مرنا (ہندی) طیبہ رشک جناں (اردو) کچھ کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اوراب بھی مارکیٹ میں ان کی مانگ ہے۔

بزم برکات آل مصطفیٰ ممبئ کی بالکل نئی مطبوعہ کتاب خطبات سید العلماء (مرتب: توفیق احسنؔ برکاتی) جنوری ۲۰۱۳ء میں ۳۵۲ صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوئی ہے، اس کے علاوہ کئی کتابیں منتظر طباعت ہیں جو عن قریب منظر عام پر آئیں گی بالخصوص سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دام ظلہ کی لکھی ہوئی انگریزی زبان میں سورۂ بقرہ کی تفسیر کا ہم جیسے سیکڑوں قارئین کو شدت سے انتظار ہے۔

المجید اکیڈمی، ممبئ:

ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ اتر پردیش کے ایک جید فاضل حضرت مولانا مفتی عبدالمجید رضوی مصباحی نے فراغت کے بعد جب ممبئ سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، تحریر وقلم سے ہم رشتگی اساتذۂ اشرفیہ بالخصوص علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ کی صحبتوں کی برکت سے حاصل رہی، اس لیے مفتی عبدالمجید رضوی کی تصنیف ومقالہ نگاری کا شوق بعد فراغت جوانی کی دہلیز تک جا پہنچا، اورانہوں نے باضابطہ اس میدان کو اپنی صلاحیتوں اور علمی وقلمی توانائیوں سے مالا مال کرنے کی ٹھان لی، غالباً ۱۹۸۷ء میں آپ نے ممبئ میں ہی المجید اکیڈمی کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد ڈالی، اوراس کے زیر اہتمام اب تک کئی اہم اور معلوماتی کتابوں کی اشاعت ہوچکی ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

انکشافات القرآن (۱۹۹۴ء) علما کے نزدیک وقت کی اہمیت، احوال مصطفیٰ، میزان الحدیث، مسائل زکوٰۃ وفطرہ، جمعہ کو اذان اول کے بعد ہی بیع وشرا حرام (۲۰۱۱ء) تعظیم قبور، ندائے یارسول اللہ (تصنیف: امام احمد رضا قادری، ترتیب وتسہیل وتخریج: مفتی عبدالمجید رضوی) مفتی عبدالمجید رضوی کی ایک گراں قدر تصنیف ''امام جعفر صادق: حیات وخدمات'' ابھی ایک

سال پیشتر ۲۴۵ صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوئی ہے اور اپنے موضوع پر ایک بھرپور کتاب ہے، کتابوں کی تصنیف اور طباعت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

مکتبۃ المدینہ، ممبئ:

قائد اہل سنت رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت دینی خدمات میں ورلڈ اسلامک مشن اور دعوت اسلامی کا نام جلی حروف میں تحریر ہے، بہ قول پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی: ''مبلغ اسلام علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی عالم اسلام کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، پاک و ہند اور بیرونی دنیا میں مسلک اہل سنت و جماعت کی انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ چند سال قبل دار العلوم امجدیہ کراچی میں ان سے پہلی بار شرف نیاز حاصل ہوا جب کہ وہ اہل سنت کے لیے ایک تبلیغی جماعت کا لائحۂ عمل تیار فرما رہے تھے۔ وہ دستور العمل آج دعوت اسلامی کے روپ میں ہمارے سامنے ہے۔ بے شک دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے''۔

(حجاز جدید، ص:۵۰، شمارہ ستمبر ۱۹۹۱ء)

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ۱۹۸۱ء میں کراچی (پاکستان) کا سفر کیا اور علامہ شاہ احمد نورانی کے گھر پر اکابر علمائے پاکستان علامہ سید احمد کاظمی، مولانا عبد الستار خان نیازی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مفتی ظفر علی نعمانی، مفتی وقار الدین، مفتی شجاعت علی قادری، قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی وغیرہم کے سامنے اہل سنت کی عالم گیر دعوت و اصلاحی تحریک ''دعوت اسلامی'' کا لائحۂ عمل پیش کیا اور چند دنوں کی محنت شاقہ کے بعد اس کا دستور العمل بھی مرتب کر ڈالا، گویا آپ اس تحریک کے بنیاد گزار بھی رہے اور دستور ساز بھی، مولانا مبارک حسین مصباحی رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے طویل تذکرے میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اہل سنت کی مشہور تحریک ''دعوت اسلامی'' کی کراچی میں بنیاد رکھی اور مولانا الیاس قادری کو اس تحریک کا امیر منتخب کیا، جو آج دنیا کے درجنوں ملکوں میں کام کر رہی ہے''۔

(شہر خموشاں کے چراغ، مطبوعہ مبارک پور، ۲۰۰۹ء، ص:۳۲۶)

مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کی کتاب ''علامہ ارشد القادری اور دعوت اسلامی'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اسی کتاب کا ایک خاص حصہ ماہ نامہ جام نور دہلی شمارہ مارچ تا

مئی ۲۰۱۲ء ص:۵۲، تا ۵۹ شائع ہو چکا ہے۔ اور اس میں علامہ ارشد القادری کے قلم سے تحریر ہوئے دستور العمل کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی موجود ہے، مولانا مبارک حسین مصباحی نے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال (۲۹/ اپریل ۲۰۰۲ء) پر ماہ نامہ اشرفیہ جون، جولائی ۲۰۰۲ء کا مشترکہ خصوصی شمارہ ''بیادگار رئیس القلم علامہ ارشد القادری'' شائع کیا تھا، اور رئیس القلم کی حیات و خدمات پر ۵۹ صفحے کا طویل اداریہ لکھا تھا، عنوان تھا: ''ایک انقلاب آفریں شخصیت'' جسے ۲۰۰۹ء میں شائع آپ کی کتاب ''شہر خموشاں کے چراغ'' (ص:۲۲۳ تا ۲۷۳) میں جگہ دی گئی ہے، درج بالا اقتباس اسی طویل اداریے یا تذکرے سے ماخوذ ہے۔

سرزمین پاکستان میں دعوت اسلامی کا کام انتہائی منظّم انداز میں ہوا اور دوسرے ملکوں میں اس نے اپنے بال و پر نکالے اور اپنی دینی و اصلاحی خدمات کو وسعت دینی شروع کی، ہندوستان میں بھی اس جماعت نے بڑی عمدہ خدمات انجام دی ہیں، اپنی دینی و مذہبی خدمات کی توسیع کے لیے باقاعدہ لٹریچر کی اشاعت وطباعت پر بھی توجہ مبذول کی، جس کے لیے آج سے تقریباً ۲۷/ سال قبل ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں تحریک دعوت اسلامی کراچی کے زیر اہتمام المکتبۃ المدینہ کے نام سے ایک طباعتی واشاعتی ادارے کی بنیاد ڈالی گئی، اور وہاں سے چھوٹے چھوٹے مفید مذہبی لٹریچر کی طباعت وترسیل کا سلسلہ شروع ہوا، ممبئ ہندوستان میں المکتبۃ المدینہ کی شاخ ۱۹۹۰ء میں قائم ہوئی، ۷۴ میمن واڑہ روڈ مینارہ مسجد، محمد علی روڈ ممبئ ۳۔ اس کی جائے قیام ہے اور پھر ۱۹۹۷ء میں المکتبۃ المدینہ کو ۱۹/ ۲۰ محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ، ممبئ ۳ کی ایک بڑی دکان میں منتقل کر دیا گیا، یہ ادارہ اسی جگہ سے کتابوں کی اشاعت وترسیل کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

۱۹۹۰ء میں سب سے پہلے اس ادارے سے'' تذکرہ امام احمد رضا'' نامی کتاب شائع ہوئی، اور پھر اسی سال دعوت اسلامی کی درسی کتاب ''فیضان سنت'' کی طباعت ہوئی، اس کے بعد سے اب تک مختلف دینی واصلاحی موضوعات پر کئی درجن چھوٹی بڑی کتابوں کی اشاعت ہو چکی ہے، اور درجنوں ایڈیشن ان کی مقبولیت کی دلیل ہے، اس ادارے کی اہم مطبوعات کا اجمال درج ذیل ہے:

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کا نیا تصحیح شدہ

ایڈیشن اس ادارے نے ۲۰۱۲ء میں شائع کیا ہے، صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی مشہور زمانہ تصنیف ''بہار شریعت'' کا تخریج شدہ ایڈیشن تین جلدوں میں ۲۰۰۸ء میں چھپا، علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ کی بڑی اہم تصنیف ''**الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة**'' کا اردو ترجمہ ''اصلاح اعمال'' کے نام سے جلد اول کی شکل میں اس ادارے نے ۸۶۸ صفحات پر مشتمل ۲۰۱۰ء میں شائع کیا ہے، مفتی محمد امین صاحب قبلہ کی کتاب ''آب کوثر'' (۲۷۲ صفحات) یہاں سے چھپ چکی ہے، امام ابونعیم اصفہانی شافعی کی کتاب ''**حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء**'' کا اردو ترجمہ بنام ''اللہ والوں کی باتیں'' المکتبۃ المدینہ نے شائع کرایا ہے، امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ ''**اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد**'' کو ''حقوق العباد کیسے معاف ہوں؟'' کے نام سے مع تسہیل وتخریج اس ادارے نے شائع کر دیا ہے، ان کے علاوہ ''شریعت وطریقت'' (از: امام احمد رضا قادری) ''غیبت کی تباہ کاریاں'' (مجلد) ''کفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب'' (۶۹۲ صفحات مجلد) ''عیدین میں گلے ملنا کیسا؟'' (**وشاح الجید فی تحلیل معانقه العید**، از: امام احمد رضا، صفحات: ۵۶) ''فیضان احیاء العلوم'' (امام غزالی، تلخیص) ''کتاب العقائد'' (از: علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی) ''الملفوظ'' (مکمل چار جلدیں)، **جد الممتار علی رد المحتار** (چار مجلدات)۔ ان کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی پچیس سے زائد کتب ورسائل مع تخریج وتسہیل اس ادارے نے شائع کیے ہیں، فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ تیس جلدوں کا سترہ ہزار صفحات پر مشتمل اردو سافٹ ویئر تیار کر کے مارکیٹ میں لانے کا سہرا المکتبۃ المدینہ کے سر سجتا ہے۔ ''کنز الایمان مع خزائن العرفان'' کا اردو انگریزی سافٹ ویئر بھی یہاں سے تیار کرایا گیا ہے، اور ''المدینہ لائبریری'' کے نام سے ۲۰۰ سے زائد کتب کا الگ سافٹ ویئر بنایا گیا ہے، مفید کتب ورسائل کی ترتیب، تسہیل، تخریج اور تراجم کی اشاعت وطباعت کا یہ کام ہنوز جاری وساری ہے۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ممبئ:

بہ قول ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی: ''نوے کے دہے میں ادارہ تحقیقات امام احمد

رضا، ممبئ میں قائم ہوا جسے نوجوان سنی مسلمان محمد عارف نے قائم کیا، جہاں سے ''مکتوبات امام احمد رضا'' (از: مولانا محمود احمد قادری) کی جلد اول ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی اور جلد دوم ۱۹۹۸ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی''۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ممبئ سے متعلق مزید تفصیلات پیش کرنے سے راقم کا قلم خاموش ہے، مکتوبات امام احمد رضا کے علاوہ اس ادارے سے مطبوع کسی دوسری کتاب کا نام بھی معلوم نہیں، اس لیے یہ تشنہ تذکرہ قارئین مضبوط دل کے ساتھ برداشت کرلیں۔

تحریک فکر رضا، ممبئ:

سرزمین ممبئ میں ایک طویل عرصے سے اقامت پذیر عصری تعلیم یافتہ نوجوان محترم محمد زبیر قادری کا نام اور کام لٹریچری اور قلمی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں۔ زبیر قادری صاحب عالمِ دین نہیں ہیں مگر علمی و قلمی و اشاعتی میدان میں اپنی فتوحات کا جھنڈا گاڑ کر یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس طرح کی متنوع دینی خدمات غیر عالم بھی انجام دے سکتا ہے۔ نوے کے دہے میں انہوں نے ''تحریک فکر رضا'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی اور نشریاتی دنیا میں اسلامی موضوعات بالخصوص افکارِ امام احمد رضا پر مشتمل کتب و رسائل کی طباعت سے کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۹۲ء میں زبیر قادری نے ڈاکٹر مجید اللہ قادری کراچی کی ایک اہم کتاب ''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' شائع کرائی۔ پھر لوگوں کی توجہ اعلیٰ حضرت کی جانب منعطف کرنے کے لیے ایک اسٹیکر ''آپ سنی ہیں اور امام احمد رضا کو نہیں جانتے!!! تعجب ہے؟'' شائع کر کے عام کیا۔ ۱۹۹۵ء سے تحریک فکر رضا کے زیر اہتمام ایک سہ ماہی جریدہ افکار رضا جاری کیا جو مسلسل تیرہ سال تک باقاعدہ جاری رہا اور اس میں ہندو پاک کے مقتدر ارباب قلم کے گراں قدر علمی و تحقیقی و تنقیدی مضامین و مقالات گل و لالہ کی طرح سج کر افکارِ امام احمد رضا کی خوشبوئیں عام کرتے رہے۔ افکار رضا کے کل پچاس شمارے منظر عام پر آئے اور پھر پچاسواں شمارہ نکال کر زبیر قادری نے ۲۰۰۷ء میں اسے بند کر دیا۔ (''ممبئ عظمیٰ میں سنی صحافت'' میں ہم اس رسالے کا تفصیلی تذکرہ کر چکے ہیں) ۲۰۱۰ء ستمبر میں زبیر قادری نے سہ ماہی مسلک کے نام سے ایک دوسرا جریدہ ایشو کیا جو اب تک جاری ہے اور ہندو پاک میں اپنے علمی و تحقیقی مقالات کے لیے شہرت رکھتا ہے

(اس رسالے پر بھی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔) تحریک فکر رضا کے زیر اہتمام نکلنے والے ان دونوں قابل قدر جرائد کی اپنی ایک تاریخ ہے جسے قطعاً فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ان کے دوررس اثرات بڑے ہمہ گیر اور وقیع واقع ہوئے ہیں۔

اشاعتی میدان میں تحریک فکر رضا کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ اس میں زبیر قادری اور ان کے دیگر رفقا و معاونین کی پیہم تگ و دو اور مسلسل کاوشوں کو کافی دخل ہے۔ جماعت اہل سنت کی جانب سے دینی و مذہبی کتب و رسائل کی دیگر بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں اشاعت پر توجہ نہ کے برابر تھی۔ تحریک فکر رضا نے اس جانب کافی دھیان دیا اور مسلسل بیس سالوں سے اردو، انگریزی اور ہندی تین بڑی زبانوں میں پچاس سے زائد کتابوں کی اشاعت و ترسیل کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ محترم زبیر قادری نے ہمیں اس ادارے کی تمام مطبوعات کی جو فہرست ارسال کی ہے اس میں انگریزی زبان کی ۲۹، ہندی کی چار اور اردو زبان کی ۲۴ کتابوں کا نام شامل ہے، مجموعی طور پر ۵۷ کتابیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

قرآن، سائنس اور امام احمد رضا (اردو، انگریزی) کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور اشرف علی تھانوی نے ایک ساتھ دیوبند میں پڑھا تھا؟ (مولانا عبد الستار ہمدانی، اردو، ہندی، انگریزی) بہار شریعت اور بہشتی زیور: ایک نظر میں (مولانا نوشاد عالم چشتی، اردو) دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟ (ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، اردو) حسام الحرمین کے سو سال (الطاف حسین سعیدی، اردو) عرب دنیا میں جشنِ میلاد (آر۔ بی مظہری، اردو) تقویۃ الایمان میں تحریف کیوں؟ (مولانا محمد قادری، اردو) گیارہویں شریف (پروفیسر فیاض کاوش، اردو) کونڈوں کی شرعی حیثیت (مفتی عبدالمجید سعیدی، اردو) گیارہویں کیا ہے؟ (خلیل احمد رانا، اردو) درود تاج پر اعتراضات اور ان کا جواب (خلیل احمد رانا، اردو) مرثیہ گنگوہی علمائے دیوبند کی نظر میں (خلیل احمد رانا) تبلیغ اسلام کے اصول و فلسفہ (علامہ عبدالعلیم صدیقی، اردو، انگریزی) شادی کا تحفہ (انیس احمد نوری، اردو) تذکرۂ اعلیٰ حضرت بزبان صدر شریعت (حافظ عطاء الرحمٰن، اردو) دہشت گردی اور اسلام (علامہ کوکب نورانی، اردو) نور محمدی (ڈاکٹر طاہر القادری) اسلام

(اقبال احمد اختر القادری، اردو) قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشان دہی (مولانا عبد المصطفیٰ، اردو) ایمان کا چور (مولانا کامران رضوی، اردو) کنزالایمان کا لسانی جائزہ (ڈاکٹر صابر سنبھلی، اردو مجلد) مجلّہ نعت رنگ (ہندوستان ایڈیشن، سید صبیح رحمانی، اردو) عید میلا دالنبی مذاق نہیں دینی تقاضا ہے۔ (مفتی محمد خاں قادری، اردو) تحریفات (انجینئر سید فضل اللہ چشتی، اردو، انگریزی) الوظیفۃ الکریمہ (امام احمد رضا قادری، ہندی) امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر (مولانا عبدالستار ہمدانی، ہندی) جان ایمان (علامہ عبدالمصطفیٰ صدیقی)

مذکورہ کتب ورسائل کے علاوہ ۲۶ کتابیں صرف انگریزی زبان میں شائع ہوئیں جن میں کچھ کا صرف رسم الخط انگریزی ہے اور اکثر کتابیں انگریزی ترجمے یا خالص انگریزی لب ولہجے اور زبان واسلوب میں مختلف موضوعات پر ان کے مصنفین نے تحریر کی ہیں۔ ان میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی زلزلہ، تبلیغی جماعت، دعوت اور مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہما الرحمہ کی دعوتی کتب شامل ہیں۔ دیگر مصنفین میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی، حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی، سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی، مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ، علامہ سید سعید کاظمی اور انجینئر فضل اللہ چشتی کے اسما قابل ذکر ہیں۔ اس ادارے سے مطبوع کئی کتابوں کے تو تین، چار اور پانچ ایڈیشن بھی منظر عام پر آئے اور عوام وخواص نے انہیں اپنے مطالعے کی زینت بنایا۔ محترم زبیر قادری نے ٹیلی فون پر بعد میں بتایا کہ ان کی شائع کردہ کتابیں کل تین نشریاتی اداروں سے الگ الگ نام سے چھپیں اور یہ تینوں ادارے انہیں کے قائم کردہ ہیں۔ رضویات پر مشتمل کتب و مقالات کی اشاعت ''تحریک فکر رضا'' کے زیر اہتمام عمل میں آئی، دیگر موضوعات پر دینی کتابوں کو ''الدار السنیہ'' کے زیر اہتمام شائع کیا گیا اور انگریزی کتب ''سنی یوتھ فیڈریشن'' کے اہتمام میں طبع ہوئیں لہٰذا مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ محترم زبیر قادری نے اپنے ناتواں کاندھے پر جس بار گراں کو اٹھا کر منزل تک پہنچا دینے کا جو حوصلہ اپنے دل میں جواں رکھا تھا اس کے اثرات اردو انگریزی اور ہندی زبانوں میں اتنی ساری اہم، مفید، قیمتی اور وقیع وبامعنی کتب ورسائل کی طباعت وترسیل کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، بالخصوص خالص انگریزی زبان میں

۲۹ کتابوں کی اشاعت ایک غیر معمولی اور ممتاز کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے جس کے لیے محترم زبیر قادری مبارک باد اور خصوصی پذیرائی کے مستحق ہیں اور خوشی کی بات تو یہ ہے کہ وہ ابھی اس میدان میں بالکل تازہ دم دکھائی دیتے ہیں۔ خدا کرے ان کے حوصلے اور اقدامات یوں ہی جواں رہیں اور تحریک فکر رضا، الدارالسنیہ اور سنی یوتھ فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے مزید مفید اور کارآمد کتابیں چھپ کر عام ہوں۔

مکتبہ طیبہ، ممبئ:

جماعت اہل سنت کی بین الاقوامی شہرت یافتہ عالمی سنی تحریک سنی دعوت اسلامی کا قیام ۵ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ کو سرزمین ممبئ میں مقتدر علمائے اہل سنت اور مشائخ کرام کے تعاون واعتماد سے عمل میں آیا اور زمام قیادت حضرت مولانا حافظ وقاری محمد شاکر نوری دام ظلہ کو سونپی گئی۔ اس وقت سے تا حال آپ اس تنظیم کے قائد وامیر کی حیثیت سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مذہب اہل سنت کے فروغ واستحکام میں ہمہ دم مشغول ہیں اور تبلیغ دین کا جذبہ اپنے مضبوط دل میں ہر دم جوان رکھتے ہیں۔ ہم مبالغہ اور بے جا تعریف وتحسین سے احتراز کرتے ہوئے شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دام ظلہ کی ایک تحریری سند اپنے قارئین کے مطالعے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ سید نظمی مارہروی نے اپنا نعتیہ مجموعہ ''نوازش مصطفیٰ'' اپنے تحریری دستخط کے ساتھ مولانا محمد شاکر نوری کو مطالعہ کے لیے عنایت فرمایا تھا تو اس میں یہ عبارت درج تھی:

''اس مستانے کی نذر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مقدس کام کے لیے چنا ہے جو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یعنی تبلیغ دین متین۔ میری مراد علامہ شاکر رضوی برکاتی سے ہے جنہیں میں اپنے بھائی کی طرح چاہتا ہوں۔'' (دستخط)

تحریک سنی دعوت اسلامی ممبئ ہند و بیرون ہند میں کئی اہم شعبہ جات میں کام کر رہی ہے جن میں نمایاں شعبے شعبۂ دعوت وارشاد، شعبۂ علوم اسلامیہ، شعبۂ علوم عصریہ، شعبۂ نشر واشاعت، شعبۂ تصنیف وتالیف وتدوینِ کتب، شعبۂ خواتین، شعبۂ اطفال، شعبۂ علما، شعبۂ فقہِ اسلامی وغیرہ شمار کرائے جاسکتے ہیں۔ یہ تمام شعبے اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروفِ عمل ہیں اور اس کے خوش آئند اثرات کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

شعبۂ نشر واشاعت میں مکتبۂ طیبہ کی اشاعتی وطباعتی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ملک وبیرون ملک میں اس کی درجنوں شاخیں مکتبہ طیبہ کے نام سے موجود ہیں۔اس کے ذریعہ علماے اہل سنت کی تصنیفات وتالیفات کی مختلف زبانوں میں نشر واشاعت ہوتی ہے۔ دیگر اداروں سے طبع شدہ اہم ترین کتابیں بھی متعارف کرائی جاتی ہیں۔ ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی بھی شعبۂ نشر واشاعت کا ایک اہم حصہ ہے۔ مکتبہ طیبہ اردو اور ہندی میں اور انگریزی میں اب تک ۹۰ سے زائد کتابیں شائع کر چکا ہے اور کئی کتابوں کے تو درجنوں ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔اس کی پرانی مطبوعہ کتاب میں ''داعیان دین کے اوصاف'' (مولانا محمد شاکر نوری) کا نام آتا ہے۔محرم ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء میں اس ادارے نے تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ کا نعتیہ مجموعہ سفینۂ بخشش ۸۰ صفحات پر مشتمل بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔اس کے علاوہ ''امام احمد رضا اور اہتمام نماز'' بھی کافی اہم ہے۔ دیگر مطبوعات میں فیضانِ شریعت، برکات شریعت، برکات شریعت برائے خواتین، ماہ رمضان کیسے گزاریں، گلدستۂ سیرت النبی، معمولات حرمین، بے نمازی کا انجام، خواتین کا عشق رسول، خواتین کے واقعات، احادیث شفاعت، سیرت رسول اور ہماری ذمے داریاں، مسلم کے چھ حقوق، قربانی کیا ہے؟، حیات خواجہ غریب نواز، دعوت نمبر، مژدۂ بخشش، خطباتِ مفکر اسلام، جشن بہاراں، خیابان مدحت، اسلام کے اصول، اسلام اور گلوبلائزیشن، عظمت ماہ محرم اور امام حسین، امام احمد رضا اور مدینہ منورہ، مصری صحافت میں امام احمد رضا کے جلوے، مبارک راتیں، تہتر میں ایک کون؟ معراج حبیب، برکات سنت رسول، اسلام کا نظام عدل، جشن عید میلاد، موبائیل کا استعمال، عذاب قبر سے نجات کا ذریعہ وغیرہ کتابوں کے نام لیے جاسکتے ہیں جن میں ۱۳ کتابیں ہندی اور ۲۸ کتابیں انگریزی زبان میں بھی شائع ہوئی ہیں اور انگریزی داں طبقے نے ان سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ درج بالا کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آنا ان کے عوام وخواص میں بے پناہ مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ مکتبہ طیبہ کی اشاعتی کاموں کا یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ یہ ادارہ سرزمین ممبئ میں کتابوں کی طباعت وترسیل کے معاملے میں کافی فعال مانا جاتا ہے۔

غوث الوریٰ اکیڈمی، کلیان:

اس ادارے کی بنیاد ۱۹۹۴ میں رکھی گئی ،اس کے روح رواں اور بانی مولانا مسعود رضا قادری ہیں، دواور نوجوان عالم مولانا شمیم اختر اشرفی اور مولانا محمد جہاں گیر اشرفی رضوی ان کے معاون ہیں۔ اکیڈمی کے قائم ہونے کے بعد صوفی باصفا حضرت حافظ وقاری مولانا محمد ظفر الدین رضوی سابق امام میمن مسجد کلیان کو اس ادارے کا سرپرست بنایا گیا۔ قاری صاحب کے مشورے پر اکیڈمی کے تحت مکتبۂ نوری قائم کیا گیا جو ابھی تک قائم ہے۔ مکتبہ دینی کتابوں کی ترسیل کرتا ہے، اس کی آمدنی سے اکیڈمی کے کام ہوتے ہیں۔ اکیڈمی کی جانب سے سب سے پہلے ''نشان حق و باطل'' نامی کتاب شائع کر کے مفت تقسیم کی گئی۔ دوسری مطبوعہ کتاب ''شراب کے نقصانات'' (مولانا عبدالمبین نعمانی) منظر عام پر آئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ''عید میلا دالنبی علمائے اہلِ سنت کی نظر میں، عیدوں کی عید، (اردو، ہندی) فضائلِ عیدالاضحیٰ ، اور فضائلِ محرم'' اکیڈمی کی جانب سے شائع کی گئی۔ اکیڈمی کے زیر اہتمام جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء میں سہ ماہی ''لطافت'' کا صرف ایک شمارہ منظر عام پر آیا۔ ۲۰۰۹ء میں اس ادارے کے تحت ماہ نامہ ''المختار'' جاری کیا گیا۔ جس کے صرف تین شمارے چھپے، بعد میں اسے سہ ماہی کر دیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ''المختار'' ایک سہ ماہی جریدے کی شکل میں چھپ کر منظر عام پر آتا ہے۔ اکیڈمی کے سرپرست الحاج قاری مولانا محمد ظفر الدین رضوی کا ۱۵/اپریل ۱۹۹۷ء میں انتقال ہو گیا، تو ان کے بعد مولانا محمد ادریس رضوی (ایڈیٹر: سہ ماہی المختار، کلیان) کو اس اکیڈمی کا سرپرست بنایا گیا جو ہنوز اپنے عہدے پر برقرار ہیں۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ اکیڈمی کی جانب سے مولانا ادریس رضوی کی درج ذیل کتابیں طبع ہو کر شائع ہوئیں۔

سبیلِ بخشش، (۲۰۰۸ء) نغماتِ بخشش، (۲۰۰۲ء) وسیلۂ بخشش، (۲۰۰۵ء) کنز الایمان اور امام احمد رضا، (۲۰۰۹ء) گلستان رضا، حرم سے حرم تک، امام احمد رضا کے مبلغین، اور عالمی برادری کا وحشت ناک معاشرہ''۔ اکیڈمی کی ایک کتاب ''میت: کفن سے دفن تک'' (از: مفتی منظر حسن قدیری) بھی کافی اہمیت کی حامل ہے، اسی طرح ''ایصال ثواب کی تحقیق'' (از: مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی) ایصال ثواب کی حقیقت پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ مفتی منظر حسن قدیری

کی ایک انتہائی باوزن کتاب ''شخص وعکس'' (امام احمد رضا اپنی نعت گوئی کے آئینے میں) اسی اکیڈمی سے ۲۰۱۴ء میں مجلد طبع ہوکر منظر عام پر آئی ہے۔ان کے علاوہ اکیڈمی کی جانب سے خاص عنوانات پر پمفلٹ اور اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں اور تین سال تک کربلا کوئز اور دو سال تک امام احمد رضا کوئز کا سلسلہ بھی جاری رہا۔مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غوث الوریٰ اکیڈمی کلیان کی کارکردگی اطمینان بخش اور قابل ستائش ہے۔

بزم فیضان سبحانیہ،نئی ممبئ:

فاضل جامعہ اشرفیہ حضرت علامہ الحاج عبدالرحیم خاں صاحب قبلہ ساحؔل مصباحی شیخ الحدیث وبانی دارالعلوم محبوب سبحانی،کرلا،ممبئ کے زیر تربیت پروان چڑھا ایک جواں سال عالم دین اپنے ارادوں کا پکا اور منزل مقصود تک پہنچنے کا جنونی حد تک حوصلہ رکھنے والا فاضل جب دارالعلوم محبوب سبحانی سے فارغ ہوکر میدان عمل پر اترتا ہے اور نئی ممبئ کی سرزمین کو اپنے دائرۂ عمل کے لیے منتخب کرتا ہے،تو اپنے اساتذہ کی دعاؤں،مشوروں اور مشائخ کی ایما پر ''دارالعلوم اہل سنت غریب نواز'' کی بنیاد ڈالتا ہے۔یہ ادارہ نئی ممبئ واشی کے قریب تر بھے اسٹور میں قائم ہوتا ہے اور اس کے جشن افتتاح کے لیے اشرف العلماء حضرت علامہ سید حامد اشرف علیہ الرحمہ کو مدعو کیا جاتا ہے،خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے ادارۂ ہذا کے قیام سے قبل ماضی قریب میں اس کی ضرورت واہمیت کا اظہار دعاؤں کے ساتھ فرمایا تھا۔اس ادارے کے افتتاح کی کاروائی ۱۹۹۷ء کے وسط میں عمل میں آئی اور بہت جلد اس نے نئی ممبئ کی سرزمین پر ایک مرکزی درس گاہ کی حیثیت اختیار کرلی جہاں تدریس کے ساتھ تربیت واخلاق پر بھی توجہ دی گئی۔بچوں میں مطالعہ ومذاکرہ کا ذوق پروان چڑھانے کی غرض سے بانی ادارہ حضرت مولانا خلیل اللہ سبحانی کے زیر قیادت ''بزم فیضان سبحانیہ'' کے نام سے طلبہ کی ایک جماعت (تنظیم) قائم کی گئی۔جس کے قیام کے مقاصد میں اشاعتی کام بھی شامل تھے اور طلبہ کی ذہن سازی وشخصیت سازی کے ساتھ ہفتہ واری بزم کے ذریعے ان کے اندر تقریر ونعت گوئی کا شوق پیدا کرنا تھا،تاکہ بعد فراغت زبان وبیان کے حوالے سے انہیں کوئی پریشانی نہ ہو اور وہ اصلاح معاشرہ واصلاح عقائد واعمال میں بے طرح کامیابیوں سے ہم کنار ہوں اور دعوت وتبلیغ

کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہے۔

بزم فیضان سبحانیہ کے زیر اہتمام رجب المرجب ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء میں پہلی اشاعت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے رسالے ''الھدایة المبارکة فی خلق الملائکة'' (فرشتوں کی پیدائش وموت کا حال) کی شکل میں ہوئی۔اس رسالے کو مفتی عبدالمجید رضوی بستوی نے بڑی عرق ریزی اور کمال مہارت سے مرتب کیا تھا اور اخیر کتاب میں خود مرتب کا ایک تحقیقی مقالہ ''نجات کی رات'' کے نام سے ۲۸ صفحات پر محیط شامل کیا گیا ہے ۔یہ کتاب مجموعی طور پر ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور عمدہ ترتیب وتہذیب اور خوب صورت سرورق کے ساتھ دعوت مطالعہ دے رہی ہے ۔ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں اس ادارے نے شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی خواجہ سید عبدالستار حنفی قادری چشتی مخدومی علیہ الرحمہ کی تالیف ''ماہ محرم کے شرعی احکام'' ۱۲۴ صفحات پر مشتمل بڑے اہتمام سے طبع کرائی جس کی ترتیب جدید اور حواشی کا کام دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی ضلع بستی کے استاذ حضرت مولانا محمد تفسیر القادری قیامی صاحب قبلہ نے کیا تھا۔ یہ کتاب بھی بزم فیضان سبحانیہ کی مطبوعات میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔۱۴۳۰ھ میں اس ادارے کے زیر اہتمام حضرت علامہ مفتی خواجہ سید عبدالستار حنفی قادری علیہ الرحمہ کے دو شعری مجموعے ''گیان نامہ اور الف نامہ'' ایک کتاب میں یک جا کر کے ۱۱۲ صفحات میں شائع ہوئے ۔ یہ دونوں شعری مجموعے مقامی ہندی زبان اور اردو رسم الخط میں تھے جن میں مصنف علام نے تعلیمات تصوف کو دوہوں کی شکل میں پیش کیا ہے،جس کے متعلق ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ) کتاب کے آغاز میں شامل اپنے مضمون ''گیان نامہ اور الف نامہ: ایک تجزیاتی مطالعہ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت مصنف علام نے ''گیان نامہ اور الف نامہ'' کے نام سے دو شعری مجموعے بھی مرتب کیے تھے ، یہ مقامی ہندی زبان اور اردو رسم الخط میں ہیں ، جن میں حضرت والا نے تعلیمات تصوف کو دوہوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ چھوٹی بحر، سادہ وسلیس زبان اور شیریں ودل آویز انداز میں بڑے کام کی باتوں کو اس طرح نظم کیا گیا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثل صدفی صد صادق آتی ہے۔'' (مذکورہ کتاب،ص:۶)

مذکورہ دونوں شعری مجموعوں کا اردو ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ حضرت مولانا محمد تفسیر القادری قیامی صاحب نے بڑی عمدگی اور نفاست کے ساتھ کیا ہے اور مفید حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔اور کتاب پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، اسی مقدمے کی ابتدا میں ایک جگہ مولانا قیامی رقم طراز ہیں:

''گیان نامہ اور الف نامہ'' اردو رسم الخط میں ہندی زبان کے آپ کے دو شعری مجموعے ہیں۔جن میں عبادت وریاضت، عشق ومحبت، معرفت وحقیقت کی مکمل تعلیم دی گئی ہے۔ان کے دوہے طالب صادق کو نشان منزل کا پتہ دیتے ہیں، ان کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علام نے واردات قلبیہ اور اپنی آپ بیتی بیان کی ہے اور تصوف کی راہ خاردار کے سفر نامہ کا عطر مجموعہ اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔خصوصاً اپنے مریدین ومتوسلین کو جگہ جگہ خطاب کیا ہے۔تصور شیخ، مراقبہ، پاس انفاس، شغل محمودہ، ذکر وفکر وغیرہ کی ترغیب دی ہے، اور ان کی ہمت افزائی بھی کی ہے۔محبت الٰہی کو اصل الاصول، ضابطہ بندگی اور مقصد حیات قرار دیا ہے۔'' (ایضاً ص:۲۱)

مذکورہ کتاب پر راقم سطور کا بھی چھ صفحے کا ایک مضمون ''کتاب کا ایک ورق'' کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔''گیان نامہ والف نامہ'' کے نام سے یہ تاریخی کتاب بزم فیضان سبحانیہ کی ایک انتہائی اہم اور کامیاب پیش کش قرار دی جاسکتی ہے۔ادارے کے سرپرست خانقاہ مخدومیہ سبحانیہ بلہری شریف فیض آباد کے موجودہ سجادہ نشین شہزادۂ مخدوم ملت حضرت علامہ الحاج سید عبدالرب مخدومی عرف چاند بابو دام ظلہ ''بزم فیضان سبحانیہ'' کے ان اشاعتی کاموں کو براہ راست ملاحظہ فرماتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔بانی ادارہ حضرت مولانا خلیل اللہ خاں سبحانی ہمہ وقت مصروف رہ کر کتابوں کی ترتیب، حروف سازی اور طباعت کی نگرانی کرتے ہیں اور طلبہ اپنے صرفۂ خاص سے اس ادارے کے تحت کتابوں کی طباعت وترسیل کا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔جامعہ کے دیگر اساتذہ اور ذمے داران بھی قدم قدم پر ان کی رہ نمائی کا حق ادا کرتے ہیں۔درج بالا مطبوعات انتہائی وقیع اور قابل مطالعہ ہیں۔یہ ادارہ ہنوز تازہ دم اور مصروف عمل ہے جس کے لیے سرپرست ادارہ

، بانی ادارہ، طلبہ واساتذہ سب قابل مبارک باد ہیں۔

ادارہ افکارِ صدر الافاضل، گوونڈی، ممبئ

چودہویں صدی ہجری کی عظیم ونمایاں ترین شخصیت مفسر اعظم صدر الافاضل خلیفۂ امام احمد رضا سیدنا شاہ محمد نعیم الدین محقق مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یادگار میں عروس البلاد ممبئ میں ۱۰؍ ستمبر ۲۰۰۰ء کو ایک سنی نشریاتی ادارے کا قیام عمل میں آیا اور "تنظیم افکارِ صدر الافاضل" کے نام سے اس کا اعلان کیا گیا اور اربابِ تنظیم کا انتخاب بھی ہوا۔ نبیرۂ صدر الافاضل حضرت علامہ شاہ سید محمد رضوان الدین صاحب قبلہ نعیمی علیہ الرحمہ کو اس ادارے کا سر پرستِ اعلیٰ نامزد کیا گیا۔ اس ادارے کے اغراض ومنصوبے درج ذیل ہیں:

☆ صدر الافاضل علامہ شاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی تصنیفات وتالیفات، فتاویٰ اور ملفوظات ومکتوبات کو از سر نو جدید تحقیق وترتیب کے ساتھ سلیس اندازِ بیان اور خوش اسلوبی سے مزین کر کے طبع کرانا اوران کی اشاعت وترسیل کا منظّم انتظام کرنا۔

☆ حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت ذات اور تاریخی کارناموں پر مشتمل جو بھی کتاب منظر عام پر آئے گی اس کے تراجم ملک کی دیگر معروف زبانوں میں شائع کرنا۔

☆ حضور صدر الافاضل قدس سرہ کی ہمہ گیر دینی وعلمی خدمات پر تحقیق کے ساتھ ساتھ مجددِ اعظم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی تصنیفات ورسائل کو جدید ترتیب وتدوین کی روشنی میں منظر عام پر لانا اوران کے تراجم وشروح شائع کرنا۔ نیز ملک وبیرونِ ملک کی اہم دانش گاہوں اور معروف لائبریریوں میں انہیں اِرسال کرنا۔

☆ دنیائے سنیت کے عظیم اربابِ فکر ودانش اور سنجیدہ اسلوب بیان کے ماہر قلم کاروں سے ان کی ہر ممکن خدمات حاصل کرنا اور تحریر وقلم کا بیش قیمت کام لینا اوران کی قلمی خدمات کا مناسب تعارف وتذکرہ۔

☆ سیدنا سرکار صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی یادگار میں اسکول کالج، ہاسپٹل اور مدارس ومکاتب قائم کرنا۔

☆ درج بالا منصوبے کے تحت ملک میں صوبائی سطح پر باعتبارِ محلِ وقوع تعلیمی شاخیں کھولنا۔

☆تعلیم وتبلیغ کے ساتھ ٹیکنیکل کورسیز کے ادارے اور انسٹی ٹیوٹس قائم کرنا۔

متذکرہ بالا منصوبوں کو پڑھنے کے بعد اس ادارے کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔اپنے زمانۂ قیام کے ساتھ ہی اس ادارے نے ان منصوبوں میں سے کچھ پر تو بہت جلد کام بھی کردیا تھا اور اس کے عمدہ اثرات بھی دیکھنے کو ملے تھے بالخصوص اداروں کے قیام، مدارس ومکاتب کی بنیاد گزاری اور کتابوں کی طباعت واشاعت اور نوجوان نسلوں کی دینی بیداری کا سلسلہ شروع ہوا تو اب تک جاری ہے اور اس میں خاطر خواہ کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ہم ان تفصیلات میں نہ جاکر تنظیم افکارِ صدرالافاضل کی اشاعتی خدمات کا تذکرہ پیش کرتے ہیں۔

اس ادارے کا صدر دفتر خانقاہ نعیمیہ، پٹیل اسٹیٹ، جوزف پٹیل روڈ، گیٹ نمبر۷، مالونی ملاڈ (ویسٹ) ممبئ ۹۵ میں واقع ہے،نگرانِ ادارہ حضرت علامہ مفتی محمد شعبان علی نعیمی حبابی صاحب قبلہ ہیں جب کہ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے معروف قلم کار حضرت مولانا نور محمد نعیم القادری بلرام پوری آج بھی اپنی ذمہ داری نبھار ہے ہیں۔فی الحال اس ادارے کا تمام تر کام مولانا نور محمد نعیم القادری کے قائم کردہ ادارہ ’’دارالعلوم محمدیہ نعیم الاسلام، کملا رامن نگر، بیگن واڑی، گوونڈی ممبئ ۴۳ سے ہوتا ہے۔تنظیم افکار صدرالافاضل نے اشاعتی میدان میں پہلا قدم ’’تفسیر خزائن العرفان‘‘ سے منتخب مسائل کی تخریج وترتیب وتبویب پر مشتمل کتاب (۱) مسائل خزائن العرفان مکمل‘‘ کی طباعت واشاعت (۱۹۹۰ء) کے ذریعہ بڑھایا۔یہ کتاب ۲۹۶ صفحات پر محیط بڑے اہتمام سے شائع کی گئی اور اس کے بعد تو درجن بھر کتابیں اس ادارے کے تحت طباعت واشاعت کی منزلیں پار کرچکی ہیں۔ہم ذیل میں ان مطبوعات کی فہرست پیش کرتے ہیں:

(۲) تاریخِ اسلام کی عظیم شخصیت صدرالافاضل (صفحات:۳۸۶)

(۳) قصائدِ نعیمیہ (منظوم) (صفحات ۴۰)

(۴) افکارِ صدرالافاضل (تحریراتِ صدرالافاضل، ماخوذ از رسالہ السوادالاعظم، ۱۴۳)

(۵) کشف الحجاب من مسائل ایصال الثواب (صفحات ۵۶)

(۶) التحقیقات لدفع التلبیسات (صفحات ص ۴۰)

(۷) فتاویٰ صدرالافاضل (صفحات ۲۳۶)

(۸) احقاقِ حق (صفحات ۲۵۴) (۲۰۱۲ء)

(۹) سوانحِ کربلا (صفحات ۱۴۶) (۲۰۱۲ء)

(۱۰) گلشن رضوان (مفتی شعبان علی نعیمی حبابی کا نعتیہ مجموعہ)

(۱۱) نو بہار شفاعت (نعتیہ مجموعہ، صفحات ۲۵۰)

تنظیم افکار صدر الافاضل کے ذمے داران کے پاس طباعتی واشاعتی حوالے سے اب بھی مزید کام ہیں۔ مولانا نور محمد نعیم القادری اب بھی تازہ دم ہیں، وہ اپنے دل میں اس ادارے کے تشنہ کاموں کی تکمیل کا بلند حوصلہ رکھتے ہیں اور اس کے لیے بھرپور کوشاں نظر آتے ہیں۔ اللہ عزوجل غیب سے اپنی امداد ونصرت نازل فرمائے تاکہ اس ادارے کے تمام منصوبے کاغذی لباس اتار کر زمینی لباس زیب تن کرتے نظر آئیں۔ آمین

غازی کتاب گھر، ممبئ

جماعتِ اہلِ سنت کے برق رفتار قلم کار حضرت مولانا سراج القادری بہرائچی کا نام اور کام عروس البلاد کے علمی حلقوں میں غیر معروف نہیں رہا۔ ان کی کتابیں مارکیٹ میں فروخت بھی ہوتی ہیں اور پڑھی بھی جاتی ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں موصوف نے سنی کوئیز پر مشتمل ''اسلامی ہیرے'' نامی کتاب مرتب کی اور پہلی بار ۶۳۲ صفحات پر محیط محترم زبیر قادری کے ادارے ''الدار السنیہ'' سے اس کی اشاعت وطباعت ہوئی اور اسے کافی مقبولیت وپذیرائی حاصل ہوئی۔ ۲۰۰۴ء میں ''گستاخ قلم'' کے نام سے مولانا سراج القادری صاحب قبلہ نے ۴۷۰ صفحے کی کتاب تحریر کی اور ''الدار السنیہ'' نے اسے اپنے اہتمام سے شائع کیا۔ ۲۰۰۴ء میں ''انوار قرآنی'' کے نام سے ۴۸ صفحے کی ایک کتاب ''الدار السنیہ'' سے چھپ کر منظر عام پر آئی۔ ۲۰۰۵ء میں اسی ادارے کے تحت موصوف کی دو اور کتابیں ''پیام رحمت یعنی شب براءت''، ''تحفۂ رمضان'' شائع ہوئیں اور مارکیٹ میں انہیں کافی خریدا اور پڑھا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں مولانا سراج القادری بہرائچی نے ''غازی کتاب گھر'' کے نام سے اپنا ذاتی نشریاتی وتجارتی ادارہ قائم کرلیا اور پھر ان کی تمام کتابیں اسی ادارے کے زیر اہتمام طبع ہوکر منظر عام پر آنے لگیں۔ غازی کتاب گھر کی تمام مطبوعات کی فہرست ملاحظہ کریں:

برقِ رضویت برفتنۂ وہابیت (۲۰۰۷ء، صفحات ۳۲)، برقِ وحدت برفتنۂ نجدیت (۲۰۰۷ء ،صفحات ۲۰۶)، مجرم عدالت میں (۲۰۰۸ء، صفحات ۱۵۸)، لعابِ دہنِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) (۲۰۰۸ء، صفحات ۳۲)، اصحابِ کہف (۲۰۰۸ء، صفحات ۳۲)، دشتِ کربلا (۲۰۰۹ء، صفحات ۸۰)، قبر سے جنت تک (۲۰۰۸ء، صفحات ۶۴)، ماں کا آنچل (۲۰۰۸ء، صفحات ۴۸)، اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی (۲۰۰۹ء، صفحات ۱۳۲)، تحفۂ نکاح (۲۰۰۷ء، صفحات ۸۰)، منافقین (۲۰۰۹ء، صفحات ۱۴۴)، فاتحہ امام جعفر صادق (۲۰۱۰ء، صفحات ۳۲)، مقامِ اعلیٰ حضرت (۲۰۱۰ء، صفحات ۲۴۰)، اصل سیدہ بی بی کی کہانی (۲۰۰۹ء، صفحات ۳۲)، اصلی دس بی بیوں کی کہانی (۲۰۰۹ء، صفحات ۳۲)، فاتحہ کا صحیح طریقہ (۲۰۱۱ء، صفحات ۳۲)، رضوی قادری فضائلِ نماز (۲۰۱۱ء، صفحات ۱۷۶)، غازی قاعدہ (۲۰۱۲ء، صفحات ۶۴)، آپ کا مدرسہ (۲۰۱۲ء، صفحات ۸۰)، بہشتی زیور پر رضوی ایٹم بم، علماے دیو بند کی کہانی انہیں کی زبانی اور بہار رحمت (حصہ اول و دوم)

درج بالا ساری کتابیں غازی کتاب گھر سے شائع ہوئی ہیں اور خوشی اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ تمام کتابیں مولانا سراج القادری کے خامۂ برق رفتار کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ دو کتابیں ''آئینہ قیامت'' (علامہ حسن رضا بریلوی) اور ''مسئلۂ تکفیر اور امام احمد رضا'' (شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی) بھی غازی کتاب گھر نے شائع کی ہیں۔ موصوف کا قلم اب بھی جوان ہے جو مسلسل علمی و دینی گل بوٹے اگا رہا ہے۔ کئی کتابیں اب بھی تشنۂ طبع ہیں، اللہ عزوجل ان کی قلمی خدمات کو مقبولیت کا جوہر عطا فرمائے، آمین۔ موصوف کی کتاب ''اسلامی ہیرے'' کا اولین ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں ''الدار السنیہ'' نے شائع کیا تھا جب کہ اس کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن موصوف کے اپنے ادارے غازی کتاب گھر سے چھپ کر عام ہوا۔ مولانا سراج القادری مسافر خانہ مسجد بوہری محلّہ، ممبئ کے خطیب و امام ہیں، مسلسل لکھنا پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ اور ذوق جنوں ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ ابھی حال ہی میں موصوف کی ایک وقیع کتاب ''تاریخی کہانیاں'' ۵۰۴ صفحات کو محیط بڑے اہتمام سے چھپ کر منظر عام پر آئی ہے۔

برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئ:

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی کے نام اور ان کی علمی وفکری جولان گاہ کی قلمی وتحریری فتوحات سے برصغیر ہندوپاک کا علمی حلقہ متعارف ومانوس ہے بالخصوص بابِ رضویات میں موصوف کی علمی وتحقیقی کتابوں اور مقالات ومضامین سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے اور ان کے کارناموں کی سراہنا کرتا ہے۔ وہ علومِ دینیہ کے عالم وفاضل ہیں، ساتھ ہی عصری دانش گاہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ دینی وعصری علوم کے امتزاج نے ان کے فکروفن کو دوآتشہ بنادیا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی ذات وخدمات اور علمی، فقہی، تحریری وخطباتی کارہائے نمایاں نے آپ کو اپنا ایسا اسیر وشیدا بنایا کہ اپنی تمام تر قلمی کاوشوں کا محور ومصدر اسے ہی بناڈالا اور ہنوز تازہ دم دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے ایک تفصیلی تاثراتی مضمون میں اس حقیقت کی نقاب کشائی بھی کردی ہے، لکھتے ہیں:

''اپنی طبیعت کی جوافتاد ہے، نظریاتی لحاظ سے اس کی بنیاد بریلی اسکول کے گارے چونے سے پڑی ہے، پھر اس بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہے اس کی ہر اینٹ محبت رضا کی مٹی، فکر رضا کے پانی اور ذکر رضا کی آگ سے پکائی گئی ہے، ظاہر ہے، وہ عمارت کیسی غیر متزلزل ہوگی، کوئی طاقت، کوئی دولت، ثروت ہرگز اثر انداز ہو ہی نہیں سکتی۔''

ڈاکٹر شمس مصباحی جس وقت جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں زیر تعلیم تھے اپنے علاقے بائسی پورنیہ میں ''ادارہ افکارِ حق'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس کے تحت کئی کتابیں منظر عام پر آکر ہندوپاک کے اربابِ علم وقلم سے دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ خود انہوں نے امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ پر کئی مقالات تحریر کیے اور کتابی شکل میں انہیں چھپوا کر تقسیم کروایا۔ بعدِ فراغت پٹنہ میں باقاعدہ قیام پذیر ہوکر پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی اور پھر مدرسہ اصلاح المسلمین کلیان سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا،۱۹۹۳ء،۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، تین سال تک یہاں استاد رہے۔ اس کے بعد کئی برس تک مرکز الثقافۃ السنیۃ کیرالا میں استاد رہے۔ تدریس کے ساتھ مرکز کے علمی ترجمان ماہنامہ ''الثقافہ'' کے اردو ضمیمے کو مرتب کرتے رہے۔ شعبۂ حنفی کا قیام، شمال وجنوب کے موقر علما ومشائخ کا ایک دوسرے سے تعارف اور علمی تبادلہ ان کی زریں خدمات شمار ہوتی ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں دوبارہ ممبئ آمد ہوئی، سرکاری اسکول میں

استاد مقرر رہوئے۔

۲۰۰۴ء میں ''امام احمد رضا کی مکتوب نگاری'' پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھ کر مظفر پور یونیورسٹی بہار میں جمع کر دیا اور انہیں ڈاکریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی جس کے لیے انہیں کتنے سخت، پر پیچ اور جاں گسل حالات سے گزرنا پڑا، لیکن ان کے دل میں فاتح بننے کی تمنا ہر وقت جوان رہی، بالآخر انہیں ان کی منزل مل گئی، خود رقم طراز ہیں:

''یہ جو کچھ بھی ہوا، میری پانچ سالہ لگن، شبانہ یوم محنت، جاں توڑ جد و جہد، پیہم تلاش وسفر اور متواتر مطالعہ وتحقیق کا خوب صورت ثمرہ ہے (ڈیڑھ سطر بعد) اس بیچ میں معاشی دقتیں بھی پیش آئیں، فقر وفاقہ کی لذتیں بھی اٹھائیں مگر نہ عزم میں کہیں خستگی آئی، نہ پائے ثبات کبھی لغزش کا شکار ہوا۔'' (مقدمہ کلیاتِ مکاتیبِ رضا)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری جیسے خشک اور بے حد ادق موضوع پر مواد کی تلاش وتحقیق میں اتنی برکت ہوئی کہ پی ایچ ڈی کا مقالہ تو مرتب ہوا ہی ڈاکٹر شمس مصباحی کے پاس اتنا ذخیرۂ رضویات جمع ہوگیا کہ اسی دوران انہوں نے پندرہ کتابیں اور مرتب کرلیں۔ مواد کی تلاش میں انہیں ہندو پاک کی اہم علمی شخصیات اور معروف لائبریریوں سے استفادہ کرنا پڑا جس کا خوش آیند نتیجہ دنیا کے روبرو ہے۔ انہوں نے میرا روڈ ضلع تھانے کی سرزمین پر ۲۰۰۵ء میں ''برکات رضا فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی اور ''مرکز برکات رضا ایجوکیشنل ٹرسٹ'' کے نام سے ایک کمیٹی رجسٹرڈ کروالی، جس کے آپ بانی و پرنسپل ہیں۔ ذریعۂ معاش سرکاری اسکول میں ملازمت ہے، بقیہ اوقات لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے ہیں۔ ۲۰۰۵ء سے اب تک آپ نے اپنے اشاعتی ادارے برکات رضا فاؤنڈیشن سے کئی علمی وتحقیقی کتابیں شائع کی ہیں اور ہندو پاک میں ان کی اشاعت وترسیل عمل میں آئی ہے۔ دوران ریسرچ ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب قبلہ نے جو کتابیں مرتب کرلی تھیں ان میں پہلی کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' (دو جلدیں) کے ۲۰۰۵ء میں ہی دو ایڈیشن نکلے۔ پہلا ایڈیشن کلیر شریف ہندوستان سے اور دوسرا لاہور پاکستان۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ذاتی ادارے سے کتابیں طبع کرانا شروع کیں تو ''حیات رضا کی نئی جہتیں'' ۲۰۰۷ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی، اس کے بعد ''خطوطِ

مشاہیر بنام امام احمد رضا'' (دو جلدیں) ۲۰۰۷ء میں چھپی، ''امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں'' ۶۴۴ صفحات پر مشتمل کتاب ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ ادارے کی دیگر مطبوعات میں '' آئینہ حیات قادری'' (۲۰۰۸ء)، تین تاریخی بحثیں (۲۰۰۹ء)، انتخاب کلام عاطف (۲۰۰۹ء)، کلیات عاطف (۲۰۱۰ء)، فکر رضا ایک نئی تشکیل (۲۰۱۱ء)، فکر رضا کے نقش ہائے رنگا رنگ (۲۰۱۲ء)، کاملانِ پورنیہ (جلد اول) (۲۰۱۱ء)۔ آخری کتاب کاملانِ پورنیہ ۴۹۶ صفحات پر محیط عمدہ کاغذ پر مجلد شائع ہوئی۔ ان کتابوں کے علاوہ ''بولتی تصویریں، پرواز خیال اور سیما نچل، کل اور آج'' بھی برکات رضا فاؤنڈیشن سے شائع ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا قلم اور تحقیقی ذوق اب بھی جوان ہے۔ ان کی کئی مرتبہ کتابیں کمپوزنگ کے بعد طباعت کی منتظر ہیں اور کئی مسودات زیر ترتیب ہیں اور برکات رضا فاؤنڈیشن اب بھی تازہ کار ہے جس کی طباعتی واشاعتی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اسلامک اورنیس سوسائٹی، کرلا ممبئ:

ممتاز سیاست داں اور قادر الکلام شاعر وخطیب جناب عبد العلی عزیزی کے فرزند محترم ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی نے جمعیت اہل سنت، کرلا ممبئ کے زیر اہتمام دسمبر ۲۰۰۲ء میں اسلامک اورنیس سوسائٹی کی بنیاد رکھی، جس کے تحت اشاعتِ کتب کا کام بھی ہوتا ہے اور دوسری خدمات دینی وملی بھی اس کی زنبیل میں مقید ہیں مثلاً اسلامی سمر کیمپ کا انعقاد، حج تربیتی پروگرام منعقد کرنا، سمینار اور کانفرنس کا اہتمام، آن لائن سوال وجواب کا سلسلہ (جس میں بد مذہبوں وہابیوں کے اعتراضات کے جوابات دیے جاتے ہیں اور غیر مسلم اقوام کی جانب سے کیے جانے والے ایرادات وشبہات کا ازالہ ہوتا ہے) محرم کا دس روزہ پروگرام، جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دس روزہ تراویح وافطار کا انتظام وغیرہ کام اس سوسائٹی کے زیر نگرانی انجام دیے جاتے ہیں۔ مستقبل کے عزائم میں ایک اسلامک انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ سینٹر کا قیام اور ایک فعال اسلامک لائبریری کی بنیاد گزاری شامل ہے۔

مذکورہ ادارے نے اب تک کئی اہم اور تاریخی کتابیں طبع کرا کے عام کی ہیں۔ اولین اشاعت میں ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی کی مرتبہ کتاب ''جہاد قرآن کی روشنی میں'' کا نام جلی حروف

میں درج ہے۔ یہ کتاب اردو (صفحات ۱۱۲) اور انگریزی (۸۹) دو زبانوں میں شائع کی گئی ہے۔اس کے علاوہ مطبوعات میں ''گوشت خوری'' (ذبیحہ وقربانی پر اٹھنے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب،مختلف مذاہب کی کتابوں اور سائنس کی روشنی میں) ''تحریکِ آزادیِ ہند میں جہاد اور مدارس کا کردار'' اور'' رہنمائے حج وزیارت'' (کتابچہ) '' خواجہ قطب الدین بختیار کاکی: حیات وخدمات'' (صفحات ۴۸۵) کا نام آتا ہے۔ یہ ساری کتابیں ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی کی تالیف کردہ ہیں۔اس ادارے کی ایک اور کتاب '' زیارتِ قبور وفاتحہ،شرک یا سنت؟'' ہے جسے حضرت مولانا صوفی محمد ناصرالدین برکاتی نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ایک ساتھ ہندی اور اردو میں شائع ہوئی ہے۔جنوری ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر فیضان عزیزی صاحب نے انگریزی زبان میں ایک مذہبی میگزین ''ڈوائن وژن'' کے نام سے جاری کیا ہے جس کا تذکرہ ''ممبئ عظمیٰ میں صحافت'' میں کیا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر فیضان احمد عزیزی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ کی رہنمائی اور سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی دام ظلہ کی سرپرستی میں یہ دینی وعلمی کام انجام دے رہے ہیں۔وہ کالج اور یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں،خود جواں سال ہیں،نوجوانوں کے لیے آئیڈیل ہیں،قلم بھی تازہ دم ہے،حوصلہ بھی نکھرا ستھرا ہے،کام کے آدمی ہیں،کام کو پسند کرتے ہیں۔اللہ عزوجل ان کی دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے۔آمین۔

امام شافعی فاؤنڈیشن، چمبور، ممبئ:

دینی وملی کاموں کا بلند ذوق رکھنے والے اور عالی ہمت جاں باز محترم محمد اشفاق ٹھاکر شریفی نے اپنے چند رفقا کے ہمراہ جون ۲۰۰۶ء میں امام شافعی فاؤنڈیشن کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی جس کا مقصد یہ تھا کہ فقہِ شافعی پر مشتمل قدیم وجدید کتب ومقالات کی طباعت واشاعت کی جائے،شافعی علما کی حیات وخدمات سے دنیا متعارف ہو بالخصوص شافعی عالم دین قطب کوکن حضرت فقیہ مخدوم علی مہائمی قدس سرہ کی دیگر تصانیف وعربی رسائل کا ترجمہ اردو اور دیگر معروف ہندوستانی زبانوں میں شائع کیا جائے۔فقہِ شافعی پر مشتمل عام فہم انداز میں چھوٹے بڑے کتابچے طبع کرا کے ہندوستان میں موجود شافعی مسلک کے پیروکاروں تک پہنچایا جائے تا کہ انہیں اپنے مسلک کے مسائل پر عمل کرنے میں کوئی دقت وپریشانی نہ ہو۔

چناں چہ انھوں نے اللہ عز وجل کے بھروسے پر کام شروع کیا تو اس میں اتنی برکتیں نازل ہوئیں کہ چھ سات برسوں میں اس ادارے کے زیر اہتمام طبع ہو کر شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد پچیس سے تجاوز کر گئی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ۲۰۰۶ء میں تفسیر مہائمی سورۂ بقرہ تا سورۂ آل عمران مع ترجمہ وتشریح (مترجم مفتی محمد عصمت بوبیرے مصباحی کلیان) مجلد دیدہ زیب ٹائٹل اور عمدہ کاغذ میں شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس کتاب پر ایک تفصیلی تبصرہ وتعارف بھی لکھا تھا جو ماہ نامہ کنز الایمان دہلی میں چھپ چکا ہے۔ امام شافعی فاؤنڈیشن کی چند مطبوعات کی نامکمل فہرست ذیل میں پیش ہے۔

سیرتِ امامِ شافعی، معلم الدین (بچوں کے لیے)، شافعی بہشتی زیور، تحفۂ معراج، سفینۃ النجاۃ، فیضِ شافعی (ہندی)، تہتر میں ایک (اردو، ہندی)، باب الخیر، گیارہویں شریف، خلاصہ فقہِ شافعی، ترتیب الصلوٰۃ شافعی (اردو، ہندی اور انگریزی)، زین المجالس (منظوم)، بیس کعت تراویح کی صحیح حدیث، محمد رسول اللہ قرآن میں (۲۰۱۰ء)۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور بھی مطبوعات ہیں لیکن راقم کو ان کی تفصیل نہ مل سکی اس لیے اتنے پر بس لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ محترم اشفاق ٹھاکر کی یہ خدمات ضرور پذیرائی کی مستحق ہیں اور مطبوعہ کتابوں کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیرول، نئی ممبئ:

۲۰۰۶ء کے اخیر میں راقم الحروف جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تحقیق فی الفقہ کا دو سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد ممبئ وارد ہوا اور سنی دعوت اسلامی کے مرکزی ادارے جامعہ غوثیہ میں تدریس کی ذمے داری سنبھالی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے علمی تحریری ماحول نے تحریر وقلم کو ذوق بخش دیا تھا، یہاں کے خوش گوار حالات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا بالخصوص سنی دعوت اسلامی کے علمی ترجمان ''سہ ماہی سنی دعوت اسلامی'' میں مضمون نگاری، تصحیح اور تبصرہ نگاری سے اس ذوق وشوق میں مزید نکھار آیا اور تحریر وقلم سے دل کا رشتہ اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہو گیا۔ اخبارات ورسائل میں مختصر اور طویل مضامین شائع ہوئے۔ ''خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات'' کے نام سے ایک نسبتاً طویل مقالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۷ء میں رضا اکیڈمی ممبئ سے

پہلی بار چھپ کر منظر عام پر آیا اور اہل علم نے استحسان کی نظر سے ملاحظہ کیا۔ جرائد واخبارات میں اس پر حوصلہ افزا تبصرے چھپے تو حوصلوں میں توانائی آئی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا جواب تک باقی ہے۔ **فالحمدلله علی ذلک۔**

جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئ ۳ میں تدریس کے ساتھ جب ۲۰۰۸ء میں وہاں سے تقریباً ۳۲ کلومیٹر دور نیرول، نوی ممبئ میں امامت وخطابت کا منصب سنبھالا اور وقت میں خوب برکت ملی تو تحریر وقلم کی ہم رشتگی بالکل جوان ہوگئی اور اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے تدریس وامامت سے بچے فاضل وقت میں شعروشاعری، تصنیف وتالیف اور مقالہ نویسی کا کام مزید بہتر ہونے لگا۔ اس دوران جو کتابیں چھپیں ان میں ''درود وسلام کی شرعی حیثیت وفضیلت'' (عربی سے ترجمہ، صفحات ۶۴، ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ) سخن کی معراج (نعتیہ مجموعہ، صفحات ۱۲۸، ۲۰۰۸ء / ۱۴۲۹ھ) قابل تذکرہ ہیں۔ ۲۰۰۸ء ہی میں راقم نے نیرول نوی ممبئ میں مسجد ومدرسہ گلشن مدینہ سے ملحق ایک اشاعتی ادارے ''رضا اسلامک فاؤنڈیشن'' کی بنیاد رکھی اور اس کے تحت کتابوں کی طباعت واشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ دینی وعلمی موضوعات پر اپنی اور دیگر علمائے اہل سنت کی چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کی جائیں اور ہندو بیرون ہند کی اہم لائبریریوں تک انہیں ارسال کی جائے۔ یہ طریقہ ہم اپنی دوسری شائع شدہ کتابوں کی ترسیل میں آزما چکے تھے اور اس کے اچھے اثرات برآمد ہوئے تھے۔ رضا اسلامک فاؤنڈیشن کی اولین اشاعت راقم کی کتاب ''فکر رضا کے جلوے'' (امام احمد رضا کے فکروفن پر اٹھارہ مضامین کا مجموعہ) ۲۰۰۹ء میں ۲۰۴ صفحات پر محیط چھپ کر منظر عام پر آئی، دوسری کتاب ''امام احمد رضا اور مدینہ منورہ'' ۶۴ صفحات پر مشتمل رضا اسلامک فاؤنڈیشن کے اہتمام سے مکتبہ طیبہ ۳ نے شائع کی، بعد میں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی آیا۔ فروری ۲۰۱۰ء میں اسی ادارے کے تحت راقم کی منظوم کاوش ''ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی'' ۸۰ صفحات میں طبع ہوکر اشاعت پذیر ہوئی (جس کا دوسرا ایڈیشن انجمن ضیاء طیبہ، کراچی، پاکستان نے اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع کیا۔) اور ہندو بیرون ہندان تمام کتابوں کی مفت تقسیم عمل میں آئی۔ جنوری ۲۰۱۱ء سے راقم نے ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی کی ادارت سنبھالی تو اس میں اتنا مستغرق ومشغول ہوگیا کہ تصنیف وتالیف کا مستقل کام

رک سا گیا، البتہ اس کے بعد استاذ گرامی مفتی محمد نظام الدین رضوی کا ایک خطاب ''تہتر میں ایک کون؟'' کے نام سے مرتب کیا، مکتبہ طیبہ اردو اور انگریزی میں اس کتاب کے اب تک دو ایڈیشن شائع کر چکا ہے۔ جنوری ۲۰۱۳ء میں سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کے خطبات کا مجموعہ ''خطبات سید العلماء'' ۳۵۲ صفحات پر مشتمل بزم برکات آل مصطفیٰ ممبئ کے زیر اہتمام چھپ کر منظر عام آیا ہے۔ ''جرائم کا سد باب اور اسلام'' مکتبہ طیبہ ممبئ سے دسمبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔ رضا اسلامک فاؤنڈیشن کی تازہ اشاعت راقم سطور کی کتاب ''وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا'' ۴۸ صفحات پر مشتمل مئی ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آئی ہے۔ اب بھی چند مسودات منتظر اشاعت ہیں، اللہ غیب سے ان کی طباعت کے اسباب پیدا فرمائے، آمین!

ادارہ معارف اسلامی، ممبئ:

تحریک سنی دعوت اسلامی کے شعبۂ نشر و اشاعت کا ایک فعال ادارہ ''مکتبہ طیبہ'' کے نام سے کافی متعارف ہے جو ۱۹۹۲ء میں قائم ہوا تھا اور اب تک اس نے اردو، انگریزی اور ہندی زبان میں ستر سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں۔ مذکورہ تحریک کے شعبۂ تصنیف و تالیف کے تحت ۲۰۱۰ء میں ''ادارہ معارف اسلامی'' کے نام سے تحقیق و ترجمہ کی غرض سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کے مقاصد میں تصنیف و تالیف کے ساتھ تحقیق و تخریج، ترجمہ و تحشیہ وغیرہ جیسے اہم امور شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مدارس اسلامیہ، مکاتب اور اسکولز وغیرہ میں جاری کرنے کے لیے تعلیمی، تربیتی نصابی کتابیں مرتب کر کے شائع کرنا اس ادارے کا ایک مقصد ہے۔ اب تک اس ادارے نے درج ذیل کتابیں جماعت اہل سنت کو دی ہیں اور علمی حلقوں میں اس کی مقبولیت کا گراف کافی اونچا ہوا ہے۔

(۱) عقائد اسلامی (فتاویٰ رضویہ کی تیس مجلدات سے عقائد و کلام کے مسائل کا انتخاب) (۲) حج کیسے کریں (۳) طریقۂ عمرہ (۴) مومن کی پہچان (عربی سے ترجمہ) (۵) تحفۂ نکاح (۶) اسلامیات (نصابی کتاب، دو حصے) (۷) اسلامی تعلیمی نصاب (۸) برکات سنت رسول (۹) معارف اصول حدیث (۱۰) تذکرۂ مخدوم علی مہائمی'' وغیرہ۔

یہ ادارہ علما اور ارباب تحقیق کی مزید توجہ کا طلب گار ہے، سنی دعوت اسلامی کے اداروں کے

جملہ فارغین ''مجلس علمائے انجمین'' کے ممبران اور ذمے داران ہی نے اب تک اس سلسلے میں اپنی علمی وقلمی توانائیاں صرف کی ہیں، وہ ہنوز حوصلہ مند ہیں اور یہ ادارہ اب بھی فعال اور پوری طرح سرگرم عمل ہے۔

انڈین اسلامک مشن:

اس ادارے کے تحت شائع ہونے والی صرف ایک کتاب راقم کے علم میں ہے اور وہ ہے :امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر(از: مولانا عبدالستار ہمدانی گجراتی) جو ۷۷ ۳صفحات پر مشتمل ۱۴۱۹ھ /۱۹۹۸ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔

اسلاف پبلشر، کلیان:

اس ادارے کے تحت سید ابراہیم ابن سید محمد قادری حسینی مدنی کلیانی کے عربی رسالے **ضمیر الانسان لازدیاداشتیاق المحبین الی ذکر الرحمٰن** کا اردو ترجمہ(مترجم مفتی عبدالولی سبحانی)۳۶ ۳صفحات پر محیط مارچ ۲۰۱۱ء میں چھپ کر قارئین کے مطالعے میں آیا اور مقبول ہوا۔اس کتاب کو کافی اہمیت کا حامل مانا جاتا ہے۔

بدرملت اکیڈمی، گھاٹ کوپر ممبئ:

بدرملت اکیڈمی ، نارائن نگر، گھاٹ کوپر ممبئ ۸۶ میں واقع ہے۔اس ادارے کی صرف ایک مطبوعہ کتاب راقم کے پیش نگاہ ہے ۔ بدرملت علامہ مفتی بدرالدین رضوی علیہ الرحمہ کے قابل فخر فرزند خطیب اہل سنت حضرت مولانا جمال الدین رضوی دام ظلہ نے مکہ مکرمہ سے بھیجے گئے ایک استفتا کے جواب میں وہ کتاب مرتب کر ڈالی تھی ،نام ہے''نماز کے لیے کب کھڑے ہوں؟'' اس فتویٰ کی تصنیف میں مولانا جمال الدین رضوی نے ایک سو کتابوں سے حوالہ جات نقل فرمائے ہیں اس لیے یہ کتاب ایک مستند دستاویز بن گئی ہے۔ ۴۷صفحات پر مشتمل یہ کتاب بدرملت اکیڈمی کی اہم مطبوعات میں سرفہرست ہے۔

مخدوم بہار اکیڈمی، دھاراوی، ممبئ:

اس ادارے کے زیر اہتمام ''کرامات مخدوم جہاں'' کے نام سے مولانا محمد فیروز بخت القادری صدیقی کی مرتبہ کتاب ۲۰۱۰ء میں ۶۴ صفحات پر محیط طبع ہو کر منظر عام پر آئی ۔اس کے

علاوہ کسی اور مطبوعہ کتاب کی راقم کو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ یہ ادارہ ۹۰ فٹ روڈ، دھاراوی، ممبئ میں واقع ہے اور مولانا موصوف اس کے ذمے دار اور بانی ہیں۔

مخدوم جہاں اکیڈمی، گھاٹ کوپر:

یہ اشاعتی ادارہ مولانا بابر عالم قادری نے ۲۰۱۴ء کے وسط میں قائم کیا ہے، جس کے جنرل مینیجر مولانا محمد ابرار احمد مصباحی ہیں، دیگر اراکین میں مولانا محمد طفیل احمد مصباحی، (نائب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پر) مولانا فاروق عالم (امین شریعت پنجاب)، مولانا محمد شمیم ریاض مصباحی (دارالعلوم فیض الرضا، سیتا مڑھی)، مولانا محمد عبدالحکیم، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالرحیم، (گھاٹ کوپر) حافظ وقاری محمد منظور عالم، گوونڈی وغیرہم ہیں۔ یہ حضرات مجموعی طور پر اس ادارے کو فروغ دینے میں کوشاں ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن تعاون پیش کرتے ہیں۔ اس دارے نے اب تک درج ذیل کتابیں شائع کی ہیں: مسئلہ حاضر وناظر، فن اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت، سونے کی چڑیا، بقرعید کے فضائل ومسائل، نماز کیسے پڑھیں؟، ترجمہ کافیۃ النحو۔ یہ ادارہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنی اشاعتی سرگرمیاں آگے بڑھا رہا ہے۔ مستقبل قریب میں اور بھی بہت سی قیمتی کتابیں یہاں سے شائع ہوں گی۔ اللہ کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

ادارہ نشانِ اختر، ممبئ:

کئی سال پیشتر جناب الحاج عمران دادانی رضوی (بانی ادارہ نشانِ اختر ممبئ) نے الفی قرآن پاک مع کنز الایمان اور تفسیر خزائن العرفان کی اشاعت کا پروگرام بنایا اور ایک اچھے کاتب جناب محمود احمد بن شیخ عبدالحق سے پورے قرآن کی کتابت اور ایک نہایت ماہر کمپوزر جناب محسن جلیل صاحب سے ترجمہ وتفسیر کی کمپوزنگ بھی مکمل کرالی اور اس کتابت شدہ نسخے کی تصحیح کے لیے معتبر ومستند بزرگ قلم کار ومصنف حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی چریاکوٹی کا انتخاب کیا۔ جنھوں نے ممبئ کا مبیکر اسٹریٹ میں مقیم رہ کر پوری دلچسپی اور کامل تدبر وتفکر سے کسی نہ کسی کو سامنے بیٹھا کر تصحیح کا کام شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں ممبئ اور چریاکوٹ آمد ورفت بھی جاری رہی حتیٰ کہ چار سال کی انتھک کوششوں اور بار بار کی مطابقت کے بعد یہ نسخہ اشاعت کے لیے تیار کرلیا۔ جس کا پہلا ایڈیشن جہازی سائز پر پوری آب وتاب کے ساتھ ماہ ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ میں طبع

ہو کر شائع ہوا، جس کی رسم اجرا سیّد الاولیاء سرکار غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سجادہ نشین آستانہ غوثیہ بغداد شریف (عراق) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ چھپتے ہی آناً فاناً یہ ایڈیشن شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور چند ماہ کے اندر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد الحمدللہ دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بھی منظر عام پر آیا۔

الفی قرآنِ پاک کے ساتھ جو کنزالایمان مع تفسیر شائع ہوا ہے وہ نہایت اعلیٰ معیار کا ہے، سائز بھی جہازی ہے۔ طباعت پانچ رنگوں میں عمدہ آرٹ پیپر پر کی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کا ہدیہ زیادہ ہے اور عام شائقین کو اس کا حاصل کرنا دشوار بھی، جب کہ اس کی تیاری اور مکمل تصحیح میں جو وقت لگا اور اخراجات ہوئے وہ علیحدہ ہیں۔ لیکن پھر یہ طے یہ پایا کہ کیوں نہ ہو جو محنت الفی قرآن والے کنزالایمان میں کی گئی تھی اس جیسی محنت ایک غیر الفی عام نسخہ کنزالایمان کے لیے بھی کر دی جائے جس میں متنِ قرآن، ترجمۂ کنزالایمان اور تفسیر خزائن العرفان ہر ایک پر پوری توجہ سے نظر ڈالی جائے اور حتیٰ الامکان اس نسخے کو اغلاط سے پاک بنایا جائے۔ جہاں کہیں حاشیے کی ضرورت ہو حاشیے میں قابلِ ذکر بات تحریر کر دی جائے۔ ہر نئی سطر مشکل یا علاقائی الفاظ کی فرہنگ تو پہلے تصحیح شدہ نسخے میں ہی درج کر دی گئی تھی، الفی والے کنزالایمان میں مزید اضافہ کر دیا گیا تھا اور اب جو نسخہ غیر الفی عام طور پر شائقین تک پہنچانے کی غرض سے تیار کیا گیا اس میں کچھ ان الفاظ کی فرہنگ بھی دے دی گئی ہے۔ اس طرح یہ تیسرے مرحلے کا کام ہے جو تصحیح کنزالایمان کے ضمن میں انجام دیا گیا ہے اور ہر بار قرعہ فال نعمانی صاحب قبلہ کے ہی نام آیا، اور انھوں نے اللہ کا نام لے کر پوری کوشش کی کہ کام بامقصد اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اپنے ایک مضمون میں چند حقائق بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الفی قرآن کے ساتھ کنزالایمان کی اشاعت کا کام جب آخری مرحلے میں تھا تو اچانک حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ''کنزالایمان'' جو معریٰ نقل نظامی قرآن پاک مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے بین السطور میں سرخ روشنائی سے ہر آیت کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے پر پوتے جناب مولانا انعام الدین صاحب نعیمی کی مہربانیوں اور جناب الحاج محمد سعید بھائی نوری کے توسط سے حاصل ہوا۔ افسوس اس کا ہے کہ نہ تو

صدر الشریعہ کا مخطوطہ مکمل ہے نہ ہی حضرت صدر الافاضل کا لہٰذا جہاں حضرت صدر الشریعہ کے مخطوطے میں اوراق غائب تھے وہاں وہاں خاص طور سے حضرت صدر الافاضل کے مخطوطے سے مقابلہ کرلیا گیا ہے، جس کے سبب بہت سے مشکل مقامات حل بھی ہوگئے۔ البتہ چند جگہیں ایسی رہ گئی ہیں جہاں دونوں مخطوطوں سے اوراق غائب ہیں وہاں قدیم مطبوعہ نسخے اور قیاس کے پیشِ نظر تصحیح کا کام کیا گیا۔ واضح رہے کہ پہلی بار کی تصحیح میں دو بار نظر ثانی کی گئی تھی۔ ایک بار مطبوعہ مراد آباد کو سامنے رکھ کر دوسری بار مخطوطہ صدر الشریعہ سے ملا کر مگر الفی قرآنِ حکیم کے ساتھ جب کنز الایمان چھپنا ہوا تو تفسیر کی چار بار اور ترجمے کی پانچ بار مطابقت کی گئی اور اب اس عام ایڈیشن پر تین تین بار نظر ڈالی گئی ہے۔ پھر بھی عرض ہے کہ انسان ہی سے خطا ہوتی ہے اور نظریں چوک بھی جاتی ہیں۔ میرا کوئی دعویٰ نہیں کہ اب غلطیوں کا امکان نہیں اس لیے جہاں کہیں جس کو بھی شبہہ ہو اپنے شبہات کا اظہار بلا تامل کرے تاکہ ہم غور کریں۔ اصلاح کی گنجائش ہوگی تو اصلاح کریں گے، ورنہ مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔''

(ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ، شمارہ۔ نومبر ۲۰۱۴ء ص: ۲۴، ۲۵)

متنِ قرآن میں رسم الخط کی بہت سی غلطیاں جو عرصے سے چلی آرہی ہیں ان پر بھی بطورِ خاص توجہ دی گئی ہے۔ اور ایک اچھے خط والے مطبوعہ قرآن شریف کے ساتھ کنز الایمان وخزائن العرفان کی سیٹنگ کی گئی ہے۔ جلد ہی متن کی نئی کتابت والا قرآن مع کنز الایمان بھی مختلف سائزوں میں منظر عام پر آئے گا۔ ادارہ نشانِ اختر، ممبئ قابل مبارک باد ہے کہ اس نے ایک تاریخی نوعیت کا بالکل منفرد الفی قرآن مع ترجمہ کنز الایمان وتفسیر خزائن العرفان تیار کرایا اور دنیا وآخرت میں اپنے لیے کامیابی وسرفرازی کا سامان کرلیا۔ اللہ قبول فرمائے، آمین۔

امجدی رضوی دار الافتاء:

کنارہ مسجد حاجی علی کے خطیب وامام، نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمود اختر امجدی دام ظلہ شہر ممبئ میں ایک معتمد عالم، سنجیدہ خطیب اور قابل مفتی کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں ممبئ آنے پر سنی دار العلوم محمدیہ میں استاد ومفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۲۰۰۲ء میں جب امجدی رضوی دار الافتاء ممبئ کا قیام عمل میں آیا تو مفتی محمود اختر امجدی اس کے صدر مفتی مقرر

ہوئے ،اس وقت سے تاحال فتویٰ نویسی کے ساتھ شرعی مقدمات کو بھی دیکھتے ہیں، ان کے قلم سے اب تک کئی ہزار فتاویٰ صادر ہو چکے ہیں، ساتھ میں ایک معاون عالم بھی رکھتے ہیں جو ان فتاویٰ کی نقل اور دیگر ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہیں۔آپ نے فقیہ مخدوم علی مہائمی علیہ الرحمہ کی کتاب ''فقہ مخدومی'' جو عربی میں مسائل شافعیہ کا ایک نادر مجموعہ تھی ، کا اردو ترجمہ ''فقہ مخدومی'' کے نام سے کیا تھا۔جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ۱۹۸۸ء میں ''رضا فاؤنڈیشن'' ماہم شریف کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی۔مفتی صاحب قبلہ کی دو کتابیں ''تبرکات کی شرعی حیثیت'' اور ''تذکرۂ غریب نواز'' نوری جویلرس ممبئ نے شائع کی ہیں۔ایک کتاب ''بہار حج'' ریاض الہدیٰ اگری پاڑہ ،ممبئ نے چھپوائی تھی اور بہار شریعت حصہ ششم کی تلخیص وترتیب جدید اور حاشیہ دائرۃ المعارف الامجدیہ،گھوسی کے زیر اہتمام طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔کئی درجن تحقیقی مقالات بھی تحریر کیے ہیں،شرعی سیمناروں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور مذہبی جلسوں میں خطیب کی حیثیت سے مدعو کیے جاتے ہیں۔باصلاحیت عالم ومفتی ہیں، صلح جوئی ان کی طبیعت میں شامل ہے۔● ●

(تکمیل مقالہ:۲۴/اپریل ۲۰۱۳ء بروز بدھ۔واضافہ:۱۵/نومبر ۲۰۱۵ء شب دوشنبہ)

کتابیات

(۱)-امام احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الہند، مطبوعہ دار الکتاب، دیو بند

(۲)-امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ، ۱۹۹۴ء

(۳)-امام احمد رضا قادری، فتاویٰ ممبئ، انجمن برکات رضا، ممبئ، ۲۰۰۵ء

(۴)-نواب عزیز یار جنگ بہادر، تاریخ النوائط۔ ولا اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۲ھ

(۵)-پروفیسر میمونہ دلوی، بمبئ میں اردو، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ، دہلی۔ ستمبر ۱۹۷۰ء

(۶)-میمونہ دلوی، کوکن اور بمبئ کے اردو لوک گیت، مطبوعہ: ممبئ، فروری ۲۰۰۱ء

(۷)-پرویز عالم، مہاراشٹر کی مختصر تاریخ، مرزا اولڈ بک ہاؤس اورنگ آباد۔ ۲۰۱۱ء

(۸)-ڈاکٹر ماجد قاضی، ممبئ کے اردو اخبارات، مطبوعہ: بزم محبان اردو کلیان۔ ۲۰۱۰ء

(۹)-خلیق الزماں نصرت، شعرائے مہاراشٹر، جلد اول، کائنات پبلی کیشن، بھیونڈی۔ ۲۰۱۴ء

(۱۰)-مولانا بدر القادری، مسلمان اور ہندوستان، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور۔ ۱۹۹۳ء

(۱۲)-ابوظفر ندوی، مختصر تاریخ ہند، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔ ایڈیشن ۲۰۰۹ء

(۱۳)-ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔ ۱۹۹۷ء

(۱۴)-محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ مترجم، مطبوعہ: مکتبہ ملت، دیو بند۔ ۱۹۸۳ء

(۱۵)-ابوظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۵ء

(۱۶)-اصغر علی صدیقی، ہمارا صوبہ بمبئ، مطبوعہ اجمل پریس، بمبئ۔ ۳، اپریل ۱۹۳۹ء

(۱۷)-مومن محی الدین، تاریخ کوکن، نقش کوکن پبلی کیشنگ ٹرسٹ، ڈونگری، ممبئ، نومبر ۱۹۶۹ء

(۱۸)-سید ابراہیم حسینی، ضمیر الانسان، مع اردو ترجمہ، اسلاف پبلشرز، کلیان، مارچ ۲۰۱۱ء

(۱۹)-سید امام الدین گلشن آبادی، برکات الاولیاء، مطبوعہ شہر ناسک، رجب ۱۳۲۲ھ

(۲۰)-سید امام الدین گلشن آبادی، تاریخ الاولیاء، جلد دوم، ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء
(۲۱)-سید امام الدین گلشن آبادی، تذکرۃ الانساب، مطبوعہ افضل المطابع، دہلی ۱۳۲۲ھ
(۲۲)-عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، حضرت مخدوم علی مہائمی۔ حیات، آثار وافکار، ممبئ، ۲۰۰۸ء
(۲۳)-عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی، احوال وآثار، ممبئ اپریل ۲۰۱۵ء
(۲۴)-مولانا محمد علی مسعودی، انوار مسعودی، مطبوعہ: مکتبہ مسعودیہ، بہرائچ شریف، ۲۰۱۱ء
(۲۵)-مولوی رحمٰن علی، تذکرہ علماے ہند، مترجم، مطبوعہ پاکستان، ۲۰۰۳ء
(۲۶)-محمد عارف اعظمی، تذکرہ مفسرین ہند، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔ ۲۰۱۳ء
(۲۷)-فقیہ مخدوم علی مہائمی، تفسیر رحمانی، مترجم، امام شافعی فاؤنڈیشن، ممبئ۔ ۲۰۰۶ء
(۲۸)-عبدالجبار اجمیری، مسلمانوں کا شاندار ماضی، اجمیری پبلی کیشن، میرا روڈ، نومبر ۲۰۰۵ء
(۲۹)-ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ ۲۰۱۴ء
(۳۰)-پروفیسر وقار احمد رضوی، تاریخ نقد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء
(۳۱)-مفتی محمد شریف الحق امجدی، مقالات شارح بخاری، مطبوعہ: گھوسی۔
(۳۲)-محمد عبداللہ ماما مخدومی، مخدوم فقیہ علی المہائمی، مطبوعہ: ممبئ۔ ۲۰۰۷ء
(۳۳)-ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، سفرنامۂ اعلیٰ حضرت، غیر مطبوعہ۔
(۳۴)-مولانا رحمت اللہ صدیقی، امتیاز اہل سنت، مطبوعہ: ممبئ، فروری ۲۰۱۴ء
(۳۵)-مولانا منصور علی خاں، خوابوں کی بارات، کتب خانۂ اہل سنت، ممبئ، ۲۰۰۹ء
(۳۶)-محمد شاداب محبوب قادری، حضرت محبوب ملت، مطبوعہ: ممبئ، ۱۹۹۷ء
(۳۷)-مفتی محبوب علی خاں رضوی، سوانح شیر بیشۂ سنت، مطبوعہ: کان پور۔ ۲۰۰۵ء
(۳۸)-مفتی محمود احمد قادری، تذکرۂ علمائے اہل سنت، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۹۲ء
(۳۹)-مفتی محمود احمد قادری، حیات مخدوم الاولیاء، امین شریعت ٹرسٹ، مظفر پور، ۲۰۰۱ء
(۴۰)-مولانا ضیاء القادری بدایونی، اکمل التاریخ: تاج الفحول اکیڈمی، طبع جدید جولائی ۲۰۱۳ء
(۴۱)-علامہ فضل رسول بدایونی، **المعتقد المنتقد**، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ، مئی ۱۹۹۹ء
(۴۲)-مولانا ضیاء القادری، اکابرِ بدایوں، مطبوعہ: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، مارچ ۲۰۱۳ء

(۴۳)-ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، تاریخ مشائخ قادریہ، جلد دوم، بزم قاسمی برکاتی، بدایوں، ۲۰۰۱ء
(۴۴)-مولانا خوشتر نورانی، علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات، قومی کونسل، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء
(۴۵)-علامہ فضل رسول بدایونی، مجموعہ رسائل فضل رسول، رضا اکیڈمی، ۲۰۱۰ء
(۴۶)-مولانا عبدالعلیم قادری، تذکرۂ خانوادۂ قادریہ، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ستمبر ۲۰۱۲ء
(۴۷)-سید عبدالفتاح گلشن آبادی، دولت بے زوال و برکت حال و مآل، ممبئ، دسمبر ۲۰۱۳ء
(۴۸)-سید عبدالفتاح گلشن آبادی، تحفہ محمدیہ فی ردفرقہ مرتدیہ، مطبوعہ ناسک، ۲۰۰۸ء
(۴۹)-علامہ حسن رضا بریلوی، رسائل حسن، مطبوعہ: رضا اکیڈمی ممبئ، ۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ
(۵۰)-مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا: ارباب علم ودانش کی نظر میں، دہلی ۔ ۲۰۰۲ء
(۵۱)-مولانا عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، مطبوعہ: کان پور۔
(۵۲)-مولانا محمد ادریس رضوی، امام احمد رضا کے مبلغین، غوث الوریٰ اکیڈمی، کلیان، ۲۰۱۴ء
(۵۳)-علامہ ظفرالدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات۔
(۵۴)-سید اولاد رسول مارہروی، تاریخ خاندان برکات، برکاتی پبلشر، کراچی، ۱۹۸۷ء
(۵۵)-مولانا محمد احمد مصباحی، جہان مفتی اعظم، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئ ۔ ۲۰۰۷ء
(۵۶)-سید محمد اشرف، یادِ حسن، مطبوعہ: دارالاشاعت برکاتی، مارہرہ مطہرہ، ۲۰۰۳ء
(۵۷)-سید نظمی مارہروی، بعد از خدا...، بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئ، ۲۰۰۸ء
(۵۸)-مولانا مبارک حسین مصباحی، شہر خموشاں کے چراغ، مبارک پور، ۲۰۰۹ء
(۵۹)-مفتی شعبان علی نعیمی، فردوس شفاعت، مطبوعہ: ممبئ ۔ ۲۰۱۱ء
(۶۰)-مولانا شہاب الدین رضوی: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، رضا اکیڈمی، ممبئ ۱۹۹۵ء
(۶۱)-مولانا وارث جمال قادری، مجلّہ حج کانفرنس نمبر، آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئ، جون ۲۰۰۲ء
(۶۲)-سید اولاد رسول قدسی، حضور مجاہد ملت کا گوشۂ حیات، سنی تبلیغی جماعت، ممبئ، ۲۰۰۰ء
(۶۳)-علامہ مشتاق احمد نظامی، خون کے آنسو مکمل: مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ، ۲۰۰۸ء
(۶۴)-مولانا خوشتر نورانی، روبرو، ادارہ فکر اسلامی، دہلی، نومبر ۲۰۱۰ء
(۶۵)-ڈاکٹر ہاجرہ بانو، تنقیدی تلازمے، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴ء

(۶۶)-پروفیسر شارب ردولوی، معاصر اردو تنقید، مسائل وامکانات، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۶ء
(۶۷)-گربچن چندن، اردو صحافت کا سفر، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۷ء
(۶۸)-مولانا صادق رضا مصباحی، رضا اکیڈمی، کل، آج اور کل، رضا اکیڈمی، ممبئی۔۲۰۱۰ء
(۶۹)-پروفیسر عبدالستار دلوی، حضرت مخدوم علی مہائمی: تین تحقیقی مقالات، ماہم ممبئی۔۲۰۰۷ء
(۷۰)-ڈاکٹر غلام جابر شمس، جہان ملک العلماء، مطبوعہ انجمن برکات رضا، ممبئی، ۲۰۰۹ء
(۷۱)-مفتی عبدالمجید رضوی، تذکرہ مخدوم علی مہائمی، ادارہ معارف اسلامی، ممبئی۔ مارچ ۲۰۱۵ء
(۷۲)-مولانا شہاب الدین رضوی، مفتی اعظم اوران کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۰ء
(۷۳)-علامہ ارشد القادری، شخصیات، مرتبہ ڈاکٹر غلام زرقانی، دارالکتاب، دہلی، ۲۰۰۷ء
(۷۴)-مولانا نظام الدین نوری، راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب، مطبوعہ ناسک۔۲۰۱۴ء
(۷۵)-سید آل مصطفیٰ مارہروی، خطبات سید العلماء، بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئی۔۲۰۱۳ء
(۷۶)-توفیق احسنؔ برکاتی، ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی، مطبوعہ: نئی ممبئی، ۲۰۱۰ء
(۷۷)-منظر وسیم مصباحی، تحفظ اسلام نمبر، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئی، ۲۰۰۳ء

●●

اخبارات، رسائل وجرائد

(۷۸)-سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ مقدسہ، جلد: ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء
(۷۹)-سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، جلد: ۱۸، نومبر ۲۰۱۱ء
(۸۰)-اہل سنت کی آواز، خلفاے خاندان برکات نمبر، شمارہ: ۲۱، نومبر ۲۰۱۴ء
(۸۱)-سال نامہ ''الاحسان'' الہ آباد، شمارہ ۵، فروری ۲۰۱۴ء
(۸۲)-سال نامہ پیغام رضا، ممبئی: اپریل تا جون ۲۰۰۹ء
(۸۳)-سال نامہ پیغام رضا، ممبئی، امام احمد رضا نمبر جلد دوم، ۱۹۹۸ء
(۸۴)-سال نامہ، یادگار رضا، ممبئی۔۲۰۰۹ء
(۸۵)-سال نامہ یادگار رضا، ممبئی۔۲۰۱۱ء

(۸۶)-سال نامہ سراج رضا، ممبئ، شمارہ۔ جون ۲۰۱۴ء

(۸۷)-سال نامہ ''الاشفاق'' خصوصی نمبر، ناگور شریف، ۲۰۱۴ء

(۸۸)-رضا بک ریویو، پٹنہ، رضویات کا اشاریہ نمبر: جنوری تا مارچ، ۲۰۱۲ء

(۸۹)-سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ، شمارہ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۵ء

(۹۰)-سہ ماہی تبلیغ سیرت، مجاہد ملت نمبر، کولکاتا، مئی ۲۰۰۷ء

(۹۱)-سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، شمارہ جولائی ۱۹۷۳ء

(۹۲)-سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء

(۹۳)-سہ ماہی نوائے ادب، ممبئ، شمارہ اکتوبر ۱۹۷۵ء

(۹۴)-سہ ماہی نوائے ادب، بمبئ، اپریل ۱۹۷۵ء

(۹۵)-سہ ماہی افکار رضا، ممبئ، امام احمد رضا نمبر، ۲۰۰۷ء

(۹۶)-ماہ نامہ المیزان، ممبئ، اپریل، مئی، جون، ۱۹۷۶ء

(۹۷)-ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، صدرالشریعہ نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء

(۹۸)-ماہ نامہ اشرفیہ، سیدین نمبر، مبارک پور، اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۲ء

(۹۹)-ماہ نامہ جہان رضا، لاہور: شمارہ ۱۵۰، دسمبر ۲۰۰۷ء

(۱۰۰)-ماہ نامہ اردو دنیا، نئ دہلی، شمارہ۔ جولائی ۲۰۱۵ء

(۱۰۱)-ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ، فروری ۲۰۱۱ء

(۱۰۲)-ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئ، شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء

(۱۰۳)-ماہ نامہ قاری' دہلی، شمارہ: فروری۔ ۱۹۹۱ء

(۱۰۴)-ماہ نامہ جام نور دہلی، رئیس القلم، نمبر، جون تا اگست ۲۰۰۲ء

(۱۰۵)-ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ۔ اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۱۰۶)-ماہ نامہ جام نور، دہلی، شمارہ۔ اپریل ۲۰۰۲ء

(۱۰۷)-ماہ نامہ ماہ نور، اشرف العلماء نمبر، دہلی۔ ۲۰۰۸ء

(۱۰۸)-ماہ نامہ کنزالایمان: دہلی، شمارہ۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء

(۱۰۹)-ماہ نامہ کنزالایمان، دہلی، شمارہ۔ اکتوبر۲۰۱۵ء

(۱۱۰)-ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، شمارہ۔ دسمبر۲۰۱۲ء

(۱۱۱)-ماہ نامہ ضیاے صابر، ملاڈ، ممبئ۔ اپریل۲۰۱۲ء

(۱۱۲)ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئ، ۲۲ تا ۲۸ راگست ۲۰۱۱ء

(۱۱۳)ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئ۔ ۹ رتا ۱۵ رفروری ۲۰۰۹ء

(۱۱۴)-روزنامہ راشٹریہ سہارا، ممبئ، ۲۷ جون ۲۰۱۴ء، جمعہ ایڈیشن

(۱۱۵)-روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئ: ۱۶ ر ستمبر، ۲۰۰۸ء منگل

(۱۱۶)-روزنامہ اردو ٹائمز: ممبئ ۱۷ دسمبر ۲۰۱۲ء دوشنبہ

(۱۱۷)-بمبئ گزیٹر، جلد: ۳۔

●●

توفیق احسنؔ برکاتی........ایک نظر میں

نام:
محمد توفیق ابن محمد اسماعیل ابن غلام مصطفیٰ مرحوم،
قلمی نام:
توفیق احسنؔ برکاتی،
تاریخ پیدائش:
۱۲/ جولائی ۱۹۸۴ء بروز پنج شنبہ
جائے ولادت:
بھنگواں، لکھنی پٹی، اعلیٰ پور، اعظم گڑھ (موجودہ امبیڈکر نگر) اتر پردیش، انڈیا
آغاز تعلیم:
مدرسہ حنفیہ انوار العلوم، (بھنگواں)....(۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۵ء)
متوسطات:
جامعہ عربیہ اظہار العلوم، نیا بازار، جہانگیر گنج، امبیڈکر نگر..(۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۰ء)
اعلیٰ تعلیم:
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ....(۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۶ء)
تعلیمی لیاقت:
(۱) منشی، مولوی، کامل، عالم، فاضل معقولات و فاضل طب، عربی و فارسی بورڈ لکھنؤ (۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۶ء)

(۲) عالمیت وفضیلت درس نظامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء)

(۳) عربی ڈپلوما، قومی کونسل آف فروغ اردو زبان، دہلی (۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۴)

(۴) تحقیق فی الفقہ الحنفی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، (۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۶ء)

(۵) ٹیچر ٹریننگ کورس، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، نئی دہلی (۲۰۰۸ء)

قلمی خدمات:

مطبوعہ کتابیں:

(۱) خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات (مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء)

(۲) درود وسلام کی شرعی حیثیت وفضیلت (مطبوعہ: ممبئی، ۲۰۰۷ء)

(۳) سخن کی معراج، نعتیہ مجموعہ (مطبوعہ: ممبئی، ۲۰۰۸ء)

(۴) فکر رضا کے جلوے (مطبوعہ: رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نئی ممبئی، ۲۰۰۹ء)

(۵) امام احمد رضا اور مدینہ منورہ (مطبوعہ: مکتبۂ طیبہ، ممبئی، ۲۰۰۹ء)

(۶) ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی (مطبوعہ: نئی ممبئی، ۲۰۱۰ء۔ کراچی، ۲۰۱۴ء)

(۷) خطبات سید العلماء (ترتیب) (مطبوعہ: بزم برکات آل مصطفیٰ، ممبئی، ۲۰۱۳ء)

(۸) تہتر میں ایک کون؟ (ترتیب) (مطبوعہ: مکتبہ طیبہ، ممبئی)

(۹) جرائم کا سدباب اور اسلام (مطبوعہ: مکتبہ طیبہ، ممبئی، ۲۰۱۳ء)

(۱۰) تربیت اولاد میں ماں کا کردار (ترتیب)

(مطبوعہ: انجمن ضیاء طیبہ، کراچی، ۲۰۱۴ء۔ ادارہ دوستی، مالیگاؤں، ۲۰۱۴ء)

(۱۱) وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا (مطبوعہ: نئی ممبئی، ۲۰۱۴ء)

(۱۲) امام اعظم ابوحنیفہ کے وصایا: ایک تجزیاتی مطالعہ (نوری مشن، مالیگاؤں، ۲۰۱۴ء)

(۱۳) فکر انگیز تحریریں، (ترتیب) (ادارہ معارف اسلامی، ممبئی ۲۰۱۴ء)

(۱۴) منشیات کا زہر اور تڑپتی لاشیں، (سنی پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۵ء)

(۱۵) ممبئ عظمیٰ کی مختصر تاریخ، (ادارہ معارف اسلامی، ممبئی، دسمبر ۲۰۱۵ء)

(ان کے علاوہ کئی درجن فتاویٰ، مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد مضامین ومقالات۔ سو سے زائد

کتابوں پر تبصرے۔(جو ہندو پاک کے دو درجن کے قریب موقر جرائد واخبارات میں شائع ہوئے۔)
ڈیڑھ درجن کے قریب دیگر مصنفین کی کتابوں پر مقدمے، پیش لفظ۔اور پچاس سے زائد اداریے۔

غیر مطبوعہ کتابیں:

(۱)قلم میرا، امانت ہے(دوسرا نعتیہ مجموعہ)(۲) شرح سراجی (۳) سبع معلقات کا ترجمہ (۴) مقامات حریری کا ترجمہ۔(۵) کتابوں کے شہر میں (تبصروں کا مجموعہ)

ذمے داریاں:

(۱) جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئ میں درس نظامی کی تدریس (۲۰۰۷ء سے تا حال)
(۲) مسجد اہل سنت گلشن مدینہ، نیرول، نئ ممبئ۔۷۰۶ میں امامت وخطابت (۲۰۰۸ء سے تا حال)
(۳) ماہ نامہ ''سنی دعوت اسلامی، ممبئ'' کی ادارت (جنوری ۲۰۱۱ء سے تا حال)

بیعت وارادت:

شہزادۂ حضور احسن العلماء ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی مارہروی سے شرف ارادت حاصل ہے۔

اعزاز:

انجمن ثنائیہ دارالیتٰمی ایجوکیشنل ٹرسٹ، میرا روڈ، تھانے، مہاراشٹر کی جانب سے مجموعی دینی، علمی وقلمی خدمات پر ۱۹/ اکتوبر ۲۰۱۴ء کو ''ستارۂ ادب ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔

Contact:

Taufiq Ahsan Barkati:

Masjid Gulshane Madina 485 Shiwaji Nagar M.I.D.C. Road Nerul Navi Mumbai.400706

WWW.TAUFIQAHSAN.WORDPRESS.COM

E-Mail:Taufiqahsan92@gmail.com

Mob:09819433765

فقیہ مخدوم علی مہائمی اور ماں کی دعا

وہ علم و معرفت کا جام پی کر مست رہتا تھا
مگر تشنہ لبی کا زور اب بھی شور کرتا تھا
اسے ماں کی دعاؤں سے ملا تھا خضر سا استاد
اسے ہر وقت آقا کی محبت کا سبق تھا یاد
وہ اپنی ماں کی خدمت میں بڑا ہی نام رکھتا تھا
جبھی تو فضل مولیٰ سے ہر اک انعام رکھتا تھا
اسے شوق طلب علم نبی کا رنگ حاصل تھا
جبھی تو علم میں اور خدمت دیں میں وہ کامل تھا
وہ اپنے وقت کا کامل ولی اور برگزیدہ تھا
خدا کے بندگان معرفت میں وہ چنیدہ تھا
مگر یہ مرتبہ اس کو بھلا حاصل ہوا کیسے؟
وہ علم و معرفت اور عشق میں کامل ہوا کیسے؟
وہ اپنی ماں کی خدمت میں لگا رہتا تھا ہر لمحے
جبھی تو مرتبے اس طرح عالی اس نے پائے تھے
سناتا ہوں میں اس کا واقعہ اک روز کا لوگو!
سنو اور دل کی تختی پر یہ پورا واقعہ لکھ لو
عشا پڑھ کر جو اس کی والدہ بستر پہ لیٹی تھیں
انہیں کچھ پیاس کا احساس تھا بیٹے سے بولی تھیں
مرے بیٹے مجھے پانی کی چاہت ہے ذرا لاؤ
خدا کی بارگہ میں اس کا تم بہتر صلہ پاؤ

کٹورا لے کے پہنچا ، والدہ کو نیند میں پایا
اٹھانا نیند سے سوئے ادب مخدوم نے جانا
کٹورا لے کے شب بھر منتظر تھا ماں کے اٹھنے کا
اسی عالم میں اس نے صبح صادق کا سماں دیکھا
کھلی جب آنکھ ماں کی ، اپنے بیٹے کو کھڑا پایا
مرے بیٹے! یہاں کیا کرر ہے ہو؟ آپ نے پوچھا
کہا مخدوم نے پانی جو تم نے رات مانگا تھا
کٹورا لے کے جب پہنچا تمھیں بستر پہ پایا تھا
تمھیں بیدار کر دوں یہ گوارا کر نہیں پایا
پسند آیا مجھے یوں رات بھر ایسے کھڑے رہنا
سعادت مند بیٹے کا سنا جب ماجرا ماں نے
وضو فوراً کیا اور اس کے حق میں کی دعا ماں نے
مرا فرزند پائے یا خدا ! ہر درجۂ علیا
علوم ظاہری اور باطنی میں ہو بہت اونچا
دعا ماں کی لگی ، اللہ نے یہ مرتبہ بخشا
ولایت مل گئی ، مخدوم نے عمدہ صلہ پایا

●●

(توفیق احسنؔ برکاتی کی منظوم کاوش ''ماں کے آنچل پہ شبنم ٹپکتی رہی'' سے ایک تاریخی نظم)

●●

اہم گزارش

احیائے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی

جہاں تعلیم، تبلیغ اور تربیت کے ذریعہ قوم کی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے وہیں الحمد للہ! اصلاح عقائد و اعمال کے موضوع پر کتابوں کو شائع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو دینی بنانے اور سینوں کو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے جگمگانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

اب تک مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں اردو، ہندی، انگلش اور گجراتی میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد گناہوں سے نفرت اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آج کے دور میں دینی کتابوں کو لوگوں تک پہنچا کر ان کی دنیا و آخرت سنوارنا بہت بڑا نیک کام ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے اور فروغ دین وسنیت کے لیے ادارہ معارف اسلامی اور مکتبہ طیبہ کی شائع کردہ کتابوں کو خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں، ان شاء اللہ دارین میں اس کا فائدہ میسر ہوگا اور مرحومین کو ان شاء اللہ جنت نصیب ہوگی۔

نوری قافلے : ہر ماہ کم از کم ایک یا تین روز کے لیے نوری قافلے میں نکلنے کے لیے اپنے گھر کے مرد حضرات کو نکلنے کی ترغیب دیں۔ ان شاء اللہ دل کو سکون ہوگا، پریشانیاں دور ہوں گی اور برکتیں میسر ہوں گی۔

ہفتہ واری اجتماع : ہر پیچ شنبہ بعد نماز عشاء مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کے ہفتہ واری اجتماع میں شرکت کے لیے اپنے گھر کے بچوں، نوجوانوں اور دیگر افراد کو شرکت کی تلقین کریں۔ ان شاء اللہ ان کی دینی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کا سینہ محبت رسول کا مدینہ بنے گا۔

کتابوں کیلئے رابطہ نمبر 9819628034 قافلہ کیلئے رابطہ نمبر 9892509900

MAKTABA-E-TAIBAH
Markaz Ismail Habib Masjid, 126, Kambekar St, Mumbai-3
www.sunnidawateislami.net, e-mail: sdiheadoffice@gmail.com
Ph. 022-23451292, 23434366